جلد ۱۵ شمارہ ۲

حیدرآباد چ

مجلس ادارت

مقاصد

(۱) طبقہ اساتذہ سے احساس متعلمی کو بیدار کرنا۔

(۲) طبقۂ اساتذہ کے مخصوص انفرادی تجرباتِ متعلمی کو شائع کرنا۔

(۳) فنِ متعلمی پر نفسیاتی حیثیت سے نقد و نظر۔

(۴) انجمن اساتذہ کے مفید مقاصد و اغراض کو ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر پھیلانا۔

قواعد

(ا) رسالہ کا نام حیدرآباد ٹیچر ہوگا۔ اور ہر سہ ماہی پر صدر دفتر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی سے یہ ہر ماہ شہریور۔ آذر۔ اسفندار۔ خورداد مطابق جولائی۔ اکٹوبر۔ جنوری۔ اپریل میں شائع ہوگا۔

(ب) رسالہ کی سالانہ قیمت بہ تفصیل ذیل ہوگی:-

اندرون و بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی تین روپیہ مع محصول ڈاک سالانہ (سکہ رائجہ)

صرف اردو حصہ (عہ ۱۲/) سالانہ قیمت فی پرچہ اردو انگریزی (۱۲/) صرف اردو (۸/)

(ج) رسالہ نصف انگریزی و نصف اردو ہوگا جس میں حسب صوابدید تغیر بھی ہوسکے گا۔

(د) صرف وہی مضامین درج ہوسکیں گے جو تعلیم سے متعلق ہوں۔

(ھ) جملہ مضامین و مراسلت دفتر کے پتہ سے ہونی چاہئے۔

(و) اشتہارات کا نرخ حسب تفصیل اشاعت ہذا رہے گا۔

نرخ اشتہارات حیدرآباد ٹیچر حسب ذیل ہے

مقدار	سال بھر	۶ ماہ	فی اشاعت
پورا صفحہ	عـہ۵	صہ	سے
نصف صفحہ	صہ	عـلـہ	عہ ۸/
ربع صفحہ	عـلـہ ۸/	عہ ۶/	۱۵/
فی سطر	۱۰/	۸/	۶/

اعظم اسٹیم پریس مغلپورہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوکر دفتر صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی متصل دفتر نظامت تعلیمات سے شایع ہوا

جلد ۱۵ شمارہ ۲

زیر سرپرستی جناب محمد سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

حیدرآباد ٹیچر

بابت آذر لغایتہ بہمن ۱۳۵۰ف

جلد ۱۵ — فہرست مضامین — شمارہ ۲

رپورٹ* ذیلی کمیٹی

اعادی نصاب

آل حیدرآباد ٹیچرس ایسوسی ایشن کی مجلس انتظامی کے رزولیوشن کے منشا کے مطابق ایک ذیلی کمیٹی اس غرض سے مقرر کی گئی تھی کہ معلمین کے لئے اعادی نصاب کے موضوع پر غور وخوض کر کے ایک رپورٹ پیش کرے۔ عالی جناب سجاد مرزا صاحب اس کمیٹی کے صدر اور ناچیز اس کا معتمد قرار دیا گیا تھا۔ ہمیں اس کا اختیار بھی دیا گیا تھا کہ اپنے ساتھ اور پانچ اراکین کو شامل کرلیں۔ چنانچہ ذیل کے اراکین کو ہم نے اپنا رفیق کار بنایا۔

(۱) جناب مس جے۔ نندی صاحبہ مہتممہ تعلیمات مدارس نسوان۔

(۲) جناب میر احمد علی خاں صاحب لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج۔

(۳) ڈاکٹر ڈی۔ شنڈر کر لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج۔

(۴) جناب محمد علی صاحب بلگرامی مددگار ناظم تعلیمات۔

(۵) جناب ضیاء الدین بیگ صاحب ناظر تعلیمات مستقر بلدہ۔

اس موضوع پر غور کرتے وقت ذیل کا مواد ہمارے پیش نظر تھا۔ اعادی نصاب کی وہ رپورٹ جو عہدہ داران تعلیمات کی کانفرنس منعقدہ ماہ شہریور ۱۳۴۶ف میں اس کمیٹی نے پیش کی تھی جس میں عثمانیہ ٹریننگ کالج کے دو لکچرار اور مستقر صوبہ جات کے نارمل اسکولوں کے سپرنٹنڈنٹ شریک تھے۔ اس کے علاوہ ہم نے اس مراسلت سے بھی مدد لی جو اس بارے میں جناب سجاد مرزا صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج اور عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات کے درمیان ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں ہم نے اس رزولیوشن سے بھی استفادہ کیا جو آج سے بہت عرصہ پہلے بھی ۱۳۴۱ف میں

* یہ رپورٹ انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تیرہویں سالانہ کانفرنس بابتہ ۱۳۴۹ف میں بمقام گلبرگہ پڑھی گئی۔

حیدر آباد ٹیچرس کانفرنس نے مرتب اور پیش کیا تھا۔

ذیلی کمیٹی نے کئی اجلاس کئے اور ان اجلاسوں میں اس موضوع کے ہر پہلو پر نظر ڈالی گئی۔ غرضیکہ غور و فکر اور تنقیحات کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اسے آج آپ حضرات کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل سابقہ کمیٹی کی سفارشات کا ایک اجمالی خاکہ بھی آپ حضرات کے گوش گذار کیا جائے۔ کیوں کہ دراصل یہی سنگ بنیاد تھا۔ ہماری بحث و تمحیص کا۔ اور ہم نے اسی کو بنیاد قرار دے کر اس موضوع پر جدید معلومات کی روشنی میں مزید غور کیا۔ اور نتائج مستنبط کئے۔ اس کمیٹی کے موضوع بحث حسب ذیل ہیں۔

(۱) اعادی نصاب کی ضرورت۔

(۲) اس نصاب کی مختلف صورتیں۔

(۳) اشخاص جن کے لئے یہ نصاب تجویز کیا گیا ہے۔

(۴) مراکز اور وہ اشخاص جو تعلیم دیں گے۔

(۵) مختلف قسم کے نصاب کے مندرجات۔

(۶) اس نصاب کی تعلیم کا زمانہ۔

(۷) اس کے مالیاتی پہلو۔

(۸) عام سفارشات۔

کمیٹی مذکور کی سفارشات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) معلمین کے لئے اعادی نصاب کی ضرورت اس لئے ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی مدت کے وقفہ سے اپنے ذہنوں کو تازہ معلومات سے بہرہ اندوز کرتے رہیں۔ اور ان کے دلوں میں ایک تازہ علمی ذوق اور جوش عمل سرایت کر جائے۔ کیونکہ مدرس کے لئے یہ چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

(۲) یوں تو اعادی نصاب کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ابتداً ایسا نصاب جاری کیا جائے گا کہ معلمین دو ہفتہ کی مدت میں زیادہ سے زیادہ ٹریننگ اور متعلقہ معلومات سے

مالا مال ہو جائیں۔

(۳) یہ نصاب باعموم ان معلمین کے لئے مختص ہوگا جو ایک بار ٹریننگ پا چکے ہوں اور جنھوں نے کم از کم پانچ سال تک کسی تعلیم گاہ میں تدریس کا کام انجام دیا ہو۔ غرضکہ ہر تجربالہ مدت کے بعد مدرسین کو ازسرنو اس کورس میں شرکت کرنی ہوگی۔ عام معلمین کے علاوہ اس نصاب سے وہ لوگ بھی استفادہ کر سکیں گے جنھیں درس و تدریس سے خاص دلچسپی ہو۔ اور وہ اس میں شریک ہونا چاہتے ہوں۔ اس کے سوا یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کے ٹریننگ اسکول اور کالج کے اساتذہ کے واسطے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں کہ وہ اندرون و بیرون ملک کے دیگر تعلیمی اداروں میں جا کر وہاں کے طرز تعلیم اور دیگر معلومات سے مستفید ہوں نیز مہتمان تعلیمات اور مدارس فوقانیہ کے صدر مدرسین کے لئے بھی اسی قسم کے مواقع مہیا کئے جائیں۔

(۴) مستقر صوبہ کے مختلف ٹریننگ اسکول اور ٹریننگ کالج بلدہ کو اعادی نصاب کا مرکز قرار دیا جائے۔ اور ان اداروں کے صدر اپنے اسٹاف کے تعاون کے ساتھ اس کام کو انجام دیں۔

(۵) اس نصاب کے دو حصہ ہوں گے۔ ایک نظری دوسرا عملی اور ظاہر ہے کہ عملی پہلو پر زیادہ زور دیا جائے گا۔

(۶) اس نصاب کی تعلیم کے زمانہ کے تعیّن کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ اس غرض کے لئے موزوں ترین زمانہ سرمائی تعطیلات کا ہوگا۔ جس میں ایک اور ہفتہ کی مدت شامل کر لی جائے گی۔

(۷) اس نصاب میں شریک ہونے والے مدرسین کو سفر خرچ اور روزانہ بھتہ دیا جائے اور درس دینے والے اسٹاف کے لئے دفتر نظامت تعلیمات کوئی معاوضہ مشخص و منظور فرمائے۔

(۸) اس نصاب کو زیادہ موثر اور کارگر بنانے کے لئے لکچروں کے خاکے اور

نمونہ کے اسباق کے مطبوعہ فارم تقسیم کئے جائیں۔اس نصاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں شریک ہونے والے مدرسین سے خاصہ تحریری کام لیا جائے گا۔

(۹) ہر ٹریننگ اسکول کے صدر جن کے زیر اہتمام یہ نصاب جاری ہوگا ہر ایک مدرس کے کام کی نسبت رپورٹ پیش کریں گے اور نصاب کے اختتام پر ایسی تجاویز بھی پیش کیا کریں گے جن سے آئندہ کے لئے رہنمائی حاصل ہو۔

(۱۰) کچھ تھوڑی سی ترمیم و تبدیل کے ساتھ یہی نصاب خواتین یا معلمات کے لئے بھی مہیا کیا جانا چاہیئے۔

علاوہ مذکورہ سفارشوں کے ذیلی کمیٹی نے اعادی نصاب میں شرکت کرنے والے مختلف گریڈ کے معلمین عہدہ دار اور اساتذہ کے لئے ایک جامع نصاب بھی ترتیب دیا تھا۔ چنانچہ یہ رپورٹ عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات نے جناب پرنسپل صاحب ٹریننگ کالج کے پاس ان کی انگلستان سے واپسی کے بعد روانہ فرمائی۔ صاحب موصوف نے اس سے بحیثیت مجموعی اتفاق فرماتے ہوئے چند تفصیلات کی نسبت کچھ ترمیمیں پیش فرمائیں۔ چنانچہ موجودہ کمیٹی نے انہیں تجاویز کو اپنی رپورٹ کی بنیاد قرار دی ہے۔

غرض یہ کہنا بیجا نا ہوگا کہ ہماری کمیٹی کی تمامتر تجاویز انھیں اصول پر مبنی ہیں جو ہماری پیش رو کمیٹی نے مرتب کئے تھے۔ اور اسی پر بحث و تمحیص کے بعد حسب ذیل نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

اعادی نصاب کی ضرورت اعادی نصاب کی نسبت ہمیں سابقہ کمیٹی کی سفارشات میں کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ جیسا کہ پرنسپل صاحب ٹریننگ کالج نے اپنی رپورٹ میں تحریر فرمایا ہے یہ بتادینا ضروری ہے کہ ان ممالک میں بھی جہاں کہیں معلمین اپنے پیشے سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور باقاعدہ طور پر ادبیات تدریسیات اور تعلیمی جرائد کا مطالعہ کرتے اور خود بھی ان میں مضامین لکھا کرتے ہیں۔ ان ملکوں میں بھی اعادی نصاب کی ضرورت محسوس

کی جا چکی ہے۔ خاص خاص اوقات میں ایک مقررہ مدت کے بعد خاص خاص مراکز پر مدرسین کا اجتماع ہوتا ہے اور یہاں پر انہیں ماہران تعلیم کی تقریریں سننے ان سے تبادلہ خیال کرنے اور اپنی دشواریوں کو سلجھانے کا موقع ملتا ہے۔ ہمارے ہاں کی فضا ہی کچھ بگڑی ہوئی ہے۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے اکثر و بیشتر مدرسین مطالعہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اس قسم کے مطالعہ کے لئے یہاں پر کافی سہولتیں بھی مہیا نہیں ہیں تیسرے یہ کہ معلمین میں اپنے معلومات کو تازہ کرنے یا ان میں اضافہ کرنے کا احساس بھی نہیں پیدا کیا جاتا۔ غرض کہ ہمارے نظام تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں اعادی نصاب کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ ان سالانہ کانفرنسوں کا وجود جو سال بہ سال سررشتہ تعلیمات کی سرپرستی میں منعقد ہوتی ہیں اور وہ تعلیمی جرائد جن کی وقت بہ وقت اشاعت ہوتی رہتی ہے اس میں شک نہیں کہ ایک حد تک ہمارے علمی جمود کو توڑنے میں مدد دیتے ہیں مگر جب تک کہ اعادی نصاب کا طریقہ غور کردہ اور مناسب اُصول پر رائج نہ ہو مدرسین میں اپنے فن یا مطالعہ سے ایسی دلچسپی پیدا نہیں ہوسکتی کہ اس کی بدولت ان کے دلوں میں معلومات کو تازہ رکھنے اور ان میں اضافہ کرنے کا شوق پیدا ہو۔

نصاب کی مختلف صورتیں اعادی نصاب کی مختلف نوعیتوں کے بارے میں یہ کمیٹی فی الوقت دو طرح کے نصاب تجویز کرتی ہے۔

(۱) پندرہ روزہ تربیتی نصاب جو عین موسم گرما کی تعطیلات سے قبل واقع ہو اس میں صرف وسطانیہ اور تحتانیہ مدارس کے صدر مدرس تربیت پائیں

(۲) تین ہفتے کا نصاب صرف مددگار مدرسین کے لئے مختص ہوگا اور اس کا انعقاد گرمائی تعطیلات کے آخری پندرہ روز اور اس سے متصل پہلے ہفتہ میں ہوگا۔ اوّل الذکر نصاب میں شرکت کرنے والوں کے لئے نمونوں کے اسباق کی چنداں ضرورت نہیں دوسرے قسم کے نصاب میں شرکت کرنیوالے

مدرسین پہلے ابتدائی پندرہ دن نظری بحث مباحثے اور تقریروں میں صرف کریں گے اور تیسرا ہفتہ نمونہ کے اسباق کے لئے وقف ہوگا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں مدارس کھل جائیں گے اور طلبہ کی فراہمی میں سہولت ہو گی۔

(۳ و ۴) اس بارہ میں کہ یہ نصاب کن اشخاص سے متعلق ہو گا یہ کمیٹی سابقہ کمیٹی کی تجاویز میں چند ترمیمات پیش کرنا چاہتی ہے سابقہ کمیٹی کے مجوزہ تمام اصولوں سے اتفاق کرتے ہوئے اس مجلس کا یہ منشاء ہے کہ یہ نصاب ٹریننگ سے فارغ شدہ مدرسین سے متعلق ہو اور جملہ مدرسین ایک بار اعادی نصاب کی تکمیل کے بعد ہر پانچ سال کے وقفہ سے اس نصاب میں شریک ہوتے رہیں۔ بہرحال ہماری مجلس ایک ایسا پنجسالہ نظام العمل تجویز کرتی ہے جس میں جملہ مدارس کے ہر درجہ کے معلمین شرکت کرنے کے علاوہ تمام ناظرین اور مدارس تحتانیہ اور وسطانیہ کے صدر مدرس بھی شریک ہوسکیں۔ تجویز یہ ہے کہ پہلے سال اس نصاب کا آغاز ناظرین مدارس اور صدر مدرسین طبقہ وسطانیہ سے کیا جائے۔ اس اعادی نصاب کے چار مرکز قرار دئے جائیں تین صوبائی نارمل اسکول ذکور اور ایک ٹریننگ کالج بلدہ۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں تخمیناً کوئی پچاس ناظر اور تقریباً ایک سو صدر مدرس ہوں گے ان کے لئے ان چار مرکزوں پر اعادی نصاب کا انتظام بہت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ لیکن اور نئے مرکز بھی قائم کرنے ہوں گے۔ چنانچہ ہر ایک مستقر ضلع اعادی نصاب کا ایک مرکز قرار دیا جائیگا۔ اور پہلے سال اس میں درجہ اول کے تحتانیہ مدارس کے جملہ صدر مدرسین شریک ہوں گے۔ آئندہ تین سال تک مرکزوں کی تعداد میں مزید اضافہ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ مختلف گریڈ کے جملہ مدرس اس نصاب سے مستفید ہوجائیں۔

گریجویٹ مدرسین کی حدتک اعادی نصاب کا انتظام عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ کے تفویض ہوگا۔ البتہ کمتر اسناد رکھنے والے معلمین کے مرکز جدا ہوں گے۔

اس سہ سالہ مدت میں اس نصاب کے اجرا اور تکمیل کی غرض سے جملہ تربیتی اداروں کے اسٹاف کے علاوہ ان تمام ناظران مدارس اور صدر مدرسین مدرسہ وسطانیہ کی امداد بھی حاصل کی جائے گی جو سال اول اس کورس کی تکمیل کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی تجربہ کار مدرسین اور عہدہ داروں سے اس کام میں مدد لی جائے گی۔

یہ ضروری نہیں کہ کسی مستقر ضلع ہی کو اس نصاب کا مرکز قرار دیا جائے بلکہ کسی مرکز کے انتخاب کے وقت زیادہ تر اس مقام کی آب و ہوا اور اُس کی کی دلکشی کا خاص لحاظ رکھا جائے اور جہاں کہیں بھی ممکن ہو کسی صحت بخش اور خوش منظر مقام پر اس نصاب کے درس و تدریس کے انتظامات کئے جائیں۔ اگر اس خیال کو عملی جامہ پہنایا جائے تو اس کام کی نوعیت ایک دلچسپ منصوبہ کی سی ہوگی اور ان مدرسین کے لئے جو صبح سے لے کر شام تک جماعت کے بند کمروں میں کام میں جتے رہتے ہیں انہیں اس اکتا دینے والے ماحول سے تازگی بخش ماحول میں منتقل ہونے کا بیش بہا موقع ہاتھ آئے گا۔ ہمارے خیال میں اس تجویز کو عمل میں لانے کی ہر ایک ممکنہ سعی کی جانی چاہیئے۔ گو اس میں مصارف زیادہ ہوں گے۔ مگر وہ کثیر منافع جو اس عمل سے منتج ہوں گے ان اخراجات کی تلافی کر دیں گے۔ اور کھلی ہوا میں خوش منظر قیام گاہ کی دلکشی ان مدرسین کو بھی اس نصاب میں شرکت کے لئے آمادہ کر دے گی جو اس میں حصہ لینے سے کتراتے ہیں۔

ہمیں سابقہ کمیٹی کی اس تجویز سے کامل اتفاق ہے کہ فوقانیہ اور ہائی اسکول کے صدر مدرسین مہتمماں تعلیمات ٹریننگ کالج اور نارمل اسکول کے اسٹاف کے لئے ایسی سہولتیں مہیا کی جانی چاہئیں کہ یہ لوگ بیرون ملک مختلف سر آوردہ تعلیمی اداروں میں جا کر وہاں کے اسلوب تعلیم اور ان تعلیمی تجربوں کا مشاہدہ کریں جو وہاں پر کئے جا رہے ہوں اور ان کے لئے یہ لازم گردانا جائے کہ وہ اس تعلیمی سفر سے واپسی کے بعد اپنے مشاہدات اور نئے معلومات کی رپورٹ پیش کریں

تاکہ ان مفید معلومات کی تعلیمی حلقوں میں اشاعت ہو سکے۔ اب رہا تفصیلی نصاب کی ترتیب کا سوال۔ اس بارے میں کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ اس اعادی نصاب کی ترتیب کا کام ہائی اسکول کے صدر مدرس اور مہتممان تعلیمات اور ٹریننگ اسکول کے منتظلین کی ایک نمائندہ جماعت کے سپرد کیا جائے۔ سابقہ کمیٹی کے مجوزہ نصاب سے بھی بہت کچھ امداد لی جا سکتی ہے۔ اس نصاب کے نمایاں خط و خال نمونے کے اسباق اور تعلیمی بحث مباحثے ہوں گے، اور اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہوگی کہ زیر تعلیم مدرسین کے چند حلقہ درس بنا دئے جائیں گے جس میں مندرجہ ذیل مسائل پر بحث ہوگی۔

(۱) تعلیمی نظریوں اور علموں کی جدید ترقیات۔

(۲) بعض مسائل حاضرہ پر غور و خوض۔ مثلاً مناسب تغذیہ، اقامت گاہیں، تعداد طلبہ، عمارات مدرسہ اور ان کا فرنیچر۔ کھیل کے میدان، باقاعدہ کھیل وغیرہ۔

(۳) مختلف فیہ مسائل۔ مثلاً مخلوط تعلیم۔ باری وار نظام۔ ابتدائی جبری تعلیم تعطیلات کی نظر ثانی اور جملہ ہندوستانی زبانوں کے لئے رومن رسم الخط اختیار کرنے کی ضرورت۔

(۴) تنظیم جدید اور اس کے مضمرات۔

(۵) نصاب تعلیم کے جدید موضوع۔

(۶) اُن دشواریوں کا حل جو مدرسین کو کمرہ جماعت میں پیش آتی ہیں۔

(۷) قبل ازیں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ اعادی نصاب کی مدت تعلیم اور اس کا وقت کونسا ہوگا۔ یہ بتا دیا گیا ہے کہ پہلی قسم کا نصاب گرمائی تعطیلات کے آغاز سے دو ہفتہ پیشتر شروع ہوگا۔ اور دوسری قسم کے نصاب کے لئے گرمائی تعطیلات کے آخری دو ہفتہ اور اس کے مابعد کا ایک ہفتہ کام میں لایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ دوران سال میں کوئی اور زمانہ اس سے زیادہ موزوں نہیں ہو سکتا۔

(۸) کمیٹی کی یہ بھی سفارش ہے کہ اس نصاب کے ختم پر ایک آزمائشی امتحان یعنی (TSET) لیا جائے اور مدرسین کے اسناد میں اس آزمائش سے متعلق اندراجات

کئے جائیں۔ مثلاً اس میں ان امور کی صراحت کی جائے کہ مدرس کی حاضرباشی کیسی تھی۔ اس نے نصاب میں کتنی دل چسپی لی۔ اس کی مخصوص قابلیتیں اور صلاحیتیں کیا ہیں۔ اس کی مدت ملازمت کتنی ہے اور یہ کس مدرسہ سے بھیجا گیا ہے۔

ہم ذیل میں سابقہ کمیٹی کی چند سفارشیں بغرض منظوری پیش کرتے ہیں۔

معلّمات کا اعادی نصاب بھی تقریباً اسی قسم کا ہوگا جس طرح کا نصاب معلّمین کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ بے پردہ معلّماۃ کو معلّمین کے ساتھ اعادی نصاب میں شرکت کی اجازت ہوگی۔ البتہ ان کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام علٰحدہ ہوگا۔ پردہ نشیں معلّماۃ اور خواتین کے انتظام میں دشواریاں ہیں۔ اس لئے ان کا کیمپ یا مرکز کسی ایسے مرکزی مقام پر ہونا چاہئے جہاں پردے کے انتظامات بآسانی ہوسکیں۔ ان امور سے قطع نظر یہ طے شدہ ہے کہ معلّماۃ کے لئے اعادی نصاب کی ضرورت معلّمین سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ اول الذکر کو اپنے علم کو تازہ رکھنے یا اس میں اضافہ کرنے کے مواقع مردوں سے بھی کم ملتے ہیں۔ اور تعلیم نسواں کی آئے دن کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا لحاظ کرتے ہمیں معلّماۃ کے لئے بھی اعادی نصاب کا بہترین انتظام کرنا ہوگا۔ کیونکہ فی الحال ٹرینڈ معلّماۃ کی تعداد بہت کم ہے ہمیں اس نصاب میں غیر ٹرینڈ معلّماۃ کو بھی شریک کرنا ہوگا۔

(۹) اس نصاب کے مالیاتی رخ سے بحث کرتے ہوئے ہم انہی پیشرو کمیٹی کی چند سفارشوں کا اعادہ کرتے ہیں۔ ان گوناگوں فوائد کا لحاظ کرتے جو اس نصاب سے معلمین کو پہنچتے ہیں اور کارکردگی کی اس بلند معیاری کے مدنظر جو اس سے پیدا ہوگی، ہمیں توقع ہے کہ ہمارا سررشتہ مطلوبہ رقم کی فراہمی کا بندوبست کرے گا۔ کمیٹی کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ٹرینگ کالج بلدہ کے مد وظائف میں ہرسال کچھ رقم بچ رہتی ہے۔ اگر سررشتہ اس رقم سے کام لے کر ہر ایک ٹرینگ اسکول کے موازنہ میں کچھ رقم اعادی نصاب کے لئے مختص کردے تو ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوجائے گی۔

ہمیں رقم سے زیادہ اعادی نصاب کی اہمیت اور اس کے گراں قدر نتائج کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں اس کا پورا یقین ہو جائے، تو رقم کا کچھ نہ کچھ انتظام ہو رہے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں آج سے بہت عرصہ پہلے اعادی نصاب جاری ہو چکے ہیں اور اس سلسلہ میں بہت کچھ مفید کام انجام پا چکا ہے۔ ہمیں بڑا افسوس ہو گا اگر ہماری ریاست جو بیشتر تعلیمی معاملات میں ہندوستان کی پیشروی کر چکی ہے اس بارے میں پیچھے رہ جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہرگز ایسا نہ ہو گا۔ ہمیں توقع ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ تنظیم جدید کا نفاذ ہو چکا ہے۔ اور جبکہ مدرسین کو ایک نیا تعلیمی نقطہ نظر اختیار کرنے اور ایک نئے طریق تعلیم سے اپنے آپ کو مطابق بنانا ہے اس نصاب کی احتیاج اور بھی شدت سے محسوس ہو گی۔ اور ہم متعدد مراکز پر اعادی نصاب جاری کر دیں گے۔ چونکہ ہم نے اس میدان میں بہت دیر سے قدم رکھا ہے اس لئے ہمیں اپنی کوششوں کی رفتار کو اور بھی تیز کر دینا چاہئے۔ ہم اراکین کانفرنس سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر زیادہ سے زیادہ توجہ مبذول کریں اور سررشتہ تعلیمات سے ہماری درخواست ہے کہ ہماری ان تجاویز کو عمل میں لانے کی فوری تدابیر اختیار کرے تاکہ اسی سال مختلف مقامات پر اعادی نصاب کے کیمپ قائم ہو جائیں۔ اور پورے جوش و خروش سے کام کا آغاز ہو جائے۔

توقع ہے کہ معزز حاضرین ہماری اس رپورٹ کو شرف قبولیت بخشیں گے۔

بی۔ایس۔پرکاش راؤ ایم۔اے ال۔ٹی معتمد کمیٹی

مدرسہ اور مدرس

از

مولوی محمد اعظم خاں صاحب بی اے۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ دیگلور

جب ہم ایک انجینیر سے کسی عمارت کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں تو پہلے وہ ہم سے یہ دریافت کرتا ہے کہ اس عمارت کا مصرف کیا ہوگا تاکہ اُسی کے مُطابق اس کا نقشہ تیار کرے۔ اسی طرح جب ہم آئندہ نسلوں کی تعمیر کا بیڑا اُٹھاتے ہیں تو قدرتاً یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تعمیر کا کیا مقصد ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم آئندہ نسلوں کو کس قالب میں ڈھالنا اور اُن سے کیا کام لینا چاہتے ہیں تاکہ اسی کے لحاظ سے اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں مشرقی اور مغربی مصنفین کی رائے معلوم کرنے یا قدیم و جدید مکاتیب خیال کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں۔ اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم ان اسباب پر غور کریں جن کی بدولت انسان اپنی ابتدائی بیکسی و بے بسی کے عالم سے نکل کر نہ صرف تمام کائنات کا مالک بن بیٹھا بلکہ خود قدرت کا مقابلہ کرنے اور اسے اپنا تابع فرمان بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور آج عظمت و رفعت کی اس منزل پر پہنچ گیا ہے جسے دیکھ کر عہد حاضر کا ایک شاعر انتہائی حیرت و استعجاب سے کہتا ہے۔ ؎

چھوٹے نہ بندگی کہیں دامن خدائی کا — معراج ارتقائے بشر دیکھتا ہوں میں

پس جب ہم اس نقطہ نظر سے غور کرتے ہیں تو تعلیم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ

یہ تقریر انجمن اساتذہ صوبہ اورنگ آباد کے گذشتہ سالانہ جلسہ میں کی گئی۔

انسان کے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قویٰ کی ایسی تربیت کی جائے جس سے وہ ایک طرف تو قوانین قدرت سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کے قابل ہو اور دوسری طرف اپنی قابلیت کو اس طرح استعمال کرے کہ معاشرہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے۔

ارتقائے انسانی کا یہ عمل جسے ہم نے تعلیم کا مقصد قرار دیا ہے ابتدائے آفرینش سے اس طرح جاری ہے کہ ہر نسل اپنی مسلسل کوششوں، تجربوں اور معلومات کا نچوڑ آنے والی نسلوں کو موروثی اثرات اور موجودہ ماحول کی صورت میں پہنچاتی رہی جس میں انھوں نے اپنی کوششوں سے اور اضافہ کیا۔ اس طرح یہ سلسلہ صدیوں تک قائم رہا۔ لیکن جوں جوں نظام تمدن زیادہ پیچیدہ ہوتا گیا تقسیم کار کی ضرورت شدید تر ہوتی گئی یہاں تک کہ تعلیم کی یہ پرانی صورت ناکافی ثابت ہونے لگی اور اس امر کی ضرورت داعی ہوئی کہ آئندہ نسلوں کے لئے ایسے خاص ادارے قائم کئے جائیں جہاں ان کے جسمانی اور ذہنی قویٰ کی باقاعدہ تربیت ہو سکے۔

اس طرح جدید نظام تمدن میں مدرسہ نے اپنی جگہ علیحدہ حاصل کی اور مدرس بطور ایک پیشہ ور کے وجود میں آیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک مدرسہ اور مدرس کے نصب العین اور طریق کار کے متعلق مختلف نظریئے قائم ہوئے جن کی طرف سرسری اشارے کرنا بھی اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں۔ البتہ ہم اُس انقلاب عظیم کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جو اٹھارویں صدی کے نامور مفکر رُوسو کی بدولت نظام تعلیم میں رونما ہوا اور جس نے گویا قدیم اصول و نظریوں کی کایا پلٹ دی۔ رُوسو کی قائم کردہ بنیادوں پر جو تعلیمی نظام قائم ہوا اس میں ڈیڑھ دو سو برس کے تجربات سے بہت کچھ اضافہ ہوا لیکن اس کے اس اساسی اصول میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکی کہ تعلیم میں بچہ کے فطری رجحانات کا لحاظ رکھنا اور ان کا ساتھ دینا نہایت ضروری ہے۔

جدید اصول تعلیم کی ساری عمارت اِنہی بنیادوں پر قائم کی گئی ہے۔ اس لئے قبل اس کے کہ ہم اپنے ملک کے مدارس اور مدرسین کے طریق کار پر نظر ڈالیں ضروری ہوگا کہ تعلیم کے اُس جدید نظریہ کو بخوبی سمجھ لیں جو آج کل تمام ترقی یافتہ ممالک میں مسلم اور مروّج ہے تاکہ باہمی تقابل سے ہم اپنے معائب و محاسن کا اندازہ لگا سکیں۔

مغربی ممالک میں آج کل فن تعلیم نے اس قدر اہمیت حاصل کر لی ہے کہ اس کے بے شمار ماہرین و مصنفین کے مختلف خیالات کی تحدید و تحصیر ممکن نہیں۔ اس لئے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ چند ممتاز مصنفین کے آرا اس ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں کہ آپ اُن سے مدرسۂ جدید اور اس کے طریق کار کے متعلق عہد حاضر کا نظریہ بخوبی معلوم کر سکیں۔

مدرسہ محض ایک جائے درس نہیں جہاں ہم سوسائٹی کی زندگی اور مشاغل سے قطع نظر کر کے طلبہ کے دماغ میں اصطلاحی معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیں۔ جس کا ان کی روزمرہ کی زندگی پر کوئی اثر نہ ہو۔ مدرسہ دراصل وہ ماحول ہے جہاں بچّوں کی زندگی کے گوناگوں اور پیچیدہ تجربات ایک منتخب اور منظّم شکل میں اس طرح پیش کئے جائیں کہ اگر وہ ان تجربات کو براہ راست حاصل کرتے تو اس میں اُن کا بہت وقت ضائع ہوتا اور یہ باقاعدگی اور تنظیم بھی پیدا نہ ہو سکتی۔

مدرسۂ جدید کا ایک اساسی اصول تجربہ کی اہمیت ہے اور موجودہ طریقۂ تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ بچّوں کی تعلیم کی بنیاد ذاتی اور بلاواسطہ تجربہ پر رکھنا چاہتا ہے تاکہ ان کی مکتبی زندگی اصلی اور عملی زندگی بن جائے۔

اس نقطۂ نظر سے مدرسہ ایک ایسا ماحول ہے جس کا مقصد اوّل یہ ہے کہ طلبہ اُس میں عمدہ اور خوشگوار زندگی بسر کریں اور ثانوی مقصد یہ ہے کہ اس زندگی کے دوران میں بعض مفید علوم اور ہنر حاصل کریں۔ اگر ہم مدرسہ کو زندگی کے تجربات کا مدرسہ بنانا چاہتے ہیں تو اُس میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنا ہوگا جس میں بچّے آزادی کے ساتھ مختلف قسم کے کام کریں، آپس میں ملیں جلیں۔ ایک دوسرے کے

خیالات وتجربات سے واقفیت حاصل کریں اور اپنے لئے وہ مشاغل انتخاب کریں جو ان کی طبیعت کے رحجان کے موافق ہوں۔

معلّم کے لئے سب سے زیادہ ضروری اس حقیقت کا جاننا ہے کہ ہر بچہ ایک خاص شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اور مخصوص شوق اور رحجانات رکھتا ہے، جن کا دریافت کرنا اس کا فرض ہے اور جن کی تربیت کے لئے مناسب ماحول اور وسائل فراہم کرنا اُس کا خاص فن۔

تعلیم کا کام یقیناً یہ ہے کہ طلبہ کو اُن فرائض اور ذمہ داریوں کے لئے تیار کیا جائے جن سے انھیں آئندہ سابقہ پڑے گا۔ لیکن اس پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ معلّمین نے بچّوں کی موجودہ ضرورتوں اور دلچسپیوں، خواہشات اور رحجانات کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے کے بجائے مستقبل کی توقعات اور ضروریات کو اپنا نصب العین ٹھہرایا۔

اس میں شک نہیں کہ منزل مقصود تو بلوغ کی زندگی ہے لیکن اُس منزل تک پہنچنے کے لئے جس قدر درمیانی منزلیں پڑتی ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ اتنی ہی اہم اور قابل توجہ ہیں جتنی کہ وہ آخری منزل اور جب تک ہم بچہ کے تعلیمی سفر یعنی اس کی نشو ونما کے ہر ہر قدم کو اس کے لئے دلچسپ اور با معنی نہ بنائیں ہم کبھی اس کی تربیت کو مکمل نہیں کر سکتے۔

تعلیم کو محض تیاری کا ذریعہ سمجھنے کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے کہ ہم اُن فطری قوتوں کی طرف سے بے پروائی برتنے لگے جو بچّوں کے لئے محرکِ عمل ہوتی ہیں۔

تعلیم کا منتہا خواہ کچھ ہو اُس کا نقطۂ آغاز یقیناً بچہ کی ذات ہے اور جب تک ہم اس کی جبلتوں، کمزوریوں اور مخصوص رحجانات کا لحاظ واحترام نہ کریں گے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

بچّوں کی نفسی زندگی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حال کا زمانہ اُن کی تمام

دلچسپیوں کا مرکز ہوتا ہے۔ وہ اپنے ذہن میں مستقبل کی تصویر صاف طور پر نہیں کھینچ سکتے۔ اُن کے نزدیک مستقبل کا زمانہ ایک مبہم اور غیر یقینی چیز ہے جس میں اتنی کشش نہیں ہوتی کہ وہ ان کی موجودہ دلچسپیوں پر غالب آسکے۔ اس لئے بچّوں کی فوری ضروریات اور اُن کی موجودہ نشو و نما سے قطع نظر کرکے ہر قدم پر مستقبل کی اُمیدوں اور فرائض کا واسطہ دینے سے تعلیم میں جان باقی نہیں رہتی اور وہ محض رسمی سبقوں اور مشقوں کے پڑھنے پڑھانے تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے بچوں کو اس بات کا احساس ہونا نہایت ضروری ہے کہ جو کام وہ کر رہے ہیں وہ اُن کے لئے دلچسپ اور اہم ہے یعنی ان کے مشاغل کی نوعیت خود ان کے عمل کی محرّک ہونی چاہئے اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ مدرسہ کے مشاغل بچّوں کے تمام فطری جذبات اور دلچسپیوں کو اُبھاریں اور ان کی تنظیم کریں۔ اس لئے معلّم کو چاہیئے کہ ہمیشہ بچّوں کی زندگی اور موجودہ رجحانات کو نقطۂ آغاز بنائے۔ ان کے مطالعہ اور مشاغل کے لئے ایسی چیزوں کو عمل کا محرک بنایا جائے جو ان کی نفسی کیفیت اور خصوصیات کے ساتھ وابستہ ہوں اور ان کی موجودہ زندگی کو دلچسپ اور معنی خیز بنا سکیں۔ اس طرح وہ مدرسہ میں اپنی پوری جسمانی اور ذہنی قوت کام میں لائیں گے۔ ورنہ وہ پڑھنے لکھنے کا کام بے دلی بے بغیر مقصد کو سمجھے ہوئے کریں گے اور ان کی ذہنی حالت میں انتشار رہے گا۔

ہمارے مدارس میں سزا و جزا ان سب کی ضرورت صرف اس لئے لاحق ہوتی ہے کہ طلبہ کو اپنے مقررہ کام سے کوئی واقعی دل بستگی نہیں ہوتی کیوں کہ اس کی بنیاد ان کے شوق و رجحان ان کی خواہش عمل اور ذوق جستجو پر نہیں رکھی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں کام کو کام کی خاطر کرنے کی خواہش اور اس سے خوشی حاصل کرنے کا مادّہ پیدا نہیں ہوتا اور اس طرح ان کا ذوق عمل مُردہ ہو جاتا ہے۔ اگر طلبہ کا ماحول سازگار ہو، ان کے رجحانات سے مناسبت رکھتا ہو

مقصد کار ان کی سمجھ اور استعداد سے باہر نہ ہو تو ان کی طبیعت میں مطالعہ کا شوق اور علم و ہنر حاصل کرنے کی خواہش خود بخود پیدا ہوتی ہے۔

پس معلّم کا فرض یہ ہے کہ وہ اُن کے موجودہ مشاغل اور تجربات کو جس قدر پُرمعنیٰ اور سبق آموز بنا سکتا ہے بنائے اور ان کی تربیت و تنظیم اس طرح کرے کہ وہ نہ صرف بچّوں کی موجودہ خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کر سکیں بلکہ آگے چل کر اپنی مکمل شکل میں افراد اور سوسائٹی دونوں کے لئے مفید ثابت ہوں۔

موجودہ اصول تعلیم یہ ہے کہ علم صرف اُس صورت میں مفید اور پائدار ہو سکتا ہے جب اس کی ضرورت قدرتی طور پر زندگی کے مشاغل اور کاروبار کے دوران میں پیدا ہو اور طالب علم اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُسے حاصل کرے۔ مدرسۂ جدید کی کوشش یہی ہے کہ بچّوں کو ابتدا سے ایسے مشاغل میں لگائے جن کو انجام دینے میں خود بخود اور قدرتی طور پر ان کو مختلف مضامین کے پڑھنے اور سیکھنے کی ضرورت محسوس ہو اور یہ مضامین ابتدا میں طلبہ کے سامنے اس طرح پیش کئے جائیں کہ وہ ان میں دلچسپی محسوس کریں اور جو کچھ معلومات حاصل کریں وہ ان کی روزمرہ زندگی سے بعید اور بے ربط نہ ہوں بلکہ ان کی دلچسپیوں اور مشاغل کے تار و پود میں گُتھ جائیں۔ جہاں تک مدرسہ کے طلبہ کا تعلق ہے معلّم کو ان کی تعلیم کی ابتدا اس طرح کرنا چاہیئے کہ ان کے درسی مشاغل ان کی موجودہ زندگی اور شعبوں میں گھل مِل جائیں اور اس کے بعد ان کے شوقوں کی نشو و نما اس طرح ہو کہ وہ اِن علوم میں بہ نفسہٖ دلچسپی لینے لگیں اور ان میں بعید مقاصد کی خاطر محنت اور کوشش کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ اس وجہ سے مدارسِ جدید میں بچّوں کی تعلیم کی ابتدا اُن کی فطری صلاحیتوں اور رجحانات سے ہوتی ہے۔ ان کو ایسے کھیلوں اور کاموں میں لگایا جاتا ہے جن کی جانب وہ مدرسہ سے باہر بھی خود بخود غیر ارادی طور پر متوجہ ہوتے ہیں۔ اس طرح جب طلبہ کے قدرتی

رجحانات کو آزادی کے ساتھ اظہار کا موقع ملتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ رسمی مضامین اور نصاب کی تحصیل میں بھی زیادہ دل لگا کر محنت کرتے ہیں۔ ان میں ضبط و نظم کا قائم رکھنا آسان ہو جاتا ہے اور مدرسہ اُن کی دلچسپی و توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔

معلّم کو یہ نہیں چاہیئے کہ وقت، محنت اور سامان کی کفایت کے خیال سے بچوں کو پہلے ہی سے کام کرنے کا مفصل طریقہ بتا دے بلکہ مسائل اور مشکلات کو اُن کے سامنے پیش کرنے کے بعد ان کا حل اُنہیں پر چھوڑے اور خود صرف اُن کی نگرانی اور ہدایت کرتا رہے۔

اگر وہ ان کے سامنے ایک بنا بنایا نمونہ پیش کردے جن سے کام کے تمام مدارج اُن کی سمجھ میں آجائیں یا وہ خود انہیں کام کرکے دکھا دے تو بچّوں کے لئے بھی یہی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی دماغی جد و جہد کے انفعالی طریقہ پر اس کی نقل اُتار لیں۔

مدرسۂ جدید کے معلّم کو اس غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہیئے کہ کسی خاص درسی مضمون کے مطالعہ سے طلبہ کی مختلف ذہنی قوتوں کی تربیت ہو جائے گی اور وہ اسی کی بدولت ہر قسم کی مشکلات سے جو زندگی میں آتی ہیں عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ مثلاً اگر ان کا دماغ منطق اور ریاضی کے پیچیدہ مسائل میں منجھ گیا ہے تو یہ مخصوص قابلیت زندگی کی عملی گتھیوں کو سلجھانے اور تمدّن و معاشرت کے مسائل کو حل کرنے میں مدد دے گی بلکہ اُسے یہ کرنا چاہیئے کہ ان کے تمام مسائل اور اسباق کو اس اصول پر ترتیب دے کہ انہیں مختلف مضامین میں اور مختلف مواقع پر ذہنی اجتہاد اور قوت فیصلہ کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے، نئے طریقوں کو آزمانے کے لئے آمادگی پیدا ہو اور وہ ہر کام کے لئے کسی بنے بنائے راستہ، کسی سیکھے سکھائے قاعدہ کے محتاج نہ رہیں۔ اُس کا ایک بہت اہم فرض یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ طلبہ کو اپنی مدد اور سہارے سے بے نیاز کردے اور اُن کو خود ان کے قدموں پر کھڑا ہونا سکھائے۔

اچھے ڈاکٹر کی طرح ایک اچھے استاد کی پہچان یہی ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنے والے کچھ عرصہ کے بعد اُس کی امداد اور رہنمائی سے آزاد ہو کر خود اپنی نگہداشت کر سکیں یہ بات اُس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب استاد شروع ہی سے طلبا کو اس طرح تعلیم دے کہ وہ آزادی کے ساتھ کام کر سکیں اور اپنی رائے اور فیصلہ پر بھروسہ کرنا سیکھیں"[1]

جب ہم اس نقطۂ نظر سے ہندوستانی مدارس کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں سخت مایوسی ہوتی ہے کیونکہ وہاں ان تعلیمی اصولوں اور قدرتی طریقوں کے برخلاف ایک ایسا ماحول نظر آتا ہے جو مدرسہ سے زیادہ ایک محبس سے مشابہ ہوتا ہے۔ وہاں تجربہ اور تحقیق کے بجائے تحکم و تعدی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اساتذہ ہر مضمون اور مسئلہ پر جو زیر بحث ہوتا ہے قطعی آرا اور احکام صادر فرماتے ہیں جن پر اعتراض کرنا تو کجا ان میں شک لانا بھی ایک مصیبت مول لینا ہے گویا اساتذہ کی ذات ہر سہو و نسیاں سے بَری ہے، اور ان کے ارشادات نوشتۂ آسمانی ہیں جن میں کوئی تحریف و ترمیم ممکن نہیں۔ اس طرح ہمارے طلبہ کا کام اس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ وہ اُس یکی پکائی ہنڈیا کو نگل جائیں جو ان کے مدرسین اُن کے لئے تیار کرتے ہیں۔ پھر اگر یہ ہنڈیا مزیدار ہوتی تو خیر یہ بھی گوارا کر لیا جا سکتا تھا لیکن وہ تو گویا کونین کی تلخ گولیاں ہوتی ہیں جنہیں کھانا بچوں کو پچھاڑے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

بچوں کے فطری رجحانات، شوق اور دلچسپیوں کا پاس و لحاظ جس پر جدید اصول تعلیم میں اس قدر زور دیا گیا ہے ہمارے مدرسین کے نزدیک نہ صرف ناقابل عمل ہے بلکہ وہ سرے سے اس کی صداقت ہی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کی رائے میں طلبہ جملہ کمزوریوں کو رفع کرنے اور ان کی تعلیم و تربیت کو بہمہ وجوہ مکمل بنانے کا ذریعہ صرف ایک تازیانہ ہے۔ وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں کہ سزائے تازیانہ کا استعمال گویا اپنی شکست کا اعتراف ہے اس لئے کہ بالفرض اس سے

---

[1] ماخوذ از "اصول تعلیم" مصنفہ خواجہ غلام السیدین۔

کوئی عارضی فائدہ ہو بھی تو وہ اس نقصانِ عظیم کے مقابلہ میں ہیچ ہے جو طلبہ پر ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے مترتب ہوتا ہے۔ اس طرح کسی ایک معمولی قصور یا کمزوری کی اصلاح کی کوشش میں ہم سینکڑوں سخت ترعیوب اپنے طلبہ میں پیدا کر دیتے ہیں جن سے وہ عمر بھر چھٹکارا نہیں پا سکتے۔

یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ ہم ادّعا تو طلبہ کی ہر جہتی اصلاح کا کرتے ہیں اور اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اٹھتے ہیں لیکن جب عملی میدان میں اترتے ہیں تو اپنے طرز عمل سے خود ہی اس مقصد کو پامال کر دیتے ہیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ تعلیم سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ آنے والی نسلیں طوطے کی طرح چند مسائل رٹ لیں اور امتحان کے موقع پر انہیں دہرا دیا کریں بلکہ ہمیں تو اُن کے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قوتوں کی ایسی تربیت مقصود ہے جس سے وہ انسانی کمالات کی سطح بلند سے بلند تر کر سکیں اور ایسے نفسی صفات و ذہنی خصوصیات سے متصف ہوں جو انہیں معاشرہ کا زیادہ سے زیادہ مفید رکن بنا سکیں۔ اس طرح ہمارے مدارس کا نصب العین گویہ ہے کہ ان کی پیداوار تحقیق و تجسس، مشاہدہ و اجتہاد، محنت و مستقل مزاجی، وسعت نظر اور رواداری کی حامل ہو۔ اس میں قوت عمل اور ذکاوت حس، عزت نفس، اور اخلاقی جرأت پیدا ہو لیکن مدرسین اپنے روزمرہ برتاؤ اور طرز عمل سے جو نقوش و اثرات طلبہ کے دل و دماغ پر مرتسم کرتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس ہیں۔

جب ایک نفسیات اطفال سے ناواقف یا بے پروا مدرس اپنے شاگردوں کو ایک ایسے کام پر مجبور کرتا ہے جس میں انہیں مطلق دلچسپی نہیں ہوتی تو وہ ان کی قوت عمل کو گویا خود پژمردہ کر رہا ہے۔ جب وہ ان کی عدم توجہی کی ناواجب شکایت پر برہم ہو کر انہیں سخت سُست کہنا اور بسا اوقات بے تحاشا زدوکوب شروع کر دیتا ہے تو ان کو ذکاوت حس اور عزت نفس، ضبط اور استقلال، ہمدردی اور رواداری ان تمام صفات حسنہ کے خلاف ایک عملی سبق پڑھاتا ہے، اور ان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتا ہے۔

کس قدر حیرت انگیز اور المناک ہوتا ہے ہمارے مدرسوں کا وہ منظر جب قدرت کی کاری گری کے سب سے بہتر نمونے یعنی گلستانِ انسانی کے نوخیز غنچے اور نوشگفتہ گل وریاحین وہاں کے نامساعد ماحول میں کمہلا کمہلا کے رہ جاتے ہیں۔ ان کے نازک دل و دماغ بادِ صرصر کے جھونکوں سے سوکھ سوکھ کر غارت ہو جاتے ہیں اور ان کی وہ پوشیدہ قوتیں جو آگے چل کر ایک عالم کو تہ و بالا کر سکتی تھیں مدرسہ کی چار دیواری ہی میں ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ ہمارے بیدار مغز ناظم صاحب تعلیمات نے اپنی گراں قدر تصنیف مفتاح التعلیم میں ایک جگہ نہایت سادہ اور موثر الفاظ میں ہمارے مدارس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

"جماعت کے کمرہ میں جہاں نہ کافی روشنی ہے اور نہ ہوا کا بخوبی گذر ہے پچاس ساٹھ طلبہ فرشِ خاک پر ایک دوسرے سے ملے بیٹھے ہیں۔ اُن کی صورتوں سے خستگی اور بیزاری کے آثار نمایاں ہیں معلّم جو خود خستہ اور اصولِ تعلیم سے بالکل ناواقف ہے پڑھانے اور طلبہ کو متوجہ کرنے کی بے سود کوشش کر رہا ہے بچے مانتے نہیں۔ چیختے پکارتے ہیں۔ معلم کو غصّہ آتا ہے۔ پڑھانا موقوف کرتا ہے اور ڈرا دھمکا کر سب کو ساکت و صامت بٹھا دیتا ہے۔

بچے خاموش کیسے بیٹھیں۔ خلافِ فطرت ہے۔ پھر بولنے اور حرکت کرنے لگتے ہیں معلّم کو اب تو اس قدر طیش آتا ہے کہ زد و کوب شروع ہو جاتی ہے اور طلبہ رونے چیخنے لگتے ہیں۔ ناظرین خود غور فرما لیں کہ اس قسم کے مدارس اور طریقۂ تعلیم سے سوائے اس کے کہ طلبہ کے لئے مدرسہ کی زندگی تلخ ہو جائے اور تعلیم سے انہیں دلی نفرت پیدا ہو اور کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ مدرسین کے اصولِ تعلیم اور نفسیاتِ اطفال سے ناواقف ہونے کے باعث جو مہلک اثرات مترتب ہوتے ہیں وہ صرف مدرسہ کی چار دیواری پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ بہت جلد سارے ملک میں پھیل جاتے ہیں اور ان کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رہتا ہے۔

صدیوں کی تعلیم کے بعد بھی اگر ہمارے ملک میں اعلیٰ درجہ کے موجد اور مفکر، محقق اور لیڈر نہیں پیدا ہوتے تو ہمیں قطعاً متعجب نہ ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ یہ ہمارے طرزِ تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے۔ آزادیٔ فکر اور اخلاقی جرأت جو افراد اور اقوام دونوں کے لئے یکساں ضروری اور بہترین اوصاف انسانی سے ہیں ہم مدرسہ سے نکلنے سے قبل ہی اپنے معلمین کی نذر کر آتے ہیں اور جب عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو صرف پرانے اعتقادات اور فرسودہ خیالات کے سہارے جیتے ہیں۔

ہم نہایت حیرت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری سوسائٹی کیوں ایسے رسم و رواج تعصبات و توہمات میں پھنسی ہوئی ہے جو سراسر خلافِ عقل اور مضرت رساں ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے دماغوں سے غور و فکر کی صلاحیت تو مدرسہ ہی میں چھین لی گئی۔ ہم بعض باتوں کو دل سے ناپسند کرتے ہیں لیکن محض سوسائٹی کے ڈر سے ان کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے اور دبکے اور سہمے ہوئے ان پر عمل کئے چلے جاتے ہیں، صرف اس لئے کہ ہماری اخلاقی جرأت ابتدا ہی سے کچل دی گئی۔

خواجہ غلام السیدین اپنی مذکورہ بالا تصنیف میں معلّم کی خصوصیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "معلّم کے پیشہ کی ایک خصوصیت ایسی ہے۔ جو اسے تقریباً تمام پیشوں سے ممتاز کراتی ہے۔ اسے اپنے طلبہ کے دل و دماغ اور روح سے براہِ راست سابقہ پڑتا ہے اور ان پر اس کی شخصیت اس کے فلسفہ زندگی اور اس کے طرزِ عمل کا اثر بلا واسطہ ہوتا ہے اس کا تعلق بچوں کی زندگی کے کسی خاص پہلو سے نہیں بلکہ تمام شعبوں سے ہے۔ اور وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر ان کی مجموعی سیرت کو متاثر کرتا رہتا ہے اگر کسی ڈاکٹر یا انجینیر یا معمار کو اپنے کام کے موضوع سے محبت نہ ہو اور وہ اس کی انجام دہی میں مروّت اور ہمدردی کا اظہار نہ کرے تو اس نقص کی وجہ سے اس کے کام میں کچھ ایسی خرابی نہیں ہوگی۔ ...... برخلاف اس کے معلّم کو ذی روح افراد سے سابقہ پڑتا ہے جو اپنے ماحول کے اثرات کو ہر وقت قبول کرنے تیار رہتے ہیں

اور اس ماحول میں معلّم کی ذات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ ایک تو معاشرہ خود اسے طلبہ کے مقابلے میں بدتر حیثیت دیتا ہے۔ دوسرے زیادہ قابل اور پختہ کار ہونے کی وجہ سے معلّم ان پر اپنا بہت اثر ڈال سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
جس طرح معلّم کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ نفسیاتِ اطفال اور جدید تعلیمی تحریکوں کا مطالعہ کرے اور اپنے علم و استعداد کو بڑھاتا رہے۔ اسی طرح اس کے لئے یہہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے اخلاق کو پاکیزہ اور مہذب بنائے۔ اپنی شخصیت کی تربیت کرے اور اپنی ذات کو ان تمام خوبیوں کا زندہ نمونہ بنا کر دکھائے جن کی وہ تلقین کرتا ہے۔ اس صورت میں طلبہ پر اس کا اخلاقی اثر بہت قوی اور دیرپا ہوگا"

آخر میں ایک بار پھر میں اس تشبیہ سے کام لینا چاہتا ہوں جس سے میں نے اس مضمون کی ابتدا کی تھی۔ تاج محل کی عمارت دنیا میں اس لئے مشہور نہیں کہ جتنا سنگ مرمر اس میں استعمال ہوا ہے، کسی اور عمارت میں نہیں ہوا۔ اور نہ اس لئے کہ جتنا رقبۂ زمین وہ گھیرے ہے اتنا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اس عمارت کی شہرت کا سارا راز ان معماروں کی حُسن آشنا نظر اور چابک دستی میں مضمر ہے، جنھوں نے اس کی تعمیر کی تھی۔ اسی طرح جب ہم آئندہ نسلوں کی تعمیر کا بیڑا اٹھاتے ہیں، تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مدرسوں کے لئے اعلیٰ درجہ کی عمارتیں بنا دینا اور انھیں قیمتی ساز و سامان سے مزیّن کر دینا کافی ہے۔ یا ایک جامع اور ہمہ گیر نصاب آئندہ نسلوں کی فلاح و ترقی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ ہم خواہ کیسا ہی اعلیٰ نصاب ترتیب دیں اور خواہ کیسی ہی مفید اسکیمیں تیار کریں۔ لیکن جب تک وہ دماغ منجھے ہوئے اور وہ ہاتھ تربیت یافتہ نہ ہوں جو اس تعلیمی مشنری کو چلانے کے لئے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ ہمیں ہرگز اپنے مقاصد میں کامیابی کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔ یہی قوم کے وہ معمار ہیں، جن کی قابلیت پر وہ عمارتیں منحصر ہیں جو تاج محل بھی بن سکتی ہے اور مٹی اور چونے کے بے ہنگم ڈھیر بھی۔ یہہ اگر چاہیں تو گولکنڈہ کے ناتراشیدہ ہیروں کو ایسی جِلا دیں کہ وہ کوہِ نور کی سی ضوفشانی کر کے تاجِ شاہی کو زینت بخشیں اور چاہیں تو انہی

ہیروں کو اس طرح استعمال کریں کہ ان کی ایک ایک کنی انسانی ہلاکت و تباہی کا موجب بن جائے۔ پس جب یہ امر تحقیق ہو گیا کہ مدرسہ کے ماحول میں کوئی عنصر اس قدر اہم نہیں جتنی کہ معلم کی ذات ہے۔ تو اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کے انتخاب میں کن امور کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس میں جو دقتیں حائل ہوں انھیں کس طرح رفع کیا جائے اور ان کے لئے کیا سہولتیں بہم پہنچائی جائیں کہ جن سے وہ اپنے فرائض اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ انجام دے سکیں۔ کس قدر مقام حیرت ہے کہ ہم اپنی معمولی معمولی ضرورتوں کو پورا کرانے کے لئے تو بہترین اشخاص کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لیکن اس اہم ترین ضرورت کو جس پر تکمیل انسانیت کا دارومدار ہے، ہر کس و ناکس کے حوالہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس خیال کو ہمارے موجودہ ناظم تعلیمات مولوی محمد حسین صاحب نے اپنی تصنیف مفتاح التعلیم میں بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی مرض جسمانی میں مبتلا ہوتے ہیں تو تلاش کرتے ہیں کہ کوئی طبیب یا ڈاکٹر ایسا ملے جو اپنے فن میں کامل اور علم طب سے پورا واقف ہو اور جب تک اس کی حذاقت و کمال کا پورا الیقین نہیں ہوتا ہم ہرگز اس کا علاج نہیں کرتے۔ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ اس شخص کے متعلق جو صرف جسم کا علاج کرتا ہو اس قدر جانچ کی جائے اور علاج روحانی ہر کس و ناکس کے سپرد کر دیا جائے اور ذرا نہ سوچیں کہ وہ اپنے فن سے کچھ واقف بھی ہے اور نفس و روح کی تربیت و تہذیب کی اس میں لیاقت بھی ہے یا نہیں۔ اہل علم و نظر جانتے ہیں کہ علاج جسمانی اور علاج نفسانی میں کونسا اہم اور مشکل تر ہے“ ا

اس لئے ہم آئندہ مضمون میں اس پر غور کریں گے کہ طبقہ معلمین کے انتخاب میں کن امور کا لحاظ رکھا جائے۔ اس میں جو دشواریاں پیش آئیں انہیں کس طرح رفع کیا جائے اور ان کے لئے کیا سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جن سے وہ اپنے ان مہتم بالشان فرائض کو کماحقہٗ انجام دے سکیں۔

ننھے بچوں کی تربیت گاہیں

اور

اُن کے اُمید افزا امکانات

از

مولوی مرغوب الدین صاحب بی۔اے، بی۔ٹی۔ ہائی اسکول چادر گھاٹ

پانچ سال سے متجاوز عمر والے بچوں کی نگرانی اور پرداخت مدرسوں میں ہوتی ہے اور خود سماج ان کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما کے بیسیوں وسائل اور سہولتیں مہیا کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان سے بھی کم عمر بچّوں کی دیکھ بھال کون کرے؟ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اس عمر میں بچّہ کی طبیعت حد درجہ اثر پذیر ہوتی ہے اس کا حافظہ بلا کا تیز ہوتا ہے، نئی نئی باتیں نہایت تیزی کے ساتھ ذہن میں سما جاتی ہیں، لمحے لمحے نئی نئی مہارتوں، واقفیتوں اور اخلاقی عادتوں کی بنا پڑتی ہے۔ اور ان ہی پر اس کی تمام آئندہ قابلیتوں اور علمی محصلات کا دار و مدار ہوتا ہے۔ ہم بچّہ کی مدد کریں یا نہ کریں، وہ کسی نہ کسی قسم کی عادتیں ضرور سیکھے گا۔ اچھی عادتیں نہ سیکھ سکے تو بُری عادتیں پڑ جائیں گی۔ ولیم جیمس نے اسی بات کو استعارۃً یوں بیان کیا ہے "بچہ اپنے نظام عصبی کو یا تو اپنا دوست بنا لیتا ہے یا دشمن" ہاتھ اور زبان کا سلیقہ مندانہ استعمال گانا اور ناچنا، شایستہ گفتگو، شائستہ حرکات و سکنات مل جل کر کھیلنا یا کام کرنا، پرندوں، درندوں اور نباتات کی خبر گیری، غرض کہ روزمرہ کے وہ تمام کام جو شائستہ اور مفید زندگی کا لازمہ ہیں، یہی بچوں کے بہترین اور مناسب ترین مشغلے ہیں۔ تو کیا ان اُمور کی رہبری محض نیم تجربہ کار اور غیر ماہر فن عورتوں کے سپرد کر دی جائے

یا کہ اس کام کے لئے ماہرین کے خدمات درکار ہیں۔

ضرورت:۔ جدید ماہرین تعلیم کا عقیدہ ہے کہ خالص جبلت، بچہ کی رہبری اور تعلیم کے بارے میں قابل معلّم کا بدل نہیں ہوسکتی ماں اور بچّے دونوں کے نقطۂ نظر سے اس کی ضرورت ہے کہ دن کے کچھ اوقات میں بچّوں کی نگرانی اور پرورش کا کام کسی اور کے سپرد ہو جائے۔ پہلے تو کتنی مائیں ہوں گی، جو بچوں کی پرورش کے علم کی ماہر ہوں گنتی کی چند ہوں بھی، تو انھیں اتنی مہلت کہاں یا ان میں اتنی توانائی کہاں سے آئے کہ وہ اپنے اس مخصوص علم سے عملی طور پر فائدہ اٹھا سکیں۔ کیوں کہ یہ دن بھر زیادہ تر عملی کاموں میں نہیں بلکہ ایسے کام کاج میں لگی رہتے ہیں جن میں انہیں زیادہ تر گندگی اور غلاظت سے واسطہ رہتا ہے۔ دوسرے اور پانچویں سال کی درمیانی عمر میں بچہ کے جسمانی اور ذہنی اعمال اور قوی ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی مصروف انسان جو ہمیشہ بچہ کے ساتھ ساتھ لگا رہے اس کے گوناگوں مطالبات کی تشفی نہیں کرسکتا۔ علاوہ ازیں یوں بھی ماں اور بچّہ کا چوبیس گھنٹوں کا ساتھ ان میں سے کسی کے لئے بھی مفید نہیں ہوتا۔ بعض عورتوں کا مزاج تحکّما نہ ہوتا ہے تو بعض پست ہمت ہوتی ہیں بعض محبت کی بھوکی ہوتی ہیں تو بعض نفس پرست۔ بہ فرض محال، اگر عورتوں میں وہ تمام خوبیاں جمع ہو جائیں جو ان میں ہونی چاہیں، تو بھی آٹھوں پہر کی یکجائی کے سبب ماں بچّوں کے آپس کے تعلقات درہم و برہم ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی دل کشی باقی نہیں رہے گی۔ اگر ماں کی گود بچہ سے خالی ہو اور ایسا بہت کم ہوتا ہے، یا اس کے پاس کوئی نوکر بھی ملازم ہو ظاہر ہے ایسے لوگ بھی بہت ہی کم ہوتے ہیں جن میں کسی کو ملازم رکھنے کی مقدرت ہو) بہ ہرحال ہر ایک ماں کو اتنا وقت کہاں ملتا ہے کہ وہ اپنے بچّوں کی خود ہی تربیت کرلے۔

بچّہ کی کامل نشو ونما کے لئے، گھر کے حالات سے بھی زیادہ مفید مطلب حالات چاہئیں۔

کھیل کود کے لئے وسیع میدان، کھلی ہوا، ہوادار اور روشن کمرے، آسائش و

آرام اور خواب گاہ کا مناسب انتظام، یہ ساری چیزیں مہیا ہونی چاہئیں۔ بچہ کو ایسے جسمانی اور ذہنی ماحول سے گھیر لیا جائے کہ قسم قسم کے پاکیزہ اور اچھے خیالات بچہ کے ذہن میں خود بخود پیدا ہونے لگیں باغ میں کام کرنے سے بچہ کو صرف آب و ہوا اور فضا ہی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اس کو زندگی، نشو و نما شکل و صورت اور رنگ روپ سے متعلق سینکڑوں تصورات حاصل ہو جاتے ہیں۔ بچہ کا پھولوں پودوں اور کھلے آسمان کے تلے گھومنا بڑے دور رس نتائج پیدا کرتا ہے۔ بچے کے جذباتِ الفت اور قدردانی کے احساسات کے ابھارنے کے لئے کئی خوبصورت اور دل فریب چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ غرضکہ خاص اہتمام کے ساتھ بچوں کے لئے ایک مخصوص ماحول مہیا کرنا مفید اور ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کے کمرے کا تمام فرنیچر چھوٹی چھوٹی اشیاء پر مشتمل ہو، تمام اشیاء اور تصاویر مناسب قسم کی ہوں، کھیل کا سامان کافی مقدار میں موجود رہے اور بچے اس کمرہ کی ہر ایک چیز کو آزادی کے ساتھ استعمال کر سکیں، کہانیاں، مکالمے سادہ اور نفیس راگ، دلنواز گانے اور دل خوش کن باجے، ان تمام چیزوں سے بچوں کے تجربے وسیع ہوتے ہیں۔ اس کے سوا انھیں ہم عمر دوستوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مجلسی کردار اور اخلاق صحبت اور میل جول کے بغیر نہیں سیکھے جا سکتے۔ ان ہی کے ذریعے انسان ہر قسم کے فرائض زندگی کا اہل بنتا ہے۔ گھر کی تنہا زندگی میں یہ باتیں ہرگز نصیب نہیں ہو سکتیں ہم عمر ساتھیوں کے علاوہ بچوں کو ایسے پختہ سال انسانوں کی بھی ضرورت ہے جو قابل ہونے کے ساتھ ساتھ اتنی فرصت بھی رکھتے ہوں کہ بچوں کے لگاتار اور بے گنتی سوالات کا صبر و سکون سے جواب ادا کر سکیں اور ان دونوں کا اس وقت تک ساتھ نہ چھوٹے کہ بچے آہستہ آہستہ زندگی کے جملہ ضروریات اور فرائض کے ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ان کا یہ بھی کام ہوگا کہ وقتاً فوقتاً انھیں جسمانی اور ذہنی حفظ صحت کے گر سکھاتے رہیں۔ ان ہی وجوہ کی بناء پر بچوں کی تربیت گاہوں کے قیام کی ضرورت محسوس کی گئی ہے اور اسی وجہ سے ان کا وجود گھر سے بھی زیادہ مفید ہوتا ہے۔ بچوں کی ان تربیت گاہوں کے کمرے وسیع اور روشن ہوتے ہیں ان کا فرش ہموار رہتا ہے۔

فرنیچر پست ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ چند چھوٹی چھوٹی میز اور کرسیاں اِدھر اُدھر دھری رہتی ہیں۔ بچوں ہی سے متعلق چند تصاویر دیواروں پر لگادی جاتی ہیں۔ دیواروں میں جڑے ہوئے تختوں اور الماریوں میں اقسام کے کھلونے اور آلات تعلیم رکھ دئے جاتے ہیں۔ بچے انہیں طرح طرح سے جوڑتے، ان سے گھروندے بناتے یا کسی اور طرح سے انہیں الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں۔ کبھی تمام بچے ایک ہی مشغلہ میں مصروف ہوتے ہیں۔ مثلاً کبھی یہ سب کے سب ملکر گاتے ہیں۔ کبھی چکنی مٹی کی مورتیں ڈھالتے ہیں تو کبھی رنگین چاک لے کر حنائی کاغذ پر شکلیں بناتے ہیں۔ کبھی لکڑی کی چوکور اینٹوں سے مصنوعی گھر بناتے ہیں تو کبھی اخباروں اور رسالوں سے کاٹ کر تصویریں جدا کرتے ہیں۔ کبھی کوئی ایک بچہ کسی گوشہ میں بیٹھا، اپنے کسی من مانے مشغلہ میں مصروف رہتا ہے کبھی ان بچوں کی ٹولیاں کمرے میں اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہے کبھی کہیں ٹھہر کر اپنے ساتھیوں کا کام دیکھنے لگتی ہیں تو کبھی کسی بات میں اُن سے امداد طلب کرتی ہیں۔ کبھی اپنا کوئی کام کسی استانی کو دکھا کر، اس کی نسبت اُن سے کچھ مشورہ کرتی ہیں، اس طرح ہر بچہ کو اپنا بہترین کام دکھانے کی ترغیب و تحریص ہوتی ہے۔ اور ہر بچہ کے عمدہ کام کی، گو وہ نسبتاً بُرا ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ تعریف ہو جاتی ہے۔ یوں تو ان تربیت گاہوں کی کئی خوبیاں گنوائی جاسکتی ہیں، مگر یہاں پر صرف اس بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ جس مدرسہ کے مقاصد تعلیم درست ہوں، اور اِن کے حصول کے وسائل بھی مناسب ہوں تو یہاں کے طلبہ بھی ضرور خوش دل، متجسس، ملنسار، اور دلیر ہوں گے ظاہر ہے کہ اس عمر کے بچوں کے امتیازی اوصاف یہی ہوتے ہیں اور اسی زمانہ میں اِن کا ظہور اور نشوونما ہونا چاہئیے۔ اس قسم کی تربیت گاہوں کے بچے بالعموم تندرست، توانا، پھرتیلے اور خوش اطوار ہوتے ہیں۔ اِن کے ہاتھوں میں ماہرانہ چابک دستی، گفتگو میں روانی اور دلوں میں حصول علم کا شوق موجزن ہوتا ہے۔ یہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہوسکتے ہیں میل جول کی اِن میں خاص صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بچے اوروں کی

قدر کرنی اور اُن کے حقوق ادا کرنا جانتے ہیں۔ غرض کہ درس گاہی زندگی کی دوسری منزل میں داخل ہونے کے لئے ہر طرح سے تیار ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اِن تربیتی اداروں میں وہ تمام تربیتی مواقع اور سہولتیں مہیا کردی جاتی ہیں جو کسی گھر میں ہرگز نصیب نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ بعضوں کا خیال ہے یہ تربیت گاہیں بچوں کو بے گھرا نہیں بناتیں اور نہ وہ گھر کا نعم البدل ہوتی ہیں بلکہ ان کے ذریعے گھر کی تمام کوتاہیوں اور کمیوں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے انھیں گھریلو تعلیم و تربیت کی آخری کڑی سمجھنا چاہیئے۔ یہاں وہ ساری چیزیں اور وہ تمام ذرایع مہیا ہوتے ہیں کہ بچے کے اوقات کا کچھ حصہ بہت ہی مفید حالات ماحول میں بسر ہوتا ہے۔

اس کے خاص فائدے: یوں تو دن کے کچھ حصہ کے لئے کسی ادارہ میں بچوں کی پرورش کا انتظام ماؤں کے حق میں ایک نعمت عظمیٰ ہے مگر کارخانہ کے مزدوروں کے حق میں اس کا افادہ حد و حساب سے بھی زیادہ ہے۔ کارخانوں میں کام کرنے والی مائیں نہ تو اپنے بچوں کے لئے کوئی آیا نوکر رکھ سکتی ہیں، نہ انھیں گھر ہی پر چھوڑ سکتی ہیں۔ اسی دوگونہ دشواری کے ارتفاع کے لئے ترقی یافتہ ممالک میں اکثر کارخانوں کے ساتھ ایک ایک تربیت گاہ بھی ملحق کردی جاتی ہے۔ مائیں اس جگہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر کام پر چلی جاتی ہیں اور جب ضرورت ہوتی ہے اپنے بچوں کو ایک نگاہ دیکھ جاتی ہیں۔ غرض کہ ان کارخانوں میں بچوں کی پرورش گاہوں کے قیام سے ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے ضرورت صرف یہ ہوگی کہ دو تین نرسین یا فن داں آیائیں نوکر رکھ لی جائیں، کچھ کھلونے خریدے جائیں اور بچوں کے لئے ایسی صاف ستھری جگہ مہیا کردی جائے جس کو وہ خاص اپنی سمجھیں اس انتظام سے نہ صرف منتظمین کی انسان دوستی اور رحم پروری کا ہر شخص قائل ہو جائے گا بلکہ مزدور پوری دل جمعی اور شکر گزاری کے ساتھ اپنا پورا وقت کام میں صرف کرسکیں گے۔ اور مزدور کو طمانیت قلب حاصل ہو جائے تو اس کے کام کی خوبی اور مقدار میں اضافہ ہو جائے گا۔

ایک اور نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو سیناؤں میں بھی ایسے تربیتی اداروں کی

خاص ضرورت ہے۔ آپ نے کئی ہندوستانی ٹاکی ہاؤس میں دیکھا ہوگا کہ ماؤں کی گودوں میں چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح روتے بلبلاتے اور بے چین رہتے ہیں۔ ان کے شور وغل سے دوسرے تماشائیوں کے اوقات تلخ ہونے کے علاوہ خود ماؤں کا تماشہ بینی کا سارا لطف کرکرا ہوجاتا ہے۔ اول تو طرح طرح کے لوگوں سے بھرا ہوا سینما ہال بچّوں کی صحت کے حق میں سخت مُضر ہے۔ پھر یہ کہ شراب نوشی، قتل وخون اور دوسرے ادنیٰ قسم کے رومانی مناظر جو تماشائیوں کے اخلاق اور روح کے حق میں سم قاتل ہوتے ہیں بھلا ان ذی حس معصوم اور ننھے بچوں کے دل ودماغ پر کیا کچھ بُرا اثر نہ ڈالتے ہوں گے۔ بعض قسم کے فلموں کے دیکھنے کی تو بچوں کو سرے سے اجازت ہی نہ ملنی چاہیئے۔ بچوں کے لئے ان کی قانونی ممانعت ہوجانی چاہیئے اور فلموں کے احتساب کے وقت بچوں کے فائدہ اور نقصان کو بھی بہ طور خاص ملحوظ رکھا جائے۔ خیر۔ مجھے تو بچّوں کی تربیت گاہوں سے سروکار ہے اور میں ان ہی کا ذکر کر رہا تھا۔ ماؤں کو بڑا آرام ہوجائے گا اگر وہ تماشہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اپنے بچوں کو آیاؤں کے حوالہ کردیں اور یہ انھیں کھیل کود اور دوسرے تفریحی مشاغل میں لگا رکھیں اور اس طرح ان کی دل بھلائی اور نگرانی ہوجائے۔ آخر مزدوروں کو بھی تو راحت وآرام کی ضرورت ہے اگر تھوڑے سے خرچ سے اس طرح کی سہولت مہیا کردی جائے تو بے چارے غریب بھی ان تفریحات سے استفادہ کریں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ بچے صحت بخش ماحول میں شاد وخرم رہیں گے اور دوسرے لوگوں کو ان کی چیخ پکار سے نجات ملجائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ بدبخت طرح طرح کی اخلاقی اور جسمانی بیماریوں کا شکار نہ ہوں گے۔

اس قسم کے تربیتی اداروں کا وجود زنانہ اور مردانہ کلب گھروں میں بھی بہت مفید ثابت ہوگا۔ جن مقامات پر بچوں کے اپنے جداگانہ کلب گھر نہ ہوں وہاں پر مردانہ اور زنانہ خصوصاً زنانہ کلب گھروں کے ساتھ ان کا الحاق بہت مفید ہوگا۔

یا بعض جگہ یوم اطفال منائے جاتے ہیں۔ اِن کے ساتھ اگر اور اتنا انتظام کر دیا جائے تو یہاں پر مائیں اپنے بچّوں سمیت آئینگی اور بچّوں کا وقت بھی نہایت لطف سے گذرے گا۔ اور اُن کی بھی تفریح ہو جائے گی۔ بچّوں کے کھیل کا سامان کچھ اتنا گراں تو نہیں ہوتا کہ کلب والے اس کو خرید نہ سکیں۔ ایک دو زائد ملازم نوکر رکھ لئے جائیں تو کام نکل جائے گا اور ان اداروں کی بدولت ہندوستانی مجلسی زندگی اور ترقی کر جائے گی۔ خود یہ بچّے گھر کی آئے دن کی جھڑکیوں گھرکیوں سے نجات پاجائیں گے۔ اور اس کی بجائے اِن کی زندگی اپنے ہی جیسے دوسرے بچّوں کی صحبت میں آزاد فضا اور خوشگوار مشاغل میں بسر ہوگی۔

دیہی تعلیم تحتانی

٭ رپورٹ ذیلی کمیٹی ۱۳۴۹ ف

<u>ابتدائی تعلیم کی اہمیت</u>:۔ انسان پر جملہ فرائض کی تکمیل باعتبار سن و سال بالتّدریج عائد ہوتی ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد انسان نیک و بد کی تمیز کر سکتا ہے۔ مضر اشیاء سے پرہیز اور اچھی چیزوں سے استفادہ کرنے کی قابلیت رکھتا ہے لیکن ہر ننھا بچہ جو ہر بات کے لئے دوسروں کا محتاج ہے ہر لمحہ صحیح رہبری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ اس کی عمدہ نشو و نما ہو سکتی ہے۔ اس کی عمدہ رہبری ہی اس کی تعلیم و تربیت ہے۔ لہٰذا ان اشخاص پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں بچہ کا مستقبل اور اس کی زندگی کی تشکیل و تکمیل ہو۔ خواہ وہ

٭ یہ رپورٹ انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی سالانہ کانفرنس ۱۳۴۹ ف میں بمقام گلبرگہ پڑھی گئی۔ جس کے جستہ جستہ حصے شائع کئے جاتے ہیں۔

مدرسین ہوں یا طلبہ کے اولیاء اور سرپرست۔ مدارس تحتانیہ کے لئے ایک جدید نصاب منظور ہو چکا ہے اور سابقہ نصاب کے مقابلے میں اس میں اہم اضافہ اور مفید تبدیلیاں ہوئی ہیں جن کی افادیت کا تجربہ کرنا ہے۔ اس خصوص میں السنہ کے تعلیم کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہماری غور و توجہ کا محتاج ہے۔

صحت جسمانی اور قوائے ذہنی:۔ مدرس بیشک ایک بڑی ذمہ داری کا حامل ہے۔ بالخصوص وہ مدرس جس کے ہاتھ میں ابتدائی تعلیم کی باگ ہو لیکن اس کے راستہ میں طلبہ کی جسمانی کمزوری دوسرے عضوی کمزوریوں کے مقابل زیادہ مشکلات پیدا کرنے والی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عضوی کمزوری کو تو بچہ بھی محسوس کرتا ہے اولیاء اور دوسرے لوگ بھی اس سے باخبر ہوتے ہیں لیکن جسمانی کمزوری کے متعلق عام طور پر عقیدہ ہے کہ وہ کسی ذہنی رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتی۔ یہ غلط خیال روشن خیال لوگوں میں بھی ایک حد تک موجود پایا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی ترقی کا تو ہر شخص خیال رکھتا ہے لیکن جسمانی ترقی اور تندرستی کا اتنا زیادہ لحاظ و پاس نہیں کیا جاتا۔ بلکہ تنومندی اور تندرستی فطرت کے حوالے کر دی جاتی ہے اور ذہنی تربیت انسان اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کمزور جسم میں اعلیٰ دماغ کی پرورش ناممکن ہے اس لئے سب سے پہلے جسم کی پرورش اور اچھی پرورش کا انتظام ضروری ہے۔

تغذیہ:۔ عام طور پر ہمارے ملک میں طلبہ کی جسمانی کمزوری کا ایک خاص سبب ناقص غذا یا کم غذا ہے ہمارے مدارس تحتانیہ میں جہاں مفت تعلیم کا انتظام ہے زیادہ تر ایسے بچے شریک ہوتے ہیں جن کو پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا۔ اگر ملتا ہے تو بروقت نہیں ملتا اس لئے ہمارے مدارس کے بچوں کا طرۂ امتیاز تکان اور بے توجہی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے اسباب اور بھی کچھ ہوں لیکن اکثریت کی صورت میں ہمارا خیال صحیح ہے علاوہ ازیں ایسے بچے مدرسہ کی تعلیم سے خاطر خواہ بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ تھوڑے دنوں میں ان کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کی تعلیمی

حالت اور ان کی ذہانت اچھی نہیں ہے اور وہ دوسرے بچوں کے مقابل گئی گذری حالت میں ہیں۔ اس طرح مدرسہ میں آنے سے ان کو ایک طرح کی کمزوری اور شرم محسوس ہوتی ہے اور یہ شرم بالآخر انہیں ترک تعلیم پر مجبور کرتی ہے۔ اور اس طرح ہمارے مدارس میں تضیع کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہماری رائے میں کم از کم ایک وقت ایسے طلبہ کو منجانب سرکار یا اولیاء طلبہ یا منجانب مستطیع حضرات غذا کا مہیا کیا جانا ضروری ہے۔ اوقات مدارس کا لحاظ کرتے ہوئے فراہمی غذا کے لئے دوپہر کا وقت موزون ہے۔ خود بلدہ میں چار مدارس میں دوپہر کو تجربتہً دودھ پلانے کا انتظام کیا گیا ہے لیکن اس کے اخراجات کی پابجائی مواضعات میں ناممکن ہے۔ جو غذا ان بچوں کے لئے تجویز کی جائے وہ ارزاں بھی ہو اور جس کا حصول ہر جگہ ممکن ہو اس کے ساتھ ساتھ وہ مقوی اجزاء پر بھی مشتمل ہو اور ہمارے ملک کی سماجی اور معاشرتی کیفیات کے اعتبار سے قابل اعتراض بھی نہ ہو۔

اس کمیٹی کی رائے میں یہ خصوصیات دودھ، جوار کی کھیلیاں۔ گڑ، چنا اور نمک ستو وغیرہ جیسی اشیاء میں موجود ہیں۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے استعمال میں نہ تو کوئی مذہبی عذر ہو سکتا ہے اور نہ ان کے دستیاب ہونے میں کچھ مشکلات ہیں۔ شہری مدارس میں جہاں ہر قسم کا انتظام کرنے میں کم مشکلات حائل ہیں دودھ اور پھلکے یا ایسی ہی زود ہضم و سستی غذاؤں کا انتظام کیا جا سکتا ہے اس سے بھی اچھے نتائج کا برآمد ہونا یقینی ہے۔ لیکن اس میں اخراجات کے زائد ہونے کا خیال ہو تو گورنمنٹ ہائی اسکول میرٹھ کی طرح طلبہ کو ۲۴ گھنٹے تک بھیگے ہوئے چنے جن پر سیاہ مرچ اور نمک کا سفوف چھڑک دیا گیا ہو دئے جا سکتے ہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ ایسا ہے کہ مقامی حالات کے لحاظ سے مدرسین اس کا کوئی نہ کوئی مناسب انتظام کر سکتے ہیں لیکن ایسے انتظام کی سخت و شدید ضرورت ہے جس کے وسائل کا مہیا کرنا آپ حضرات کا کام ہے۔

<u>شفٹ سسٹم</u> :۔ اب ہم مدارس تحتانیہ کی ایک اور اہم ضرورت آپ کے روبرو

پیش کرنا چاہتے ہیں وہ ضروری اسٹاف کی کمی اور موجودہ عملہ سے بہترین کام لینے کا مسئلہ ہے۔ ہر جماعت کے لیے ایک ایک مدرس کی فراہمی ایک مسلمہ مسئلہ ہے لیکن تا حال اس جانب کافی توجہ نہ ہو سکی۔ مدارس تحتانیہ میں اس کمی کو دور کرنے کے لئے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے شفٹ سسٹم جاری کیا گیا۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس انتظام میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ مدرسین کے لئے باعث تکلیف اور مزید بار کا موجب بھی ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہ انتظام تعلیم یا باری وار طریقہ تضییع وجمود کے دور کرنے کا ایک موقتی علاج ہے۔ ورنہ توسیع تعلیم کے سلسلے میں جیسے جیسے فنڈس مہیا ہوتے جائیں گے ایسے مدارس کی اصلاح وتنظیم کرکے ان میں اسٹاف کا اضافہ عمل میں آتا رہے گا جس کا سلسلہ ابھی شروع ہو چکا ہے۔

ا۔ نصاب تعلیم ایسا ہے اور اس قدر ہے کہ مدارس ثانویہ کی تحتانی جماعتوں میں روزانہ پانچ گھنٹہ کام کرنے پر ختم ہوتا ہے لیکن مدارس تحتانیہ میں جہاں شفٹ سسٹم نافذ ہے یہی کام تین گھنٹہ روزانہ میں ختم کرنے کی توقع کی جاتی ہے اگر مدرسین مدارس تحتانیہ اعلیٰ قابلیت یا اچھے ماحول کے ہوتے تو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی اُن کی یہ کوشش ایک حد تک ضرور بار آور ہوتی لیکن ہمارے مدارس تحتانیہ کا ماحول ایسا نہیں ہے کہ اساتذہ مدارسِ تحتانیہ کے معلومات عصری اور مکمل ہو سکیں اور نہ سررشتہ کی جانب سے ایسے ذرائع مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ لازمی نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ بعض اہم اور مفید مضامین سرسری طور پر ختم کردئے جاتے ہیں چنانچہ مدارس تحتانیہ میں عام طور پر حفظ صحت مطالعہ قدرت، دستکاری و ڈرائنگ برائے نام پڑھائے جاتے ہیں۔ معائنہ میں بھی ان مضامین کی حالت عام طور پر ناقص پائی گئی ہے مسلم طلبہ کی دینیات کا نصاب خصوصاً قرآن شریف کی تعلیم کی تکمیل ان مدارس میں بموجب نصاب نہیں ہو رہی ہے اور نہ مختلف مضامین کے درس مقررہ کی تکمیل سال تمام میں ہو رہی ہے۔

اس طریقہ کے تحت روزانہ مدرسہ کے ہر ایک جلسہ میں جو تین گھنٹوں کا ہوتا ہے

ایک جماعت زیر تعلیم رہتی ہے اس لئے مدرس کو پورے (۶) گھنٹے تعلیمی کام کے علاوہ دیگر مصروفیات زائد از نصاب کے لئے تقریباً مزید دو گھنٹہ مشغول رہنا پڑتا ہے۔ اس طرح روزانہ آٹھ گھنٹہ کی دماغی محنت غیر معمولی طور پر ان کی تکان کا سبب ہوتی ہے۔ جس میں سابق کے مقابلے میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔

مدارس تحتانیہ میں جہاں شفٹ سسٹم کے تحت کام ہوتا ہے جملہ طلبہ یا ان غیر زراعتی لڑکوں کو جو زیر تدریس معلمین نہیں ہوتے علٰحدہ بٹھایا جاتا ہے اور ان کی نگرانی جماعت کے مانیٹرس کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس طریقہ کار میں تکلیف اس امر کی ہے کہ کم سن مانیٹرس کا کوئی اثر ان کے ہم سبق ساتھیوں پر نہیں ہوتا اور نہ وہ انہیں اپنے قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے بار بار اساتذہ کو اپنی مصروفیت کے اثنار میں ان کی جانب ہر حضرت حضرت یا سَر سَر کی آواز کے ساتھ متوجہ ہونا پڑتا ہے جس سے ان کے زیر درس جماعتوں کے اسباق متاثر ہوتے ہیں اور کام قابل اطمینان طور پر انجام نہیں پا سکتا۔

ایک تحتانی مدرسہ میں جہاں صغیر سے دوم تک متوازی جماعتیں قائم ہوتی ہیں اور جماعات سوم و چہارم کی تعداد کمتر از (۳۵) ہونے کی وجہ ان کو ایک ہی جماعت سمجھ لیا جاتا ہے تو نہ اس مشترک جماعت کی تعلیم و تفہیم خاطر خواہ ہوتی ہے اور نہ نصاب مکمل ہوتا ہے اس طرح سے جو توانائی (ENERGY.) وقت اور تعلیم میں صرف ہو رہی ہے تضیع کی حیثیت رکھتی ہے جو قابل لحاظ ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اچھی تدریس کے لئے قبل از وقت نہ صرف تیاری بلکہ سبق پر کامل عبور کی ضرورت ہوتی ہے۔ کامل عبور سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ مدرس درسی کتاب کی مندرجہ معلومات سے کچھ زیادہ واقفیت رکھے۔ اکثر مدرسین تحتانیہ جن کی انتہائی قابلیت بالعموم ٹرینڈ مڈل کی یا اس سے کم ہوتی ہے، ہمارے نصاب کے ہر مضمون کو عمدگی سے نہیں پڑھا سکتے۔ (۶) گھنٹے کی تعلیمی مصروفیت دو ایک گھنٹے پہلے فارآل یا دیگر خارج از نصاب مصروفیات کا انہماک پھر جز معاشی کی وجہ سے اپنے ضروری خانگی کاروبار کی انجام دہی یہ وہ چند ضروری اور مسلسل مصروفیات ہیں

جن کی تکمیل کے بعد یہ توقع کرنا کہ وہ مطالعہ یا تیاری کر کے تعلیم دیتے ہوں گے عبث ہے۔

حکومت کی اس پالیسی کے مدنظر کہ عوام کو تعلیم دی جائے اور یہ اس طریقہ سے کہ ملک کی سماجی معاشی اور تعلیمی ضروریات کے مطابق ہو۔ سرکار حالی موازنہ جاریہ میں اپنی پنجسالہ اسکیم کے تحت لاکھوں روپیوں کا عدیم النظیر اضافہ فرمارہی ہے۔ ایسے وقت ان مدرسین کی یہ خواہش کہ ان سے بھی اتنا ہی وقت کام لیا جائے جتنا کہ مدرسین مدارس ثانویہ یا شہری مدارس تحتانیہ کے مدرسین سے لیا جاتا ہے تو یقیناً قابل لحاظ ہے۔ جماعت صغیر کی مکرر علٰحدگی کی وجہ سے ایسے جملہ مدارس میں اسٹاف کے اضافہ کی سخت ضرورت ہے تاکہ مدارس کے تعلیم سے بہتر اور زیادہ مفید نتائج برآمد ہو سکیں. بالفاظ دیگر ہر جماعت کی تعلیم کے لئے ایک ہمہ وقتی مدرس کا اضافہ موجودہ مشکلات کا ازالہ کر سکے گا۔

جماعت پنجم تحتانیہ :۔ اب ہمارے سامنے مدارس تحتانیہ کی ایک اہم اور بالکل ہی جدید اور نہایت ہی مفید اسکیم ہے جس پر غور و بحث کرنا لازمی ہے۔ وہ بعض دیہی مدارس میں سپلیمنٹری جماعت پنجم کا قیام اور اس کا نصاب ہے۔ سردست ہر ضلع میں ایسے پانچ پانچ مدارس کا قیام عمل میں آچکا ہے اور ماہرین کی ایک کمیٹی نے اس کا ایک نصاب بھی تیار کر لیا ہے جو عنقریب نافذ ہو جائے گا۔

نصاب :۔ جماعت پنجم کا نصاب گو کہ ابھی سرکاری طور پر وصول نہیں ہوا لیکن اس کا مسودہ مل چکا ہے جس کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش ہے اور اس کو منظورہ سمجھنا چاہیئے۔ جدید اسکیم کے تحت ہر ایک ضلع کے چند منتخبہ مدارس میں ایک ایک جماعت بنام سپلیمنٹری جماعت پنجم اضافہ کرنے کی منظوری لطف فرمائی گئی ہے نیز اس ایک جماعت کے اضافہ کے ساتھ صرف ایک ایک مدرس کے اضافہ کی منظوری صادر ہوئی ہے جن کے تقررات بھی عمل میں آچکے ہیں۔ ایک مدرس کا اضافہ جماعت پنجم کی تعلیم کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ اس لئے کہ عام تعلیم کے ساتھ ابتدائی یا بنیادی حرفتی تعلیم کا انتظام بھی ضروری تصور کیا جارہا ہے۔

پس ایک ایسے ٹرینڈ میٹریکولیٹ کے علاوہ جو مطالعہ قدرت اور سائنس میں اچھی قابلیت رکھتا ہو ایک مڈل کامیاب حرفتی معلم کا جو ڈرائنگ سے بھی واقف ہو ان مدارس پر مامور کیا جانا ضروری ہے تاکہ یہاں کے فارغ شدہ طلبہ اگر چاہیں تو ابتدائی صنعتی مدارس میں شریک ہوجائیں یا اپنی سیکھی ہوئی حرفتوں یا صنعتوں کو مزید ترقی دے کر ان سے استفادہ کرسکیں اور اس کا سلسلہ جاری رکھ کر اپنی روزی کما سکیں۔

کمیٹی کے رائے میں اس نصاب میں مندرجہ ذیل امور کا خاص لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

ا۔ زبان ملکی اُردو۔ مرہٹی۔ کنڑی یا تلنگی میں ایک مخصوص کتاب تالیف کرانے کی ضرورت ہے جس کا معیار مدارس ثانویہ کے جماعت پنجم کے معیار کے مطابق ہو اور اس کتاب کے مضامین تجارت اور زراعت باغبانی دیہات سدھار حفظ صحت اور دیہی پیشوں پر مشتمل ہوں نیز عرائض نویسی تحریری خطوط و دستاویزات اور مختار نامجات لکھنا اور پڑھنا خطوط کی رجسٹری بیمہ منی آرڈر اور سیونگ بنکس کا طریقہ کار بھی اس میں داخل کیا جائے۔

اُردو ملکی زبان ہونے کی صورت میں کتاب میں ایسے مضامین موجود ہوں جن کا مطالعہ طلبہ کی وسعت نظر اور اضافہ معلومات کا باعث ہو۔ رسائل و اخبار بینی کی مشق اور عادت بھی ڈالی جائے۔

نصاب منظورہ میں فیلڈ بک اور پیمائش اراضی کی عملی تعلیم ملکی بندوبست کے طریقہ کار کے مطابق ہو اور پیمانے بھی وہی استعمال کئے جائیں جو ملک دکن میں زمین کی پیمائش کے لئے مروج ہیں یعنی گنٹہ بیگہ ایکڑ وغیرہ تو زیادہ مفید و مناسب ہوگا۔

تاریخ و معلومات عامہ۔ تاریخ ہندوستان خاص طور پر اس کا وہ حصہ جو دکن کی تاریخ سے متعلق ہو۔ اس مضمون کے ساتھ سیوکس۔ (علم مدن) بھی پڑھایا جائے

جس میں دیگر معلومات کے ساتھ انتظام مملکت ڈسٹرکٹ و تعلقہ بورڈ پنچایت، دیہی انجمن ہائے امداد باہمی و تنظیم دیہی وغیرہ، تو اعد راستہ جات وغیرہ سے واقف کرایا جائے۔ نیز علم معاشیات کے ابتدائی اصول جیسے طلب ورسد محنت و دولت اور اس کی تقسیم، مارکٹ کی تفہیم وغیرہ کے متعلق معلومات جو طلبہ کو ان کی آئندہ زندگی میں مفید ثابت ہوں بوقت تعلیم اس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

تعلیم جغرافیہ کے ہمراہ مقامی زراعت کے طریقہ مختلف اجناس جو دیہی رقبہ میں بوئے جاتے ہیں، پھولوں پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت، گھریلو اور پالتو مفید جانوروں کی پرورش اور دیکھ بھال جیسے مرغ بط قاز۔ بکری بھیڑ بھینس گائے، شہد کی مکھیاں وغیرہ کا ذکر بھی مفید ہوگا۔

مدارس میں چھوٹے سے باغ لگائے جاکر پالتو جانور پرورش کئے جائیں۔ آس پاس کی ندیوں پہاڑوں میں دستیاب ہونے والے مختلف قسم کے کنکر پتھر کی شناخت اور ان کو جمع کرنا، مادہ کی تین حالتیں معمولی مشنری عمل انجماد و تبخیر و تقطیر کشید اور پانی کو صاف کرنے اور صاف رکھنے کے طریقوں کی تفہیم بطور خاص درکار ہے۔ فرسٹ ایڈ اور نرسنگ۔ کے ابتدائی اصول بھی، گر اسکاوٹ گروپ قائم کرکے سمجھائے جائیں تو مناسب ہوگا۔ دیہی حالات و ضروریات کے لحاظ سے مدارس میں حرفتی تعلیم ضروری ہے جسب ذیل حرفتوں میں سے جو موزون ہیں کل یا بعض جاری کیے جا سکتے ہیں۔

پیشہ ورانہ تعلیم زراعت مرغبانی اور شیر خانہ۔ شہد کی مکھیوں کی پرورش خیاطی آہنگری پارچہ بافی نواڑ بافی۔ ناڑے بافی۔ بید بافی۔ نجاری۔ خیاطی۔ جلد سازی موسیقی۔ پکوان۔ قلعی گری۔ ٹین کا کام۔ رسیاں بورئیے اور ٹوکریاں وغیرہ بنانا۔

کھیل اور ورزش کے ضمن میں درختوں پر چڑھنا، تیرنا۔ گوبھن کی نشانہ بازی۔ سیکل کی سواری۔ گھوڑے کی سواری کی تعلیم و مشق کی ضرورت ہے۔

اکثر مدارس دیہی میں جہاں جماعت پنجم قائم کی گئی ہے وہاں شفٹ سسٹم

جاری ہے۔ اس صورت میں اس جماعت کے دو حصہ ذریعہ تعلیم کے لحاظ سے ہو جائیں گے اور تعلیم کے لئے ہر حصہ کو تین گھنٹے اور چھ ساعات کا وقت ملے گا۔ اور یہ منظورہ نصاب جس کی صراحت ابھی کی گئی ہے کسی طرح پورا نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے ہماری رائے ہے کہ ان مدارس میں جہاں جماعت پنجم قائم ہو شفٹ سسٹم برخاست کر دیا جائے اور اسٹاف میں معتدبہ اضافہ کیا جائے۔

اخیر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کمیٹی کی رپورٹ نہ تو تحتانی تعلیم کا مکمل تبصرہ ہے اور نہ تحتانی تعلیم کے جملہ مسائل پر حاوی ہے بلکہ حسب تصفیہ وہدایات انتظامی کمیٹی انجمن اساتذہ ملک سرکار عالی اس رپورٹ میں صرف تین اہم ترین مسائل (تغذیہ شفٹ سسٹم و نصاب جماعت پنجم) کو لیا گیا ہے اور ان کے متعلق اراکین کے ذاتی تجربات مدرسین و احباب کے خیالات کو اس میں جگہ دی گئی ہے۔

مختصر تجاویز رپورٹ تعلیم تحتانی:۔ (۱) ہمارے مدارس تحتانی کے طلبہ کی عام جسمانی کمزوری کا ایک سبب ناقص غذا یا بروقت غذا کا نہ ملنا ہے۔ اس لئے ہماری کمیٹی کی غور کردہ رائے ہے کہ بالعموم دوپہر کے وقفہ میں طلبہ کو حسب ذیل اشیاء میں سے جو بھی مقامی حالات کے اعتبار سے مناسب ہوں استعمال کرائی جائیں۔

دودھ۔ گڑ چنا۔ بھنی مونگ پھلی۔ جوار کی کھیلیں۔ نمک ستو۔ چھانچ۔ چاول کے چیلے۔ مرکل۔ تل کے لڈو۔ موسمی میوہ مثلاً آم۔ جام۔ موز۔ اور ٹماٹے وغیرہ۔

(۲) ان اشیاء کی فراہمی کے لئے بجائے سررشتہ تعلیمات سے امداد طلب کرنے کے مقامی مشاورتی کمیٹی کی امداد حاصل کی جائے۔ یا دیگر ناقابل اعتراض ذرائع آمدنی مثلاً عطیات چندے۔ مٹھی فنڈ۔ دھرم کھاتہ۔ عام فیس مستطیع طلبہ سے فیس۔ زکوٰۃ۔ خیرات۔ فصل کے موقع پر مندرجہ صدر غلہ کی فراہمی وغیرہ۔ اختیار فرما کر طلبہ کی اس عام ضرورت کو پورا کیا جائے۔

(۳) جن دیہی مدارس تحتانیہ میں ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی غرض سے جماعت پنجم قائم کی گئی ہے وہاں شفٹ سسٹم برخاست کر دیا جائے اور مزید ایک حرفتی

مدرس جو علاوہ مڈل پاس ہونے کے ڈرائنگ سے بھی واقف ہو مامور فرمایا جائے۔ چونکہ اس جدید جماعت پنجم کا نصاب کامل غور و خوض کے بعد حال ہی میں منظور ہوا ہے لہذا سر دست اس کو تجربۃً جاری رکھا جائے نیز اس کے نتائج آئندہ سال کانفرنس میں پیش کئے جائیں تو مناسب ہے۔

(۴) شفٹ سسٹم کے متعلق یہ طے پایا کہ جیسے جیسے حالات اجازت دیں مدارس میں اسٹاف کا اضافہ کیا جائے اور ہر جماعت کے لئے ایک ایک مدرس فراہم کرنے کے اُصول کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

جامعہ نلندہ

از مولوی عبدالسلام صاحب ذکی بی۔اے؛ ٹی۔ڈی (عثمانیہ)

نلندہ اور چینی سیاح:۔ نلندہ نہ صرف قدیم ہندوستان بلکہ مشرق کا سب سے بڑا دارالجامعہ بن گیا۔ دو چینی جاتریوں ہیون سانگ اور آئی سانگ نے جو اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے، بحیثیت اقامتی طلبہ کے جامعہ نلندہ کا حال لکھا ہے ڈاکٹر رادھا کو بڑ مکرجی "دی آرین پاتھ" میں بیان کرتے ہیں "ہیون سانگ ۶۳۵ء سے پانچ سال تک جامعہ نلندہ میں اقامتی طالب علم تھا۔ اور آئی سانگ ۶۷۵ء کے بعد جامعہ نلندہ میں دس برس تک مقیم رہا۔ اپنے زمانے عروج میں جس کو دونوں چینی سیاحوں نے دیکھا ہے، جامعہ کی آبادی دس ہزار تھی۔ جس میں ہیون سانگ کے بیان کے مطابق طلبہ کی تعداد آٹھ سو پچاس اور مدرسین کی تعداد ایک ہزار پانچ سو دس تھی۔ جامعہ کی یہ عظیم الشان آبادی بلحاظ نوعیت بالکل روادار اور آزاد خیال تھی۔ جامعہ نلندہ کی شہرت ہندوستان کی سرحدوں کے اندر محدود نہ تھی بلکہ اس کا غلغلہ مشرقی ایشیا کے دور دراز ممالک میں بھی پھیلا ہوا تھا۔

جامعہ کا اصول تعلیم:۔ مدرسین اور طلبہ کا تناسب اس توجہ کو ظاہر کرتا ہے، جو ایک مدرس اپنے شاگردوں پر صرف کر سکتا تھا۔ ہر چھ طلبہ کی جماعت ایک مدرس کے

تفویض تھی، یہ انفرادی تعلیم کا اصول تعلیم کی افادیت اور کامیابی کے لئے ضروری ہے"۔ جامعہ نلندہ دوسری حیثیت سے بھی ممتاز تھی۔ یہ اعلیٰ تعلیم اور تحقیقات کے مرکز کی حیثیت سے کام کرتی رہی اور ایک قسم کے اعلیٰ طیلسان پیدا کرنے والی جامعہ تھی۔ ہر شرکت خواہ طالب علم کو ایک مجلس علماء کو جو خاص طور پر اس مقصد کے لئے قائم کی گئی تھی اپنی قابلیت سے جو وہ مابعد الطبعیات کے دشوار مسائل کے حل سے تعلق رکھتے تھے، پہلے مطمئن کرنا پڑتا تھا۔ ہیون سانگ کے بیان کے مطابق ہر سو شرکت خواہ طلبہ میں سے تقریباً اسی بطور ناکام طلبہ کے شرکت سے محروم کئے جاتے تھے۔

جامعہ کا طریق کار:۔ اس نوعیت کی جامعہ کا طریق کار بھی بہت کچھ غیر معمولی تھا جامعہ مباحثہ کے کئی ایک دبستانوں پر منقسم تھی۔ ماہروں اور ان طلبہ کے درمیان جو اپنے خاص دبستان خیال کے طرف دار ہوتے تھے، مباحثوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی تھی۔ نلندہ میں روزانہ سو سو جماعتیں سو سو عنوانوں پر بحث کرتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ نلندہ کی تعلیم کا دائرہ غیر معمولی طور پر وسیع تھا جیسا کہ چینی سیاح ہمیں کہتا ہے جامعی تعلیم اس زمانے کے تمام برہمنی اور بدھی علوم پر مشتمل تھی۔ منطق، لسانیات آیوروید اور ویدی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ جامعہ قواعد اور تزکیۂ نفس کے ماہران فن کو تیار کرتی تھی۔ تزکیہ نفس میں اس زمانے کے ماہر فن سلابھدرا تھے جو زندہ اور مسلم الثبوت شخصیت تسلیم کئے جاتے تھے آئی سانگ کے بیان کے مطابق نلندہ اپنے زمانے کے مختلف الخیال طبقوں کا جو ممکن اور غیر ممکن اصولوں کے حامی تھے، سنگم تھا۔ اس طرح نلندہ تعلیم میں آزادی کا ایک وسیع تجربہ تھا۔ نلندہ آزادیٔ خیال اور عقیدۂ علم کے لئے جو ضمیر کے خلاف نہ ہو اور رواداری کے نصب العین کے لئے (جو ثقافت کے سنگ بنیاد کے طور پر ہو) قائم تھا۔

جامعہ کا ارتقا:۔ نلندہ ایک دن میں نہیں بنا۔ یہ صدیوں کے مسلسل ارتقا کا نتیجہ تھا۔ تمام بڑی چیزوں کی مانند ایک چھوٹے آغاز سے اس کا ارتقا شروع ہوا

تاجروں کی ایک جماعت کے پیشکش سے جو پانچویں صدی قبل مسیح میں مہاتما بدھ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، اس کی ابتدا ہوئی۔ زمین کے فیاضانہ عطیہ کی آمدنی پر اس کا دار و مدار تھا۔ ہیون سانگ کے زمانے میں جامعہ نلندہ کے قبضہ میں سو گاؤں تھے۔ آئی سانگ نے جو تقریباً تیس برس بعد ۶۷۵ء عیسوی میں نلندہ گیا اس جائداد میں دو سو گاؤں کا اضافہ پایا۔

جامعہ کا خرچ:۔ جامعہ کا روزآنہ خرچ کم سے کم دو سو من چاول، اور اسی مقدار میں مسکہ اور دودھ تھا۔ جامعہ نلندہ کے بیرونی سامان کے لئے داد و دہش سے کام لیا جاتا تھا۔ اس کا اندرونی سامان اس کی شہرت کے شایاں شان تھا۔ نلندہ نے اپنے علماء کے اجتماع پر کل ہند شہرت حاصل کر لی تھی۔ چینی سیاح اس کے تمام پندرہ سو اساتذہ کا جن میں سے، سلا بھدرا، گنامتی اور شیرامتی اعلیٰ قابلیت کے مالک بیان کئے گئے ہیں پورا احترام کرتے ہیں۔

کتب خانہ:۔ نلندہ نے ایک عمدہ کتب خانہ بنایا جو ایک خاص رقبہ میں واقع تھا اور بجا طور پر "دھرم گنج" کہلاتا تھا۔ یہ تین وسیع عمارتوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک عمارت نو منزلہ تھی۔ اس اجتماع کے کئی ایک قلمی نسخے نیپال اور تبت کے کتب خانوں میں جو نلندہ سے گہرا اور ثقافتی تعلق رکھتے تھے ابھی تک پائے جاتے ہیں۔

جامعہ کی فیض رسانی:۔ صدیوں تک تبت اور چین میں طلبہ کی آمد کا تانتا بندھا رہا جہاں انھوں نے ہندوستان کے سنسکرت علم و ادب کو سنسکرت کی کتابوں سے چین اور تبت کی زبانوں میں ترجمہ کر کے رائج کیا۔ قدیم زمانے میں دوران سفر کی انتہائی دشواریوں کی واضح روداد ہمارے یہاں موجود ہے ان ہندوستانی علماء کی خاموش اور ان تھک محنتوں کا نتیجہ تھا کہ تمام مشکلات کے باوجود ذاتی قربانی اور تصوریت کی بدولت عظیم ہندوستان اور ہندوستانی خیال کی ایک وسیع سلطنت ہندوستان کے جغرافیائی حدود کے باہر بہت جلد قائم ہوگئی۔ حقیقت میں نلندہ بنی نوع کی تاریخ میں ایک رومان ہے۔ (ماخوذ)

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۷ دی سنہ ۱۳۵۰ ف

نشان (۳۱)　　　　نشان مثل (۲۰/۴۷) ۴۸ف

مقفل

منجانب مولوی سید محمد حسین جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
بخدمت عہدہ دار صاحبان راست ماتحت دفتر ہذا

{ اندراج تاریخ ولادت بہ کارنامہ بروئے سند کامیابی امتحان میٹرک }

بمقدمہ مندرجہ عنوان ترقیم ہے کہ ملازمین کے تبدیل تاریخ ولادت کی کارروائیاں دفتر ہذا پر پیش ہوتی ہیں اور یہ عذرات پیش کئے جاتے ہیں کہ بوقت ترتیب کارنامہ حقیقی تاریخ پیدائش معلوم نہ تھی یا یہ کہ وثائق بروقت موجود نہ تھے۔ اس لئے کارنامہ میں صحیح تاریخ درج نہ ہو سکی۔

احکام منظورہ سرکار کے تحت ملازمین سرکار عالی کی تاریخ پیدائش مندرجہ کارنامہ میں اصلاح نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس لئے مجبوراً نفی میں جواب دے کر کارروائی ختم کر دی جاتی ہے۔

ترتیب کارنامہ کے وقت کارنامہ میں وہی تاریخ پیدائش درج ہونی چاہئے جو امتحان میٹرک کے سند میں درج ہوئی ہو لیکن اس کی پابندی نہیں کی جاتی ہے اس لئے دفتر ہذا سے محکمہ سرکار پر تحریک پیش کی گئی تھی کہ آئندہ کے لئے اس کی سختی سے پابندی کی جانے کی منظوری صادر فرمائی جائے۔ بربنار تحریک دفتر ہذا بذریعہ مراسلہ محکمہ سرکار صیغہ فینانس نشان (۳۵۔۵/۴۲۔۵) مورخہ ۲۳ مہر سنہ ۴۹ف حسب فرمان خداوندی مصدرہ ۲۰۔ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۹ھ جو منظوری شرف صدور لائی ہے۔ اس کی نقل منسلک ہذا ہے براہ کرم حسب ضرورت تعمیل حاصل فرمائی جائے۔

(حسب تجویز ناظم صاحب)

مددگار ناظم تعلیمات

نقل انقل مراسلہ محکمہ سرکار عالی صیغہ فینانس   واقعہ ۲۳ مہر ۱۳۴۹ف

نشان مجاریہ (۵۰۲۵-۵۰۴۳)

حسب الحکم عالیجناب رائٹ آنریبل نواب سر صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی ۔

منجانب مولوی محمد لیاقت اللہ خاں ایم۔سی۔ایس معتمد فینانس

بخدمت جناب صدر محاسب صاحب سرکار عالی ۔

مقدمہ: اندراج تاریخ ولادت بہ کارنامہ ملازمین سرکاری بوقت تقرر

بسلسلہ مراسلہ دفتر ہذا نشان (۱۱۰۳) مورخہ ۱۸ جون ۱۹۳۹ء ترقیم ہے کہ دربارۂ اندراج تاریخ ولادت بہ کارنامہ ملازمین سرکاری بتوسط معزز کونسل بارگاہ خسروی میں معروضہ ادب گذرانے پر بذریعہ فرمان واجب الاذعان مصدرہ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۵۹ھ یہ حکم محکم صادر ہوا ہے کہ

(۱ لف) ایسے جدید تقررات کی صورت میں جہاں میٹرک کی کامیابی یا دیگر اعلیٰ سندی قابلیت کی ضرورت ہو، تاریخ ولادت لحاظ اسناد کارنامہ میں درج کی جائے۔

(ب) دوسری صورتوں میں مدارس کے ریکارڈ سے اور اگر کوئی سند کامیابی ہو تو اس کے بموجب کارنامہ میں تاریخ ولادت کا اندراج کیا جائے۔

(ج) اگر مذکورالصدر ریکارڈ یا اسناد دستیاب نہ ہوں تو امیدوار کے والد یا سرپرست کے حلفی بیان پر جو کسی مجسٹریٹ کے روبرو قلمبند کیا گیا ہو اور اپنے بیان کی تائید میں انھوں نے صداقت نامہ معطیہ سیول سرجن بھی پیش کیا ہو تو ان دونوں میں سے جو عمر بھی زاید ہو وہ کارنامہ میں درج کی جائے۔

(د) ایک وقت جو تاریخ درج ہو جائے گی اس میں آئندہ اصلاح کسی طرح جائز نہ رکھی جائے گی۔

پس بمتابعت احکام مصدرہ بارگاہ ہمایونی دفعہ (۲۲۴) ضابطہ ملازمت سیول کے تحت جو استثنا اس وقت موجود ہے اس کو خارج کر دیا جائے اور اس کے بجائے حسب صراحت صدر استثنا از نمبر (۱) تا نمبر (۴) قائم کر کے تعمیلی عزت حاصل فرمائی جائے اور حسبہ ضابطہ حساب و فینانس و تنظیم باب حکومت میں بھی ضروری ترمیم فرمائی جائے۔

اس کا ایک مثنیٰ بخدمت جناب ہر دو اگزامنر صاحبان۔ افسر صاحب انچارج بیمہ فنڈ۔ افسر صاحب انچارج عطیات نقدی۔ ناظم صاحب دفتر دیوانی و مال۔ ناظم صاحب برقی۔ ناظم صاحب دارالضرب وغیرہ گورنمنٹ آڈیٹر صاحب ریلویز اطلاعاً و تعمیلاً مرسل ہے۔

شرح دستخط

مددگار معتمد فینانس

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۳ آذر ۱۳۵۰ف

نشان مجاریہ (۲) نشان مثل دفتر ہذا (۸/۱۹/۱۳۴۹ف)

مقدمہ

منجانب مولوی سید محمد حسین جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
بخدمت عہدہ دار صاحبان دفاتر و مدارس راست ماتحت دفتر ہذا
ترویج بیسک انگلش

بمقدمہ صدر ترقیم ہے کہ موجودہ جنگ کے سبب سے جو گرانی ہوئی ہے اس کے مدنظر اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ نادار طلبہ کے لئے بیسک انگلش کی ایسی کتابیں جو گراں قیمت ہیں فراہم کرنے میں سہولت بہم پہونچائی جائے۔ اس مسئلہ کو کمیٹی صدر مہتمم صاحبان میں پیش کیا گیا۔ اس پر تصفیہ ہوا کہ "(Extensive Reading) کی کتابوں کے چار سٹ مد دارالمطالعہ طلبہ سے خریدے جائیں اور نادار طلبہ کو یہ کتابیں عارضی طور پر استعمال کے لئے دی جائیں۔ متمول لڑکے یہ کتابیں خود خریدیں Intensive Reading کی کتابیں جملہ طلبہ کو خریدنا لازمی ہے۔" لہذا براہ کرم حسب عمل فرمایا جائے۔

(حسب مسودہ دستخطی ناظم صاحب تعلیمات)
مددگار ناظم تعلیمات

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۳ آذر ۱۳۵۰ف

نشان مجاریہ (۳) نشان مثل دفتر ہذا (۸/۱۹/۱۳۴۹ف)

مقدمہ

منجانب مولوی سید محمد حسین جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
بخدمت عہدہ دار صاحبان دفاتر و مدارس راست ماتحت دفتر ہذا
ہدایات متعلق اخراجات مدات پور فنڈ دارالمطالعہ طلبہ و دارالمطالعہ مدرسین

بمقدمہ مندرجہ عنوان تحریر ہے کہ بموجب احکام دفتر ہذا مدارس سرکاری میں پور فنڈ، دارالمطالعہ طلبہ اور دارالمطالعہ مدرسین قائم کئے گئے ہیں جن کی ماہانہ فیس تحت اسکیل مقررہ وصول کی جاتی ہے۔ لیکن بحین معائنہ اکثر مدارس میں یہ دیکھا گیا کہ یہ رقمیں جس مقصد سے وصول کی جاتی ہیں صرف اُس مقصد میں صرف نہیں کی جاتیں بلکہ اُن سے اکثر خلاف احکام غیر متعلقہ اخراجات بھی کئے جاتے ہیں اور مبادلے لئے جاتے ہیں مدارس میں جو عام بے ضابطگی پائی گئی وہ مبادلہ جات کا عمل ہے۔ اس کا تکملہ مہینوں بلکہ برسوں نہیں کیا جاتا۔ عدم تکمیل مبادلوں کے دو سبب ہوا کرتے ہیں یا تو صدر مدرسین صاحبان اس کی پابجائی کی جانب کوئی توجہ نہیں کرتے یا ایسے مدات میں رقم مبادلۃً صرف کردی جاتی ہے جس کے لئے پہلے سے کوئی گنجائش موجود نہیں رہتی۔ اس کے لئے گنجائش فراہم کرکے منظوری حاصل کرنے میں کافی عرصہ گذر جاتا ہے۔ ایک مدرسہ میں افسوس کے ساتھ یہ دیکھا گیا کہ پور فنڈ سے ایک مدرس صاحب کو منافع پر رقم قرض دی گئی اور ایک دوسرے مدرسہ کے غیر متوالی اخراجات میں رقم صرف کی گئی جس کا ہنوز تکملہ نہیں ہوا۔ اِن بے ضابطگیوں کے سدباب کے لئے حسب ذیل ہدایات دئے جاتے ہیں۔ براہ کرم ان کی سختی سے پابندی فرمائی جائے۔ صدر مہتمم صاحبان و مہتممہ صاحبات بوقت معائنہ خاص طور سے اس کی نگرانی فرمائیں اور مہتمم صاحبان و ناظر صاحبان مدارس کو بھی اس خصوص میں خاص نگرانی رکھنے کے متعلق ہدایات دئے جائیں۔

پور فنڈ:۔ مبادلہ کا عمل قطعاً مسدود کیا جائے۔ اس گنجائش سے صرف نادار طلبہ کی ضروریات تعلیم یعنی اشیاء نوشت وخواند اور فیس تعلیم سے امداد کی جائے۔ غیر متعلقہ اخراجات ہرگز نہ کئے جائیں۔ امداد کی منظوری صدر مدرس صاحب انفرادی طور پر نہ دیا کریں بلکہ اس کی منظوری کے لئے اسٹاف مدرسہ کی کمیٹی مقرر کی جائے۔ صدر مدرس اس کے صدر رہوں گے۔ اس کمیٹی کی باضابطہ روئداد ایک رجسٹر میں لکھ کر رکھی جائے اور حسب تصفیہ کمیٹی عمل کیا جائے۔

دارالمطالعہ طلبہ:۔ مبادلہ کا عمل ہرگز نہ کیا جائے۔ اس گنجائش سے ایسے رسائل

اور اخبار خریدے جائیں جن کے مطالعہ سے طلبہ کے معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ اس گنجائش سے مدارس وسطانیہ میں انگریزی اخبار نہ خریدا جائے۔ مدارس فوقانیہ میں ایک اخبار انگریزی خریدا جا سکتا ہے۔ ان اخراجات کے بعد اگر گنجائش ہو تو اس سے مطالعہ طلبہ کے لئے مفید اور کارآمد کتابیں خریدی جائیں۔ ان کو مدرسہ کے سرکاری کتب خانہ سے علحدہ رکھا جائے۔ بچوں کا کتب خانہ قائم کیا جائے۔ مخرب اخلاق رسائل وکتب یا ایسے رسائل وکتب جو بچوں کی استعداد سے باہر ہوں نہ خریدے جائیں۔ مدارس تحتانیہ میں جہاں دارالمطالعہ قائم ہے وہاں صرف بچوں کے رسالے خریدے جائیں۔

دارالمطالعہ اساتذہ:- عمل مبادلہ قطعی موقوف کیا جائے۔ اس گنجائش سے مدرسین کے لئے اخبار و رسائل خریدے جائیں۔ آئندہ کی اُمید پر کسی دوسرے مد سے رقم مبادلہ لے کر اخراجات نہ کئے جائیں۔ اگر اخراجات ضروری ہوں تو اس کے تکملہ کے لئے مدرسین دو تین ماہ کا چندہ پیشگی جمع کرا سکتے ہیں۔

(حسب مسودہ دستخطی ناظم صاحب)
(مددگار ناظم تعلیمات)

مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۱۷ بہمن ۱۳۵۰ ف

نشان مجاریہ (۷۲۵)

منجانب مولوی سید محمد حسین جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
بخدمت صدر مہتمم صاحبان تعلیمات بلدہ و اضلاع و مہتمات صاحبات مدارس نسوان و پرنسپل صاحبان مدرسہ نسوان فوقانیہ اہلی و صدر معلمہ صاحبہ سٹی ہائیسکول اناث و سپرنٹنڈنٹ صاحبہ مدرسہ تعلیم المعلمات ورنگل۔

مقدمہ
ہدایات متعلق شبیہ مبارک اعلیٰ حضرت بندگانعالی۔

بمقدمہ مندرجہ عنوان ترقیم ہے کہ بعض مدارس فوقانیہ اور وسطانیہ میں جن کی عمارتوں میں ہال بنے ہوئے ہیں ان میں اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی شبیہ مبارک مناسب موقع پر نہیں ہے ایسے مدارس کے لئے دیدہ زیب شبیہ مبارک فراہم ہونا ضروری ہے۔ صدر مدرسین کو ہدایت دی جائے کہ مدارس ثانویہ میں جہاں سرکاری عمارتیں موجود ہیں اور ہال بھی بنے ہوئے ہیں۔

حضرت اقدس و اعلیٰ کی شبیہ مبارک کو نمایاں مقام پر ہال میں آویزاں کیا جائے ۔

(حسب مسودہ دستخطی ناظم صاحب)

مددگار ناظم تعلیمات

شذرات

جلسہ سالانہ مدرسہ وسطانیہ مدور :۔ بتاریخ ۷ آبان ۱۳۴۹ف مدرسہ کا سالانہ جلسہ بصدارت جناب مولوی سید جواد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز حمد و پر آر تھنا سے ہوا۔ زاں بعد صدر مدرس صاحب نے اپنی رپورٹ سنائی۔ اختتام جلسہ پر صدر جلسہ نے بصیرت افروز تقریر فرمائی جو اساتذہ صاحبان اور طلبہ کے لئے مشتمل ہدایت ہے۔ اختتام جلسہ پر صدر جلسہ نے طلبہ کو انعامات تقسیم کئے اور شکریہ کے بعد جلسہ اختتام کو پہنچا۔

جلسہ انجمن اساتذہ مدرسہ فوقانیہ بیڈ :۔ بتاریخ ۲۳ آذر ۱۳۵۰ف ۔ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب وفا نے اپنی مختصر فارسی تقریر کے بعد جماعت ہشتم کو فارسی میں نمونہ کا سبق دیا۔ آپ نے یہ واضح فرمایا کہ جس طرح انگریزی کے معنی انگریزی میں بتائے جاتے ہیں اسی طرح السنہ مشرقیہ میں بھی اسی طرح کا عمل مفید ہوگا۔ زاں بعد مولوی عبدالحمید صاحب شوق نے "انتظام مدرسہ میں طلبہ کو حصہ دہی" کے عنوان پر تقریر فرمائی جس میں آپ نے واضح فرمایا کہ مانیٹری کا طریقہ بہت بہتر ہے اس سے طلبہ میں صرف ذمہ داری ہی کا احساس نہیں پیدا ہوتا بلکہ ان کی آئندہ زندگی کامیاب طریقہ سے بسر ہو سکتی ہے ہم کو چاہئے کہ طلبہ پر سخت نگرانی نہ رکھیں کیونکہ سخت نگرانی خراب اثر پیدا کرتی ہے اس ذمہ داری کا مشاہدہ تو پروجکٹ اسکولز میں ہو سکتا ہے۔ اختتام پر صدر جلسہ نے PREFCT مقرر کرنے پر

زور دیا اور جلسہ ختم ہوا۔

جلسہ تقسیم انعامات مدرسہ وسطانیہ عالمپور:۔ بتاریخ ۴ و ۵ مردی ۱۳۵۰ف جلسہ سالانہ بصدارت جناب تحصیلدار صاحب منایا گیا۔ پہلے روز فٹ بال اور والی بال کے مقابلہ ہوئے اور شام میں بصدارت جناب عبدالوہاب صاحب بخاری ایم۔اے مشاعرہ ہوا۔ اختتام مشاعرہ پر میر مشاعرہ نے اردو زبان کی اہمیت پر فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ دوسرے روز اسپورٹس ہوئے۔ تقاریر کے اختتام پر صدر جلسہ نے اراکین کو مبارک باد دی اور جیتنے والے طلبہ کو انعامات تقسیم کئے۔

جلسہ تعلیمی مدرسہ تحتانیہ مگل:۔ بتاریخ ۲ مہر ۱۳۴۹ف زیر صدارت جناب مہتمم صاحب تعلیمات جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ طلبائے مدرسہ نے فوائد علم اور وقت پر۔ اُردو اور کنڑی میں تقریریں کیں۔ صدر مدرس صاحب نے فوائد علم اور برکات عہد عثمانی پر تقریر فرماتے ہوئے اپنے زرین خیالات سے حاضرین کو مستفید فرمایا۔ بعد نماز مغرب حاضرین کی چائے نوشی و پان سے تواضع کی گئی۔ من بعد ڈرامہ شروع ہوا جس میں بے علمی کے نقصانات اور تعلیم بالغان کے فوائد اور قرضہ کی صعوبتیں۔ انجمن امداد باہمی کا اہل دیہی کے ساتھ تعاون اور ان کی اصلاح کی سعی کو بتلایا گیا۔ انعامات کی تقسیم کے بعد جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

جلسہ تعلیمی مدرسہ تحتانیہ زمستان پور:۔ مولوی ملک اعظم علی صاحب مدرس نے جماعت سوم کو اردو ادب پر نمونہ کا سبق دیا۔ اور آئندہ سہل اُصول پر حساب کے سکھانے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے حاضرین کو توجہ دلائی۔

روئداد مدرسہ تحتانیہ قصبہ شنکر پیٹھ تعلقہ اندول ضلع میدک:۔ بتاریخ ۳ شہریور ۱۳۴۹ف جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ اولاً طلبائے مدرسہ نے ترانہ اور پرارتھنا پڑھا۔ اور زاں بعد دیہی اصلاح کے متعلق بہ زبان اُردو مکالمہ کیا۔ تقاریر کے بعد جو اُردو اور تلنگی میں کی گئی تھیں صدر جلسہ نے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے حاضرین کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا پھر بعنوان "دیہی مدرسہ کس طرح آباد رہ سکتا ہے" صدر صاحب مدرسہ

جبر لگی نے حسب ذیل تقریر کی :-

(۱) جبریہ تعلیم کی اسکیم جاری کرنے کے عوض صدر مدرس مدرسہ کو جبریہ تعلیم کے اختیارات عطا کئے جائیں۔ اور طلبہ کو خریدی کتب کے لئے مجبور نہ کیا جائے بلکہ ابتدائی جماعتوں میں ایک کاپی پر سبق لکھوا کر یاد کرایا جائے۔

(۲) فراہمی و توفیر طلبہ کی خاطر اہالیان دہ جو موضع کے صدر گردانے جاتے ہیں انہیں اسبار سے میں خاص طور پر تیار کیا جائے۔

(۳) چونکہ اضلاع میں مدرسہ کے لئے مکان کا ملنا خالی از دقت نہیں ہے فراہمی طلبہ کے علاوہ تعلیم کی خوبیوں کو واضح کرنے کے لئے صدر موضع کو توجہ دلائی جائے تو مناسب ہے۔

جلسہ سالانہ مدرسہ تحتانیہ ڈگرس :- بتاریخ ۱۵ آبان ۱۳۳۱ف جلسہ سالانہ منایا گیا۔ طلبائے چہارم نے ترانہ دکن سنایا صدر مدرس صاحب مدرسہ مذکور نے دور عثمانیہ پر اور اساتذہ صاحبان نے ضرورت تعلیم پر تقریر کی اور طلبہ کے مکالموں اور ڈراموں نے عوام میں خاصہ اثر پیدا کیا۔ اختتام پر دعائے سلامتی اعلیٰ حضرت و شہزادگان فرخندہ فال کی گئی۔

جلسہ تعلیمی مدرسہ تحتانیہ منیال :- صدر مدرس صاحب نے فرائض صدر مدرس و مددگار کے عنوان سے اظہار خیال فرمایا جس میں صدر مدرس کی شخصیت اور اس کی ذمہ داریوں کا تذکرہ فرماتے رہے۔ انتظامی قابلیت اور تدریسی قابلیت اور قیام ضبط پر زور دیا۔ علاوہ ازیں فرائض مدرس یا مددگار کے متعلق اس بات پر زور دیا گیا کہ مدرس منصفانہ اور مساویانہ برتاؤ کرے اور متعصب نہ ہو۔ اور طریقہ تعلیم میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے۔

جلسہ انجمن اساتذہ مدرسہ فوقانیہ بیدر :- بتاریخ ۲۰ شہریور ۱۳۴۹ف انجمن ہذا کا ماہواری جلسہ مولوی شریف الحسن صاحب برنی صدر مدرسہ کی زیر صدارت منعقد ہوا بحث کا موضوع "امتحان کے جدید طریقے اور ان پر مدارس میں عمل" تھا جس پر خوب تقریریں

صدر جلسہ نے موجودہ طریقہ کے مختلف نقائص پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان نقائص کے دور کرنے کی تدابیر میں اختلاف آرا ہے مثلاً

(۱) کوئی مدرسین متعلقہ کی موافق رائے کے بعد صرف (۷۵) فیصدی حاضری کو ترقی کا ضامن قرار دیتا ہے۔

(۲) بعض عمر کو جماعت کا معیار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر جماعت کے لئے عمر کا کوئی ایک معیار مقرر ہونا اور اس عمر کے طلبہ کو ترقی کے قابل سمجھنا چاہیئے۔

(۳) لیکن تیسری جماعت مساحت ذہنی کے موافق ہے جو اس میں شک نہیں نظری طور پر سائنٹفک طریقہ ہونے سے قطع نظر موجودہ جماعت بندی کے نقائص کو دور کرتا اور کامیابی کے وسیع امکان رکھتا ہے۔ لیکن محنت اور دقت طلب ضرور ہے۔ اس کے ذریعہ ہمارے نصاب پر کثیر تعداد میں معیاری سوالات منتخب کرکے کم از کم تعداد کے سوالات کا جواب دینا کامیابی کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔

مولوی عبدالحمید صاحب نے اس مساحت ذہنی کے طریقہ کو صرف چھوٹی عمر کے بچوں کے لئے مفید بتاتے ہوئے جرمنی کے شعبہ واری امتحانات پر زور دیا جس کے مد نظر سال میں ایک ہی مضمون کے متعدد مرتبہ امتحان لئے جائیں اور طالب علم اپنی خواہش اور سہولت کے پیش نظر جس مضمون میں چاہے شریک ہو۔

مسٹر کھنڈیراؤ نے کہا کہ ہر مضمون کا امتحان تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہو اور مدرسین متعلقہ کی رائے سے عمر اور حاضری کے معیار کی تکمیل کے بعد ترقی دی جایا کرے۔ اور سالانہ امتحان کے بجائے چار یا پانچ سال کے بعد امتحان ہوا کرے۔

آخر میں مولوی حبیب اللہ صاحب وفا نے موجودہ طریقہ امتحان کی موافقت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ سال میں دو مرتبہ امتحانات ہوا کریں تو مناسب ہے۔

یوم والدین مدرسہ تحتانیہ بیارم:- بتاریخ ۱۷؍مہر ۴۹ف یوم والدین خاص اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔

صدر مدرس صاحب نے والدین کے تعاون پر اردو میں اور مددگار صاحبان نے

علم کے فوائد اور ترک مسکرات پر بزبان تلنگی مفید تقاریر کیں۔

مدرسہ کے طلبہ نے اسپورٹس اور مکالمہ میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ خاتمہ پر جناب صدر نے اعلیٰ حضرت کا دور مسعود" پر پراز معلومات تقریر فرمائی۔ اور جلسہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی اور خانوادہ آصفی کی دعا رسلامتی پر کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

تعلیمی تفریح مدرسہ وسطانیہ سلطان بازار بلدہ:۔ بتاریخ ۱۰ بہمن ۱۳۴۹ف بروز جمعہ بوقت ساڑھے آٹھ ساعت صبح ایک پارٹی جو چونسٹھ طلبہ اور چھ اساتذہ صاحبان پر مشتمل تھی مدرسہ سے دو موٹر لاریوں کے ذریعہ راہی نظام ساگر ہوئی۔ ساڑھے بارہ بجے میدک پہونچے۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد میدک کے چرچ کو دیکھا گیا۔ وہاں سے سب پوچارم کی طرف چلے اور تقریباً دو گھنٹہ تک وہاں قیام رہا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تالاب کو دیکھنے کے لئے مختلف ٹکڑیاں نکلیں اور تقریباً ساڑھے چار بجے وہاں سے نظام ساگر کے لئے جماعت روانہ ہوئی اور بوقت مغرب بنگلہ گلگشت پر ورود عمل میں آیا۔ شام کا کھانا پکوایا گیا اور کھانے پینے کے بعد چاندنی میں بوقت نیم شب سب کٹہ کو دیکھنے کے لئے نکلے۔ سات چادریں حسن اتفاق سے کھلی ہوئی تھیں۔ پانی کا چادروں سے نیچے گرنا اور گر کر شدت کے ساتھ اوپر اچھلنا ایک پر لطف منظر پیش کر رہا تھا۔ وہاں سے واپس ہو کر سب سو رہے اور صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد طلبہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو کر دوپہر تک مختلف سمتوں میں روانہ ہوئے دوپہر کے کھانے سے فارغ ہونے کے بذریعہ موٹر سب ساگر ویو کی طرف چلے تالاب کے مناظر اور بنگلہ کے تصاویر ایک عرصہ تک جاذب توجہ رہے واپسی کے دوران میں سومنگ باتھ کو دکھلایا گیا اور مغرب کے وقت قیام گاہ پر پہونچنا ہوا جہاں ہرش جیون اور پریم جیون طلبائے مدرسہ ہذا نے اپنا گانا سنایا۔ تیسرے دن مکرر ادہر ادہر گھومنے کے بعد دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر پارٹی گلگشت سے دلکشا کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں باغ اور صدر طوم کو دکھلایا گیا۔ نہر نظام ساگر اور گنّے کی کاشت سے متعلق بعض ضروری باتیں صدر صاحب نے طلبہ کے گوش گزار کرائیں اور تقریباً ساڑھے چار بجے وہاں سے سب راہی حیدرآباد ہوئے

اور بوقت ساڑھے نو ساعت شب بروز یکشنبہ بخیر و عافیت مدرسہ پہونچے۔

ٹورنمنٹ مدارس تعلقہ جنگاؤں :۔ بتاریخ ۲۸ و ۲۹ ماہ دے ۱۳۴۵ف ٹورنمنٹ منعقد کئے گئے۔ مدرسہ رنگ برنگ کی بیرقوں اور کمانوں سے سجایا گیا تھا۔ صبح پرچم آصفی کی سلامی بمعیت عہدہ داران مقامی دی پبلک دی گئی اس کے بعد ٹورنمنٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔ پانچ مدرسے اس میں شریک تھے اور کھیلوں کی تعداد چودہ ۱۴ تھی۔ پہلے دن پری فائنل کرلیا گیا دوسرے روز فائنل شروع ہوئے۔

ہر کھیل کی نوعیت کے اعتبار سے جملہ ستائیس ۲۷ انعامات مقرر کئے گئے تھے، جو مدرسہ جنگاؤں نے سترہ ۱۷ مدرسہ چیریال نے پانچ، مدرسہ مشتیال نے تین اور مدرسہ لاتور نے دو حاصل کئے۔

مولوی میرداور علی صاحب مددگار مدرسہ ہذا کا چمپین مڈل مسمی عبدالوہاب طالب علم مدرسہ جنگاؤں نے حاصل کیا۔

بعد تقسیم انعامات صدر جلسہ نے ورزش جسمانی اور کھیلوں کے متعلق ایک موثر تقریر فرمائی اور معتمد ٹورنمنٹ و صدر مدرس صاحب مدرسہ مستقر نے تمام حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی کی ترقی عمر و اقبال کے لئے دعا کی گئی۔ جناب تحصیلدار صاحب کی جانب سے طلبہ کو شیرینی تقسیم کی گئی۔

جلسہ انجمن اساتذہ مدرسہ پیلدرتی :۔ بتاریخ ۲۹ مہر ۱۳۴۵ف زیر صدارت محمد امام صاحب صدر مدرس منعقد ہوا۔ مسٹر کشٹیا مددگار مدرس مدرسہ ہذا نے جماعت اول تلنگی کو ادب پر نمونہ کا سبق دیا۔ صدر جلسہ نے اور محمد معین الدین صاحب نے تنقید کی اور سبق کی کامیابی پر مبارک باد دیتے ہوئے علمی تدابیر بھی بتائیں۔ اراکین انجمن کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

ماہ آبان کا جلسہ بصدارت مولوی محمد امام صاحب منعقد ہوا۔ مسٹر راگھولو مددگار مدرسہ ہذا نے جماعت دوم تلنگی کو مضمون نویسی پر نمونے کا سبق دیا۔ صدر نشین صاحب نے اور محمد معین الدین صاحب مددگار مدرسہ نے تنقید کی اور اظہار

خوشنودی فرمایا۔ آئندہ کے جلسہ کے لئے "ذرائع آبپاشی" پر نمونہ کا سبق دئے جانے کا تصفیہ ہوا اراکین انجمن کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ ضلع میدک :- ۴ و ۵ بہمن ۱۳۵۰ف انجمن کی چوتھی سالانہ کانفرنس بتواریخ ۱۴ و ۱۵ بہمن ۱۳۵۰ف زیر صدارت عالی جناب مولوی سجاد مرزا صاحب ایم۔اے (کنٹب) سی ٹی (لندن) پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ منعقد ہوئی۔ نمائش تعلیمی کا بھی انتظام تھا۔ جس کا افتتاح صدر کانفرنس نے فرمایا۔ چونکہ مدارس نسوان سے سال حال نمائش میں سامان وصول نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بمقابلہ سال گذشتہ نمائشی اشیاء میں کمی محسوس کی گئی۔ کارروائی کا آغاز مولوی فقیر محمد صاحب کی قرات اور مسٹر نارائن کی پرارتھنا سے ہوا۔ مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب مہتمم تعلیمات ضلع میدک کی تحریک پر صدر کانفرنس کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ مولوی محمد عبدالقیوم صاحب مولوی فاضل ومنشی فاضل نے خطبۂ استقبالیہ سناتے ہوئے مقاصد تعلیم و طریقۂ تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ معتمد کانفرنس نے رپورٹ سناتے ہوئے نمائش تعلیمی و اسپورٹس و ٹورنمنٹ و مراکز انجمن اساتذہ کا تفصیلی طور پر ذکر کیا اور سال رواں کے لئے ایک لائحہ عمل بھی پیش کیا حسب ذیل امور قابل ذکر ہیں:-

(۱) ڈرائینگ۔ دستی مشاغل اور ورزش جسمانی کے نصاب کی عملی تفہیم۔ (۲) مدارس تحتانیہ میں جماعت پنجم کے قیام کے مقاصد اور نصاب کی تفہیم۔ (۳) مدارس تحتانیہ کے اساتذہ صاحبان کو قریب ترین مدارس وسطانیہ میں ورزش جسمانی کی ٹریننگ کا انتظام۔ اختتام رپورٹ پر عالی جناب مولوی سجاد مرزا صاحب نے تالیوں کی گونج میں اساتذہ صاحبان کو مخاطب فرماکر اپنے فاضلانہ خیالات سے مدرسین اور عہدہ داران کی رہنمائی فرمائی جس کا اقتباس علحدہ شائع ہوگا۔

تقریر صدارت کے اختتام پر جناب مولوی میر احمد علی خاں صاحب پروفیسر ٹریننگ کالج بلدہ نے ابتدائی تعلیم کے عنوان پر اپنے عالمانہ خیالات سے

مدرسین کو مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

دوسرا جلسہ دو پہر میں زیر صدارت معزز صدر کانفرنس منعقد ہوا۔ سب کمیٹی کی رپورٹ بہ عنوان "باری وار طریقہ تعلیم" مولوی عبداللہ بن علی صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ بیتچرو نے سنائی۔

زاں بعد مولوی عبدالستار سبحانی صاحب صدر دارالعلوم نے مدرسین کے کیرکٹر پر ایک مختصر تقریر فرمائی اور نصاب جغرافیہ مدارس تحتانیہ کی تفہیم و توضیح کی۔ اس کے بعد جناب مہتمم صاحب نے جناب صدر کانفرنس و معزز مہمانوں کا شکریہ ادا فرمایا۔

۱۵؍بہمن ۱۳۵۰ف کو کانفرنس کا تیسرا اجلاس زیر صدارت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب مہتمم تعلیمات ضلع منعقد ہوا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ سنگاریڈی نے سب کمیٹی کی رپورٹ بہ عنوان مدارس کا "اولیا و طلبہ سے تعاون" سنائی۔

بعدازاں صدر جلسہ نے "ہمارے مدارس" کے عنوان پر نہایت بصیرت افروز اور مدلل تقریر فرماکر اساتذہ صاحبان کی رہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد مولوی بشیرالدین صاحب اور مسٹر کمیروڈو نے ڈرائنگ کی تعلیم کے مقاصد بیان کرتے ہوئے اول تا دوم کے نصاب ڈرائنگ کو عملاً بتلایا۔

کانفرنس کا چوتھا اجلاس دوپہر میں زیر صدارت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب مہتمم تعلیمات منعقد ہوا۔ مولوی میر محمد الدین صاحب فزیکل انسٹرکٹر نے ورزش جسمانی کے نصاب کی کافی وضاحت کے ساتھ تفہیم کی اور اختتام تقریر پر حاضرین سے دن منٹ ڈرل لی گئی۔ بعدازاں معتمد کانفرنس نے جماعت پنجم کے قیام کے مقاصد اور نصاب کی تفہیم کی۔ اور جناب صدر جلسہ نے بھی اس عنوان کے تحت مزید وضاحت فرمائی۔

آخر میں معتمد کانفرنس نے مدرسین و کارکنان انجمن کا شکریہ ادا کیا اور دعا سلامتی اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی و خانوادۂ شاہی پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

Review

Better Letters.—Oxford University Press, Bombay, price As. /12/-.

In his preface the author says, "This book is written in such a way that the student can use it by himself, both for reference and as a basis for letter-writing. But because the book is made to meet the requirements of matriculation students it will not be the less useful to the commercial student or the man in the street." After reading the book, one has to admit that the author has succeeded in his object admirably. The first few chapters contain hints of great practical value on punctuation and style and on the skeleton of a letter, while in subsequent chapters specimens of good modern letters of different types-business letters, social letters and letters to friends-are given with useful suggestions. In the last chapter are reprinted letters of famous men like Samuel Johnson, Byron, Lord Tennyson and Dickens.

This book deserves a place in the library of every Secondary School. It is also suitable as a prize book.

S. A. A.

The most important educational problem in these Dominions, as elsewhere in India, is the removal of illiteracy So long as the expansion and improvement of Primary Education were left to the local bodies, progress in this vital branch of education was slow; but now that the responsibility for Primary Education has been taken over by the Government, it may confidently be expected that there will be a rapid improvement not only in the number of schools and pupils but also in the quality of instruction imparted. It is to be hoped that the five-year programme which was sanctioned in 1348 Fasli and introduced in 1349 Fasli for the opening of schools in all villages with a population of 1,000 and more where no schools exist at present, will be followed by another five-year programme for the provision of educational facilities in villages inhabited by less than 1,000 souls. It is also to be hoped that as soon as the financial stringency caused by the war disappears, steps will be taken to make Primary Education compulsory in selected areas.

Another measure necessary for speeding up the progress of Primary Education is the establishment of more schools in Jagir areas, where, according to the report of the Education Department for 1347 Fasli, education is so backward that there is one school for every 231 square miles, as against one school for every 17 square miles in those parts of the Dominions for which the Education Department is directly responsible.

The ideal of universal education cannot be achieved unless side by side with Primary Education adequate provision is made for Adult Education. The fact that in 1348 F. there were only 52 Adult Schools and 1789 pupils shows that there is much work to be done in this field.

In the end, we offer our hearty congratulations to Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi, Director of Public Instruction, on the success which he has achieved in various directions, especially in the field of Primary Education.

but let us not at once discard what we have as useless and effete. Even if we can use the instruments we have at hand to develop the latent ability of the individual students, our youth will be in a fair way to being educated, trained to think for themselves, and enabled to live the 'good life'.

Editorial

Report on Public Instruction in H. E. H. the Nizam's Dominions for 1348 Fasli (1938—1939)

Elsewhere are published extracts from the report of the Education Department for 1348 Fasli which will give one an idea not only of the progress of education during that year but also of the policy of the Department. In spite of certain difficulties over which the Department had no control, much constructive work of great importance was done; for example, the reorganisation of Secondary Education in the lower secondary stage, the introduction of new curricula in the primary and lower secondary classes, expansion of Primary Education, the strengthening of the inspecting agency for the Girls' Schools by the appointment of two additional Inspectresses, the opening of a Matric training class for women teachers and the establishment of a school for deaf and dumb and blind children.

While recording their appreciation of the progress made by the Department under Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi, Director of Public Instruction, the Government have observed that they are looking forward with deep interest to the introduction of the new scheme of Primary Education in 1349 F., and also that they will watch with interest the result of the experiment in Basic English which was introduced in some 40 Lower Secondary and Primary Schools in Amardad 1348 F.

eventually leads to the deepest happiness. Says Professor Thorndike: "The task of education is to make changes in human beings. We teachers will spend our time to make ourselves and others different; thinking and feeling and acting in new and different ways. These classrooms, laboratories, and libraries are tools to help and change human nature for the better in respect to knowledge, taste and power".

Does it matter much, then, if in a college or universitythe subjects are seemingly divorced from practical life? The teacher, if he is worthy of the high calling that is his, must interpret for his pupils the value of whatever subject he teaches, and make it but the main road to other values, the side paths where the student catches glimpses of the true meaning of learning; the development of his mind, the growth of his personality, the imponderables of education which, though not seen, nor measured, yield a rich harvest in character development: intellectual sincerity, exactness and thoroughness in study and in all work, honesty, punctuality and grace. The dry bones of any subject can be clothed with the flesh and blood of thought and imagination through the attitude developed towards it, and so glow with life.

That does not mean, however, that we educationists are to be content with things as they are, and are not to work for reform in the prevalent system: for greater flexibility in curriculla, for a functional education, where not only the traditional subjects will be taught, but those which will enable students to live the abundant life, the full life of the intellect; to make their leisure hours a delight because they know how and where to turn for the best that the past has to offer them; which will encourage them to do creative thinking and work. They will know the principles of study, not merely a smattering of information, chiefly of use in fooling examiners. Let us therefore, work unremittingly for reform of curricula for 'Basic Education', if the basic things of life are not lost sight of. Let us strive for an improved system of tests and examinations,

for the mind in study for its own sake, but the student wants to know how the subject matter he is studying is related to life; in other words what the functional value of education is. Though certain subjects may not have the value we think essential for the practical side of life, these may yet be related to life through what may be called its by-products.

Teachers are or should be specialists in their subjects, and sometimes that makes them narrow in their outlook. When a teacher thinks less of the general education of his pupils and of the place of that particular subject in their development, than of his own desire and endeavor to make the students something of a specialist like himself, his horizon and his usefulness as a teacher are limited. Thoroughness is one thing; undue stress on one section of knowledge is another. The curricula of most secondary schools and Universities as I have said, in this country are too narrow, too rigid to begin with. Examinations and degrees overshadow the value of every subject taught. Can one call a person either educated or cultured who cannot write grammatically either in his own mother tongue or another language? Power of self-expression or communication, that primary requisite of education, is lacking in hundreds who receive University degrees, which are supposed to be the hall mark of the educated. This is partly due to the crowded conditions prevalent in our institutions, which preclude the possibility of individual attention by teachers to students, and partly to the aim of the student to receive the stamp of a degree for the sake of obtaining a job. The economic factor again. It is a vicious circle from which there seems to be no escape. But I still have faith that if the teacher has before him the high ideals of education, the real meaning of culture, he will not let a pupil leave his classroom without his receiving at least a glimpse of that 'best happiness' that can be his. No matter what the subject—Mathematics, Biology, Chemistry, History, Language, Literature—all should take the student on the high road which

'educated' men and women; unfortunately literacy does not imply education; for sometimes the so-called ignorant and illiterate have a clearer perception, and are nearer the realization of the good life than many a graduate of our best universities. But though we may grant this education in a College or University does not always procure the good life for the individual, we must also admit that if it does not, it has failed in its supreme function which is, to quote Prof. Kandel of Teachers' College, Columbia University, "to promote the best happiness of the individual by putting him in the way of the highest development of which he is capable, and which will contribute to the best progress of society". This definition takes into consideration the aim of education for the individual and its contribution through him to society.

First, the individual. There is so much controversy and disagreement as to what constitutes true education, a liberal education, and so forth, that it is futile to define it in terms of this or that or the other. A liberal education has a different connotation today from what it had a hundred or fifty years ago. Even at the beginning of the century the curricula of most Colleges and Universities were not what they are now. Latin and Greek were considered essential for an education in most countries of the West. Today more stress is being laid on a curriculum which is related to living, to the interests of its pupils. The old established order in education, as in any walk of life, is difficult to change, for prejudices die hard. Yet the old order does change. Even in this country, where the educational code of the Intermediate and University Boards scarcely show an addition or deletion in a score of years, there is more emphasis being laid on the practical side of learning, on the application of information to life. There has been much controversy in this connection as to whether girls should study the same subjects as their brothers, when they must look forward in most cases to becoming home makers and mothers. No one will deny that there is a value

life for the student immediately, it should put him in the way of acquiring it and living it, which is the same thing.

What, then, are the essentials of the 'good life'? Physical well-being, of course-health, a minimum of economic security at least, and comfort. Next, opportunity for fullest development of oneself intellectually as well as socially, which implies freedom of action and choice; civil liberty, equality of opportunity, possible only in a true democracy. In short, the good life consists in the highest growth and development of which the individual is capable; this will secure for him the best happiness and contentment. These, plus all those higher riches which will nourish the spirit, are essential.

And what are the hindrances to that development? We certainly have not been able as yet to put the youth of India, or any country for that matter, in the way of acquiring that life. There and here may be some who can say with glad assurance that they are living the good life, that they know what it means. But we have only to look at our social order today to know that it is far from perfect, and since society is made up of individuals, the fault of this imperfection lies with the training, or its lack among individuals. The sad truth is that the economic factor controls both the individual and society, not knowledge or wisdom; nor truth, beauty and goodness.

I do not need to enumerate the causes of the faults and shortcomings of our social order; we know them only too well; the environment of a backward and too slowly progressing culture, economic insecurity, crushing poverty which deadens hope and hampers progress, outworn customs and traditions, and stark ignorance which stubbornly perpetuates them. But that does not mean that this state of things is to continue forever; that the good life will continue to be beyond the reach of the majority of the youth of the country; that it is within measurable grasp of only 8% of its literate men, and the 1% of its literate women. Mark: I do not say

value for this day and age, or which have aided the entrenchment of wrong; nor would one wish for a slavish acceptance by youth of the guidance of age qua age. But what behaviour patterns or what customs have taken their place? Can we point to the prevalence of courtesy, punctuality, truth, honesty, justice, and mercy in our social order? Would that we could joyfully say "Yes!" On the contrary, the elders of every community mourn the passing of the old order, for with all its shortcomings it at least maintained a semblance of discipline, respect, and courtesy which have been flung aside by our youth as out-moded and unnecessary. In speech after speech at Convocations of the various Universities, here and abroad, one hears exhortations to discipline by the speakers who are, of course, leaders of thought. If education is to be of value, if it is to fulfil its function at all, both for the individual and for society, it must develop character; it must help the student to judge between values, to make wise choices, and to give back to society in constructive service all that he owes to it.

But it might be objected that a child's surrounding cultural life moulds him to its pattern. How can he rise above it and help to develop it beyond its established ways? Only education for women can effect a changed environment for the child. It is ignorant mothers and mothers-in-law who have tied the hands of custom tighter, and prevented growth until good customs have deteriorated and become corrupt. Their ignorance has been and is the fault of the men who have kept them in this backward state, denying them education. There have been too few Ranades among us, fearless crusaders against evil customs, and for a fuller life, the good life.

One hears much these days in Educational institutions of the West about the 'good life'. What constitutes the good life? Does education provide the good life for the individual? Of course it should. If education does not provide the good

the material we have to handle, the students who come to College from these schools, are not always inspiring; carried unanimously that the examination system in vogue in this and other provinces of India is most unsatisfactory and no test of either the candidate's knowledge or of his aptitudes. Still these are our materials, and our implements of education; what are we going to do about them? Do those responsible for the education of youth have so clear a perception as Miss Thoburn had of what they want to give them; of the true meaning and function of education?

With a limited and rigid curriculum, can one educate men and women so as to contribute to 'the best progress of society', which should be the wider aim of education? If the curriculum does not allow a functional education, how is society to be benefitted by the educational system for which it has laboured, and which it supports? Has it not a right to demand that its young people emerge from the established educational institutions ready to contribute to the sum total of its culture, and so of its happiness; that they should be an asset rather than a liability economically, and that they be not mentally bankrupt, as is unfortunately the case in this country? This is not the time or place to criticise either the social order or the educational system in India; but for at least two decades thinking men and women have deplored a system which is not contributing to the sum total of happiness nor to the advancement of society, but instead is producing a type of young people who are breaking away from the fetters of custom and tradition, only to be swept into the vortex of political movements, impulsive strikes, undisciplined actions which eventually lead to maladjustment in one form or another. It seem as though the repression of ages has burst forth into self-expression at any cost and in any form. This lack of self-control inevitably means maladjusted and integrated personalities, for the integrated personality is the disciplined personality. No one would wish for the perpetuation of those customs and traditions that have lost their

should not be overlooked that England's enemies in the present war are waiting for an opportunity to suck India's blood in the same way as they did the blood of other countries. It is necessary, therefore, that the people of India should be fully informed of the dangers surrounding them so that they may whole heartedly support England in winning the war. This is the immediate objective before India today, and it is the business of education-formal and informal-to adopt suitable measures for its attainment.

WOMEN'S POINT OF VIEW

Education and The Good Life

BY

Mrs. C. Premnath Dass, M. A., Ph. D., LL. D.,

Principal, Isabella Thoburn College, Lucknow, U. P.

It has become the fashion to decry and blame the educational system now in vogue for the present state of affairs; to rail against the paucity and inadequacy of text-books; curricula, examinations, and what not, antiquated and worse for the needs of youth; to deplore the overcrowding of our institutions of higher education and in consequence the overcrowding of the professions, which inevitably leads to the acute problem of unemployment. The defects and deficiencies of education in all countries, East and West, are being recognised, for somewhere, somehow it has failed. Hence the cry for reform and change. Still the problem of education does not seem to be clear in the minds of those who would improve prevailing conditions.

What then is the problem of higher education with which we have to cope? Admitted that the curriculum is inadequate and limited; granted that teaching in the primary and secondary schools is not what it should be, and that therefore

India has not been free from the effects of the international conflicts of the present century. The Great war of 1914, for instance, affected her, and the nature and speed of the general changes that subsequently took place were due more or less to that War. But in the sphere of education hardly any changes which would have enabled her to react satisfactorily to possible upheavels in the international situation of the future were introduced. The fact that since 1914, India had assumed an important place and status in the comity of nations was overlooked, and no steps were taken to ensure that she should play her rightful part. The present war has given her a further opportunity, which she should fully utilize in rehabilitating her educational system in such a way as to enable her to perform her functions appropriately at home and abroad and both in times of peace and war. She should, for instance, see that the formal and informal agencies of education in the country supply her people with up to date and useful information relating to her geographical, political, social and economic position both as an independent unit and in relation to other countries. The educational agencies should point out to the people the benefits which India would drive by strengthening her connection with England and the British Commonwealth of Nations. They must open the eyes of India to the necessity of having an efficient machinery for defence. They must impress upon the minds of the people the fact that communal harmony and goodwill are necessary for increasing and maintaining India's power and influence. And finally, they must train and prepare them to increase her moral and material resources and utilize these for individual and social betterment.

These things will, however, take time to get into full working order. In the meantime, India is expected to contribute her full share to Britain's war effort. It does not help at all to shut one's eyes to the plain fact that India's destinies are linked up with England's at the present hour, and India, as she is, is helpless without England's aid and support. It

should be cultivated. 3. The utilitarian aims of education, which have been carried too far, should be so modified as to admit of a proper recognition of the cultural values, for what is the good, after all, of huge incomes and untold wealth, if they do not make life beautiful and the surroundings cheerful? 4. On the physical side of education the pre-war tendency of building up man-power should be supplanted by the aim of achieving a healthy body, as the fitting abode of the noble soul. 5. It will be necessary also to revise the reading-material of the syllabuses, because it has been tampered with to subserve the preverted aims of the diplomats and the politicians.

To carry out the above aims a central World-Organisation should be constituted. It must carry out its educational functions by constant examination in various countries of those of education which are bound up with the future welfare of the world. Secondly, it must encourage those aims that make for greater welfare, and must discourage those that run counter to world-peace. Thirdly it must give moral and material help to countries which are educationally backward, as this will reduce the disparity of development which has been a drag on world progress. Finally, it should not interfere with the management and control of education in the respective countries, nor prevent individuality and initiative from finding due expression. It should aim at achieving 'unity in diversity'.

Along with this, educational organizations in the respective states should be infused with the spirit of introducing reforms, assuring peace, prosperity and happiness both to the nation concerned and to the world in general. The relation between the central organization, mentioned above, and the various national organizations should be open and friendly, and the feeling should prevail that each of these in turn is forwarding the aims of the other and that by the co-operation of both, the final goal, that is, enduring peace, shall be reached.

said that their educational plans were altogether free from the aim to prepare people for a possible international conflict. The national budgets, of almost all the European countries during the pre-war period, showed that huge amounts were spent for direct war purposes or upon items which would be useful during war times. The detailed educational plans also indicated that great emphasis was placed upon matters which reflected the shadows of coming conflicts. Physical and vocational training in and outside the regular educational institutions had mixed educational and military objectives. The above illustrations are enough to prove that the defects in world education in the period preceding the present war were similar to those in 1914.

But the present war has been fruitful at least in one respect, namely, that it has opened the eyes of people to the glaring defects in education and made them realize that the educational systems of some of the leading countries were designed mainly to produce destructive factors to world-peace. Educational reform is therefore very necessary and in this reform the aim of education should be to train people to adapt themselves in a better manner to the requirements of a complex political, social and economic world, and, above all to work for the attainment of peace and its maintenance in the future. The first duty of educators should be to study the complex causes of wars and then to weigh and feel the losses which the war have produced, so that a true appreciation of the enormity of these may prevent the introduction of such features in the future educational plans as are likely to help wars. Educational reconstruction should aim at the "recovery of man's lost heritage of moral worth." This means: 1. That ethical and spiritual values should be duly emphasised both in the aims of education and in their application. 2. Too much should not be made of the intellectual side of character, but, on the other hand, finer feelings, which create humane and sympathetic attitude and behaviour-the preventives against the rank vandalism so palpably evident in the present war-

a member of such a race.........Children must leave school, not as half-baked 'pacifists,' democrats and what not, but as out and out German". Connected with this narrow nationalism was the idea that "Germany's frontiers, when her appetite for European expansion is sated, will run from the Atlantic to the Black Sea, from the English Channel to the Mediterranean." The German attitude to inferior races was still more dangerous, for the attitude "to advance the victory of the better and stronger, and demand the subordination of the weaker and worse", was assiduously cultivated. Germany's military policy is made still more clear in the following quotation. "It must be the domestic policy of the New Germany to forge this sword (mighty to strike) and the task of its foreign policy to preserve it and to seek companions in arms, so that Great Germany shall come into being, a state which shall comprise all of German blood." Germany's political ideas have determined her economic, social and educational programmes and activities. As through education her policies could reach the future generations, the whole machinery of education was overhauled in the light of her political aims. The various types of educational institutions, their aims, organization, methods, curricular and extra-curricular contents were used as instruments for achieving, in a concrete manner, the political aims of Germany.

But Germany was not the only country which did this. Italy and Russia, followed similar objectives, though they had to be different in details form those of Germany, because their conception of State differed from the German conception. But the results of their educational policies were almost similar to those of Germany. In Italy and Russia, in the years immediately preceding the war, educational institutions and agencies were fully utilized to inculcate nationalism, and to train the future generations to grab as much from others as possible. Economic development was also pushed up for war purposes. Though in the democratic countries the extreme type of nationalism did not widely prevail, yet it cannot be

necessary, that the replanning or reconstruction of education, in the future, should proceed on a permanent and solid basis, and not merely with a view to immediate needs and requirements. In other words, in the reconstruction of education, those objectives should receive greater attention, which concern the welfare and happiness of humanity, and not exclusively of this or that nation.

It is generally recognised now that the defects in world-education played a considerable part in precipitating the world-catastrophe in 1914. "The three most glaring of these defects were excessive nationalism, excessive materialism and excessive intellectualism. Each of the three was, as is usually the case, the result of the exaggeration or over-emphasis of a quality which in moderation is valuable and even necessary." These defects were clearly noticeable in the general spirit underlying the curriculum and in the way subjects like history, geography, language and literature, were taught. Narrow objectives were pursued, and those aspects which displayed "the common heritage of civilization, and mutual indebtedness of the people of the different races and States of the modern world" were neglected. Education was made to subserve the economic or material ends of life, and the "aesthetic, ethical, humane and religious bases" were ignored. In this respect the educational situation in Germany was worse in 1939 than in 1914. A few examples will illustrate the point. "Hitler's Reich is to pay attention, in the first place, to physical fitness, in the second place, to the development of character, will-power and joy in responsibility, in the third place, to 'learning'................These things are to be cultivated, because a boy's faith in his own physical fitness promotes courage and the 'spirit of attack'........the German boy's whole attention must aim at giving him the conviction 'of his own unquestioned superiority over others'........He will thus recover faith in 'invincibility of his race'....,......The child must be taught the cultural, economic and above all the political greatness of his country, so that he may feel a pride in being

available before long. Funds are also required for the opening of Girls' Middle Schools at some of the district headquarters, for which there is an incessant demand on the part of the public, as was stated in the Report for 1347 Fasli.

The most urgent need of the Department, however, is provision of suitable school buildings. It is gratifying to note that under the new scheme of Primary Education, about Rs. 40 lakhs, spread over a period of five years, have been made available for the construction of buildings for Primary Schools in rural areas. A similar grant out of Shahi funds for the erection of buildings for Secondary Schools and Primary Schools in urban areas is a desideratum.

War and Education

BY

Mir Ahmad Ali Khan, M. A., M. Ed., Bar-at-Law

Reader, Osmania Training College.

At different times and in different climes both individuals and nations have relied upon education for the fulfilment of their aims and objects, both immediate and remote. At the present time education is fulfilling the immediate objects of the belligerent as well as the non-belligerent nations by informing people of the war situation in its various aspects, and by preparing them to adapt themselves to the extra-ordinary conditions and circumstances brought about by the war. In countries directly affected by the war, the entire machinery of education has felt the war-repercussions severely. The other countries also have felt its effects, though in a lesser degree. The war, because of its extensive influence, covering almost the whole world, has necessitated a reconsideration of the existing aims and machinery of education, particularly in the belligerent countries. It is

year in a number of Secondary Schools for causes stated in Chapter I, were a matter of serious concern to the Department. The success which the Education Department achieved in ending these strikes speedily was in many cases due, in no small degree, to the help which it received from the Revenue Department.

As stated in Chapter I, the Education Department did not confine itself to dealing with such cases of a breach of discipline as occurred during the year, but it also took steps to improve the discipline and tone of all Secondary Schools so as to prevent the students from being misled and misguided by interested individuals in future. The measures adopted in this connection include the development of extra-curricular activities, particularly out-door games, scouting and debating societies, and the establishment of a closer personal contact, on the one hand, between the teachers and the students and on the other, between the teachers and the parents. Another measure required is the extension of the residential system, especially in view of the fact that in most of the High Schools and in some of the Middle Schools there is still quite a large proportion of students who, owing to lack of facilities for Secondary Education in their own villages, have been compelled to leave their homes and live in circumstances which are not favourable either to their health or their character-formation. The unfortunate events which occured during the year under report have demonstrated that the need for opening more hostels, to which attention was drawn in the Report for 1347 Fasli, has become more imperative than ever.

As regards Girls' Education, the appointment of two additional Inspectresses during the year under report has proved to be of great value to the Department in its efforts to improve the condition of Girls' Schools. It is to be hoped that under the scheme for the appointment of an Inspectress for each Division, the necessary funds for the creation of two more posts of Inspectresses—one for the Gulbarga Division and the other for the Warangal Division—will be made

With the exception of Part II of "The History of India for Classes VII and VIII", all the text-books in the preparation of which the History Committee was engaged in 1347 F., were printed and introduced in the schools in Amardad 1348 Fasli. These books have already become very popular and are a great help to the teachers not only in stimulating the interest of the pupils in Indian History but in cultivating in them a spirit of toleration.

Conclusion

During the year under report the efforts of the Department were directed chiefly towards the revision of the curriculla of the Lower Secondary and Primary Classes and towards the working out of the details of the five-year programme for the expansion and improvement of Primary Education. The main aim of the new curriculum, which was introduced in Amardad 1348 Fasli, is to bring the school work into greater harmony with the changing needs of the population, especially the rural population, having due regard to the provision made for bifurcation in the new scheme for the re-organisation of education in the State. The curriculum for the Higher Secondary Stage will be revised on similar lines before Amardad 1350 Fasli, when it is proposed to open Class IX under the new scheme.

The new scheme for Primary Education sanctioned during the year under report bears ample testimony to the importance which His Exalted Highness the Nizam's Government attaches to Primary Education. This scheme, when it is introduced, will have far-reaching effects and help the Education Department not only to bring about a more rapid expansion of Primary Education than has been hitherto possible, but also to improve the quality of this vital branch of education.

Another question which engaged the special attention of the Department during the year under report was that of discipline. The students' strikes which occured during the

Primary Schools.—Out of the 2,304 Primary Schools in the districts, only 276 have satisfactory buildings of their own, the rest being housed in rented buildings, many of which are unsuitable for school purposes. The total amount of rent paid in 1348 Fasli was Rs. 1,13,416, out of which a sum of Rs. 23,901 was paid towards the rent of Primary School buildings at Headquarters.

During the year under report, new buildings were constructed for one Local Fund and five Government Primary Schools. In future the construction of Primary School buildings will be considerably speeded up as under the new scheme for Primary Education a sum of Rs. 8½ lakhs has been made available annually for the purpose for the next five years, out of the Local Fund. This scheme also provides for the maintenance of Primary School buildings out of the annual 3 pies cess. During the year under report a rough building programme for five years was prepared and the schools to be provided with buildings in 1349 Fasli were finally selected.

Preparation of text books.

The Text Book Committee is entrusted with the work of arranging for the compilation of text books for use in schools, translation of suitable books and their publication. The following is a brief summary of the work done during the year under report:—

5 books were published during the year under report and prescribed as text books;

7 text books were under print;

10 books compiled and printed in the previous year were reprinted during the year;

6 books on pedagogical subjects were translated into Urdu, one of which was printed during the year and the others were under print;

and 9 books were under preparation.

The total expenditure on these vocational schools during 1348 Fasli was Rs. 8,190.

Buildings.

During the year under report a sum of Rs. 2,05,176 was spent on the construction of buildings for schools, as against Rs. 1,84,088 in 1347 Fasli, while the cost of repairs to buildings was Rs. 1,34,278, as against Rs. 93,855 in the previous year. Of the total amount spent on construction, Rs. 1,49,138 were spent on Government Schools, Rs. 6,212 on Local Fund Schools and Rs. 49,826 on Recognised Unaided Schools.

The number of new sites acquired during the year under report for school buildings and play-grounds was 31, out of which 2 were acquired for the construction of Secondary School buildings at Headquarters. 63 sites—56 for school buildings and 7 for play-grounds-were also selected during the year and correspondence for their acquisition was started.

Secondary Schools and Training Institutions.—The majority of Government Secondary Schools continued to be housed in rented buildings, the total expenditure on rent in 1348 Fasli being Rs. 75,571, out of which the rental at the Headquarters alone came to Rs. 43,171. In some cases schools badly housed were shifted to more suitable buildings.

The Department continued its efforts to provide better buildings for Secondary Schools out of the grant of Rs. 6,44,000 sanctioned for this purpose for the current triennium.

Steps were taken for the preparation of a five-year programme for the construction of buildings for Government Secondary Schools. A standard plan for Normal Schools, estimated at Rs. 30,000 was sanctioned by Government. As far as Secondary Schools are concerned, it is proposed to adopt as the type design the plan prepared by the Public Works Department for the Medak High School.

Religious Schools.

The total number of Religious Schools at the end of the year 1348 Fasli was 21, the same as in 1347 Fasli, while their strength increased by 160, from 1274 to 1434. Of these schools 16 were Deeniya and 5 Sanskrit and Vedic Schools. Three Deeniya schools are under the direct control of the Ecclesiastical Department, while the Nizamiah school is under a Board. The remaining 12 Deeniya schools are Aided Institutions receiving grants from the Education Department. The 5 Sanskrit and Vedic schools are also aided by the Department. Secular education is imparted in all these schools side by side with religious instruction. The Nizamiah school teaches Arabic upto the Kamil class and in 1348 Fasli received a grant-in-aid of Rs. 34,212 from Government. It has a Boarding House attached to it, the boarders receiving clothes and board free of charge.

The School for Deaf, Dumb and Blind Children.

The institution was opened in Amardad 1348 Fasli. The staff consists of 4 teachers specially trained for the purpose. Provision has been made in the school for giving suitable vocational education in subjects like Book Binding, Cane weaving and Carpentry. The number of pupils on the rolls at the close of 1348 Fasli was 10. In order to increase the strength of the school, the question of attaching a hostel for pupils from the districts and providing conveyances for Day scholars is engaging the attention of the Department. The annual budget of the school at present is nearly Rs. 13,000/- and the expenditure in 1348 Fasli amounted to Rs. 2,004.

Industrial and Vocational Schools.

As in the previous year, there were three vocational schools receiving grant-in-aid from the Education Department. The question of transferring these schools to the Department of Vocational and Technical Education is still under consideration.

Adult Education.

At the end of 1348 Fasli there were 52 Adult Schools with 1,789 adults under instruction as against 47 schools and 1,556 adults in 1347 Fasli. Thus there was an increase of 5 schools and 233 pupils. Of the 52 schools, 3 were Local Fund, 1 Experimental, 35 Aided and 13 Recognised Unaided Schools. The grants-in-aid awarded by the Department to the Aided Schools amounted to Rs. 3,260, while the total expenditure on Adult schools during 1348 Fasli was Rs. 9,661 as against Rs. 8,524 in the previous year.

There is a special curriculum for adult schools which is spread over a period of 18 months and is divided into three stages of instruction. It consists mainly of the three R's but it is provided that apart from the regular course of studies in the mother tongue and Arithmetic, lectures should frequently be organised on subjects which are likely to prove attractive and instructive to adults. Another provision is that on the completion of the prescribed course of studies, the pupils may be examined by the inspecting authorities and literacy certificates awarded to successful candidates.

Schools for Depressed Classes.

The number of schools for the children of the Depressed Classes at the end of 1348 Fasli was 91, as against 87 in the previous year, while their strength was 3,409 as against 3,301 in 1347 Fasli. The increase of 4 schools was due to the fact that while 8 schools—1 in the Gulburga Division and 7 in the Aurangabad Division—were closed, 12 new Aided Schools were opened in the Warangal Division.

In addition to instruction in the three R's, there is provision in all the Government schools for vocational training such as carpentry, tailoring, hosiery, cane weaving etc. The total expenditure on these schools during the year under report amounted to Rs. 28,542, as against Rs. 33,004 in 1347 Fasli.

The total expenditure on the Scout Movement during the year 1348 Fasli amounted to Rs. 49,106 as against Rs. 46,336 in 1347 Fasli.

Girl Guides.—Guiding made steady progress throughout the Dominions and the work of the different Companies was satisfactory.

The total number of Guides, Guiders, Rangers, Blue birds, Officers, etc., at the end of the year under report was 3,502 as against 3,169 in 1347 Fasli. Thus there was an increase of 333 Guides etc. The number of Companies, Flocks, Associations, etc., was 150, as against 137 in the previous year.

Training Institutions

The number of Training Schools remained the same as in 1347 Fasli, i. e., 8, while the number of teachers under training was 276 as against 272 in the previous year.

During the year under report a Matric Training Class for women teachers was opened in the Women's Training School, Balda.

The total expenditure on all Training Institutions in 1348 Fasli amounted to Rs. 1,36,081 as against Rs. 1,38,107 in 1347 Fasli.

Out of a total number of 11,461 teachers in the Department at the end of 1348 Fasli, 4,338 teachers were trained and the remaining 7,123 were untrained. Of the latter, a good number was employed in Aided and Recognised institutions.

Hostels are attached to all the Government Training Institutions and they continued to work satisfactorily during the year under report.

A medical and physical examination of the teachers admitted to the Training College was conducted after their admission and necessary instructions to improve their health were given to those teachers who were found wanting in physical fitness.

The Class-room one minute Physical Exercise at the beginning of each period, which was introduced in all Secondary Schools in 1347 Fasli, has proved to be of very great value in toning up the health of the pupils and removing the lassitude commonly seen among them in the class-room.

Physical Education in Girls' Schools.—Under the direction of Miss Shaw, the Physical Instructress for Girls' Schools, there was a satisfactory development of physical activities in Girls' Schools, especially the Girls' Schools at Headquarters. She encouraged not only the pupils but also women teachers to take interest in physical education. The scheme for starting a School of Physical Education for Women willing to undertake physical education work in Girls' Schools has had to be dropped owing to lack of funds.

Medical Inspection of Schools.—As in previous years, medical inspection of all the Government Secondary Schools was conducted by the officers of the Medical Department. The parents have begun to realise the value of medical inspection and many of them try to benefit by the advice of the doctors. As the main cause of ill-health prevailing among pupils was found to be malnutrition and as the majority of parents are too poor to provide proper nutrition for them, in 1347 Fasli the Department started, with the sanction of Government and as an experimental measure, giving milk to necessitous children in a few selected schools in Balda The result of the experiment is encouraging.

Boy Scouting.—There were 194 troops in the Dominions, as against 181 in the previous year, while the aggregate number of Rovers, Scouts and Cubs was 5,530 as against 5,327 in the previous year. Thus there was an increase of 13 troops and 203 scouts.

The movement made steady progress during the year.

Inspection.—Another important measure which was taken during the year under report to improve the condition of the Girls' Schools was the appointment of two additional Inspectresses. There are now 3 Inspectresses with 3 Divisions, viz, (1) Balda Division, including Balda, and Warangal, Raichur, Bidar and Gulbarga Districts; (2) Medak Division, including Medak, Mahbubnagar, Nizamabad, Nalgonda, Karimnagar and Adilabad Districts; and (3) Aurangabad Division, including Aurangabad, Parbhani, Nander, Beed and Osmanabad Districts. As it is not possible for the Inspectresses to visit all the schools in their respective Divisions, specially schools in the interior, only important schools situated on the railway line and on the main roads have been placed directly under their charge, while the remaining schools continue to be supervised and controlled by the Inspectors of the districts concerned. Special arrangements have been made to secure close co-operation between the Inspectors and the Inspectresses as far as Girls' Primary Schools are concerned. Nevertheless, the arrangement is not satisfactory and the need for the appointment of at least two more Inspectresses is being felt keenly. When two more posts are created, there will be an Inspectress for Balda and one for each of the 4 Subahs.

Improvement in the Teaching Staff.—During the year under report the teaching staffs of nearly all the Government schools were improved by the appointment of better qualified teachers. The arrangements made for the training of Matriculates in the Women's Training School, Balda, will still further help to strengthen and improve the teaching staffs of Girls' Secondary Schools. Though the number of qualified women teachers desiring to serve as teachers is increasing every year, yet it is to be regretted that very few of them are willing to take up work in the Districts. There is also a paucity of suitably qualified teachers for handling such subjects as Art, Domestic Science and Drill.

When the new Primary Education scheme is put into force, as it will be in 1349 Fasli, a new chapter will begin in the history of Primary Education in the State.

Revised Curriculum.—The revised curriculum for the Primary Classes, to which reference was made in the last report, was brought into force in Amardad 1348 Fasli. A new syllabus was also prepared for Primary Class V.

Girls' Education.

The total number of Girls' Schools of all grades and types at the end of 1348 Fasli was 783 as against 766 in 1347 Fasli and their enrolment was 57,592, as against 56,306 in 1347 Fasli. Thus there was an increase of 17 schools and 1,286 girls.

The proportion of girls under instruction to the total female population of school-going age works out at 6·7, as against 5·3 in 1347 Fasli. It is gratifying to note that the percentage is steadily rising year by year.

The New Curriculum.—The new curriculum for the Lower Secondary stage proposed by the Board of Secondary Education and approved by Government was introduced in all Girls' Secondary Schools in Amardad 1348 Fasli. A special feature of this curriculum, as far as girls are concerned, is the syllabus in Domestic Science, which includes, among other things, instruction in Hygiene, Food Nutrition, Cookery, Needle Work, First Aid, Sick Nursing, Child Welfare, Laundry work and Home management. There is also a special syllabus in Art and Physical Education for Girls' Secondary Schools.

During the year under report the curriculum for Primary Schools was also revised so as to bring it into conformity with the new syllabuses for the Lower Secondary stage. The revised curriculum was introduced in all Girls' Schools in Amardad 1348 Fasli.

Schools were mainly responsible for the increase in the number of Primary Schools.

Education is free in all Local Fund Schools and also in all Government Primary Schools except the Government Model Primary School, Hyderabad.

The total expenditure on Primary Schools during the year amounted to Rs. 27,46,218 as against 27,69,600 in the previous year.

The amount spent on grants-in-aid to Primary Schools during the year under report was Rs. 1,28,316, as against Rs. 96,865 in 1347 Fasli.

New Scheme of Primary Education.—It was stated in the report for the year 1347 F. that in that year the Department prepared and submitted to Government a five-year programme for the expansion of Primary Education in the State with the object of providing every village having a population of a thousand or more, with a school within the said period. During the year under report Government sanctioned a new scheme of Primary Education providing for the conversion of Local Fund Schools into Shahi Schools, the expansion of Primary Education and the construction of Primary School buildings under a five-year programme. For the conversion of Local Fund Schools into Shahi Schools and the opening of new schools in all villages with a population of a thousand or more, Government have sanctioned an addional recurring grant of Rs. 7½ lakhs rising by 1 lakh annually to Rs. 12½ lakhs during the next five years, while the Local Fund Department has made a special grant of Rs. 40 lakhs at the rate of Rs. 8 lakhs per year for the construction of Primary School buildings. It has also been decided that in future a portion of the annual income derived from the 3 pies cess should be set apart for the maintenance of Primary School buildings and supply of furniture and teaching appliances to Primary Schools.

course in Basic English for a period of six weeks. This course was attended by 117 teachers belonging to various Government Secondary Schools at Headquarters and in the districts. In Amardad 1348 Fasli Basic English was introduced as an experimental measure in the Lower Secondary and Primary Classes of 19 High and 21 Middle Schools.

Board of Secondary Education.—At a meeting of the Board of Secondary Education held under the chairmanship of the Director of Public Instruction on 15th Khurdad, 1348 Fasli, the syllabuses in the various subjects for Classes V to VIII prepared by the sub-committees which had been appointed by the Board in the previous year, were considered and approved. Government sanctioned these syllabuses as well as the scheme for the reorganisation of education, to which reference was made in the Report for 1347 Fasli. Classes V, VI and VII under the new scheme were opened in Amardad, 1348 Fasli.

Appointment of Inspector of Drawing and Manual Training.—Under the new scheme, Arts and Crafts are taught as compulsory subjects in all schools. With a view to placing instruction in these subjects on a sound and efficient basis, during the year under report Government sanctioned the post of an Inspector of Drawing and Manual Training, and Mr. Syed Mohamed Jaffar, who has undergone special training in England, was appointed to the post. It is expected that the new syllabuses, in the framing of which Mr. Jaffar took a leading part, will help to develop in the pupils a proper appreciation and love of Art and bring the school work into greater harmony with their actual life and experience.

Primary Education

At the end of 1348 Fasli there were 4,842 Primary Schools with 2,97,932 pupils as against 4,766 schools and 2,95,341 pupils in 1347 Fasli. Thus there was an increase of 76 schools and 2,591 pupils. Aided and Recognised Unaided

Teaching Staffs of Government Secondary Schools.— Schemes for strengthening and improving the teaching staffs of the Government Secondary Schools were submitted to Government during the year under report, but as the sanction was received towards the close of the year, it was decided to put them into force early in 1349 Fasli. These schemes, *inter alia*, provide for the separation of the Primary Section from a large number of Government High Schools for reasons stated in the Report for 1347 Fasli and the appointment of qualified manual training teachers in all Government Lower Secondary as well as High Schools. While sanctioning the above-mentioned schemes, Government revised the scales of pay in the case of new entrants to the Department.

The existing and the revised scales are given below :—

	Existing	Revised
Trained Graduates.	150-5/2-200 (169 posts)	110-4/1-150 (113 posts)
		150-5/1-200 (56 posts)
Graduates.	110-4/2-150	95-3/1-140
Trained Intermediates.	110-5/4-135	80-3/1-125
Intermediates.	90-6/4-120	65-3/1-110
Trained Matriculates.	55-2½/2-80	50-2/1- 80
Matriculates.	40-2½/2-65	35-2/1- 65
Trained Middle.	35-3/2- 65	30-1/1- 40
Middle	30-2/2- 50	—
Senior Manual Instructor	—	50-2/1- 80
Junior " "	—	30-2/1- 60

As stated in the Report for 1347 Fasli, the need for establishing hostels for students of Government Secondary Schools in the districts is felt keenly, but owing to lack of funds, no new hostels could be opened during the year under report. The revised scale of recurring and non-recurring expenditure on hostels, to which reference was made in the Report for 1347 Fasli, received Government sanction in 1348 Fasli.

Basic English

During the year under report, Mr. Adolph Myers, the special representative in India of the Orthological Institute, conducted, at the invitation of the Government, a vacation

The decrease in expenditure is due to the fact that as the salaries of the employees of Government offices and schools for Aban 1347 F. were paid in advance, they received an extra month's salary in that year.

Secondary Education.

During the year under report the total number of Secondary Schools was 203, as against 196 in 1347 Fasli, while the total expenditure was Rs. 32,02,388, as against Rs. 33,06,199 in the previous year.

High Schools.—While the number of High Schools at the end of 1348 Fasli was the same as in the previous year, viz, 59, their strength rose from 33,619 in 1347 Fasli to 33,806 in 1348 Fasli, *i. e.*, an increase of 187 pupils. The total expenditure in 1348 Fasli was Rs. 18,97,817, as against Rs. 19,54,992 in 1347 Fasli.

Lower Secondary Schools.—The number of Lower Secondary Schools rose from 137 in 1347 Fasli to 144 in 1348 Fasli, while their enrolment increased from 44,943 to 45,303 *i. e.*, an increase of 7 schools and 360 pupils.

The total expenditure on the Lower Secondary Schools amounted to Rs. 13,04,571, as against 13,51,207 in 1347 Fasli.

Grants-in-aid.—The total amount expended on grants-in-aid in 1348 Fasli was Rs. 1,49,977, as against Rs. 1,40,547 in 1347 Fasli. It was stated in the report for 1347 Fasli that in view of the great leeway which had to be made up in the field of Primary Education, it would be the policy of the Department in future to encourage private enterprise by offering fairly liberal grants-in-aid for the opening of new Secondary Schools wherever there was need for them, instead of adding to the number of the existing Government schools. In pursuance of this policy grants-in-aid were awarded to 5 schools, while increased grants were sanctioned for eight other Secondary Schools.

(a) Introduction of the scheme for the Reorganisation of Secondary Education in the Lower Secondary Stage up to Class VII.

(b) Introduction of new syllabuses in the Primary Classes.

(c) Sanction of a new scheme for Primary Schools providing for the conversion of all Local Fund Schools into Shahi Schools, and the expansion of Primary Education and construction of Primary School buildings under a five-year programme.

(d) Appointment of two additional Inspectresses for Girls' Schools.

(e) The opening of a Matric Training Class for Women Teachers in the Women's Training School, Hyderabad.

(f) Addition of 7 Lower Secondary Schools—2 Government, 2 Aided and 3 Recognised—and 76 Primary Schools.

(g) Appointment of an Inspector of Drawing and Manual Training.

(h) The establishment of a school for Deaf, Dumb and Blind Children.

The following is a brief summary of the progress and activities of the Department during the year under report:—

Strength and Percentage of Literacy.—There was an increase of 93 schools and 3,678 pupils, the total number of schools of all types and grades being 5,224, as against 5,131 in 1347 Fasli and the number of pupils, 3,84,696, as against 3,81,018 in the previous year. In addition, there were in 1348 Fasli 1,124 private schools—1,080 boys' schools and 44 girls' schools—with 30,844 pupils—28,859 boys and 1,985 girls-, as against 889 schools and 24,877 pupils in the preceding year.

The percentage of scholars under instruction to the population of school-going age was 19·1, as against 18·7 in 1347 Fasli, that of boys being 32·2 and that of girls 6·7.

Expenditure.—The total expenditure on Education (excluding Collegiate Education) amounted to Rs. 84,28,399, as against Rs. 84,83,647 in 1347 Fasli.

There is no novelty in the suggestions made in this article. All are quite practical and have been followed for quite a long period. What is really essential for their adoption is sincerity on the part of the teacher and the taught. This condition being fulfilled, boys could acquire a skill in "composition", which would be a help to them not merely in English, but even in History and Geography. Herein we see the unity of all teaching. Boys should realise that it is not the English essay alone that has any special right to well-thought-out sentences. The whole staff must insist upon correct expression, whatever the subject may be.

Extracts from the Annual Report of the Education Department for 1348 Fasli (1938—39.)

During the year under report the progress of education in the Dominions was impeded partly by the prevalence of cholera and famine in some of the districts and partly by the Vande Mataram agitation in Osmania University which led to sympathetic strikes on the part of the students of a large number of Secondary Schools. These strikes, which were due to influences beyond the control of the Education Department, were very unfortunate, but owing to the prompt action taken by the Department, in most cases their duration was short. With the approval of Government, effective measures have been adopted by the Department to improve the discipline and tone of the schools and, as far as possible, to prevent a repetition of such unhealthy activities.

In spite of the disturbing causes mentioned above, during the year under report useful work of a constructive nature was accomplished, the outstanding features of which are as follows:—

The Prècis in the form of a paragraph is one interesting way of training boys to be concise. Care should be taken that the subject-matter of the prècis is of natural interest to the child. Secondly, the teacher himself should give an 'example' lesson, so that boys could see where the skill in condensing really lies.

Another way of helping boys to be concise is to ask them to reproduce clearly, in a paragraph, poems relating a simple incident. Such poems, as Tennyson's "Home they brought her warrior dead", Campbell's "Lord Ullin's daughter," and Cook's "Bruce and the Spider" are suitable for this exercise.

A word may now be said about style. The best counsel that we can give boys is that of simplicity. They should be taught to use simple language from the beginning to the end. Attempts to write strained rhetoric or long unwieldy sentences should be deprecated. They should be made to see that short sentences will not only save them from clumsy corners, but will add strength to their style.

The last point with which I wish to deal is the correction of written work. This is really the bug-bear of all teachers, but it could be lightened if it is done on scientific lines. Writing down the actual corrections in the margin would not only increase the work of the teacher, but would also mean merely setting the mistakes right on paper, and not in the mind of the pupil. A code of signs, common to all the forms of the High School, should be adopted, and the signs used should draw the attention of the pupil to the errors. The errors should be set right by the pupil himself, and if necessary, in consultation with the teacher. The signs which might be employed are :—

SP. for spelling error, P. for punctuation, G. for grammatical mistake, S. for style, W. W. for wrong word, and so on. The correction should be positive too, whenever necessary. For instance it may be necessary to recommend shorter sentences, more illustrations, and the like. Such advice may appear beside the assessment of marks.

Preliminary work of the kind mentioned above is an indispensable part of the training in the technique of writing. At least two periods a week for boys of Forms IV and V, and one for boys of Form VI should be set apart for such preliminary work, and it is enough if boys of all the forms of the High School write two or, sometimes when time does not permit, even one good essay a month.

We now come to the essay itself. The subjects chosen must be within the child's experience; else he will have no interest in his work. Essay-writing is creative work, and if interest ceases power of expression is impaired. This is true even in the case of masters like Shakespeare and Milton some of whose pages are definitely dull, and which we, as their admirers, would wisely avoid.

Narrative and descriptive subjects are more suitable for the earlier stages of the High School; and though in the later stages some imaginative subjects may be set, due importance should always be given to narrative and descriptive work. When the boy leaves school he will have to do more of narrative and descriptive writing, and it is the business of the school to see that boys describe clearly and accurately what they have seen and done. Letter Writing is an important aid in securing clearness and accuracy. This is because the boy writes with a well defined purpose. Moreover the natural following up of certain points in the letter which is being answered makes paragraphing more orderly. Training in paragraphing is after all practice in concentrating upon one point at a time.

After the subject is chosen the next thing to be done is preparatory oral work. There should be enough discussion in the class to help children to gather material, and to enable them to form a plan. The black-board may be made use of whenever necessary. The chief thing to be aimed at in such discussions is conciseness. Boys should be taught to reject details unnecessary to the clear narration of an incident.

throughout an answer to a question, and it may be noted that such instances are not rare. Again, there are errors in the use of the apostrophe, which do not belong to this category, but which could be conveniently mentioned here. There are a good many boys who form a plural by using an apostrophe, e. g., boy—boy's, and there are boys who write 'Yours faithfully' or Yours affectionately' at the conclusion of a letter with an apostrophe before 's'. Such mistakes are in the beginning due to sheer carelessness on the part of the boys, and failure on the part of the teacher to nip them in the bud results in a deep-rooted 'vice', which any amount of effort on the part of the teacher in the later stages cannot up-root. The teacher's first business is to frequently draw the attention of boys to such careless mistakes.

The next thing to be done is to show them the significance of such important stops, as the full-stop, the marks of interrogation and exclamation, the comma and the semicolan. If a good passage of English is written on the board, without any stops at all, children will easily see the difficulty of grasping such a passage intelligently. It is a very good plan also, for boys to read aloud, in the class, what they have written, and to insert stops where they naturally pause. Such training from the very beginning is sure to improve the punctuation of boys a good deal.

The next step in improving the quality of writing work is to remove some common hindrances to clearness of expression. Boys will often place phrases wrongly in the sentence, and the teacher should make them see, how such awkward phrasing obscures the sense of a passage. Again, when children narrate an exciting incident there is the danger of their writing very long sentences. The frequent use of 'and', 'then' and 'so' will become a habit, unless it is checked in the very beginning. But such negative correction should not be overdone, as otherwise we would be unduly hampering the efforts of boys to express themselves freely.

majority of us are satisfied with discussing a subject in the class for about ten or fifteen minutes before the boys begin to write their essay. But this discussion is only one of the many steps in the teaching of composition, and unless due importance is given to the other preliminaries, discussion of a subject will not in any way help children to produce a good essay. What, then, are those steps?

The first essential to good written English in the High School is a thorough training in oral work in the Middle Forms. This should be followed up by sufficient opportunity for speaking in the High School. Unfortunately neither of these two conditions is satisfactorily fulfilled, and the difficulties of writing work are therefore many. The average boy passing into the High School may perhaps be able to write very simple statements correctly, but he fails miserably in his attempt to write lengthier sentences. Regular sentence work should be done to set right this defect. Children could be taught to write complex sentences without our introducing to them any grammatical terms. They could be given a series of small statements, and asked to combine them into one sentence. After a little thinking they will themselves find the connections they need. Another useful exercise in sentence work is the use of phrases in sentences. This gives children a sense of power in handling words. At first they should be taught to finish sentences beginning with a given phrase, such as, "looking up suddenly..........", "lost in admiration........" etc. A slightly more difficult exercise that could be set is to demand the use in sentences of phrases like, "awkward in his movements", "of its own accord", "just in time" and so on.

Another important step in the teaching of composition is drill in punctuation. This is most needed by boys in Forms IV and V, but it is unfortunate that little attention is paid to it. It is really no exaggeration to state that there are instances of boys of Form VI using not even a full stop

Writing Work in English

BY

V. C. Vaman Rao, M. A., Ph. D.,
Assistant, Government High School, Chaderghat.

Of all the aspects of the teaching of English in the High School that of writing must occupy the most important place. It is, as it were, the keystone of all our work, at least in schools where English happens to be the medium of instruction. Without the power of expressing himself clearly in English, the child cannot make any progress in other subjects like History, Geography and Science. But this is not all. Composition work by itself has a definite educational value which cannot be ignored. It is the business of the school to prepare the child to take his place as an intelligent citizen in the world, and writing work in English, if organised on proper lines, will enable him to express, in his "Composition", his outlook on life and his hopes and ambitions with regard to his place in it.

The question now arises, whether our schools actually give the subject the attention it deserves. The criticism frequently levelled against the boy leaving school after completing his course, is that he cannot even write a simple business letter. It is no doubt true that 'the fine flower' of good composition teaching is not to teach how a business letter may be written. Yet we cannot dismiss the complaints made by parents and employers as being entirely without foundation ; and we, as teachers, must agree that either we are not devoting enough time to writing work, or that we are not adopting the right methods that we should.

To devote enough time to writing work does not, however, mean that we should set boys an essay every week, or still more frequently. Composition teaching like the teaching of texts, is a regular and lengthy process, and it is therefore essential that sufficient time be devoted to it. A great

Plato laid down that it was the duty of Education to discover what each person is good for and to train him to its mastery. This principle would also secure the fulfilment of the social needs in the most harmonious way. The structure of society in Plato's time was so undemocratic that he could not work out the solution of a problem whose terms he could clearly see. He declared that the place of an individual in the society should not be determined by birth, wealth or conventional status, but by his own nature as discovered in the process of education. But Plato had no idea about the uniqueness of individuals. For him all fell into three classes only—labouring and trading class, citizens and legislators. He believed that the function of Education, after testing and sifting, was only to specify which of the three classes an individual belonged to. Progress in knowledge has proved the superficial nature of Plato's principle in lumping of individuals into a few sharply marked classes. The Psychology of Individual Differences has shown us now that each individual consitutes his own class, a fact which Plato could not perceive. The error did not lie in his qualitative principle; but rather in his limited conception of the scope of vocations needed for society. Apart from this drawback, truly speaking, we cannot improve upon Plato's conviction that "An individual is happy and Society well organized when each individual engages in those activities for which he has a natural equipment."

resulted in the building up of Applied Psychology. Although psychology by its very nature can be applied to the whole range of human experience and endeavour, yet so far it has been applied with great advantage in the sphere of Education, Medicine and Industry.

It may be noted that vocational guidance, in its broadest sense, transcends all other problems of Education, particularly so at the present juncture when the entire economic structure of the world is being shaken, resulting in unprecedented unemployment and postponement of entrance into jobs. Educational Institutions should therefore employ their collective intelligence and co-operative agencies to guide their pupils into proper occupations wherein they may best serve both themselves and others.

Industrial Psychology covers a wide field. It deals with the human as against the mechanical aspect of occupational life. Its chief aim is to reduce needless effort and to promote among workers contentment and interest in their work. Just as in the physical world we first select the material, say iron, turn it into steel, and temper the steel to make a knife, so in the world of human action we must learn first to select the right man, then educate him and finally fit him for his exact work. It will be thus seen that vocational guidance and selection are of great importance both from the Educational and Industrial viewpoints.

What does a right Occupation denote? It simply means provision for the aptitudes of a man to have their full play in a manner ensuring minimum friction and maximum satisfaction. The proper functioning of a man's talents decidedly implies that the fellow-members of the society are getting the best service the person can render. As such the system of even slave labour was economically wasteful, in as much as the slaves were perforce confined to certain low callings without any outlet for whatever talents they possessed. This certainly meant a great loss to society.

all the civilised countries. But the work accomplished there was detached from the actual practical interests.

Psychologists have slowly approached the problem of assisting in the daily walks of life. They hesitated, at first, for they thought that quiet and undisturbed research was needed in order to reach a certain standard of maturity. They believed that till such time a contact with the problems of practical life would be inadvisable.

We know that in the initial stages, before a science is actually applied, the fundamentals have to be cleared up, the various methods of investigation tried and the relevent facts collected, but as soon as these stages have been negotiated there should be no hesitation in coming to grips with practical life. There is, however, room for difference of opinion as to the right time for the technical application of a new science. But obviously, we cannot wait till all the theoretical problems involved have been unanimously settled, because in such an event the day for the application of science will never dawn. Hesitation which was justifiable at the beginning would now amount to a lack of initiative.

There was, however, another cause for the slowness of progress in practical psychology. 'To get rid of speculation and take hold of facts' was the aim of experimental psychology. The physical sciences were taken as the model. "Attainment of general laws" was the accepted goal of the physical science, hence 'the general law of the mind' absorbed the attention of the experimental psychologist. He tried to understand the typical mind and ignored all the individual differences, regarding them disturbing factors. In practical life we never tackle what is common to all human beings. Recent experiments have proved the importance of individual differences.

Following this change of outlook systematic efforts were made to develop psychology in various fields. These efforts

(1596-1650) proclaimed that psychology was the study of consciousness. But consciousness could be studied only introspectively. Introspection is a private domain into which no external observer can enter. Moreover, the mind watching its own workings must necessarily have its attention divided. During all this time, pyschology was a battle-ground of contending systems. Truths generally accepted as established principles were submerged in the vast mass of controversial views and opinions. The real advance in knowledge was obscured by interminable disputes. Such was the position of psychology till the 19th century. As a science, it had practically no history during that period.

In the meantime, events of far-reaching importance were taking place in the domain of physical sciences. The practical needs multiplied as life became more complex and civilisation advanced. These needs stimulated the knowledge of, and control over, natural phenomena. Science developed and the application of its method led to triumphs in one field after another. This induced the application of scientific method in the field of mental phenomena. It was this application of the method of science to psychology that has given us the modern science, the "new" psychology.

To indicate briefly what the change from the "old" to the "new" psychology amounts to, we may take the definition of the science from their respective points of view. The old definition of psychology was: "the science of mind or soul or of conscious processes"; while its new definition is: "the science of human behaviour in its relation to, and dependence upon, mental processes". The tendency is always to lay stress upon the actual facts studied, and, by preference, the objective facts. From this change of attitude and point of view psychology emerged as a definite science.

The "new" psychology made a serious start with the application of experimental methods only some fifty years ago. Laboratories of experimental psychology sprang up in

Historical Development of Vocational Psychology

BY

Habeeb Ahmed Faruqi, B. A., Dip. Ed.,
Member, National Institute of Industrial Psychology (London)

"Psychology is a very old science, but it has a very short history" remarks James Drever, paradoxically. This statement, like all paradoxes, contains that bit of truth which it is intended to emphasise. As a science, in the strict sense, psychology is not old. Even in the earliest systems of thought—the germ from which modern psychology has developed—there was a restless craving to penetrate into the secrets of the universe for the mere satisfaction of knowing and understanding. This motive was characteristic only of a few individuals who became the philosophers of early civilisation. From the very early times speculative philosophy has greatly interested itself in that very group of phenomena which constitutes the special province of the science of psychology as we understand it. Thoughts, feelings, desires and emotions were regarded as the manifestations of the soul, a thing quite distinct from the matter contained in a body. Several problems were raised in connection with the relation of the mind and the body. Thus was the atmosphere created in which the "old" psychology came into being. It deduced from the supposed nature of mind or soul.

As a separate branch of study, psychology is more than 2,000 years old. Aristotle is regarded as its founder and his treatise De Anima (on the soul) marks the birth of "old" psychology. Though the subject is old, its name is fairly new. Rudolf Goekel wrote "Psychologia" in 1590, the name fitted the subject so well that it has been retained. During the Middle Ages, the mental and spiritual aspects of the soul had become separate subjects, the one was emphasised by the Psychologist and the other by the Theologian. Descartes

Subjects like Geography, Chemistry and Mathematics can also be taught so as to bring out their utility from the standpoint of the people in general. These must not be taught simply to stuff the brains with such information as will be useful only in an examination hall. Certain journals that are conducted by parties are many a time tinged with the communal spirit. Their effects on the readers, be they teachers or scholars are equally harmful. They fan the flames. Great care is, therefore, needed in the selection of journals for schools.

Greater emphasis laid on extra-curricular activities, School cooperative societies and the Scout Movement would be a move in the right direction.

Another suggestion is to make room for the inclusion of the subject of Civics in schools. Pupils will then have a clear notion of what the responsibilities and the duties of a citizen are. In fact we feel that the time spirit demands that the social aspect of education should be duly emphasised. By this we mean that the boys should be made to realise that the history of civilisation is the history of service rendered to the society and that education will be useful only to the extent that it is put to the use of the community in a very broad sense and not as a means of self-glorification. If, at one time, the school was conducted on the lines of individual advancement only, the future school should be one where 'humble service rendered to the society' should be the motto. It must be realised that both these aspects are interdependent but now the time has come to lay greater emphasis on the social aspect.

'superiority.' That the other side can be in the right and he can be in the wrong never strikes him and he is then prompted to do some physical or moral injury to his fellow students. Rash acts and provocative behaviour become his mania. Supposing a fellow student is punished or fined for some misbehaviour, he feels that he should take the law into his own hands and takes pride in defying both the rules of discipline and good behaviour. All the while he thinks he has done a great 'self-sacrificing or patriotic' act. Such tendencies result either from a misreading of history or a wrong method of teaching it. If the teachers resort to irrational methods, pupils will instinctively learn that toleration and patience are not virtues worth possessing and resort to such questionable methods of procedure as strikes or other acts of hooliganism. Such harmful tendencies deserve to be checked early in life. In this direction lies a great responsibility on the shoulders of the teachers. False ideas of prestige have many a time brought great disasters, be they on the part of teachers or boys.

In this connection it is suggested that certain departmental heads, say of the Municipality, Post Office or the Railways, be occasionally invited to school or college gatherings and be requested to speak to the pupils on the benefits of the work done by their various departments. If the Municipal authorities were to speak on sanitation and cleanliness of the city or the town and what part that department plays for the good of the community, the children or even the grown up boys will realise that their happiness is closely bound up with the work of the Municipality. So also the Health Officer and the Cooperative Department Officer can vividly bring before the pupils minds' eye the utility of the work done by them for the benefit of the society. Such demonstrations will, we hope, be beneficial in more ways than one. Boys will then visualise that the good of the community is the sum total of the labours of other workers in the field.

perpetual compromise between the ideal and the possible. But still it will be the role of wisdom to attempt a certain 'limited perfection' even within the circumscribed environment of our schools. Too familiar an acquaintance with certain absurdities is apt to delude one into the belief that they are all profoundly important to the world. A state of long indifference or inaction can only be redeemed by a sudden, bold plunge.

(To be continued)

"Education and the Community"

BY

G. A. Chandavarkar, M. A.,

It is almost a truism to say that the purpose of education, whether it be school or college, is twofold. In so far as it relates to the harmonious development of the body, mind and soul, it may be termed as 'individual', and in as much as it relates to the duty of training and bringing up the youth so that they may be able to participate effectively in the life of the community or the nation it may be considered as its 'social' aspect. The present system with its competitive examinations and the irrational system of the teaching of history or civics tends to be more and more individualistic. As long as education is looked upon as an isolated activity and its social bearings and relationships are lost sight of, more harm than good results. If that aspect be neglected pupils become arrogant, mischievous and inclined to be filled with psuedo-notions of patriotism. An educated youth in whom the individual aspect is more pronounced lacks the sense of toleration and feels that he, his language and literature alone are worthy of respect and those of others are of no importance at all. He begins to develop a sort of 'superiority-complex' and rides roughshod over the feelings or sentiments of others in the community. Such a prig is no good to the society. At the slightest cause of 'provocation' he begins to assert his

for '*all* holidays', whereas I am entering my appeal only for greater efficiency and economy by preventing waste and providing greater facilities. Our schools work for nearly 225 days as against 180 in certain provinces of British India; most of these also work for 7 periods a day as against 6 over there. It is, however, a wrong assumption that by increasing the, number of periods, the total number of hours of work remaining the same, we can increase the output in the higher classes, whatever may be the case in the Kindergarten. The six days' work in the week has a marked tendency to reduce the quality and the quantity of instruction imparted. Our unsystematised holidays fritter away the energies of boys and teachers, making concentrated effort impossible. This point has been referred to time and again at our annual Conferences but has not actually been tackled so far. It is to be hoped that at one of our future Conferences a sub-committee will be formed to thrash out this important question and prepare a report on it. Our holidays are now short and frequent. For undisturbed and efficient work in schools, these must be made longer and less frequent. We have no '*week-end*'. We have only the **sabbatical* Friday! This arrangement is not conducive to a teacher approaching his week's task with his energy revived. It is a point worth careful examination whether in the dry weeks of the year wherein there are no holidays another day like Sunday cannot be declared a holiday by a readjustment of the existing holidays.

Education is a prolonged activity necessitating frequent pauses. It must promote life. Things which have been good cease to be good merely because something better is possible. Progress implies the replacement of a worn-out old order by an energising new order. I have invited attention in this article to certain remediable shortcomings. Whether the solutions suggested herein are acceptable or not they seem to be well within practical politics. Real life is without doubt a

* '*Sabbatical Year*': In America, a year's complete holiday for teachers after every six years of service.

inclined instead of asking him 'to carry on with *any* class,' will obviate the necessity for holding extra classes during school days or holidays. But teachers whose main work is English must be exempted from acting work. This wholesome and necessary convention is rigidly adhered to in at least one of the leading High Schools in our city.

Most of the private schools in our Dominions and even Government High Schools in some British Indian Provinces work only for 180 days in the year. But the schools under our Education Department work for about 225 days. It must be owned, however, that for a few weeks following the reopening of the school after the summer recess no serious work is actually done on account of fresh admissions, the new time-table not being ready and the uncertainly of work which will fall to the lot of teachers. If the admissions could all be closed within the first 3 days and the permanence of work entrusted to teachers is fairly assured instead of its being arbitrarily or unnecessarily interfered with, year in and year out, a new or the old time-table will not actually matter. The saving of days thus effected may be profitably declared as holidays at the end of the first Terminal Examination, which is usually held in the first or second week of September or added to the winter vacation. Again, for a few days immediately preceding the summer recess, i.e. in the interval between the last day of the Annual Examination and the closing day of the school, no useful work is actually possible. It will be good economy to close the school immediately after the Annual Examination is over. The results may be announced during the holidays or on the reopening day. This arrangement may have the added advantage of warding off pressure or interference from parents and others. The days thus saved may be added to the summer recess.

I shall close this article with a few remarks on holidays. From what I have suggested in the previous paragraph I am liable to be misunderstood as pleading for 'more holidays' or

over, betraying both a lack of a sense of proportion and of proper consideration for their colleagues. There is no merit in holding special classes or in encroaching upon another's period. A candidate at the examination hall is given no extension of time to answer his papers. In the same way, a teacher has no right to an extension of time to do his work. In assessing the worth of any work, time is an important consideration. Special classes in a particular subject are possible almost always only at the expense of other subjects. *At the most they are only a show or a proof of failure to have finished the portions in time.* In either case they do not reflect credit. Teachers who hold special classes instead of doing their work systematically and in time are probably not unlike some of our students who 'get by rote their notes', printed or dictated, 'instead of reading their texts'.

In theory every teacher in the top classes gets one period off in the forenoon and another in the afternoon. In practice, however, he will be lucky if he gets at least one period off a day. It is not sufficiently recognised in our educational institutions that mental work requires more comfort and longer periods of rest than are required for efficiency in physical work, if only because mental work is not physiologically wholesome. Acting-work cannot be defended on any known principles of education but it must be put up with as an inevitable evil. If an evil cannot be eradicated its effects at least must be minimised. It appears to me that if an absent teacher has got work in the last period in the forenoon or afternoon, his class may be conveniently dismissed. I do not wish to say anything for or against the practice of using unpaid probationers mainly to do acting work. But I may make bold to say that with a little imagination and a little breaking away from traditional favouritism in the matter of arranging for acting work, it will be largely possible to give a teacher acting work in a class in which he has permanent work. This will ensure better discipline and, by providing an opportunity for the teacher to go on with his work if he is so

The majority of our schools work for 7 periods a day. There are, of course, a few schools which work for 6 periods only. But these are an exception to the rule. There is no real need, as a matter of fact, to have 7 periods a day even in schools which work only for 5 days in the week. In the 4th period in the forenoon session boys show great restiveness in the class in which probably the teacher too is doing his *fourth* period of 'teaching', his leisure period having been used up for some acting work. The usual argument against curtailing the periods to 6, viz., that the portions could not be covered otherwise, is at best only traditional and unconvincing. When a change is proposed on the basis of justice and reason, it is not unusual to oppose it on the ground of tradition. It is, however, queer logic to argue that by splitting up 5 hours into a larger number of unequal periods the output of work also could be increased. It appears to me to be only a case of heat without light. One must guide oneself by actual facts rather than by what one imagines to be facts. Are there not schools which have only 6 periods a day, which work, moreover, only for 5 days in the week but still acquit themselves creditably at the Public Examination? There must be only 3 periods in the forenoon and 3 in the afternoon, each of 50 minutes' duration, with the usual interval of one hour between the sessions.

As a rule, a teacher must have one leisure period in the forenoon and one in the afternoon. Subjects like English and Mathematics which are specially taxing should not be relegated to the last period of the 2nd session. Subject to this important restriction, difficult and easy subjects must alternate as far as possible. There must also be a certain symmetrical arrangement of periods in the time-table to make it attractive and easy to remember. In no circumstance must it be capriciously framed.

Some teachers have a mania for holding special classes during both working days and holidays, apart from an irrepressible tendency to sit in the class long after the period is

Some Aspects of School Discipline, Punishments & Organisation—III.

BY

T. A. Lingam, B. A., L. T.,

(continued from the previous issue)

What woman in the city do I name
When that I say, The city-woman bears
The cost of princes on unworthy shoulders ?
Who can come in and say that I mean her,
When such a one as she, such is her neighbour ?

Shakespeare.

In the two previous articles on this subject I pointed out that discipline in schools must not be a matter of chance depending entirely upon the good fortune or personal influence of teachers, and that punishments, an inevitable evil in themselves, must be well defined and regulated. I emphasised the fundamental principles which should govern the formation of sections in the top classes of our High Schools and the distribution of work among the teachers. I also suggested, though not directly, the need for a teacher to strive for professional perfection and to have an aim nobler and more vitalising than the one of producing a dead level of uniformity by enslaving the mind to the acquisition of certain mechanical aptitudes.

In this article I propose to deal with the daily work and questions closely allied to it. The subject which I have ventured to discuss in these articles is as wide as it is elastic. As my remarks are based mostly on my own personal observations or experience, it is possible that they may produce a ready echo in the hearts of most of the readers of these articles. But I am trying to make them as general as I can so that they may fly like so many wild geese 'unclaimed of any man'. I naturally expect, therefore, that my criticisms, such as they are, will be received in the spirit in which they are offered.

The Hyderabad Teacher

CONTENTS

The Hyderabad Teacher

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief.* They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	12	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
Full page ...	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page ...	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page ...	3	0	0	1	12	0	1	0	0
Per line ...	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address .—

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

VOL. XV No. 2

THE HYDERABAD TEACHER

OCTOBER—DECEMBER 1940

Quarterly Magazine of the All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSSAIN JAFERI, Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1940.

جلد ۱۵ شمارہ ۱

زیر سرپرستی جناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ شہریور لغایتہ آبان ۱۳۴۹ف

فہرست مضامین

جلد (۱۵) شمارہ ۱

تاریخ ریاضیات

از

مولوی عبدالحکیم صاحب۔ ایم ۔ ایس ۔ سی ۔ ایل ۔ ٹی

اس مضمون کی گزشتہ اشاعت میں تقریباً سنہ ق ۔ م تک ریاضیات سے متعلق اُن خیالات کا ذکر کیا جا چکا ہے جس کی بنیادیں تھیلس اور اُس کے شاگردوں نے سرزمین یونان میں ڈالی تھیں۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ تھیلس کے شاگردوں کا رجحان ریاضیات سے منتقل ہو کر فلسفہ کی طرف مائل ہوتا گیا اور آہستہ آہستہ اس علم کے علمبردار فیثاغورث اور اس کے شاگرد قرار پائے۔

فیثاغورث۔ ہمارے مدارس کا ہر وہ طالب علم جس نے اثباتی علم ہندسہ کے کچھ مسائل پڑھے ہیں فیثاغورث کے نام سے واقف ہوگا کیونکہ اس کے نام سے جدید علم ہندسہ کا مسئلہ ۲۹ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مثلث قائمۃ الزاویہ میں وتر پر کا مربع باقی دو اضلاع کے مربعوں کے مجموعہ کے مساوی ہوتا ہے منسوب کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اس کی زندگی سے ہم بہت کم واقف ہیں۔ یہ ریاضی داں ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر شہر سموس میں تقریباً ۵۶۹ ق م میں طائر قبیلہ میں پیدا ہوا اور ۵۰۰ ق م میں فوت ہوا۔ اس طرح یہ تھیلس کا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ہمعصر تھا۔ یہ تھیلس کے شاگرد انکسامندر کا شاگرد تھا۔ اپنے استاد کی ہدایت کے مطابق بغرض تحصیل علم وہ مصر گیا اور وہاں کے ماہرین ریاضیات کے ساتھ چند سال گزارے۔ مصر سے واپس آنے کے بعد چند سال اپنے وطن میں اِدھر اُدھر سفر کرتا رہا اور آخر کار سموس میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اُس نے اپنی تقاریر کا سلسلہ شروع کیا لیکن اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ۵۲۹ ق ۔ م میں اپنے خیالات کو کامیاب بنانے کے لئے مع اپنی

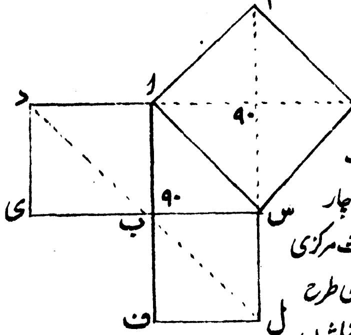
ضعیف ماں اور ایک شاگرد کے اپنے وطن کو چھوڑا اور ابتدا میں کچھ عرصہ کے لئے سسلی اور پھر وہاں سے کروٹن نامی ایک شہر جو جنوبی اٹلی میں ہے چلا گیا۔ اس شہر میں اُس نے ایک درس گاہ قائم کی۔ اس درسگاہ نے کچھ ایسی مقبولیت حاصل کی کہ قرب وجوار کے شہریوں سے پُر ہوگئی۔ شہر کا اعلیٰ طبقہ اور خواتین کی ایک بڑی تعداد اس کی تقاریر میں شریک ہونے لگی۔ اگرچہ خواتین کا تقاریر اور جلسوں میں حصہ لینا شہر کے قانون کے مطابق ممنوع تھا۔ حاضرین میں سب سے زیادہ اشتیاق اور انہماک سے تقاریر سننے والی فیثاغورث کے میزبان میلو کی خوبصورت بیٹی تھیونو تھی۔ اگرچہ ان دونوں کی عمروں میں بڑا فرق تھا لیکن اس جادو بیان اخلاقی معلم کی تقاریر نے تھیونو پر کچھ ایسا اثر کیا کہ اس نے فیثاغورث سے شادی کی درخواست کی اور شادی ہوگئی۔ اُس نے اپنے شوہر کی ایک سوانح عمری بھی لکھی لیکن زمانہ کے دست بُرد سے محفوظ نہ رہی اور ضائع ہوگئی۔

فیثاغورث حقیقت میں ایک فلسفی اور اخلاقی معلم تھا لیکن اُس کے فلسفیانہ عقائد کی بنیادیں جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ریاضیات پر رکھی گئی تھیں اس کی درسگاہ میں تعلیم پانے والے دو گروہوں میں منقسم تھے۔ اول گروہ سامعین کے نام سے مشہور تھا۔ یہ گروہ ۳ سال کے بعد قابلِ اطمینان نتائج دکھانے پر ریاضی دانوں کے گروہ میں تبدیل ہوجاتا تھا۔ آخری الذکر گروہ مجلس ثلیہ کے نام سے موسوم تھا۔ مجلس ثلیہ کے ہر رکن کا فرض تھا کہ وہ مجلس کے ہر کام کو مشترکہ تصور کرے۔ ہر انکشاف اور تحقیق کو انتہائی راز میں رکھے۔ ان کی غذا نہایت درجہ سادی تھی۔ ضبط نہایت سخت تھا۔ اُن کے تمام اصول زندگی ایسے تھے جو ان میں نفس پر قابو، صفائی، اعتدال اور انتہائی فرمان برداری کی عادت پیدا کریں۔ قبل طلوعِ آفتاب وہ بیدار ہوتے تھے۔ گذشتہ یوم کے واقعات پر غور کرتے تھے۔ موجودہ یوم میں جو امور انجام دینا ہوتے تھے ان کا ایک نظام الاوقات بناتے تھے۔ پھر دن کے کام کا آغاز ہوتا تھا۔ رات کو بستر پر سونے سے قبل دن میں انجام دیئے ہوئے امور کا مرتبہ نظام الاوقات سے مقابلہ کرتے تھے۔

فیثاغورث کی تقاریر میں شرکت کرنے والے زیادہ تر سامعین گروہ میں سے تھے لیکن اس کے فلسفہ کا مقصد یہ تھا کہ اس کے تمام پیرو زندگی کے سماجی اور سیاسی نقاط نظر سے یکساں طور پر مستفید ہوں۔ دن بدن اس کے پیروں کی تعداد بڑھنے لگی اور کچھ عرصے میں اس گروہ نے ایک اہم سیاسی قوت حاصل کر لی۔ کچھ تو اس گروہ کی روز افزوں بڑھتی ہوئی سیاسی قوت سے اور کچھ مجلس ملّیہ کے سربستہ راز کے انکشافات سے لوگوں میں اس گروہ کے خلاف شبہات پیدا ہوئے اور شہر میں ایک مخالف جماعت پیدا ہوگئی۔ سنہ ۵۱۰ ق۔م میں حکومت کے خلاف شہر میں ایک عام بغاوت ہوئی۔ باغیوں نے میلو کا مکان جس میں فیثاغورث رہتا تھا گھیر لیا اور اس میں آگ لگا دی۔ فیثاغورث کی اہلیہ اور اس کے بہت سے پیرو قتل کر دئے گئے۔ لیکن فیثاغورث کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ اور شہر میٹاپونٹم میں پناہ لی۔ لیکن وہاں دوسرے سال سنہ ۵۰۰ ق۔م میں باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوا مصلحان قوم اور خیر خواہان ملک کا عموماً ہر قوم میں یہی انجام ہوا کیا۔

تحقیقات۔ تھیلیس کی طرح فیثاغورث نے بھی ریاضیات پر کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ اس کے متعلق جو کچھ حالات معلوم ہوئے وہ سنہ ۴۱۰ ق۔م کی ایک تصنیف سے جس کا ایک نسخہ افلاطون کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ فیثاغورث کے متعلق یہ تصفیہ کرنا کہ کون سی تحقیق اس کی ہے اور کون سی اس کے شاگردوں کی ناممکن ہے کیونکہ ہر تحقیق بیرون دنیا سے مخفی رکھی جاتی تھی۔ مسئلہ ۲۹۔ مثلث قائمۃ الزاویہ میں وتر کا مربع قائمہ بنانے والے اضلاع کے مربعوں کے مجموعہ کے مساوی ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق فیثاغورث سے منسوب کی جاتی ہے۔ خیال یہ ہے کہ مخصوص صورت میں جبکہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے اضلاع ۳، ۴ اور ۵ ہوتے ہیں پیمائش کے ذریعے عملی طور پر اس مسئلہ کو ثابت کیا گیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اس نے اس نتیجہ کو اہل مصر سے سیکھا ہو۔ یہ کہا جاتا ہے کہ فیثاغورث اس تحقیق پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے حضرت موسیٰ کے نام پر ۱۰۰ بیلوں کی قربانی کی۔ عام مثلث قائمۃ الزاویہ کے تین اضلاع کے مربعوں کے متعلق (اقلیدس ۱-۴۷)

خود اقلیدس کا ایجاد کردہ ثبوت ہے۔ بہر حال جو ثبوت فیثاغورث نے دیا وہ ہم تک نہیں پہنچا۔ ایک مورخ کا خیال ہے کہ فیثاغورث کا ثبوت وہی تھا جو ہندوستان کے ریاضی دان بھاسکر کا تھا۔ ایک دوسرے مورخ کا خیال ہے کہ فیثاغورث کا ثبوت صرف مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے واسطے مخصوص تھا جو حسب ذیل ہے۔



ثبوت۔ مثلث ا ب س قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین ہے۔ مربع ا ن کے وتروں کو ملاؤ اور د ب اور ل ب کو ملاؤ۔ اب یہ ثابت کر دینا آسان ہے کہ ا س کا مربع جن چار مثلثوں میں تقسیم ہوتا ہے انہیں ہر مثلث مرکزی مثلث ا ب س کے مساوی ہے۔ اسی طرح ا ب و ب س پر کے مربعے جن چار مثلثوں میں تقسیم ہوتے ہیں ان میں ہر مثلث ا ب س کے مساوی ہے۔

لہذا ا س کا مربع = ا ب کا مربع + ب س کا مربع

ثبوت نمبر ۲

فرض کرو ا ب س ایک مثلث قائمۃ الزاویہ ہے۔ جس میں زاویہ ا قائمہ ہے۔ ا د وتر ب پر عمود کھینچو۔ اب مثلث ا ب س اور د ب ا متشابہ ہیں

∴ ب س : ا ب :: ا ب : ب د

اور ب س : ا س :: ا س : د س

لہذا ا ب^2 + ا س^2 = ب س × ب د + ب س × د س

= ب س (ب د + د س)

= ب س × ب س

= ب س^2

اس ثبوت کے لئے اقلیدس ۲-۲ و ۶-۴ اور ۶-۱۷ کے نتائج سے واقف ہونا ضروری تھا جن سے فیثاغورث واقف تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مثلث کے تینوں زاویے مل کر دو قائموں کے برابر ہوتے ہیں اور اس مسئلہ سے متعلقہ دو نتائج صریح بھی اپنے ثبوت میں دئے۔ فیثاغورث نے یہ بھی دکھایا کہ کسی نقطہ کے اطراف کی سطح کامل طور پر مثلث مساوی الاضلاع مربع یا منتظم مسدس سے منطبق کی جاسکتی ہے۔ یہ نتیجہ اُن مقامات پر جہاں اس شکل کی اینٹیں عام طور پر مستعمل تھیں بآسانی اخذ ہوسکتا تھا۔ فیثاغورث کہتا تھا کہ سطحی اشکال میں دائرہ اور مجسّمات میں کرہ سب سے خوبصورت اشکال ہیں۔ وہ اور اس کے شاگرد اس امر سے واقف تھے کہ کرہ کے اندر پانچ منتظم مجسمات رکھے جاسکتے ہیں۔

حساب۔ اعداد اور اُن کے خواص اس زمانے میں علم الحساب کے نام سے موسوم تھے۔ فیثاغورث نے علم الحساب کے نظریہ کی ابتدا اعداد کو جُفت اور طاق میں تقسیم کر کے کی۔ کوئی طاق عدد مثلاً (۲ ن + ۱) دو سلسلہ دار مربع اعداد کا فرق سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً ۴ کا مربع ۱۶ اور ۳ کا مربع ۹ فرق = ۷ جو طاق عدد ہے یا ۷ کا مربع ۴۹ اور ۶ کا مربع ۳۶ ہر دو کا فرق ۱۳ جو طاق عدد ہے۔ ایک سے لے کر ۲ ن + ۱ تک صرف طاق اعداد کا مجموعہ مربع عدد کہلاتا تھا۔ مثلاً فرض کرو ن = ۲ لہٰذا ۲ ن + ۱ = ۵ لہٰذا ایک سے ۵ تک صرف طاق اعداد کا مجموعہ ۱ + ۳ + ۵ = ۹ جو مربع عدد ہے۔ دو اعداد کا حاصل ضرب سطح کہلاتا تھا۔ اگر حاصل ضرب کا کامل جذر نہ نکلے تو عدد بیضاوی کہلاتا تھا۔ تین اعداد کا حاصل ضرب ٹھوس عدد اور اگر تینوں اعداد مساوی ہوں تو عدد مکعب کہلاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ نام پیمائش کے ذریعہ علم مساحت سے اخذ کئے گئے تھے۔ اگر طاق اعداد کسی مربع عدد کے اطراف رکھے جائیں تو حاصل شدہ شکل مربع ہوتی ہے گو وسعت میں بڑھ جاتی ہے مثلاً ذیل کی شکل میں مربع عدد = ۹۔ اگر اس کے گرد ۷ طاق عدد رکھے جائیں تو مربع عدد ۱۶ ہوتا ہے جو مربع شکل ہے۔

۷	۶	۵	۴
۷	۸	۹	۳
۶	۵	۴	۲
۱	۲	۳	۱

اسی ہندسی اصول کی بنا پر ایک مثلثی عدد ایک سے ن تک کے اعداد کا مجموعہ کہلاتا تھا مثلاً اگر ن = ۴ تو مثلثی عدد = ۱۰ (۱ + ۲ + ۳ + ۴ = ۱۰) اس طرح ۴ کا مثلثی عدد ۱۰ تھا کیونکہ ان اعداد سے ایک مثلث حاصل ہوتا تھا۔ ذیل کی شکل کو دیکھو۔



(مثلثی عدد ۱۰)

فیثاغورث کے توہمات فیثاغورث کی ریاضیات سے متعلقہ تحقیقات میں ایک بڑی خامی یہ تھی کہ وہ اعداد اور اشکال کو عجیب وغریب اسراری صفات کا حامل سمجھتا تھا مثلاً ☆ اس ستارہ کی شکل کو جو ایک کشش قلم سے بغیر قلم کو اٹھائے ہوئے حاصل ہوتی بڑی خیر و برکت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ عدد ۴ کو دنیا کے تغیرات و ارتقار کا باعث مانا جاتا تھا کیونکہ فیثاغورث کے خیال میں دنیا آب و آتش۔ زمین اور ہوا چار عناصر کا مجموعہ تھی۔ دنیا کے تمام رنگ عدد پانچ کے تابع سمجھے جاتے تھے۔ غرضکہ مختلف اعداد اور اُن کے توڑ جوڑ سے عجیب وغریب اسراری قوتوں کو مسخر کرنا ممکن تھا۔ غالباً اس کا یہ اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا جب اُس نے یہ دیکھا کہ ستار کے بجانے میں ہر بلند آواز دوسرے سے ستار کے تار کے مختلف لمبائیوں کے تناسب کے تابع ہے۔ مثلاً ۶ و ۸ و ۹ اور ۱۲ موسیقی سلسلہ کے اعداد ہیں۔ ان توہمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان صدہا صدیوں تک اعداد کی توہم پرستی میں مشغول رہا اور اب بھی تعویذ، گنڈے اور طلسمی مربعے اُسی توہم پرستی کے اثرات ہیں۔

۹

مدرسہ میں آزادی

از

مسٹر ڈی۔ سی بھوگلے۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم المعلمین اورنگ آباد

بچہ جس روز مدرسہ میں قدم رکھتا ہے اسی روز اس کی زندگی میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ انقلاب ہمارے مدارس میں بہت سخت اور شدید ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ گھر اور مدرسہ کی زندگی میں کچھ بھی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ ہمارے بچے مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنی مخصوص فضا میں کامل آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم اپنے گھروں میں کوئی خاص طریقہ تربیت نہیں رکھتے جو بچوں کو مدرسہ کے لئے تیار کرے۔ تاہم بچے گھر میں مدرسہ کی بہ نسبت زیادہ آزاد ہوتے ہیں۔

بچے مدرسہ میں ضبط اور لائحہ عمل کے پابند ہوتے ہیں۔ اُن کی آزادی محدود ہوتی ہے جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں نہیں جا سکتے۔ جس چیز کی جانب اُن کا دل راغب ہو اُس میں مشغول نہیں رہ سکتے۔ جب اُن کو کھانے کی اشتہا معلوم ہو نہیں کھا سکتے۔ جس چیز کے وہ دلدادہ اور شایق ہوں اُس سے نہیں کھیل سکتے۔ وہ جہاں بیٹھنے کے خواہش مند ہوں نہیں بیٹھ سکتے۔ مختصر یہ کہ اُنھیں اپنے تمام افعال و حرکات میں مدرسہ کے آئین و قوانین کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا مدرسہ ایک ایسی جگہ ہو جہاں کی فضائیں آزادی سے معمور ہوں جو انسانیت کا بستان اور علم و معرفت کا گلشن ہو۔ وہ ایک ایسا دبستان ہو جو قید و بند کی غمگین نواؤں سے دور رہو۔ بالفاظ دیگر وہ انسان سازی کا ایک کارخانہ ہو جہاں آنے والے جانے والے اور جس میں ایک عمر گذارنے والے انسان بن کر نکلیں لیکن دیکھنا چاہیئے کہ انسان کون ہو سکتا ہے۔ اور انسانیت کی شرائط کیا ہیں؟

انسان ایسے شخص کو کہنا چاہیئے جو سنجیدہ اخلاق اور قوی ارادہ رکھتا ہو۔ وفادار اور فرض شناس ہو۔ اور زندگی کی شاہ راہ پر قوی اُمید، جرأت اور آزادی کے ساتھ قدم رکھے۔ راست بازی، حق پرستی، سچائی اور صداقت کو اپنا اُصول بنائے خودداری نیک طینتی اور خلوص کو اپنا راہبر قرار دے۔ ظلم۔ منافقت۔ دروغ گوئی سے دور رہے۔ اپنی عزت اور بزرگی کو کسی چیز کے معاوضہ میں نہ بیچے اور ترقی و نیک نامی کی راہ میں نا امیدی اور پست خیالی کو حائل نہ ہونے دے۔

ہمارے اکثر مدارس اس قسم کی تربیت سے بہت دور ہیں۔ چند مدارس فنِ تعلیم و تربیت سے نابلد ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے گھر اور مدرسہ کی زندگی کے درمیان ایک گہری خلیج اور ایک سنگین دیوار حائل ہے۔ کیونکہ ایک طرف چند مدرسین نے اب تک تعلیم و تربیت کے معنون اور اس کے حقیقی فائدوں کا پتہ ہی چلایا ہے اور نہ اس کے متعلق اُنھوں نے کچھ کوشش کی ہے۔ دوسری طرف خاندانوں کو نیز اطفال کو اصول کے مُطابق کامل طور پر تربیت دی ہی نہیں جاتی۔

مدرسہ بقول پروفیسر ڈیوی ایک مخصوص ماحول ہے۔ جہاں تمام تعلیمی اثرات اور نصاب اور مشاغل کی بالارادہ تنظیم کی جاتی ہے۔ تاکہ طلبا کی نشو و نما آزادی کے ساتھ ہو اور اُن کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کے لئے بہترین حالات اور عناصر مہیا ہو سکیں۔ طلبا کو آزادی دینے کے یہ معنی نہیں کہ معلم نگرانی اور ہدایت سے دست بردار ہو جائے اور اُنھیں اُن کی جبلتوں کے ہاتھ میں چھوڑ دے اس اُمید پر کہ وہ خود بخود تمام اعلیٰ صفات اور قوتیں حاصل کرلیں گے۔ ہمارا مشاہدہ اور علم نفسیات دونوں روسو کے اُس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ اگر ہم مدرسوں کو بچوں کی خواہشات اور ضروریات کا تابع بنادیں تو اُن کی عقل و دانش اور سیرت خود بخود صحیح طریقہ پر نشو و نما پاکر پختہ ہو جائے گی۔ روسو کا یہ عقیدہ دراصل اپنے زمانہ کے معلموں کی تنگ خیالی اور سخت گیری کے خلاف ایک ردعمل تھا۔ ایک طرف یہ شدت تھی کہ لوگ گناہ آدم کے عقیدے کی بدولت بچوں کو بھی فطرتاً گناہ میں آلودہ سمجھتے تھے

اور ان کی نجات کے لئے ہر قسم کی تعزیر اور تادیب کو ضروری جانتے تھے۔ دوسری طرف یہ غلو تھا کہ ہر بچّہ کے اندر گویا ایک ولی اور حکیم پنہان ہے جو پردے کو ہٹاتے ہی خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ بہرحال جدید تعلیم ان دونوں نظریوں میں سے ایک کو بھی تسلیم نہیں کرتی۔ کیونکہ اس کے نزدیک فطرت انسانی کی بنیاد اُن جبلتوں پر ہے جو اپنی ابتدائی حالت میں محض امکانات عمل کی حامل ہیں اور خود کوئی اخلاقی قدر نہیں رکھتیں۔ البتہ آگے چل کر مختلف اثرات کی بدولت جو اچھی یا بری صورت میں ہوں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے بچپن کی صحیح تربیت اور ان جبلتوں کی مناسب نشو و نما کے لئے تعلیمی ہدایت اور نگرانی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ ذمہ داری صرف معلموں پر ہی عائد نہیں ہوتی بلکہ مدرسہ کے تمام ماحول پر جس میں نصاب طلباء کی اجتماعی زندگی۔ اُن کا کھیل کود ان کے فرصت کے مشاغل استاد کی شخصیت وغیرہ شامل ہیں۔ اس لئے تعلیم کا سب سے بڑا عملی مسئلہ یہ ہے کہ اُس مخصوص ماحول کی تنظیم کس طرح کی جائے کہ بچّوں کی جبلتیں اُن کی انفرادی نشو و نما میں بھی مدد دیں اور عمرانی مقاصد کے حصول میں بھی کام آئیں۔

موجودہ نظریہ یہ ہے کہ بچّہ میں اوائل عمر سے بہت سی مخصوص جبلتیں اور عام فطری رجحانات ہوتے ہیں جو ابتدا میں مختلف قسم کی جسمانی حرکتوں اور خواہشوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نئے کھیلوں اور تجربوں کی صورت میں اور رفتہ رفتہ نشو و نما پاکر مربوط اور مرتب ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی عقلی نفسی زندگی پوری طرح منظم ہو جاتی ہے۔ جس طرح انسان کی سیرت اس کو بنی بنائی نہیں ملتی اُسی طرح دماغ بھی کوئی مکمل چیز نہیں بلکہ اس کی اپنی جد و جہد اور تجربات اور اس کے ماحول کے باہمی عمل اور ردعمل سے نشو و نما پاتا ہے۔ یہ جبلی رجحانات جو طلبا میں ولولۂ عمل شوق تجسس پیدا کرتے ہیں مجرد اور نظری مضامین کے مطالعہ سے تربیت نہیں پاتے بلکہ اُن مشاغل اور افعال کے ذریعہ جن کو فعالی حیثیت سے اور آزادی کے ساتھ انجام دیتے ہیں اور جن میں اُن کی جسمانی اور دماغی قوتیں

متحد ہو کر کام کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے جدید مدارس میں بچوں کی تعلیم کی ابتدا اُن کی فطری صلاحیتوں اور رجحانات سے ہوتی ہے۔ اُن کو اپنے کھیلوں اور کاموں میں لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جن کی جانب وہ مدرسہ سے باہر بھی خود بخود غیر ارادی طور پر متوجہ ہوتے ہیں۔ ان مدارس نے جو تعلیمی مشاہدات اور تجربات شائع کئے ہیں اُن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب طلبا کے قدرتی رجحانات کو آزادی کے ساتھ اظہار کا موقعہ ملتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ رسمی مضامین اور نصاب کی تحصیل میں بھی زیادہ دل لگا کر محنت کرتے ہیں۔ اُن میں ضبط و نظم کا قائم رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور مدرسہ اُن کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔

ذہنی زندگی کے مطالعہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ بچوں کی زندگی میں ڈھونڈنے اور دریافت کرنے اوزاروں اور آلات کو استعمال کرنے چیزوں کو بنانے اور خوشی کے جذبات کو ظاہر کرنے کی جبلی خواہشوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ جب ایسے مشاغل جو اُن کے رجحانات کو کام میں لاتے ہیں مدرسہ کے پروگرام کا جزو بن جائیں تو بچے کی پوری شخصیت ان میں جذب ہو جاتی ہے اور مدرسہ کی اندر اور باہر کی زندگی میں جو مصنوعی فصل پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ بچوں کو خود بخود یہ تحریک ہوتی ہے کہ وہ ایسے کاموں اور چیزوں کی طرف توجہ کریں جو تعلیمی لحاظ سے مفید ہیں جن میں باہمی اشتراک عمل کے مواقع ملتے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی تمام معلومات کا تعلق معاشری زندگی سے قائم ہو جاتا ہے مختصر یہ کہ کھیلوں اور عملی کاموں کو مدرسہ میں صرف اس لئے ہی جگہ نہیں دی جاتی کہ بچے ذرا دیر خوش ہو جائیں بلکہ اس لئے کہ وہ عقلی و تمدنی لحاظ سے ضروری ہیں۔

تعلیم میں فعالی اُصول اور تجربہ کا اصول بالکل ہم پایہ اور ہم معنی ہے اور نفسیات ترکیبی کا جزو لازم ہے۔ اس کے مطابق فرد کو تخلیقی افعال کا سرچشمہ سمجھنا چاہیئے انھیں کے ذریعہ وہ اپنے تجربات کے مجموعے کو معنی پہناتا ہے۔ اور

انھیں ایک خاص شکل میں ترتیب دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اندر اپنی دنیا تعمیر کرتا ہے اور جو چیزیں باہر سے حاصل کرتا ہے اُن کو اپنے اندر جذب اور منظم کرنے کے لئے اپنی تخلیقی قوتوں سے کام لیتا ہے تاکہ وہ بعد میں اُن چیزوں کو جو اس کی روح میں جاگزیں ہیں عمل میں ظاہر کر سکے۔ تعلیم کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ اُس تخلیقی قوت کو ابھارے اور اس کی تربیت کرے۔

کھیل نما تعلیم کی سب سے نمایاں خصوصیت یہی ہے کہ تعلیم کی بنیادیں بچّوں کی جبلتوں اور رجحانات پر رکھی جائیں۔ معلم کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ بچّوں کے مخصوص رجحانات اور جبلتوں کا احترام کرے اور بچّہ کی ذات کو اُن کی تعلیم کا نقطۂ آغاز بنائے۔ وہ نفسیات اطفال اور ارتقائے ذہنی کے قوانین سے کامل طور پر واقف ہو۔ اس کو یہ معلوم رہنا چاہئے کہ ہر جبلت کی نمو کا وقت کب اور کیسے آتا ہے۔ وہ اُن کی تربیت کے واسطے مناسب ماحول اور وسائل فراہم کرے۔ کھیل نما تعلیم کے اُصولوں سے واقف کار معلم متعلم کی جبلتوں کے سرگرم خصوصی زمانہ سے استفادہ کرکے ان کی اخلاقی اور معاشرتی سیرت کی تشکیل کرے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ اس اہم نقطہ کو والدین نے گھروں میں اور معلموں نے مدرسوں میں تقریباً بھلا دیا ہے۔ گھروں میں بچّوں کی ابتدائی تربیت ایک بڑی حد تک ماں کے ہاتھ ہوتی ہے۔ ماں کی گود بچّے کا پہلا مکتب ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں ہنوز اکثر مائیں ایسی ہیں جو نفسیات اطفال سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوائل عمر میں ظاہر ہونے والی اکثر جبلتیں یا تو غیر منظم شکل اختیار کرکے ناقص عادات میں تبدیل ہو جاتی ہیں یا اُن کی آزاد نشوونما بیرونی دباؤ سے رک جاتی ہے مثلاً جب کوئی بچہ اپنی جبلی فطرت کے تحت کیچڑ، مٹی یا پانی کے ساتھ کھیلتا ہے تو اس کی ماں بچّے کے ان کھیلوں سے سخت ناخوش ہوتی ہے۔

خصوصاً اس موقع پر جب بچّہ نہا دھو کر صاف کپڑے زیب تن کرکے اُس قسم کے کھیلوں میں نظر آتا ہے" بچہ تو نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ ابھی کپڑے

پہنائے اور ابھی کیچڑ اور مٹی میں میلے کر دئے۔ معلوم نہیں اس قسم کے غلیظ کھیلوں سے کیا حاصل ؟" ماؤں کے اس قسم کے ملامت آمیز الفاظ سے ہم سب واقف ہیں۔ ماں کو یہ نہیں معلوم کہ بچہ مٹی کیچڑ پانی یا دیگر چیزوں کے ساتھ اس وجہ سے نہیں کھیلتا کہ فطرتاً اس کی طبیعت غلاظت پسند واقع ہوئی ہے۔ بلکہ اس پسندیدگی کا باعث اُن اشیا کی نرمی اور روانی ہے جن کے زیر اثر یہ چیزیں جلد جلد آسانی سے نئی صورتیں قبول کر کے بچے کے لئے ایک طمانیت بخش نتیجہ کا باعث ہوتی ہیں۔ کھیل نما تعلیم کے تحت بچوں کو لکڑی کا برادہ۔ ریت۔ مٹی۔ پانی۔ لکڑی اور ٹین کے ٹکڑے مختلف حجم کے ظروف دے کر اُن کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اُن اشیا کے ساتھ کھیلیں اور تعمیر اور تخلیق کی جبلتوں کی ابتدائی منازل کو طے کریں۔

مدرسوں میں بچوں کے اُس جبلی نقطہ کو نظر انداز کرنے کا باعث ایک حد تک اساتذہ کا وہ غلط تصور ہے جو علم کے متعلق انہوں نے اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے۔ اُن کے خیال میں علم سے مراد سطحی معلومات کا وہ ذخیرہ ہے جو طلبا کتابوں کے نظری مطالعہ سے یا جماعت میں لکچر کے دوران میں استاد سے سُن سُنا کر غیر انفعالی طور پر حاصل کر لیتے ہیں۔ اُنہوں نے مختلف مضامین کی کتابیں پڑھانے اور بچے کی تعلیم و تربیت کو ہم معنی سمجھ رکھا ہے۔ وہ یہ بھول گئے ہیں کہ لفظی علامتوں کے ذریعہ علم سکھانے کا نام تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی تعلیم وہ ہے جس سے بچہ کی مختلف ذہنی قوتوں میں ابھار اور بیداری پیدا ہو اور اس طرح بچے کی جبلتوں اور صلاحیتوں کی بطریق احسن تنظیم اور تشکیل ہو۔ ایک تعلیم یافتہ اور ایک غیر تعلیم یافتہ شخص میں صرف یہ فرق نہیں کہ ایک کے معلومات وسیع اور دوسرے کے نہیں ہیں بلکہ حقیقی فرق اُن دونوں کی ذہنی وسعت میں پوشیدہ ہے۔ معلومات کا حاصل کرنا آسان ہے لیکن اُن معلومات کو جزو طبیعت بنانا اور اُن سے ذہنی قوائی کی آزادی کے ساتھ نشو و نما اور تنظیم کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب تعلیم نفسیات اطفال کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

جماعت واری طریقہ تعلیم میں نفسیات اطفال کی بجائے تعلیم کو امتحانات کے تابع بنا دیا گیا ہے۔ معلم اور متعلم ہر دو کی تمام کوششیں یہی رہتی ہیں کہ کسی طرح امتحان میں کامیابی حاصل کی جائے۔ اور اس امتحان کی کامیابی کی دُھن میں تعلیم کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ بچوں کی جبلتوں کو پیش نظر رکھنے کی بجائے۔ سالہا سال کے امتحانی پرچے پیش نظر رکھے جاتے ہیں تعلیمی سال آغاز ہونے کے چند ماہ بعد ہی آئندہ امتحان میں آنے والے سوالات پر قیاس آرائیاں ہونے لگتی ہیں اور تمام سال ایسے سوالات کی خوب مشق ہوتی ہے۔ جن کے متعلق امتحان میں دریافت کئے جانے کی توقع ہو جاتی ہے۔ اس طرح بچوں کے قدرتی رجحانات کو ممتحن اور اساتذہ کے رجحانات پر قربان کر دیا جاتا ہے۔

بچہ معاشرے کے کسی طبقہ میں پیدا ہو وہ اپنے محدود ماحول میں مقید ہوتا ہے۔ اور آسانی سے اُس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ صرف مدرسہ ہی ایک ایسا منظم اور متنوع ماحول ہے جہاں خاص طور پر اس کام کا التزام ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے کہ بچے کی نشو و نما کے لئے ایک مناسب فضا پیدا کی جائے۔ جس میں وہ مختلف قسم کے دماغی اور جسمانی مشاغل میں شریک ہو سکے اور مکمل اور ہم آہنگ تربیت پا سکے۔ اور ساتھ ہی وہ اُن مشاغل کے دوران میں اپنی اپنی مخصوص صلاحیتوں اور رجحانات کا پتہ چلا سکے۔ مدرسہ اس کے لئے ایک آزاد ماحول ہونا چاہئے جہاں وہ اپنی تعلیم کے زمانہ میں بغیر بیجا روک ٹوک کے مختلف قسم کے تجربے کرے اور زندگی کی مختلف راہوں سے واقفیت حاصل کر سکے۔ مدرسہ سے باہر دنیا میں مختلف قسم کے ادارے ہیں جو نوعمر طلبا کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ہر فرد صرف ایک جماعت کا رکن نہیں ہوتا بلکہ بہت سی جماعتوں میں شریک ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر جماعت کی رکنیت سے اس کی طبیعت، مشاغل اور دلچسپیوں پر اثر پڑتا ہے۔ اس کشمکش کی زندگی میں جہاں ہر فرد پر مختلف اور متضاد قوتوں کے اثرات کام کرتے رہتے ہیں بچوں کے لئے مدرسہ نہ صرف ایک تربیت گاہ ہے

بلکہ جائے امن ہے۔ جہاں غیرارادی طور پر اس کے نفس میں اُن اخلاقی قدروں اور معیاروں کا نظم مرتب ہوتا ہے جو تمام عمر اس کی زندگی کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں جب ہمارے ملک میں باہمی اختلافات حد سے گذر کر جھگڑوں کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں اور معاشرہ بے شمار جماعتوں میں تقسیم ہوتا جارہا ہے جن میں اغراض و مقاصد و رسوم و روایات کا فرق ہے ایک ایسے تعلیمی نظام کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے جو قوم کے تمام بچوں اور نوجوانوں کے لئے ایک سا ماحول مہیا کرے اور مناسب حد تک ان میں یکسانی پیدا کرے۔ جب کسی مدرسہ میں بہت سے بچے جن کا تعلق مختلف معاشرتی طبقوں مذہبوں اور جماعتوں سے ہوتا ہے ساتھ پڑھتے ہیں کھیلتے ہیں مِل جُل کر زندگی بسر کرتے ہیں تو اُن کے لئے مدرسہ اُن کے گھروں سے زیادہ وسیع اور موثر ماحول بن جاتا ہے جہاں ایک ہی قسم کے مشاغل میں مصروف رہ کر اُن میں اتحاد خیال اور ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے۔ جو ایک ملک کے باشندے اور ایک قوم کے افراد کے لئے لازم ہے۔ مدرسہ کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ ہر فرد کی طبیعت میں اُن تمام اثرات کی ہم آہنگ تنظیم کرے جو مختلف معاشری اِداروں میں شرکت کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اگر مدرسہ میں تربیت کا انتظام اچھا ہو تو بچہ کی زندگی اور کردار کے لئے ایسے اٹل قانون قائم کئے جائیں گے جو اُس کو آئندہ زندگی میں سیدھے راستہ پر چلائیں اور ایسے وقت اُن کی رہنمائی کرسکیں جب مختلف قسم کی ترغیبیں اور ماحول کے اثرات ان کو مختلف سمتوں میں کھینچیں۔

بعض اوقات یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر بچوں کی خواہش کے مطابق اُن کو آزادی دی جائے تو مدرسہ کا ضبط خراب ہونے کا اندیشہ ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ صدیوں کے تجربہ نے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ اگر ضبط و تادیب کی بنیاد محض خارجی خوف اور بیرونی بندشوں پر رکھی جائے تو اس کے نتائج بہت خراب ہوں گے۔ یا تو طلبا میں عمل کا حوصلہ اور ولولہ بالکل نہیں

رہے گا اور وہ اپنی قوت ارادی اور جذبات کو کسی کام کے لئے بھی استعمال نہیں کر سکیں گے یا وہ کھلم کھلا اُن بندشوں کی مخالفت کریں گے۔ جن کی وجہ سے مدرسہ میں استادوں اور شاگردوں میں ہر وقت ایک کشمکش رہے گی جو تعلیم کی کامیابی میں حارج ہوگی۔ یا انہیں کھلے بندوں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو اُن کی مخالفت درپردہ اور بھی گہری ہو جائے گی۔ یعنے داخلی اور نفسی کشمکش کی کیفیت اختیار کرلیگی جو دماغی اور اخلاقی صحت کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ صورت ہے حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی صحت اور مدرسہ کا ضبط اور انتظام اُسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب طلبا اپنے کام میں دلچسپی لیں مدرسہ کے قانون کو سمجھکر اُس کا احترام کریں۔ خود اس کے بنانے میں شریک ہوں اور اس کی پابندی کرنے اور کرانے کو اپنا ذاتی فرض تصور کریں ۔

جب طلبا اُن کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جو اُن کو خود مرغوب ہیں تو بیرونی ضبط و تادیب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ چند سیدھے سادھے قاعدے جو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں کافی ہیں مثلاً یہ کہ کوئی بچہ دوسرے بچوں کے کام میں مداخلت نہ کرے وغیرہ۔ وہ یہہ جانتے ہیں کہ یہ قاعدے مناسب اور قرینِ عقل ہیں اس لئے اُن کی پابندی میں دقت بھی نہیں ہوتی۔ اس طرح بچہ میں ضبطِ نفس پیدا ہوتا ہے جو دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو کسی حد تک اچھی عادتوں پر دوسرے اس احساس پر جو عملی مثالوں کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات انجام کار فائدہ اُسی میں ہوتا ہے کہ آئندہ نفع کے لئے موجودہ خواہش کو روک لیا جائے۔ لوگوں کو ہمیشہ سے یہ بات معلوم ہے کہ کھیلوں میں اس قسم کا ضبط نفس آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ تحصیل علم بھی اتنی ہی دلچسپ بنائی جا سکتی ہے۔ کہ اس میں بھی وہی محرکات عمل کارفرما ہوں جو کھیلوں میں ہیں۔ اس کا اصل اُصول بہت واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقی ضبط بیرونی جبر اور دباؤ کے مرادف نہیں بلکہ اُن ذہنی عادتوں پر منحصر ہے جن کی وجہ سے بچہ خود بخود بُرے اور ناپسندیدہ کاموں کی بجائے اچھے

اور پسندیدہ کاموں کی طرف راغب ہوتا ہے۔

لہذا مدرسہ کے ضوابط بالخصوص ابتدائی مدارس کے اتنے سخت نہ رکھنے چاہیں جو طالب علم کو بالکل مقید و بے بس بنا دیں۔ اگرچہ ہم بچوں کے مدرسہ داخل ہوتے وقت اُن کی آزادیوں سے بہت کچھ حصہ سلب کر لینے اور ان کو سخت اور ناموافق قوانین کا پابند کر دینے پر مجبور رہوتے ہیں۔ لیکن یہ قوانین ایسے نہ ہونے چاہیں جو اُن کے دماغی اور جسمانی نشو و نما میں مانع ہوں اور اُن کی استعداد اور جذبات کی ترقی و نمو کو روک دیں۔ بچوں کے عادات و اطوار کے متعلق معلم یا والد کو بعض امور جاننا ضروری ہے۔ جن میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابتداً بچے کتاب پڑھنے سے متنفر رہتے ہیں مگر جبلاً و فطرتاً قصص و کہانیوں کے سُننے اور تصاویر کے دیکھنے کا اُن کو بے حد شوق ہوتا ہے لیکن اُسی ضمن میں رفتہ رفتہ اُن میں کتاب پڑھنے کا شوق جاگزیں ہوتا جاتا ہے۔ (۲) گننے وقت پہلے پہل جلدی جلدی گنتا ہے اور اُن اشیا کی تعداد کا بھی لحاظ نہیں رکھتا جو اس کے سامنے ہوں مگر رہنمائی کی جائے اور بار بار دہرائے اور تجربہ ہو جائے تو ہر چیز بتا کر شمار کرنے لگتا ہے۔ (۳) بعض اوقات بچے کاپی کتاب لے کر بیٹھنے کو چاہتا ہے بعض دفعہ اُسے تختہ سیاہ پر لکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ وہ اُن ہی چیزوں سے کھیلنا پسند کرتا ہے۔ دِن کا زیادہ حصہ وہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہتا ہے۔ بہت سی چیزیں صرف دیکھکر اپنے آزاد مشغلوں کے وقت خود انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہہ باتیں اُس کی دماغی اور جسمانی نشو و نما اور ترقی کے واسطے ایسی ہی ضروری ہیں جیسے کھانا پانی زندگی کے لئے لازمی ہے۔ (۴) کھیل کے وقت بھی ہم بچوں سے باتیں کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اُن کی سی باتیں کریں (۵) لکھنے پڑھنے کی تاکید کا عام طریقہ بچہ کے دِل میں تعلیم سے نفرت پیدا کرتا ہے اس لئے کسی کام کی ہدایت سے پہلے ہمیں چاہئے کہ

بچّہ کو اس کام کی ترغیب و تحریص دلائیں اور اُس سے دلچسپی پیدا کرائیں اس کے لئے ہمیں خود اس کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا کرتا ہے اور اس کی دل افزائی کرنی چاہیئے اور بوقت ضرورت اس کو مشورہ دینا چاہیئے۔ جب بچے کو کام کی رغبت ہو جائے گی تو پھر جو بھی کہا جائیگا اس کو وہ انجام دے گا۔

(۶) اگر اس طرح اس کے ساتھ بیٹھا رہنے سے بچہ تھک جائے تو اس کو اکیلا چھوڑ دینا چاہیئے۔ بچہ پر خفگی نہ کی جائے اور نہ ناشائستہ و غیر مہذب الفاظ سے اس کو متنبہ کیا جائے۔ چونکہ بچوں میں تقلید کا مادہ زیادہ ہوتا ہے ممکن ہے کہ وہ بھی اس مذموم عادت کے مرتکب ہو کر آئندہ دوسروں کی نسبت اُس کا استعمال کریں۔

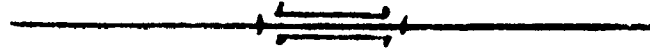
جدید تعلیم میں ضبط کو شیطان کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ضبط قائم رکھنا یہ کوئی تعلیم کا حاصل مقصد نہیں ہے بلکہ وہ ایک ذریعہ ہے۔ تعلیم کی اہمیت بچوں کی سمجھ میں آجائے، تعلیمی قواعد کا بچوں کو یقین ہو جائے تو ضبط کی طرف الگ توجہ دینے کی ضرورت نہیں باقی رہتی۔ ضبط خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ بچوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دیر حاضری کی وجہ سے وہ تعلیم سے متفید نہیں ہو سکتے تو وہ کبھی دیر سے نہیں آئیں گے۔ مدرسہ میں مدرس جو کچھ کہتا ہے وہ سننے کے قابل ہے یہ بات اگر بچوں کی سمجھ میں آجائے تو وہ کبھی شور نہیں مچائیں گے۔ بچّہ ہمیشہ حرکت پسند ہوتا ہے وہ کبھی خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ خاموش بیٹھنا چاہتا ہی نہیں۔ بچوں کو اگر کسی کام میں مصروف رکھا جائے تو ضبط قائم رہنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

آزادی اور بیضابطگی کی تمیز میں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ تعلیمی آزادی کی تحریک ضبط کے خلاف ہے۔ مگر آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں۔ آزادی کے لئے ضبط کی سخت ضرورت ہے۔ مگر یہ ضبط بچّہ اپنے میں خود پیدا کرے۔ اس میں خارجی عناصر بعض اوقات موثر نہیں ہوتے۔ بچوں کے دل میں ضبط اور باقاعدگی کا احساس پیدا کیا جائے تو پوشیدہ قواء کی نشوونما ہو سکتی ہے۔ آزادی سے مراد مطلق العنانی

(License) نہیں ہے یا اُس کے یہ بھی معنی نہیں ہو سکتے کہ استاد کا وجود غیر ضروری ہے۔ بلکہ آزادانہ اُصول کی تعلیم میں مدرس کو زیادہ کام کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بہ نسبت اُس ماحول کی تعلیم کے جب کہ استاد کے لئے عہدہ داران سررشتہ تعلیمات کی جانب سے کام مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جس کی پابندی کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔ آزادی سے مراد یہ ہے کہ مدرسہ میں ایک نیا اصول پیدا کیا جائے اور استاد بھی ایک نئے وضع کا بن جائے۔ اُس میں جدید طریقے بھی مستعمل ہیں۔ جدید تعلیم میں متعلمین کی روح۔ دماغ۔ اور جسم کی حرکات کی آزادی کی زیادہ گنجائش رکھی گئی ہے۔ مدرس کا کام بچوں کو لاٹھی سے ہانکنے کا نہیں بلکہ اُن کی رہنمائی کرنے کا ہوتا ہے وہ اپنے ذاتی تجربہ سے اُن کو مستفید کرے۔ بچوں کی تحقیق میں صرف بوقت ضرورت امداد کرے۔ ان کو اپنی ذاتی کوشش سے سوچنے اور کام کرنے کی ترغیب دلائے۔ مدرس کی حکومت سے دراصل یہ مراد نہیں کہ وہ اپنی چھڑی یا بید کے زور سے ایک حکمران بنے۔ مدرس کی حیثیت ایک رفیق دوست کی سی ہوتی ہے جو اپنے طلبا کی بوقت ضرورت امداد کرے اور ان کو تحقیق کی طرف راغب کرے۔ لیکن یہ کہنا کہ "میں اس چیز کو پسند کرتا ہوں اس لئے تم بھی اس کو پسند کرو ورنہ غلطی پر رہو گے" مناسب نہیں ہے کیوں کہ اس سے بچوں کی آزادی سلب ہو جاتی ہے اور ان کو اندھی تقلید کی طرف راغب ہونا پڑتا ہے۔

زمانہ قدیم میں مدرس کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی وہی بچوں کی تعلیم کا مرکز قرار دیا جاتا تھا۔ مدرس پر ہی مدرسہ کا انتظام۔ نظم و نسق مبنی تھا۔ فلاں مضمون کی تعلیم کس طریقہ سے دی جائے اور اپنا رعب طلبا پر کس طرح جمایا جائے اور ضبط کیسے قائم رکھا جائے بس اسی پر مدرس غور کرتا تھا۔ اور یہی امور اس کے مدنظر رہا کرتے تھے۔ زمانہ حال میں بچہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور تعلیمی مرکز وہ خود بنا ہوا ہے تعلیم جدید میں سب سے زیادہ اہم چیز بچہ ہے۔

میڈم مانٹی سوری نے اپنے اصول تعلیم میں بچوں کی آزادی پر زیادہ زور دیا ہے۔ وہ سزا و جزا کی قائل نہیں ہے بلکہ اُس کا خیال ہے کہ سزا اور انعامات مصنوعی یا جبری کوشش کی طرح محرکات کا کام دیتے ہیں۔ یعنی اُس کا مطلب بچوں کو فطری ترقی یا سعی کی طرف مائل کرنا ہے۔ وہ بچوں کے لئے ترقی جماعت کو انعام کا نعم البدل بتلاتی ہے اور حقیقت میں بچوں اور بالغوں دونوں کے لئے یہ ایک اچھا انعام ہے۔ نیز ڈاکٹر موصوفہ کا خیال ہے کہ اگر ماحول میں آزادی کی اسپرٹ ہو اور طلبا کے لئے ان کے مدارج عمر کے لحاظ سے کام کرنے کے واسطے بہت سی چیزیں مہیا ہوں اور خوشی سے اپنا کام انجام دینے پر تیار ہوں تو پھر سزا و انعام کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ بچے ہنسی خوشی مشکل سے مشکل کام بھی خود بخود انجام دینے میں دریغ نہ کریں گے۔ مانٹی سوری کے کم و بیش تمام تعلیمی آلات میں اسی آزادی اور ذاتی سعی کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔



معائنہ مدارس ابتدائیہ

از

مولوی سید کریم اللہ احمد صاحب ناظر مدارس حلقہ دوم ضلع پربھنی

جہاں ابتدائی تعلیم پر نظر ثانی کی جارہی ہے اور اس کو عوام کے لئے مفید بنایا جارہا ہے وہاں اس تعلیم کی نگرانی کے طریقہ پر بھی نظر ثانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تاکہ صحیح مقصد پورا ہو سکے۔ عام طور پر یہ سنا جاتا ہے کہ مروجہ طریقۂ نگرانی اتنا مفید نہیں ہے جتنا کہ ہونا چاہئے۔ اس لئے مندرجۂ ذیل مضمون میں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ موجودہ طرز نگرانی کے اسقام واضح کئے جائیں اور چند اصلاحات و ترمیمات کو پیش کیا جائے جو ممکن ہے قابل لحاظ ہوں۔

موجودہ طریقۂ کار

ایک ناظر مدارس سال میں ایک مرتبہ بھی اپنے حلقہ کے پورے مدارس کا معائنہ نہیں کرسکتا۔ وہ بمشکل تمام پورا ایک دن مدرسہ کے معائنہ میں ہمہ تن مصروف ہوسکتا ہے کیونکہ اکثر اوقات اس کو اس روز یا دوسرے مقام پر دوسرے مدرسہ کے معائنہ کے لئے جانا یا سفر کرنا لازمی ہے جو کچھ بھی اس کے مفید فنی معلومات کا ذخیرہ اس کے پاس ہوتا ہے وہ اس کو بہ اطمینان خاطر حالات کے تحت استعمال نہیں کرسکتا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ چند منتشر ہدایات غریب مدرس کو دیتا جائے۔ امکان ہے کہ اس کی جلدی یا مدرس کی عدم قابلیت کی وجہ سے یہ منتشر ہدایات کچھ مفید ثابت نہ ہوں بلکہ ناقابل عمل ہوں۔ اگر سال آئندہ کے معائنہ کے وقت ان ہدایات کی تکمیل نہ کرنے پر مدرس سے سخت باز پرس اور تدارک کیا جائے تو سمجھ جانا چاہئے کہ اگر ناظر کا ظلم نہیں تو غلطی ضرور ہے۔

مدرس کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کی ضرورت

ایسی صورت میں ناظر کو کیا کرنا چاہئے؟ اس سوال کے کئی جواب ہیں۔ جوابات مدرس

متعلقہ کی انفرادیت پر منحصر ہیں۔ ناظر یا عہدہ دار معائنہ کنندہ کو چاہیئے کہ مدرس کی استعداد اور تکمیل ہدایات میں اس کی توجہ اور اس کی حقیقی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ یہ احساس ہونا چاہیئے کہ عہدہ دار کا سالانہ معائنہ مدرس کو اس عہدہ دار کے پسندیدہ طریقوں پر عامل و ناپسندیدہ طریقوں سے دور نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ معائنہ کنندہ مدرس کے اختیار کردہ طرز عمل کو اپنی بہترین رہنمائی سے زیادہ مفید اور بہتر بنا سکتا ہے جو ہمدردانہ مشورہ و تعاون سے ممکن ہے۔

معائنہ کنندہ کو غور کرنا چاہیئے کہ مدرس اور مدرسہ کی بہبودی بلکہ سب سے زیادہ طلبار کی بہتری معائنہ کنندہ کے ہدایات کی اندھا دھند پابندی میں مضمر نہیں ہے۔ بلکہ صحیح طریقہ کار پر منحصر ہے معائنہ اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ کم از کم سال میں چار معائنہ ایک مدرسہ کے ہوں اس وقت بھی معائنہ کنندہ کی وسیع الخیالی اور صحیح تفکر کی ضرورت ہے۔

اصلاح کا ایک طریقہ سال میں چار معائنہ حالات حاضرہ کے تحت دشوار ہیں کیونکہ ایسی صورت میں ناظران مدارس کی کافی تعداد فراہم کرنی ہوگی۔ اس لئے کسی سبیل کے نکالنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ مدرسین و معائنہ کنندگان اکثر و بیشتر مدرسہ کے اوقات کے بعد آپس میں تبادلہ خیال کر سکیں۔ صدر مدرسین کے لئے خاص طور پر اور عام طور پر مدرسین کے لئے ایسے مواقع بحین دورہ فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ تاکہ وہ کسی خاص منتخبہ مقام پر جمع ہوکر معائنہ کنندہ عہدہ دار سے آزادانہ ان مشکلات و دقتوں پر تبادلہ خیال کریں جن سے ان کو روز آنہ دوچار ہونا پڑتا ہے۔ عملاً اس تجویز کو یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک ناظر مدارس کسی ایک تعلقہ میں پہنچ کر جلد از جلد اس تعلقہ کے تمام مدارس کا معائنہ کر لیتا ہے پھر آیندہ بارہ مہینہ تک اس کو موقع نہیں ملتا کہ اس تعلقہ میں جائے۔ اس طریقہ عمل میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ ناظر کا مستقر ایسا ہو کہ ہر مدرس اس تک آسانی سے پہنچ سکے یا ناظر ہر مدرس کے مستقر تک بسہولت آ جا سکے

موجودہ مستقر جو ضلع ہوتا ہے ناظر و مدرس ہر دو کے لئے دشواریوں کا باعث ہے اس کے لئے اگر ڈیویژن مقرر کردئے جائیں اور ہیڈ ڈیویژن ایسا مرکزی ہو کہ جملہ مدارس علاقہ قریب تر ہو جائیں تو ایک طرف مدرسین کے لئے باعث سہولت ہو جاتا ہے تو دوسری طرف ناظر کے لئے بھی جلد از جلد مدرسین کے ساتھ تعاون و مشورہ کے مواقع حاصل ہیں رہا اخراجات کا سوال تو یوں بھی سررشتہ پر ناظر کی مہینہ میں دو چار مرتبہ مستقر ضلع پر آمد و رفت کا بار کافی ہو جاتا ہے جب وہ اپنا مستقر اپنے حلقہ کے وسط میں رکھے گا تو اس میں کچھ بچت بمد سفر خرچ نکل آئے گی جو اس کے دفتر وغیرہ کے اخراجات کے لئے دیا جا سکتی ہے۔

ناظر کا پروگرام اس طرح کا ہونا چاہئے کہ وہ اس نواح میں کم از کم سال میں چار مرتبہ پہنچ سکے۔ وہ ہر حلقہ میں انہی مدارس کا معائنہ نہیں کرے گا بلکہ ایسے مدارس بغرض معائنہ شریک پروگرام رہیں گے جن کو اس نے گذشتہ دورہ میں نہ دیکھے ہوں۔ آس پاس کے مدرسین کو مواقع فراہم کر سکے گا کہ وہ کم از کم سال میں چار مرتبہ عہدہ دار معائنہ کنندہ سے تبادلہ خیال کر سکیں۔ نت نئے حاصل کردہ معلومات اس طرح مدرسین میں اشاعت پا سکیں گے۔ نمونہ کے اسباق خود ناظر کے یا کسی قابل مدرس کے ایسے مواقع پر بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس طریقہ کے علاوہ اگر ایک اسپیشل ناظر کسی ایک سمت کے لئے مقرر کر دیا جائے جس کا کام ہی یہ ہو کہ وہ تعلیمی پروپگنڈا اور تعلیمی معلومات کا مدرسین کے اجتماع میں اشاعت کرتا رہے تو زیادہ مفید ہو گا۔

انجمن ہائے اساتذہ و کانفرنس بھی اس مقصد کو اچھی طرح انجام دے سکتی ہیں بشرطیکہ یہ ادارے بہترین قابل تعلیمی ہمدردی رکھنے والے عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں معائنہ کنندہ کو مندرجہ بالا اسکیم کو بروئے عمل لا کر کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسکو حالات تعلیمی پر کافی عبور حاصل ہو۔ جس سے اس کو دوچار ہونا ہے۔ اس کو کامل احساس ہونا چاہئے کہ مدرس کو کافی محنت اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے کو امدادی عنصر تصور کرے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ مدرسین بالکلیہ اس کی

مرضی کے مطابق کام کرنے والے ہیں غرض اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تازہ معلومات حل طلب مسائل کے متعلق حاصل کر کے مفید رہنمائی کرے۔

ناظران مدارس کے موجودہ مشکلات اور ان کا حل۔ دورحاضرہ میں ناظران مدارس کو صرف یہی ایک دقت نہیں ہے کہ ان کے تحت کثیر تعداد مدارس کی ہے جن کا معائنہ ان کے لئے ناممکن ہے بلکہ اور دوسرے ایسے متعدد موانعات و مشکلات ہیں کہ اپنا کام اچھی طرح سے انجام دینے کا موقع ہی نہیں ہے۔ وہ چونکہ عملۂ نظارت کی آخری کڑی ہیں اس لئے ان کو ایسے بھی کام انجام دینے ہوتے ہیں جو کسی طرح بھی ان کے فرائض میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اگر ان سے حقیقت میں ان کے اپنے فرائض کی توقع کی جارہی ہے تو یہ ضروری ہے کہ اُن سے طویل رپورٹوں اور نخشہ جات کی نقل کرنے کا مکلف کام نہ لیا جائے۔ برآوردات کی تنقیح کا کام اُن سے علیحدہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ کام اہلکاران دفتر سے متعلق ہیں اس کے لئے نامناسب نہ ہوگا اگر ایک ایک اہلکار ہر ناظر کے تفویض کر دیا جائے تاکہ یہ اُمور اہلکار انجام دے سکیں۔

ناظر کے لئے ضروری کار دفتر مذکورۂ بالا تجویز سے یہ مراد ہرگز نہ لی جائے کہ ناظر مدارس کو کسی قسم کا دفتری کام کرنا ہی نہ پڑے بعض ایسے امور ہیں جن کو انجام دینا ہی پڑتا ہے۔ تاکہ معائنہ موثر ہو سکے۔ اس کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ ناظر کو چند اختیارات مثلاً منظوری رخصت۔ برآئندگی تنخواہ تنقیح تختہ جات ماہانہ کے ضمن میں کچھ سزا کے متعلق دیدئے جائیں تاکہ ان مدرسین پر انتظامی طور پر کچھ اثر رہے جو اس کے تحت ہیں۔

مدرسہ تحتانیہ کے معائنہ کے وقت کون سے اُمور پر زور دیا جائے تعلیم کا موجودہ مطمح نظریہ ہے کہ طلباء کو بہترین شہری بنایا جائے۔ اس کو ابتدائی تعلیم میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ابتدائی منزل تعلیم میں لکھنے پڑھنے اور حساب کی تعلیم کے علاوہ صحیح عادات کی ساخت اور رجحان صحیحہ کا پیدا

کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مقامی تاریخ جغرافیہ اور مطالعہ قدرت پر زور دینا بھی ضروری ہے۔ مفید شہری بنانے کے لئے کمسن طلباء کے نازک دماغوں پر کتابی تعلیم کا بار زیادہ ڈالے بغیر صحیح عادات ورحجان کا پیدا کرنا اہم ترین کام ہے۔ علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جدید قوت کے استعمال سے زندگی کو اور بہتر و مفید بنایا جا سکے۔ اگر عادات صحیحہ ورحجانات کا حصول بغیر علم کے ممکن ہوتا تو تعلیم کا مقصد صرف عادات و اطوار کو بنانا ہی ہوتا مگر یہ مسلمہ ہے کہ تعلیم عادات صحیحہ ورحجانات حقیقی کے پیدا کرنے میں بہت ممد و معاون ہے اس لئے تعلیم کے ساتھ ان چیزوں پر زور دینا ضروری ہے۔ جو ہماری ابتدائی تعلیم کا مقصد ہونا چاہئے۔

اس لئے مدارس تحتانیہ میں ہمیں تربیت، عادات، و پیدائش رحجانات حقیقی کو مقدم سمجھنا چاہئے ہماری خاص توجہ اس امر پر مرکوز ہونی چاہئے کہ آیا بچہ کو عادات صحیحہ کے حاصل کرنے میں کافی مدد دی جا رہی ہے یا نہیں۔ اس کو صاف اور صحت بخش رہائش سے مسرت حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ آیا وہ صحیح طریقہ پر بیٹھتا اور کھڑا ہوتا اور گفتگو کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ اس چیز کو بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا مدرس ممکنہ امداد طلباء کی ان امور میں کر رہا ہے اور مدرسہ اور اس کا ماحول صاف پاک اور دل خوش کن ہے؟ ورزش اور کھیلوں کا انتظام کافی طور پر مدرسین کے جانب سے ہونا چاہئے تاکہ طلباء اس میں مسرت کے ساتھ حصہ لے سکیں یہ نہایت ضروری ہے کہ ان امور کے مدنظر ابتدائی مدارس میں ایک باقاعدہ نصاب مرتب ہو اور ممکنہ سہولتیں اس کے لئے فراہم کی جائیں تاکہ کمسن طلباء کی تعلیم دستی مشاغل اور اسی قبیل کے دوسری مصروفیات کے ذریعہ ہوتی رہے جو تعمیری ہوں۔ مطالعہ قدرت کی تعلیم محض کتاب کی حد تک ہی محدود نہ ہو بلکہ عملاً طلباء کو اس سے استفادہ کرایا جائے۔ کتابوں کو رٹا دینا موجودہ دور تعلیمی میں فضول ثابت ہوا ہے۔ قواعد کی تعریفات جغرافیہ کی اصطلاحات تاریخ کے سال

حساب کی میکانی مشقیں شکل الفاظ کو رٹانا یہ ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے بچہ اور مدرس کو ایک غیر ضروری گرانی محسوس ہوتی ہے اس لئے معائنہ کنندہ کے لئے ضروری ہے کہ ایسی مشکلات کو حتی الامکان رفع کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

استاد اور شاگرد طلبہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ مدرس ان کی بہبودی کا خواہاں ہے۔ مدرس کی قابلیت اور محنت محض بے سود ہے خواہ وہ کتنا ہی لائق ہو اگر وہ طلبہ کو یہ باور نہ کرا سکے کہ وہ اِن سے محبت کرنے والا اور ان کا سچا بہی خواہ ہے۔ اس لئے معائنہ کنندہ کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ مدرسہ کا ماحول اس طرح کا ہے یا نہیں۔ مدرس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے طلبہ سے انفرادی طور پر بخوبی واقف ہو اور اپنے مساعی کو انفرادی طور پر کارفرما کرتا رہے۔ اگر مدرسہ بڑا ہے تو ہر مدرس ایک طالب علم کو منتخب کرلے اور اس کے ساتھ جو طرز عمل رکھا جائے دوسروں کے لئے باعث ترغیب ہو۔

کمسن طلبہ میں نقالی کا مادہ ہوتا ہے۔ اس لئے مدرس کا عمل اس طرح کا ہونا چاہیئے کہ طلبہ اس کی ریس سے استفادہ کرسکیں جو مدرس خود پاک صاف نہ رہتا ہو لیکن طلبہ کو صفائی کی پر زور تلقین کرتا رہے تو اچھے نتائج کی توقع رکھنا عبث ہے۔ مدرس لباس۔ رجسٹرات۔ پابندی وقت۔ وایفائے وعدہ وغیرہ کا بخوبی لحاظ رکھے۔ تاکہ طلبہ میں بھی یہی عادات راسخ ہوتی جائیں۔

اصول اور طریقۂ کار اصول اور طریقۂ تعلیم پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے۔ معائنہ کنندہ کو نکات ذیل پر خاص توجہ دینی چاہیئے۔

(۱) بچہ توجہات کا مرکز ہے۔ اس لئے جملہ توجہات اس پر صرف کی جائیں اس لئے اس کی انفرادیت کو بخوبی ذہن نشین کیا جائے تعلیم کا مقصد اسی انفرادیت کو ابھارنا ہے۔

(۲) ہر بچہ کی انفرادیت کے فرق کے مدنظر اس کی تعلیم کا انتظام ہو اور مختلف مضامین میں ارتباط کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۳) بچہ کے ماحول کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور اس کو اس کی تعلیم کے لئے مفید بنایا جائے۔

(۴) تعلیم اور مدرسہ کا ماحول زندگی اور زندگی کے تجربات سے مربوط ہو۔

(۵) طلبہ میں آزادی کا احساس پیدا کیا جائے اور وہ مدرسہ کو قید و بند کی جگہ نہ سمجھیں

(۶) بچہ کی انفرادیت کا نمو معاشرہ کے مفاد کے خاطر ہو۔

یہ اصول ہمارے مطمح نظر ہوں تو کیا کہنا کیونکہ عام طور پر یہ اصول مدارس میں مفید ہو سکتے ہیں۔ اگر ان کے علاوہ اور کوئی اصول مدرسین مفید تر قابل عمل تصور کرتے ہوں اور معائنہ کنندہ کی نظر میں بھی مفید ہوں تو ایسے مدرس کی حوصلہ افزائی کرنی ضروری ہے۔

معائنہ کو کیونکر مفید بنایا جائے نکتہ چینی معائنہ کا مقصد نہ ہونا چاہئے۔ اگر تنقید اور سختی معائنہ کا مقصد ہو تو وہ تعلیمی معائنہ نہیں ہے بلکہ سختی کا ڈنڈا ہے جس کے آگے ہر مجبور کا سر خم ہو جاتا ہے۔ معائنہ تعلیمی مفید اسی صورت میں ہو سکتا ہے جس میں رہنمائی، نصیحت اور تجربات کا اظہار ہو۔ اور معائنہ کنندہ و مدرسین کے درمیان یہ احساس پیدا ہو کہ ایک صحیح رہنمائی کر رہا ہے تو دوسرا اس میں فوائد محسوس کر رہا ہے آخر میں ناظران مدارس کے موقف کو بھی ایسا بنانے کی ضرورت ہے کہ وہ صحیح معنوں میں معائنہ کنندہ عہدہ دار ثابت ہوں۔ وقار سررشتہ کا لحاظ ان کو ہونا چاہئے۔ اور سررشتہ کے لئے ضروری ہے کہ ان کے وقار کا تحفظ کرے۔ خدمت نظارت تعلیمات اکثر و بیشتر خدمت نظارت عدالت کے مماثل سمجھی جاتی ہے حالانکہ ان دونوں میں بین فرق ہے عدالت کا ناظر ستقاسہ کا اہلکار ہوتا ہے اس کے برخلاف ناظر تعلیمات باعتبار عہدہ یافت گریڈ جس طرح کے ضابطہ تعلیمات رہنمائی کرتا ہے مددگار مہتمم کی حیثیت رکھتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس عہدہ کو ناظر کے لقب سے نہ موسوم کیا جائے بلکہ نائب مہتمم تعلیمات یا مددگار مہتمم تعلیمات کے لقب سے موسوم کرنے کی اجازت ہو تو اس اعتبار سے

اس کا موقف ایک حد تک معزز باعتبار فرائض کے ہو جائے گا جس کے نتائج مزید اثر پذیر ہوں گے۔

مدارس اور مسئلہ بے روزگاری

از

مولوی احمد محسن صاحب قادری علوی معتمد انجمن اساتذہ مدرسہ فوقانیہ بمبئی

"مدرسہ جدید کا تعلق جماعتی زندگی سے بہت قریب کا ہے۔ وہ کوئی قائم بالذات ادارہ نہیں ہے جس کو گرد و پیش کے اقتصادی سیاسی اور سماجی زندگی سے کوئی واسطہ نہ ہو۔"

مندرجہ بالا قول کی مزید تشریح یوں بھی کر سکتے ہیں کہ مدرسہ کو اپنی اندرونی زندگی کی تشکیل، معاش کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح کرنی چاہیئے کہ طلبہ عمرانی مشاغل اور سماجی مصروفیات کا تجربہ حاصل کر کے دنیا کے عملی میدان میں قدم رکھ سکیں۔ اور اگر اس کے برعکس مدرسہ عمرانی مشاغل سے بے نیاز رہے تو طلبہ کا علم و ہنر اور اُن کی استعداد چار دیواری مدرسہ تک مفید ضرور ثابت ہو گی لیکن موجودہ زمانے میں مکمل زندگی کی تیاری کا مقصد حاصل نہ ہو گا۔

(مکمل زندگی کی تیاری) یا تعلیم کا افادی و ثقافتی پہلو مختلف فیہ مسائل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ بعض اہل الرائے مقصد تعلیم میں مجھ سے اختلاف کریں لیکن اگر دور حاضرہ کی میکانی اقتصادی، اور سماجی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر مدرسہ کی افادیت پر تبصرہ کیا جائے تو یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ مدارس ثانویہ کے نتائج قوم و ملک کو خاطر خواہ طور پر مطمئن نہ کر سکے گو کہ سرپرستوں اور اولیا طلبہ کی توقعات "مکمل زندگی کی تیاری" سے کچھ زیادہ افادیت کی طرف مائل ہیں اور

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم کو حصول معاش کا ذریعہ تصور کرنے میں وہ کسی حد تک حق بجانب ضرور ہیں۔ موجودہ نصاب کی خشک اور کتابی فضا طلبہ کو طوطے مینا کی طرح بولنا ضرور سکھا دیتی ہے لیکن روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے نتائج نہایت ناقص اور افسوس ناک ثابت ہوتے ہیں۔ گزشتہ دس سال سے تمام ہندوستان میں اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ نصاب کو از سر نو ترتیب دیا جائے اور تعلیمی کل پرزوں کو اس طرح ڈھالا جائے کہ موجودہ ضروریات پوری ہو سکیں۔ مختلف مقامات پر جلسے ہوئے کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور ملک کے بڑے بڑے دماغوں نے ملکر کسی ایک مفید نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی لیکن اب تک کوئی ایسا "مرکز ثقل" دریافت نہ ہو سکا جہاں تمام مکاتب خیال یکجا ہو کر کوئی مفید مطلب نتیجہ اخذ کر سکتے اس عرصہ میں متعدد مقامات پر تعلیمی ادارے قائم کئے گئے اور ایسی تجویزیں بھی پیش کی گئیں جو افادی و ثقافتی مقاصد کے حصول میں معاون ہو سکتیں۔ لیکن بہ نظر غائر ان کو جانچا گیا تو ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسی خرابی پائی گئی جس کی بدولت وہ عالمگیر مقبولیت کی کسوٹی پر پوری نہ اتر سکی۔ مثال کے طور پر "وردھا اسکیم" کی افادیت سے کون ذی علم انکار کر سکتا ہے لیکن ایسی سنگلاخ زمین پر موجودہ تعلیم کا نازک پودا قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جہاں آبپاشی کے ذرائع بھی محدود ہوں اور اُن کے بعد یہ توقع کی جائے کہ یہ نونہال خودرو درختوں کے مانند اپنی خوراک حاصل کر کے پھلے اور پھولے۔ وردھا اسکیم کے مقاصد ارفع و اعلیٰ ہیں لیکن اس نظام میں جو دشواریاں پیش آئینگی ان کا حل کسی ایک ادارہ یا حکومت کے بس کی بات نہیں ہے۔ بعض اُصولی و فروعی اختلافات کی بنا پر اس کی مقبولیت بھی ایک مخصوص طبقہ تک محدود رہ گئی ہے۔ بنا بریں جمہور، عوام۔ سرمایہ دار۔ اور حکومت اس مفید تجویز کو متحدہ طور پر قابل عمل تصور کرنے میں تامل کر رہے ہیں علاوہ بریں ایسے ملک میں جہاں اوسط تعلیم ۵ فیصد بھی نہ ہو تعلیم کے لئے ایسے متحدہ طور پر بظاہر "بے مصرف" کام میں سرمایہ دار اپنی پونجی لگانے پر مشکل ہی سے

تیار ہوں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وردھا اسکیم عام مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔

"شیر دلان پنجاب" کو تعلیمی معاملات میں بھی بہت کچھ دخل ہے چنانچہ "موگا" کو بطور مثال پیش کرتے ہیں کہ یہ ہندوستان کا وہ واحد ادارہ ہے جو اپنی کفالت خود ہی کرتا ہے لیکن مبصرین واقف ہیں کہ موگا کا نظام دراصل ایک تبلیغی اور مذہبی جماعت کا کارنامہ ہے اور اقامتی نظام کے ذریعہ کسی حد تک اپنے پیروں پر کھڑا ہے لیکن یہ ایک مخصوص جماعت ہی کے حق میں مفید ہو سکتا ہے ہمارا ملک ابھی اس قدر مخیر اور ترقی یافتہ نہیں ہے کہ ایسے اقامتی اداروں کو سرکاری سرپرستی کے بعد بھی کامیابی کے ساتھ چلا سکے۔ بنا بریں موگا کا نظام بھی مفید مطلب ثابت نہ ہو سکا۔

ڈلیوی کا طریقہ تعلیم امریکن اقوام کے حق میں ضرور مفید اور کامیاب ثابت ہو رہا ہے لیکن اس معیار پر پہنچنے اور عوام میں تعلیمی دلچسپی کو بیدار کرنے کے لئے گذشتہ دو سو سال کی تاریخ کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ سینکڑوں قسم کے نظام تعلیم اور ہزارہا تجربات کے بعد امریکن قوم اس قابل ہو سکی کہ تعلیم کے افادی و کلچری مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے لیکن ہمارے ایسے پس افتادہ ملک کے لئے یہ نظام ابھی ناقابل عمل ہے۔

الغرض اسی ادھیڑ بن میں ہمارے سررشتہ تعلیمات کو عرصہ گزر گیا اور آخر ش ہمارے موجودہ قابل فخر اور لائق ناظم صاحب تعلیمات نے سیکنڈری اسکیم اور ابٹ وڈ ور ڈ یکیشن کی روشنی میں ایک جدید تنظیم کا بیڑا اٹھایا ہے موجودہ نظام کے تحت شہری و دیہی مدارس کے امتیاز نے نفسیاتی اصول پر ذہنی فروق کا لحاظ کرتے ہوئے تعلیم کے مردہ ڈھانچہ میں نئی روح پھونک دینے کی بہترین کوشش کی ہے۔

اس تنظیم کے تحت آغاز تعلیم سے ثانوی دور تک تین طبقات قائم کئے گئے ہیں۔ تحتانی۔ ادنیٰ ثانوی۔ اعلیٰ ثانوی خصوصیت کے ساتھ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ادنیٰ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی امتحانات کی کامیابی کے بعد ہر طالب علم

کے لئے دوراستے قائم کئے گئے ہیں ہر طالب علم حسب منشا اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ یا ادنیٰ۔ اور ہر دو کے خاتمہ پر زرعی صنعتی یا میکانی قسم کی پیشہ ورانہ تربیت پاسکتا ہے۔ تدوین نصاب میں یہ امر بھی پیش نظر رکھا گیا ہے کہ درسی کتابی علوم کے متوازی دستی و حرفی تربیت بھی برقرار رہے تاکہ ہر بارٹ کے نفسیاتی اصول کے تحت نظری و عملی تجربات حاصل ہوں اور آنکھ۔ کان اور ہاتھوں کے اشتراک عمل سے نفس کی تکمیل ہوسکے۔

جدید نصاب اس قدر لچکدار بنایا گیا ہے کہ ترمیمات کی کافی گنجائش باقی ہے اور طریقہ تعلیم میں نئی روح پھونکنے کے لئے انتخاب مضامین کے سوال کو بھی بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر دیا گیا ہے۔ نصاب کی دوگونہ تقسیم کی بدولت امتحانی اور غیر امتحانی مضامین کی تفریق کو موجودہ تنظیم کا مفید ترین پہلو قرار دیا جا سکتا ہے جو طالب علم مدرسہ اور قوم من حیث کل کے لئے حقیقی طور پر فائدہ مند ثابت ہوگا غیر امتحانی نصاب جس کو زائد از نصاب مصروفیات بھی کہا جا سکتا ہے حقیقتاً موجودہ زمانہ میں داخل نصاب تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دراصل انہی غیر امتحانی مضامین کی صحیح تربیت کی بدولت گھر اور مدرسہ کے واحد مقصد "مکمل زندگی کی تیاری" میں سہولت پیدا ہوسکتی ہے اس سے طلبا کو اشتراک عمل اور ضبط نفس کے کافی مواقع فراہم ہوں گے اور وہ قدم قدم پر مدرسہ اساتذہ اور ہم سبق طلبا کے ساتھ اتحاد و انضباط کی ضرورت کو محسوس کریں گے۔ مزید براں اس قسم کے ذوق پیدا ہوجائیں گے جو آئندہ زندگی کی تعمیر میں مفید ثابت ہوں گے۔ اگر خالص فنی نقطہ نظر سے اساتذہ کی رہبری میں دستکاری اور ڈرائینگ کی تربیت کی جائے تو بہت جلد مدرسہ کی چاردیواری کے اندر مختلف قسم کی زائد از نصاب مصروفیات پیدا ہوجائیں گی۔ جو بچہ کے ذاتی شوق و ذوق کے بدولت روز افزوں پائیدار اور ترقی پذیر ثابت ہوں گی۔ اور ملکی بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں معاون ہوں گا مثلاً نقشہ کشی اور مصوری کا ذوق آئندہ چل کر شوقین طلبہ کے لئے کسب معاش کا

ذریعہ بن جائے گا اس طرح دستکاریوں میں وہ تمام ضروریات زندگی شمار کی جاسکتی ہیں جو دستی تربیت کی جماعت میں تیار کروائی جاسکتی ہیں مثلاً اردی دال۔ گلاس دال سادہ اور ارزاں قسم کی مزین کرسیاں کپڑے لٹکانے کی کھونٹیاں وغیرہ جن کی قیمت یا تو مدرسہ کے بازار میں حاصل ہو سکے گی ورنہ میلوں اور جاتراؤں میں اس قسم کے مال کی کھپت طلبہ کے ذوق تعمیر کو دوبالا کردے گی کھیل ہی کھیل میں دیس کے مبارک جذبہ کے ذریعہ انعامات کے ذوق میں بہترین نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو آیندہ مدرسہ اور طلبہ کے لئے کسب معاش کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ باغبانی کا مشغلہ بھی دستکاری کے مانند مدرسہ۔ طلبہ اور عوام کے واسطے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دور حاضرہ کی ترقی پذیر تعلیم کی بدولت۔ عمدہ زمین۔ اچھی کھاد موزون بیج اور آبپاشی کے کم خرچ بالانشیں طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد بچّوں کو مادرگیتی سے اُنس بڑھے گا اور عجب نہیں کہ کچھ دنوں بعد یہی ذوق پختہ ہو کر چند طلبہ کو زراعت کی طرف مائل کردے جو کسب معاش کا ذریعہ بن کر قوم کی پیدائشی دولت میں مفید آلہ کار ثابت ہو۔

اس کے علاوہ کشافہ۔ ورزش جسمانی اور دیگر زاید از نصاب مصروفیات ایک طالب علم کو قوم کا لائق فرد۔ متحمل اور بردبار انسان ایک عمدہ شہری بنا کر قوم کی مفلوک الحالی دور کرنے میں بڑی مدد کر سکتی ہیں ابتداءً ہمارے نتائج توقع سے بہت کم ثابت ہوں گے۔ لیکن بتدریج ہماری کوشش بارآور ثابت ہو کر مدمکمل زندگی کی تیاری" کے مقصد کو خود بخود حل کرے گی اور ہماری موجودہ بے مایگی اور معاشی پستی خود بخود دور ہو جائے گی۔

موجودہ تنظیم کی بدولت مدارس کو اس کا کافی موقع حاصل ہو گیا ہے کہ حقیقتاً قوم کی بے روزگاری کے مسئلہ کا آسان حل بتا کر قوم و ملک کو ممنون کریں لیکن شرط یہ ہے کہ اساتذہ صحیح معنی میں طلبہ کی رہبری کریں اپنی عرق ریزی اور زبردست

ایثار کی بدولت مدرسہ ثانویہ کے امتحاناتِ اعلیٰ اور ادنیٰ میں کم از کم ۸۰ فیصد طلبہ ہر سال نکالتے رہیں۔ اس کے علاوہ اولیائے اطفال کے ساتھ اشتراکِ عمل۔ سرمایہ داروں کے ساتھ ارتباط اور عہدہ داران مقامی کے ساتھ تعاون کو برقرار رکھنا اپنا خوشگوار فریضہ تصور کرلیں تو مدرسہ کے ۸۰ فیصد کامیاب طلبہ کے واسطے معاشرہ میں ایک عمدہ جگہ نکال لینا زیادہ دشوار نہ ہوگا اگر مندرجہ بالا مسلک پر اساتذہ اور مدرسہ عمل پیرا ہوں تو ۸۰ فی صد طلبہ کا مستقبل مندرجہ ذیل طریقوں پر سنوارا جا سکتا ہے۔

۳۰۔ فی صد طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ چلے جائیں گے۔

۱۰۔ فی صد ذاتی شوق و ذوق کی بدولت تجارت یا زراعت کی طرف رجوع ہو جائیں گے

۲۰۔ فی صد زائد از نصاب مصروفیات کی بدولت دستکاری میں اتنا کمال ضرور حاصل کریں گے کہ وہ اپنی صنعت کے واسطے بازار میں کوئی خریدار پیدا کر سکیں یا مختلف پیشہ ورانہ جماعتوں میں خصوصی تعلیم حاصل کرنے کے لئے منتقل ہو جائیں گے۔

۱۰۔ فی صد طلبہ مدرسہ کی سفارش کی بدولت عہدہ داران مقامی کی عنایت سے دفاتر مقامی میں برسرروزگار ہو جائیں گے۔

۱۰۔ فی صد سرمایہ داروں، حکومت اور انجمن اتحاد باہمی کی امداد سے طبی۔ زرعی یا انجینیرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کارخانجات میں ملازم ہو جائیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ اعداد شمار صحیح نہ ثابت ہوں۔ اوسط میں غلطی ہو لیکن آئے دن کا تجربہ بتاتا ہے کہ ہمارے مدارس کی پیداوار عام طور پر مندرجہ بالا اوسط کے لگ بھگ عملی زندگی میں ضرور قدم رکھتی ہے۔ بہت سے ناکام ہوتے ہیں۔ اور بہت کم خوش نصیب کامیابی کے منازل طے کرتے ہیں۔ ان کی ناکامیابی کی ذمہ داری درحقیقت مدرسہ اور کسی حد تک سررشتہ تعلیمات پر عائد کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ ان پڑھ والدین اپنی بیش قیمت امانتیں اساتذہ مدرسہ کے سپرد کرکے اس امر کے متقاضی رہتے ہیں کہ ختم تعلیم پر ان کی اولاد علم و عمل کے ہتیار سے مسلح ہوکر میدان عمل میں قدم رکھے تو کامرانی اور شادمانی ان کے قدم لے۔

بہر حال موجودہ شکل میں سررشتہ نے جو اب تک اقدام کیا ہے وہ لایق صد مبارک باد ہے اور ہم کو اس کی کامل توقع رکھنی چاہیئے کہ موجودہ تنظیم کی بدولت ہمارے ملک کے معاشی اور سیاسی نظام میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہو جائے گا اور مستقبل قریب میں ہمارا ملک بھی مثل دیگر ترقی یافتہ اور متمدنہ ممالک کے قوم کی بے روزگاری کے دور کرنے میں بڑا حصہ لے گا۔

مدرسین اور تحریک تنظیم دیہی

مولوی عبداللہ بن علی صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ پٹن چرو ضلع میدک

تنظیم دیہی سے مراد ملک کی دیہی آبادی بالخصوص کسانوں کو ان کے موجودہ افلاس و نکبت سے نجات دلانا اور ان کی معاشی و معاشرتی حالت کو درست کرنا ہے۔

ہمارے ملک کے دیہاتوں میں اکثریت قدیم خیالات اور رسم ورواج کے پابند کسانوں کی ہے یہ لکیر کے فقیر ایسے ہیں کہ دو ڈھائی صدی میں بھی اپنے پرانے چھکڑوں میں ایک نئی کیل کا اضافہ نہ کر سکے اور محض تقدیر پر تکیہ کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اُن کے معاشی اور سماجی مسائل کو حل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے پرخلوص جان توڑ مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔ اس کام کی تکمیل کے لئے انتخاب کی نظریں طبقہ اساتذہ پر پڑتی ہیں۔

مدرس اور قوم کا تعلق:۔ مدرسہ سماجی پیداوار اور مشغولیت کا مرکز ہوا کرتا ہے۔ دنیا کی ہر وہ تحریک جو میدان عمل میں آتی ہے اس کا مدرسہ ہی رہنما یا ہادی ہوتا ہے دنیا کے تمام دیہاتوں میں عموماً مدرس ہی ہر تحریک اور ہر کمیٹی کا رہنما ہوا کرتا ہے۔

قابل مدرسین کا مطمح نظر بہت بلند ہوتا ہے۔ اُن کے پیش نظر صرف درس و تدریس ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے شاگردوں میں اچھے اخلاق و عادات

پیدا کر کے ان کو حقیقتاً تعلیم یافتہ اور مکمل افراد قوم بناتے ہیں۔ وہ اپنے کو مدرسہ
کے اندر اور باہر طلبہ کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ دیہات میں معلم کی حیثیت ایک رہنما
کی ضرور ہوتی ہے اس کا کام بچوں کو تعلیم دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اولیاء طلبہ اور
گاؤں کے ہر فرد کو روشن خیال بنانا بھی ہوتا ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی
کہ کسی گاؤں میں جہاں کے باشندے عموماً جاہل ہیں ایک مدرس غیر معمولی شخصیت
اور اثر کا حامل ہوتا ہے۔ روشن خیال اور ہمدرد اُستاد" سید القوم خادمہا" کی حیثیت
سے دیہاتیوں کی اعانت کرتا ہے ان تعلقات کی وجہ تنظیم دیہی کے
کام کے لئے مدرسین کا انتخاب عمل میں لایا جا کر پٹن چرو میں ہر سال ماہ شہریور
کے آخری تین ہفتوں کے لئے ایک ٹریننگ کلاس کھولی جاتی ہے جس میں تنظیم دیہی کے
اصولوں پر لکچرز ہوتے ہیں اس تعلیم کا یہ منشا ہوتا ہے کہ اساتذہ صاحبان اپنے
اپنے گاؤں میں تنظیم دیہی کے اصولوں سے رعایا کو واقف کرائیں انجمنیں قائم
کریں ان انجمنوں کے ذریعے دیہاتیوں کی معاشی اور معاشرتی اصلاح کریں۔

اس کلاس کی اہمیت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ہمارے
ملک کی موجودہ حالت کے مدنظر جبکہ زراعت پیشہ طبقہ میں عام جہالت اور
لاعلمی کی وجہ پستی اور کمزوری کا احساس معدوم ہے صرف اساتذہ کو
ٹریننگ دینے اور انجمنیں قائم کر دینے سے اس مقصد عظیم میں کامیابی کی بہت
کم توقع کی جا سکتی ہے کیونکہ دیہات میں بالکلیہ پٹیل پٹواری کی حکومت ہوتی
ہے اور یہ اپنے ناجائز اغراض کی تکمیل کے لئے رعایا کو جاہل رکھنا چاہتے ہیں
عموماً مدرسہ اور مدرسین کی بظاہر تو نہیں البتہ اندرونی طور پر مخالفت کرتے رہتے
ہیں۔ اس لئے مدرسین کے ساتھ عمال دیہی یعنی پٹیل۔ پٹواری۔ گرداور کو بھی اس
کلاس کی تعلیم کے لئے منتخب کیا جا کر اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے اُن میں
نہ صرف مدرسین کے ساتھ اشتراک عمل کی اسپرٹ پیدا کی جائے بلکہ اس کام کو ان
کے فرائض میں داخل کر دیا جانا ضروری ہے۔ عمال دیہی کے اشتراک عمل سے

مدرسین بچوں کی ذہنیتوں کو بنانے اور بدلنے کے لئے کام کریں گے اور بچے اجتماعی خدمت کے ولولہ کے تحت اپنے بزرگوں کے لئے ایک مثال قائم کریں گے۔ اس طرح صدیوں کا کام برسوں میں تکمیل پانے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ تنظیم دیہی کے سلسلہ میں باشندگان موضع کی معاشی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے ذرائع کی مکمل فہرست قواعد انجمن دیہی میں موجود ہے۔ اب یہاں مدرسین کی اپنے گاؤں میں (جہاں ان کی تعیناتی ہو) ابتدائی مصروفیات کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ تنظیم دیہی کا کام شروع کرنے سے پہلے مدرسین کو اپنے گاؤں میں ہم خیال افراد کا پیدا کر لینا ضروری ہے جب چند ایسے آدمی تیار ہو جائیں تو ایک باقاعدہ انجمن قائم کر لی جائے۔ مقامی ضروریات کے لحاظ سے کام کا ایک پروگرام تیار کر لیا جائے اور ممبران انجمن کے صلاح و مشورہ سے کام اس طرح شروع کیا جائے کہ عوام کو اس کا فوری احساس نہ ہو۔ اولاً چھوٹے چھوٹے کاموں سے ابتدا کی جائے چونکہ ہمارے دیہات میں کسی نئی تحریک کے قبول کرنے کی خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو صلاحیت نہیں ہے۔ اس کام کو رفتہ رفتہ ترقی دی جانی مناسب ہے۔

۲۔ تجارت پیشہ مزارعین اور گاؤں کے سربرآوردہ اصحاب سے کاروبار کی ترقی کے ذرائع پر موقع سے گفتگو کی جائے اور اپنے مفید مشوروں سے اُن کی رہنمائی کریں تو کچھ عرصہ بعد جب یہ ہم خیال ہو جائیں گے تو خود بخود انجمن کی ممبری کو قبول کر لیں گے۔ انجمن ممبری کی فیس سالانہ ایک روپیہ سے زائد نہ رکھی جائے۔ عطیہ کی رقومات اس کے سوا ہوں گی۔ انجمن کے عہدوں مثلاً میر مجلسی و معتمدی وغیرہ پر گاؤں کے با اثر اور معتبر ہمدرد لوگوں کا انتخاب کیا جانا ضروری ہے۔

۳۔ تعلیم بالغاں کے لئے مدرس کو اپنا کچھ وقت دینا ضروری ہے مدرسہ شبینہ قائم کر کے کاروباری افراد کو پابندی کے ساتھ بموجب نصاب منظورہ سررشتہ تعلیمات تعلیم دی جایا کرے نوشت و خواند سکھانے کے علاوہ

بالغوں کو ان کے کاروبار میں ترقی کی تجاویز بتائیں اور دیہی صنعتوں کی ترویج و ترقی کے لئے ترغیب و تشویق دلائی جائے۔

۴۔ انجمن کے لئے ایک کتب خانہ کا قیام ضروری ہے۔ اس میں دیہات سدھار زراعت۔ تجارت حفظان صحت۔ ترک مسکرات سے متعلق رسالہ جات و کتب اور ترقی یافتہ ممالک کے دیہات کے حالات۔ جدید آلات زراعت کے چارٹس اور ایسا لٹریچر جو دیہاتی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدہ بخش ہو فراہم کیا جائے۔

۵۔ علمی۔ فنی تقاریر اور موزون و مفید تصاویر، سینما اور لکچرز کا انتظام کیا جائے اگر ہو سکے تو موسیقی و ڈراما و دیگر فنون لطیفہ سے اراکین کے لئے دلچسپی کے سامان پیدا کئے جائیں مندرجہ بالا امور کا انتظام بالکلیہ مقامی صدر مدرس کے ذمہ ہونا ضروری ہے۔ تاکہ دیہاتی باشندوں کی تعلیم و تربیت کا صحیح طریقہ پر انتظام کرکے ان کے اذہان کی اصلاح کی جا سکے۔ اور ان کو حقیقی معنوں میں شہری بنایا جا سکے۔ اُن کے دلوں میں گورنمنٹ اور اس کے محکمہ جات سے محبت پیدا کرائی جا سکے۔ ان فرائض کی وسعت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ گاؤں کے مدرسین کی قابلیت کا معیار نسبتاً بلند ہو۔

۶۔ ہمارا کسان اپنے عادتی اسراف اور کڑے سودی قرضہ کی وجہ تمام عمر پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کو اس مصیبت سے نجات دلانی ضروری ہے۔ اس کے لئے وقتاً فوقتاً انجمن میں جلسے کئے جائیں عوام کو ان جلسوں میں جمع کرکے ان کے سامنے ہماری طرز زندگی ہمارے عادات و اطوار اور رسم و رواج کا موثر پیرایہ میں ذکر کیا جائے خاص طور پر غریبہ اور کڑے سودی قرضہ پر زور دیا جائے جس کی وجہ سالہا سال سے کسانوں کی سالم پیداوار ساہوکار کے گھر چلی جا رہی ہے اور کسان باوجود محنت و مشقت اٹھانے کے عسرت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے انجمن امداد باہمی سے

مدد لی جائے۔ اپنے گاؤں میں بھی ایک انجمن قائم کرائی جائے۔ حتی الامکان ساہوکار کے پنجہ سے چھٹکارا پانے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

۷۔ اشیاءِ منشی کے استعمال کے نقصانات۔ خاندانی رسم و رواج۔ مثلاً شادی۔ غمی کی رسمیں۔ چھلہ۔ چھٹی وغیرہ کی فضول خرچیوں کو موثر انداز میں بیان کرکے اُن کے خیالات میں تبدیلی پیدا کی جائے۔

۸۔ انھیں وہ باتیں بتائیں جن پر دوسرے ممالک نے عمل پیرا رہ کر ترقی کی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے کسانوں اور صنّاعوں و کاروباری افراد کی خانگی زندگی کے حالات بیان کیا کریں۔ اُن ممالک کے آلات زراعت۔ اُن کی زمین کی درستی و نگہداشت کے طریقے جانوروں کی حفاظت بیج کی فراہمی کھاد کی تیاری اور اس کے استعمال کے طریقے اُن کی گھریلو صنعتیں غرض اُن کی زرعی ترقی اور خوش حالی کے اسباب بیان کرکے ان کی ذہنیتوں میں ایک انقلاب پیدا کیا جائے۔

۹۔ ایک اہم اور ضروری کام جو مدرسین کو دیہات میں کرنا ہے یہ ہے کہ عوام میں ان کی روزانہ زندگی کے معمولی اغراض و مقاصد کے لئے متحد ہونے کا مادہ پیدا کرایا جائے ان میں صلاحیت پیدا کرائی جائے کہ وہ ایک دوسرے کی زیادتیوں او خطاؤں کو درگزر کریں۔ سیاسی اور رسمی اختلافات۔ مذہبی تنازعات جو پیدا کئے جارہے ہیں ان کو جڑ سے مٹا دینے کی کوشش کی جائے۔ یہ امر عوام کے ذہن نشین کیا جائے کہ ہمارے عدل پرور۔ نصفت پسند بادشاہ ذی جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ کے مبارک عہد حکومت میں رفاہ عام کے سینکڑوں کام ہوئے اور ہو رہے ہیں بالخصوص کسانوں اور دیہی آبادی کی ترقی اور خوش حالی کے لئے نئی نئی اسکیمیں جاری کی گئیں اور کی جارہی ہیں۔ چنانچہ محکمۂ زراعت کی توسیع انجمن ہائے امداد باہمی کا قیام تنظیم دیہی کی تحریک۔ تحتانی تعلیم کی توسیع میکینزی اسکیم کا نفاذ وغیرہ اسی سلسلہ کی چند کڑیاں ہیں۔ اس کے علاوہ کسانوں کی معاشی ترقی

اور اُن کو موجودہ افلاس سے بچانے کے لئے سرکار عالی نے چند قوانین بھی منظور کئے ہیں مثلاً قانون قرضہ دہندگان محض کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے اور قانون مجالس مصالحت قرضہ جس میں قرضدار اور قرض خواہ ہر دو کے لئے ممکنہ سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔

قانون انتقال اراضی کے ذریعے کاشتکاروں کی اراضی کو ساہوکار کے کڑے سود کی رقم کی ڈگری سے بچایا گیا ہے۔ کاشتکار کی زمین اگر ساہوکار کے قرضہ کے تحت نیلام ہو بھی جائے تو غیر کاشتکار اس کو خرید نہیں سکتا۔ نیز اس قانون کی رو سے ادائی قرضہ کے لئے ۲۰ سالہ اقساط کی ادائی کافی ہے اس مدت کے بعد قرضہ بے باق سمجھا جاتا ہے اس زمین کی فروخت جس کا محاصل ۳۰ روپیہ سالانہ یا اس سے کم ہو (جس کو مقامی عدالت متعین کرے گی) اس قانون کی رو سے ممنوع قرار دی گئی ہے۔ غرض ہمارے ملک میں کاشتکاروں اور دیہی آبادی کی ترقی و اصلاح معاشرت کے لئے ممکنہ تدابیر اختیار کی جارہی ہیں اس انجمن کے زیر اہتمام کم از کم سال میں دو بار فصلوں کے اختتام پر یوم کاشتکاراں منایا جائے اور اس میں انجمن کا حساب کتاب اور غلہ و مویشی کی نمائش کا بھی انتظام کیا جائے نیز بندگان عالی کی سالگرہ مبارک اور یوم خود مختاری سلطنت آصفیہ کے موقع پر بھی اس انجمن کے زیر انتظام جلسے کئے جائیں جس میں خاص طور پر سلاطین آصفیہ کی رواداری اور برکات عثمانی کو گاؤں جاہل رعایا پر واضح کرکے شاہ پرستی کے جذبہ کو راسخ کیا جائے جس کے لئے جاپان کی مثال بہت اہمیت رکھتی ہے۔

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

واقع ۲۸ شہریور ۱۳۴۹ف

نشان جاریہ (۳۰)

نشان مثل دفتر ہذا (۵/۹۰) بابتہ ۱۳۴۹ف

منجانب مولوی سید محمد حسین جعفری بی۔اے (آکسن)
ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
بخدمت عہدہ دار صاحبان دفاتر و مدارس راست تحت
دفتر ہذا

مقدمہ
ہدایات متعلق انتظام نشست طلباء مدارس

بمقدمہ صدر تحریر ہے کہ عموماً مدارس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ عمارت مدرسہ کے ایسے کمرے جو زیادہ روشن۔ ہوادار اور اچھی حالت میں ہوتے ہیں ان میں بڑی جماعتیں رکھی جاتی ہیں اور ابتدائی جماعتیں چھوٹے اور تنگ و تاریک کمروں میں رکھی جاتی ہیں۔ اور جن کی تعمیری حالت بھی زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ کمسن طلباء کی نشستیں عمارت مدرسہ کے سب سے اچھے کمروں میں رکھی جائیں تاکہ زیادہ ہوا اور روشنی سے مستفید ہوسکیں جس کی انہیں بہ نسبت معمر طلباء کے زیادہ ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ اس طریقہ پر ان کی کافی دیکھ بھال ہو۔ اس لئے کہ ان کی عمریں اس قابل نہیں ہوتیں کہ کسی ناگہانی افتاد کا مقابلہ کرسکیں۔ اسی طرح مدرسہ کا بہترین فرنیچر چھوٹی جماعتوں کو دیا جائے۔ مثلاً اگر کسی مدرسہ میں سنگل یا ڈول ڈیسک ہوں تو یہ چھوٹی جماعتوں کو پہلے فراہم کئے جائیں اور اس کے بعد اگر بچ جائیں تو بڑی جماعتوں کو دئے جائیں۔ لہذا ہر مدرسہ میں عمارت مدرسہ کے عمدہ کمروں میں ابتدائی جماعتوں کی نشست اور فرنیچر کا انتظام کرنے کے بعد بڑی جماعتوں کا لحاظ کیا جانا چاہئے۔ براہ کرم حسبہ عمل کیا جائے۔ اور سختی سے اس کی پابندی کی جائے۔ خلاف ورزی کی صورت میں صدر مدرسین اس کے ذمہ دار ہونگے۔ صدر مہتمم صاحبان بہ حین معائنہ اس کی نگرانی فرمائیں اور مہتمم صاحبان اضلاع و ناظر صاحبان مدارس کو بھی نگرانی کے متعلق خاص طور پر ہدایت فرمائیں۔

حسب مسودہ دستخطی ناظم صاحب
شرمد دستخط مددگار ناظم تعلیمات

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

واقع ۲۵ شہریور ۱۳۴۹ ف

نشان مجاریہ (۲۹)

نشان مثل (۱۴۲/۷) ۱۳۴۹ ف

منجانب مولوی سید محمد حسین جعفری بی۔اے (آکسن)
ناظم تعلیمات

بخدمت صدر مہتمم صاحبان تعلیمات اسمات و پرنسپل صاحبان ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ کالج و مہتمم صاحبان تعلیمات و مہتمماۃ صاحباۃ و صدر مدرس صاحبان مدارس فوقانیہ و وسطانیہ۔

مقدمہ

ہدایات دربارہ ترمیم و تعمیر وغیرہ متعلقہ امکنہ مدارس سرکار عالی۔

ترقیم ہے کہ مدارس کے امکنہ کی دیکھ بھال ان کی بروقت ترمیم اور نگہداشت مخدوش یا غیر محفوظ ہونے کی صورت میں ایسے امکنہ کا قبل از قبل تخلیہ ان تمام امور کی جانب بطور خاص توجہ کرنا اور ترمیم و نگہداشت یا منتقلی مدرسہ کا فی الفور انتظام کرنا۔صدر مدرسین مدارس کا اولین اور اہم ترین فریضہ ہے۔کیونکہ طلباء اور طالبات جب تک مدرسہ کے حدود میں ہوں اس وقت تک سررشتہ علاوہ ان کی تعلیم کے ان کی حفاظت کا بھی ذمہ دار ہے۔جتنا عرصہ بچے مدرسہ میں رہتے ہیں۔والدین اور اولیاء اس خیال سے ایک گونہ مطمئن رہتے ہیں کہ ملازمین سررشتہ یعنی مدرسین و صدر مدرسین ان بچوں کی کافی نگرانی کرتے ہیں۔ایسی صورت میں ارباب مدرسہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کے احساس کو ایک دقیقہ کے لئے بھی نہ بھولیں۔اس میں شک نہیں کہ مدارس کے سرکاری امکنہ کی ترمیم و نگہداشت کا انتظام صدر مدرس صاحبان مدارس کا اختیاری نہیں ہے لیکن عہدہ داران متعلقہ کو اس جانب بروقت توجہ دلانا ان کا کام ہے۔مدارس تحتانیہ کے لئے جدید امکنہ کی تیاری اور قدیم امکنہ کی ترمیم و نگہداشت کا انتظام بہ توسط محکمۂ لوکل فنڈ عمل میں لایا گیا ہے۔بقیہ مدارس سرکاری کی ترمیم و نگہداشت

بہ توسط محکمۂ تعمیرات تقریباً ہر سال ہوتی ہے۔ بایں ہم اس کا امکان ہے کہ کسی مدرسہ کی عمارت ایسی مخدوش ہو کہ معمولی ترمیم کے باوصف محفوظ نہ سمجھی جائے۔ معائنوں میں معلوم ہوا کہ کرایہ کے اکثر امکنہ اور سرکاری بعض مکان خستہ اور بوسیدہ حالت میں ہیں۔ اور ایسی عمارتوں میں مدارس کا رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ خصوصاً بارش کے موسم میں۔ گزشتہ دو سال کے عرصہ میں دو ایسے واقعے پیش آئے کہ مدرسہ کے مکان کا کچھ حصہ موسم بارش میں گر پڑا اور اس کا نتیجہ مہلک ثابت ہوا۔ سررشتہ جات تعمیرات ولوکل فنڈ کی جانب سے حسب صراحت بالا سالانہ نگہداشت وتعمیر کے انتظامات جو کئے گئے ہیں ان کے باوجود ناگہانی حادثات کا پیش آنا حالانکہ ایک غیر اختیاری امر ہے لیکن بہ وجوہ مندرجہ بالا صدر مدرسین مدارس پر منجانب سررشتہ ہذا طلبا ر کی حفاظت جان کی جو مقدس ذمہ داری ہے اور ان کے توسط سے بلحاظ تعلق ناظران مدارس وعہدہ داران تعلیمات اضلاع واسمات پر بر وقت ضروری کارروائی کرنے کا جو اہم فریضہ عائد ہوتا ہے اس کے مدنظر آیندہ ناگہانی حادثات کے قرار واقعی انسداد کے لئے حسب ذیل ہدایات دی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ ارباب مدرسہ وعہدہ دار صاحبان متعلقہ ان پر پوری طرح عمل فرمائیں گے۔

امکنہ سرکاری الف۔ اگر کسی مدرسہ کا سرکاری مکان بوسیدہ اور قابل ترمیم ہو تو موسم بارش سے بہت قبل اس کی ترمیم کی کارروائی بہ صیغہ ضروری آغاز کی جائے۔ اگر موسم بارش کے شروع ہونے تک ترمیم نہ ہوسکے اور مدرسہ کا مکان یا اس کا کچھ حصہ مخدوش حالت میں ہو تو بعد مشورہ سررشتہ تعمیرات یا لوکل فنڈ جیسی بھی صورت ہو صدر مدرسین مدرسہ بہ اطلاع افسر مجاز اس کو فوراً خالی کردیں اور کرایہ کے مکان میں عارضی طور پر مدرسہ کو منتقل کردیں۔

ب۔ منتقلی مدرسہ کے بعد تخلیہ شدہ مخدوش مکان کی مرمت اور تعمیر جلد کرالی جائے۔ اور مرمت کے بعد مقامی عہدہ دار تعمیرات یا لوکل فنڈ سے معائنہ کرواکے بتحریری صداقت حاصل کرلی جائے کہ مکان میں جماعتیں بٹھائی جاسکتی ہیں

اور تعلیم جاری ہو سکتی ہے۔

ج۔ بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مکانوں کی حالت موسم گرما اور سرما میں اچھی نظر آتی ہے لیکن بارش میں ان کے عیوب اور نقائص ظاہر ہونے لگتے ہیں اور مکان خطرناک حالت میں ثابت ہوتے ہیں۔ پس صدر مدرسین مدارس کو چاہیئے کہ موسم بارش میں مدارس کے مکانوں کی حالت پر خاص نظر رکھیں اور جوں ہی خطرہ محسوس کریں حسب ہدایت مندرجہ فقرہ الف کارروائی کریں۔

کرایہ کے امکنہ

د۔ جو مدارس اس وقت کرایہ کے مکان میں ہیں ان کی عمارتوں کی سالانہ نگہداشت و ترمیم مالک مکان کے ذمہ ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مالکان مکان کی جانب سے بروقت ایسی ترمیم نہیں ہوتی جس کے باعث مکانوں کی حالت خطرناک ہو جاتی ہے۔ صدر مدرس صاحبان کو چاہیئے کہ مالکان مکان کو ضروری ترمیم کی جانب ذریعہ تحریری نوٹس بہ تشدد متوجہ کرتے رہیں۔ اگر تعمیل نہ ہو تو کرایہ کی رقم سے اس کی تکمیل کروائیں۔ اگر کرایہ کی رقم سے اخراجات ترمیم کی پابجائی نہ ہو سکتی ہو اور مالکان مکان تحریری ہدایات کے باوصف ترمیم و نگہداشت مکان کی جانب توجہ نہ کریں تو بہ اطلاع افسر مجاز ایسے امکنہ کا تخلیہ کیا جا کر مدرسہ کو دوسرے موزوں مکان میں فوراً منتقل کر دیا جائے۔ صدر مدرس صاحبان کو چاہیئے کہ مالک مکان کو متنبہ کرتے رہیں کہ ان کے مکان میں جو طلباء تعلیم پاتے ہیں ان کی حفاظت کا انتظام مالکان مکان کا نہ صرف اخلاقی بلکہ قانونی فریضہ ہے۔ ان کی غفلت سے کوئی ناگوار حادثہ خدانخواستہ پیش آئے تو اس کی ذمہ داری منجانب سرکار مالک مکان پر بھی عائد کی جائے گی۔

جن مدارس کے لئے اس وقت سرکاری مکان نہیں ہیں اور تعمیر کی کارروائی جاری ہے تو ان مدارس کے صدر مدرسین کو چاہیئے کہ انتخاب زمین اور تعمیر مکان کی کارروائی میں پوری دلچسپی لیں اور یہ کام مہتمم و صدر مہتمم صاحبان کا ہے سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش نہ بیٹھے رہیں۔ اسی طرح مہتمم صاحبان اور صدر مہتمم صاحبان کا

فرض ہے کہ کسی وقت بھی تعمیر کی کارروائیوں سے غافل نہ ہوں بلکہ بروقت اس کے لئے کوشاں رہیں کہ زینات حاصل ہوں اور تعمیر کی کارروائی دفتر ہذا سے چلتی رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ اس کا امکان نہیں کہ سب امکنہ وقت واحد میں تعمیر ہو جائیں لیکن یہ ہوگا کہ جو پہلے مطالبہ کرے گا یا ہمیشہ مطالبہ کرتا رہے گا اس کو پہلے کامیابی ہوگی۔

امید کی جاتی ہے کہ ہدایات مندرجہ گشتی ہذا کی سختی سے پابندی کی جائے گی خصوصاً ہدایات مندرجہ فقرہ الف۔ ب اور ج۔ ان ہدایات کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے اگر کسی مدرسہ میں ناخوشگوار حادثہ پیش آئے تو اس کی ذمہ داری عہدہ داران اور ملازمین متعلقہ پر عائد ہوگی۔

ضمناً دفتر ہذا کی گشتی نمبر ۱۲۳ مورخہ ۱۰ ر آبان ۱۳۴۷ ف کی جانب بھی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ مدرسین اور عہدہ داران معائنہ اس کو بھول نہ گئے ہوں گے۔

(حسب سودہ دستخطی ناظم صاحب)
شرحد تخط سید محمد علی بلگرامی
مددگار ناظم تعلیمات

شذرات

اقتباس تقریر عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی

انجمن اساتذہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ ضلع محبوب نگر کا غیر معمولی جلسہ بتاریخ ۲۲ شہریور ۱۳۴۹ف بوقت ۵ ½ ساعت شام منعقد ہوا جناب مہتمم صاحب تعلیمات بھی شریک جلسہ تھے۔

عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات نے فرمایا کہ یوں تو میں مدارس کی فلاح کے لئے اپنے خیالات گشتیات کے ذریعہ اب تک پہونچاتا رہتا ہوں مگر جب کبھی موقع ملتا ہے زبانی بھی اظہار خیالات کرتا رہتا ہوں۔

حضرات۔ مُدرسین کے فرائض تین ۳ اجزار پر مشتمل ہیں (۱) درس و تدریس۔ (۲) تربیت اخلاق طلباء (۳) درستی حالات جسمانی۔ ان تین ہی اجزار پر طلبار کی ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انحصار ہے۔ (الف) درس و تدریس۔ اس میں مدرس کے شوق اور انہماک کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ بڑے بڑے ماہران تعلیم مثلاً فرُوبل و پسٹولوزی وغیرہ نے کوئی ڈگری حاصل نہیں کی تھی صرف اپنے شوق و شغف ہی کی بدولت اُصول تعلیم اختراع کئے جو ہمارا دستور العمل بنے ہوئے ہیں۔ مدرسین کو چاہئے کہ روز جزا کی باز پرس سے ڈریں شوق اور محنت شاقہ سے اپنی روزی کو حلال بنائیں۔

حضرات۔ شوق ہی اضافہُ معلومات کا ذریعہ ہے بعض مدرسین فطرتاً قدامت پسند ہیں اگر وہ فنی اصول کے ساتھ ساتھ ذہنی مناسب حال جدتیں کام میں لائیں تو ان کے

کام پسندیدہ نظروں سے دیکھے جاسکتے ہیں بعض تحتانی مدارس میں ایسی چیزوں کو دیکھ کر میں نے اظہار خوشنودی کیا ہے۔

مدرسین کو کچھ آزادی بھی ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے کام کو پسندیدہ بنا سکیں۔ تعلیم کا مقصد طلباء کو کامیاب، شہری بنانا ہے طلباء جس کو آزادی سمجھ رہے ہیں وہ حقیقتاً آزادی نہیں بلکہ بربادی ہے۔ حفظ مراتب کا فقدان روز افزوں ہے۔ اگر مُدرسین اخلاق شائستہ کا خود نمونہ بنیں تو ان کے شاگرد بھی پسندیدہ اخلاق کے حامل بن جائیں گے۔ قدیم اساتذہ میں خودداری اور عزت نفس کا مادہ باوجود قلیل آمدنی کے وافر تھا موجودہ زمانہ کے بعض اساتذہ اس جوہر سے باوجود کثیر آمدنی کے معرّا ہیں۔ قدیم اساتذہ میں مولانا میر موسیٰ حسین صاحب کی مثال ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔

تعلیم کا تیسرا جزو جسمانی تربیت ہے ظاہر ہے کہ جب تک جسمانی حالت درست نہ ہو دماغی کیفیت بھی درست نہیں ہوسکتی۔ طلباء کو مضر صحت اشیاء سے مجتنب رہنے کی نصیحت کرنی چاہئے۔ معائنہ طبی کی رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ طلباء کا وزن دن بہ دن کم ہورہا ہے اس کی بڑی وجہ غذا کی کمی ہے۔ آپ کی ہمدردیوں سے قوی امید ہے کہ مدارس میں دوپہر کی غذا کا معقول انتظام فرمائیں گے نیز آپ حضرات کو بھی اپنی صحت کی نگہداشت کرنی چاہئے۔ کیونکہ آپ کا کام بغیر محنت شاقہ کے انجام نہیں پاسکتا۔ جس کے لئے صحت جسمانی لازمی ہے۔

حضرات۔ طلباء کو ابتداء ہی سے یہ بات جتلا دینی چاہئے کہ وہ ملک اور قوم کی خدمات کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ہمدردی انسان کا فرض اولین ہے۔ ہمدردی نہ صرف بنی نوع انسان کی حد تک محدود رہنی چاہئے بلکہ حیوانات بھی اس کے مستحق ہیں۔ انسداد بے رحمی بر جانوران کی انجمنوں کے اصول سے طلباء کو واقف کرانا ضروری ہے۔

آخر میں عالیجناب ممدوح نے فرمایا کہ اگر میری ان ہدایات میں سے کسی ایک پر بھی عمل کیا گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری سعی مشکور ہوئی۔ جلسہ عالیجناب موصوف کے شکریہ اور دعائے سلامتی عمر و اقبال اعلیٰحضرت بندگان عالی و خاندان آصفی پر ختم ہوا۔

روئداد جلسہ انجمن اساتذہ مولوی محمد بہاوالدین صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ منچال نے تاریخ ۲۶ شہریور ۱۳۴۹ف زائد از نصاب مصروفیات پر تقریر کرتے ہوے فرمایا کہ اس کی مصروفیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) انجمن مباحثہ (۲) اسکاوٹنگ (۳) تعلیمی تفریح (۴) باغبانی۔ (۵) مدرسہ کا عجائب خانہ (۶) انجمن تقاریر طلبا (۷) گیمس و اسپورٹس۔

(۱) انجمن مباحثہ درستی اخلاق کی ضامن ہے۔ (۲) گیمس و اسپورٹس کی انجمنوں سے طلبا میں وسعت نظر۔ ہمدردی۔ اتفاق۔ تہذیب خود اعتمادی وغیرہ جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں خوف دور ہوتا ہے طلبا سماجی زندگی کے فوائد سمجھنے لگتے ہیں۔ طلبا کے خیالات میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔ (۳) اسکاوٹنگ۔ اس سے علم کے ساتھ ساتھ عمل کی عادت پیدا ہوتی ہے وفاداری۔ راست بازی۔ ایثار۔ پاک بازی۔ ہمدردی جیسی صفات محمودہ تربیت و ترقی پاتی ہیں۔ (۴) تعلیمی تفریح۔ اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، اسلاف کی عظمت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ (۵) باغبانی اور (۶) مدرسہ کا عجائب خانہ جغرافیہ اور مطالعہ قدرت کے اسباق میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے اور باعث دلچسپی بھی۔

خلاصہ تقریر جناب پرنسپل صاحب عثمانیہ کالج گلبرگہ مسٹر میکنزی آنجہانی نے (جن کا شمار ہندوستان کے سب سے بڑے ماہران تعلیم میں تھا) کانفرنس کے تقریباً دس بارہ سال کے ٹھوس کاموں کا ہندوستان بھر کے اساتذہ کی انجمنوں میں بے نظیر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

انجمن کے ان تمام ٹھوس کاموں کا سہرا کانفرنس کے حقیقی بانی مولوی سید علی اکبر صاحب کے سر ہے۔ اس دفعہ اس کے بانی اور جناب ناظم صاحب کا خیال تھا کہ کانفرنس کے اجلاس بلدہ کے باہر بھی ہوں۔ چنانچہ اشارہ پاتے ہی میں نے اور جناب شمبھو پرشاد صاحب صدر مہتمم گلبرگہ نے پیش قدمی فرمائی۔ اور جناب صوبہ دار صاحب گلبرگہ

و دیگر عہدہ داران سمت گلبرگہ کی اعانت سے کانفرنس کو کامیاب بنایا۔ جس کے لئے سررشتہ ان تمام معاونین اور شرکاء نیز عالیجناب صدر المہام صاحب کا دل سے ممنون ہے۔

روئداد ہریکن فنڈ ضلع نلگنڈہ

جناب مہتمم صاحب تعلیمات ضلع نلگنڈہ نے اپنے مستقر پر ہریکن فنڈ کے لئے ایک جلسہ کیا جس میں مقامی مدارس تحتانیہ مرکزی نلگنڈہ و ماہر پیٹھ و پانگل کے اساتذہ اور ناظر صاحبان ضلع و عملہ دفتر مہتممی شریک تھا۔ رقم چندہ مبلغ [illegible] سکہ عثمانیہ جمع ہوئی۔

روئداد جلسہ سالانہ مدرسہ تحتانیہ درجہ اول قصبہ لوہا تعلقہ قندھار شریف

بتاریخ ۲۹ ر شہریور ۴۹ ف مدرسہ مذکور الصدر کا سالانہ جلسہ بصدارت جناب پنڈت امرت راؤ صاحب مقرر کیا گیا۔ جلسہ کا آغاز قرات کے ساتھ ہوا۔ طلبہ نے اردو اور مرہٹی میں ترانے پڑھے۔ صدر مدرسہ کی سالانہ رپورٹ کے بعد لڑکوں نے چند ڈرامے اور پراثر مکالمے پیش کئے جن کا عوام پر اچھا اثر پڑا۔ صدر جلسہ نے اپنی تقریر میں سرکار عالی کے مراحم کو ظاہر فرماتے ہوئے عوام کی توجہ مدرسہ کے ساتھ ہمدردی کے لئے مبذول فرمائی۔ تقسیم انعامات و دعائے سلامتی اعلیحضرت بندگان عالی و شہزادگان فرخندہ فال پر جلسہ برخواست کیا گیا۔

روئداد انجمن اساتذہ مرکز مدرسہ تحتانیہ راما یم پیٹھ

بتاریخ ۲۹ ر امرداد ۴۹ ف انجمن اساتذہ کا جلسہ مقرر کیا گیا۔ چونکہ معتمد صاحب کا تبادلہ عمل میں آچکا تھا۔ بدیں وجہ بعد انتخاب معتمد جلسہ برخواست کیا جا کر ۲۶ ر شہریور ۴۹ ف کو مقرر کیا گیا۔ جس میں ادب کے نمونہ کا سبق دیا جانا قرار پایا۔

روئداد جلسہ سالگرہ ہمایونی منعقدہ مدرسہ تحتانیہ جدید تڑگل تعلقہ دیورکنڈہ

بتاریخ ۱۳ ر شہریور ۴۹ ف مدرسہ مذکور الصدر کی بازی گاہ پر ٹھیک ۸ ساعت صبح سالگرہ ہمایونی کا جلسہ بصدارت مسٹر سبا راؤ انچارج اور سیر مقرر کیا گیا۔ پرچم آصفی کی سلامی کے بعد ماس ڈرل کا مظاہرہ ہوا۔ دیگر کھیل کھلائے گئے۔ طلباء نے حمد و ترانہ دکن پڑھا۔ بعد ازاں صدر مدرسہ و دیگر مددگار صاحبان نے اعلیحضرت بندگان عالی کے

دور میں علمی ترقی کو واضح فرمایا۔ تقسیم انعامات کے بعد دعائے سلامتی حضور پرنور پر جلسہ برخواست کیا گیا۔

روئداد جلسہ افتاحیہ شعبۂ خیاطی مدرسہ تحتانیہ درجہ اول تعلقہ بانسواڑہ

بتاریخ ۲۰ شہریور ۱۳۴۹ ف بصدارت جناب جگ جیون چند صاحب تحصیلدار جلسہ مقرر کیا گیا۔ مقامی عہدہ دار وتجار و عوام کو مدعو کیا گیا تھا۔ جلسہ کا آغاز قرأت وحمد باری تعالیٰ سے ہوا۔ صدر مدرس صاحب نے رپورٹ پڑھی۔ مولوی محبوب علی صاحب سعید نے فن کی اہمیت کو ظاہر فرماتے ہوئے اعلیحضرت بندگان عالی کے دور میں علمی ترقی کو واضح فرمایا۔ صدر جلسہ کی تقریر کے بعد دعا سلامتی اعلیحضرت بندگان عالی پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ بعد ازاں اسکوٹ مدرسہ نے سلامی دی۔

تنقید و تبصرہ

(۱) موجودہ جنگ کے متعلق اٹلس "حالات حاضرہ پر آکسفورڈ کے رسالے" کے نام سے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے چیکوسلواکیا۔ عہد نامہ ورسیلز۔ نو آبادیات۔ پناہ گزیں ریاستیں وغیرہ مختلف رسائل شائع کئے۔ زیر نظر اٹلس اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو مختلف محققین کی مجتمعہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس میں جغرافیہ یورپ کے پندرہ مختلف عنوان مثلاً مرکزی یورپ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء۔ جرمنی۔ روس۔ برطانیہ کلاں۔ وغیرہ کے نقشہ جات مع مختصر تشریح درج ہیں جن سے یورپ کے اُن سیاسی مسائل کو سمجھنے کے لئے جن میں جغرافیہ کا بہت سا تعلق ہے ایک اچھی مدد ملتی ہے۔

کتاب چھوٹی تقطیع کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے جس کو امرت الکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔ کتابت و طباعت اچھی ہے۔ قیمت (غالباً کلدار) صرف ۳ ر ہے۔

(۲) ایثار ۔ یہ چھوٹا سا افسانہ مولوی نورالحسن صاحب کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ مصنف نے اس امر کے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ حقیقی اور بے غرض محبت کی خاطر کس طرح ہر چیز دوستی کے دیوتا پر بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔

قصہ کا کردار محمود محبت اور صرف حقیقی محبت کی خاطر اپنے دوست واجد کے لئے اپنی ساری مسرتوں کو قربان کرکے یہ دکھا دیتا ہے کہ بے غرض محبت کا معیار کیا ہوتا ہے۔

کتاب کا پہلا نصف سے زیادہ حصہ بھی مشتاق کی دو بیوں بدر النساء اور مہ لقا بیگم کے متضاد کردار کے سبب خاصا عبرت انگیز ہے۔ ایک اطاعت و وفا کی دیوی ہے تو دوسری بلا کی لڑاکو۔ فضول خرچ اور بدزبان۔ اس موقع پر یہاں مشتاق کی زندگی کا وہ حصہ بطور خاص قابل دید ہے جو ان دونوں کی اِن متضاد عادات کی وجہ سے اچھی یا بُری طرح متاثر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بدرالنساء کا ایثار بھی کچھ لایق تحسین نہیں۔ نسوانی گفتگو کے مواقع پر زبان پُرلطف ہے۔ البتہ کتابت کی چند غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً ایک جگہ اکابر اولیاء کی بجائے اولی اکابر لکھا ہے یا اسی طرح بعض دوسرے مقامات اصلاح طلب رہ گئے ہیں۔

کتاب چھوٹی سائز کے ۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کو اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد نے چھاپا ہے اور انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ کاغذ صاف ہے اور قیمت (غالباً حالی) ۸ر رکھی ہے۔

(۳) آسان اُردو مرتبہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد بالغوں کی تعلیم کی تحریک عرصہ سے جاری ہے اور کئی ادارے اس کام کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ لیکن اب تک بالغ العمر طالب علموں کے لئے کوئی اُردو درسی کتاب موجود نہ تھی۔ اس ضرورت کو انجمن ترقی اُردو حیدرآباد دکن کے نوجوان کارکنوں نے پورا اور آسان اُردو کے نام سے یہ کتاب شائع کی۔ اس میں دو قسم کے اسباق رکھے گئے ہیں۔ ایک نو سوانح حیات اور سماجی کہانیاں جن سے اُردو کی تعمیر متصور ہے۔ دوسرے علمی اسباق جن سے معلومات میں اضافہ مقصود ہے۔ ان کے علاوہ نظمیں، غزلیں، رباعیات اور سلام بھی شامل ہیں تاکہ ذوق ادب

پرورش ہو۔

زبان آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن زبان حقیقت میں اتنی آسان نہیں جتنی ہوسکتی تھی۔ بہت سے غیر معمولی اور قلیل الاستعمال استعارے خارج کرکے اس کتاب کو واقعی آسان اُردو کی کتاب بنایا جاسکتا تھا۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب سے پہلے پڑھانے کے لئے کوئی قاعدہ یا ابتدائی ریڈر یں نہیں۔ اس کمی کے باعث وہ بالغ العمر جو پہلے پہل پڑھنا شروع کرنا چاہتے ہیں وہ اس کتاب سے مستفید نہیں ہوسکتے۔

کتاب کی قیمت ۸ر آنے سکہ عثمانیہ ہے۔ اور معتمد صاحب انجمن ترقی اُردو کے دفتر سے اور دوسرے مشہور کتب فروشوں سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

(محمد خواجہ نسیم)

(۴) **"ہٹلر کے ڈھول کا پول"** مصنفہ آر۔ سی۔ کے۔ انسیر۔ مطبوعہ اکسفورڈ یونیورسٹی پریس کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس۔ قیمت ۳ر حجم چالیس صفحات چھوٹی سائز۔

زمانۂ حال کی سیاسی کشمکش کی وجہ سے دنیا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لئے عام حالات سے واقف ہونا ازبس ضروری ہے۔

چند سال قبل وقت یہ تھی کہ سیاسی مضامین کتاب اور پمفلٹ کی شکل میں عموماً انگریزی زبان میں ہوتے تھے۔ جس سے اردو داں طبقہ ایسے سیاسی خیالات سے مستفید و بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اب ہندوستان میں عام لوگوں کے فائدے کے لئے بعض تعلیم یافتہ حضرات نے اس کا بیڑہ اٹھایا۔ اور بکثرت اس قسم کے مضامین اُردو زبان میں شائع کر رہے ہیں۔ جس سے ایک طرف اگر پبلک فائدہ اٹھارہی ہے تو دوسری طرف اردو لٹریچر میں بھی معتدبہ اضافہ ہورہا ہے۔

ہٹلر کے ڈھول کا پول انھیں تالیفات کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ہٹلر کے نسلی نظریے نازاوزم کے فرضی عقیدے، مفتوحہ اقوام کے ساتھ ظاہری برتاؤ اور اس کے پُرفریب فلسفہ کی حقیقت کا نہایت خوبی کے ساتھ انکشاف کیا ہے۔ زبان اور طرز بیان کچھ زیادہ دلچسپ نہیں لیکن واقعات نہایت مختصر مگر واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ طباعت زیادہ اچھی نہیں ہے۔

(محمد سلطان)

'The Tale of the Bounty' by H. G. Wyatt O. U. P. Re. 1/-

'The Tale of the Bounty' is the latest book which the Oxford University Press has published in the 'Stories Retold' series. The material for the book has been drawn almost entirely from Sir John Barrow's well known book 'The Mutiny of the Bounty'. Mr. H. G. Wyatt, who has re-written the story for juvenile readers, has, for obvious reasons, introduced a few changes and additions from later publications of the original book. The popularity which the original story still enjoys can be gauged from the fact that a screen version of it has attracted packed houses in every country where it has been shown.

The story is a thrilling account of strange happenings on the high seas that took place about one hundred and fifty years ago. Mr. Wyatt has recast the story in simple English using a vocabulary which is well within the range of high school students. Stories of adventure of the type under review have a strong appeal to pupils at the adolescent period, and there is no doubt that the book is a valuable addition to juvenile literature.

Mr. Wyatt has done well to include occasional foot notes explaining the meaning of difficult words to facilitate reading without any break or interruption. A good map showing the route of the 'Bounty' and exercises in the form of questions are other features which enhance the value of the book considerably.

S. B. S.

the Pakistan Scheme he says that as it divides India it can never willingly be accepted by the whole country. He attributes much communal bitterness to the fact that it is not realised sufficiently that the communal question is a cultural one also and suspicion arises because each community fears interference in its personal ways and ideals of life. His solution is a federation of communities alongside the federation of provinces. The political subjects are to be administered on lines roughly similar to those of the present time and he suggests special bodies to regulate the cultural life of the community. For these the name of "guild" is suggested, after the old English idea. Each guild would have an assembly elected by its own members on whatever franchise is determined. In this way certain vexed questions would be taken out of the sphere of political controversey "Once each community felt that its life blood could continue to course through its own veins without pressings or cauterisings or incisions from without, it would look with quite a different eye on (things)". As regards the States the larger ones would have a guild system on the same model as the rest of India. The small ones would have to federate into larger units.

Finally he summarizes as follows :—In the organic whole each community has its place and none must be subordinate to others or exist on sufferance. Each community is an integral part of the whole Indian body politic and must recognise the place of other communities and freely associate with one another in all that concerns the common good. " They are the Dominions of the Indian Commonwealth ". We commend these booklets to our readers. They will find a great deal of useful and valuable information between their covers. The booklets are published at the cheap price of 3d. each.

F. C. P.

changes it has undergone due to its being the historic battleground of three conflicting civilizations—the Norse, the German and the Russian.

Since the Great War and the defeat of the Bolshevik invasion, Finland, Estonia, Latvia and Lithunia have enjoyed independent status, and in some cases, Finland especially, it is marvellous how, with all the conflicting parties, unity has been achieved. Now however "This idyllic interlude of 20 years is certainly past and the shape of things to come is anything but clear". The author maintains that politically the independence of these small nations must surely be as valuable in the long run to Germany and Russia, as the independence of Belgium and the Netherlands is to France and Great Britain and even Germany, and he concludes, that these acts of aggression in the Baltic may go down to history among those blunders which are judged more severely than mere crimes.

"Britain's Air Power" by Mr. Shepherd is useful not only as showing the extent of Britain's air power, but is also very educative as regards the different type of machines employed and the type of work they do, about which most people have only very vague ideas. It also gives a clear account of the activities of the different services and their relation to each other, e. g. the Fleet Air Arm controlled by the Admiralty, the Fighter, the Bomber and the Coastal Command under the R. A. F. Then there are the Training Command and the Maintenance Command and back of these the great supply Organizations of the Air Ministry and the Aircraft Industry. The author indicates the functions of each of these organizations and this is very helpful to a right understanding of air warfare which, as it involves the whole civilian population, it is becoming incumbent on all to understand.

In "Communal Harmony" Mr. Spear first gives a short account of the 3 solutions now before the Indian people—the Mahasabha, the Congress and the Muslim League. As regards

The Hyderabad Educational Colony

Elsewhere appears an article by Captain J. W. Petavel on the educational colony which he has founded recently in the vicinity of Osmania University under the auspices of the Co-operative Department. Captain Petavel is well-known to educationists all over India. One who meets him cannot fail to be impressed by his zeal and enthusiasm for his scheme, his deep sympathy with the poor and by the simplicity of his life.

Like the Wardha scheme, Captain Petavel's scheme lays emphasis on training in crafts with a view to giving a vocational bias to education, but it differs from the Wardha scheme in that instruction in the ordinary subjects of the curriculum does not centre round a craft. Another important feature of the colony is that University students are given agricultural and industrial training, so that they may be in a position to earn a living when they leave the University. The Colony may thus prove helpful in solving to some extent the problem of unemployment among the educated youth of the Dominions. We wish it every success.

Reviews

" **The Baltic** " by J. Hampden Jackson. Oxford Pamphlets.

"**Britain's Air Power**" by E. Colston Shepherd.
Oxford Pamphlets.

" **Communal Harmony** " by Percival Spear. Oxford Pamphlets.

These booklets give in a concise form a clear presentation of subjects that are much to the fore in world politics to-day. They are by well-known writers and are got up in attractive pamphlet form at 3d. each.

"The Baltic" is a little-known area for most people and Mr. Jackson's account of its past history shows what varying

Report on Secondary Education

We publish elsewhere the second part of the Report of the Committee on Secondary Education appointed by the All-Hyderabad Teachers' Association last year, the first part having appeared in our last issue. This report was submitted to the Third All-Hyderabad Teachers' Conference held at Gulburga in January 1940, and though it was not adopted, it was greatly appreciated and it was unanimously decided at the Conference that it should be published in full in *The Hyderabad Teacher*.

The chief reason why the Conference did not adopt the report formally was that the recommendations of the Committee regarding the re-organisation of education in the Dominions were felt to be impracticable owing to the new scheme having been already sanctioned by Government and introduced by the Education Department in the Lower Secondary stage. Since then, however, two features of this scheme which the Committee criticised, viz., the setting up of an examination at the end of Class VIII to be called the Lower Secondary Examination and the continuance of the dual system of Secondary education (the H. S. L. C. scheme and the scheme proposed by the Board of Secondary Education)—have come in for a great deal of discussion, and we understand that Government is now considering the question of revising the scheme in the light of the difficulties which are being experienced by the Department owing to the existence of the dual system of school education in the Secondary stage.

From the point of view of the teacher, the real value of the report lies in the practical suggestions which it offers regarding the methods of teaching, use of the library, examinations and extra-curricular activities. We congratulate the members of the Committee, especially Mr. M. Hafeezulla, the Chairman, and Mr. P. V. Subba Rao, the Secretary, on producing such a comprehensive and useful report, and we hope that it will be read widely by the teachers of Secondary Schools.

Editorial Notes

OURSELVES

With the publication of this issue, *The Hyderabad Teacher* enters on the 15th year of its existence. It was started as a Quarterly journal of the Hyderabad Teachers' Association in 1926, but since 1938 when the All-Hyderabad Teachers' Association was formed, it has become the organ of that Association. Besides recording the activities of the All-Hyderabad Teachers' Association and the Associations affiliated to it, *The Hyderabad Teacher* provides opportunities to teachers to discuss their aims and difficulties. We appeal to all the Branch Associations to take a more practical interest in this journal and to send us in time reports of all their important activities, including their annual conferences. Our appeal to teachers is that their contributions should be short and pithy and, as far as possible, based on their actual experience.

A new feature which we have introduced in recent years is the Women's Section, but unfortunately contributions to this section have been very scarce so far, and we therefore take this opportunity to request the Inspectresses of Schools, Head-Mistresses, women teachers and other ladies interested in education to help us with articles giving the women's point of view.

Our Patron, Mr. Syed Mohamed Hussain Jaferi, Director of Public Instruction, has continued to take a keen interest in the journal, and we assure him that his appreciation of our efforts is a source of great encouragement to us. We are grateful to him not only for the timely financial assistance which he gave us a year ago by purchasing the Urdu section of *The Hyderabad Teacher* for all the important Government Primary Schools in the Dominions, but for the useful suggestions with which he frequently favours us. It is also due to his kind permission that we are enabled to keep our readers informed, from time to time, of the latest developments in the Education Department.

Notes and News

Bridging the Gap.—In a recent issue of "The School", monthly organ of the Ontario College of Education, there is an article entitled 'Bridging the Gap' which should interest all teachers. The writer draws attention to the necessity for not only making material provision for the days of retirement but for making in good time a plan for the happy enjoyment of that time. He says, "We should in good time plan for the happy employment of those years that lie ahead, a plan which will convert retirement into a beginning instead of an ending. We should deliberately build up an engrossing interest outside our work, an interest that can continue and develop after teaching is done, and can at the same time be a recreative diversion while we are still employed in teaching. It is something not only for the older teacher to keep in mind, but for the young teacher too, for the years slip by so unconscionably fast. Everyone must of course find such an interest for himself. It must fit his temperament, his tastes, his purse."

The 16th All-India Educational Conference will be held at Udaipur on December 27, 30, 1940. Sir T. Vijairaghavacharya is the Chairman of the Reception Committee and Dr. Sir Shah Muhamad Sulaiman, M.A., Bar-at-Law, LL.D.,Kt., Vice-Chancellor of the Muslim University, Aligarh, and Judge, Federal Court, Delhi, will preside over the Conference.

The 4th Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association will be held at Hanamkonda on Saturday and Sunday, 11th and 12th January, 1941.

accommodation is sufficient, that there is enough ventilation, that the arrangement of seats and desks is such as to prevent the light from striking on the children's eyes, and that their construction does not induce curvature of the spine, squint eye, and so forth. Of what use would it be to treat a girl for weak eyes when she is continually made to face the light? Of what use would it be to treat a child for chest complaint when that is induced by the poor construction of seats and desks? We must endeavour to do away with the cause, along with our endeavour to cure the ill.

When I was working as an Educational Officer in Madras, during my inspection of a school in Mylapore, I came across a leper who was a pupil of that school. She had lost 2 toes and a finger, and the stupid Head Teacher believed with the Girl's parents that she had been subjected to some cruel magic. It was while taking her slate from her, that I noticed her hand, and then the teacher pointed out her toes. She was in Standard III, and was moving about freely among the other pupils of the school, and this was a school that levied fees. Now, this could never have occurred and much risk from infection would have been avoided if the school had been under medical inspection.

It is to be hoped that our benign Government will make our beloved Hyderabad a city where there are not only beautiful, wide streets and fine buildings, but where the people are also healthy, happy, and contented, and where steps have been taken to ensure a greater Hyderabad in citizenship by attending not only to the mental, moral and spiritual well-being but also to the physical well-being of all the little ones entrusted to our care.

---

attending them should be medically inspected. Consequently, why may not the pupils of several schools in the same or in neighbouring Municipal wards or District localities by an arrangement made with the Chief Medical Officer pay a visit to the nearest Hospital on the same day, and thus be medically inspected as out-patients? To enforce this ruling, all necessary precautions could be resorted to, such as the withholding of aid from schools that are disobedient and so on.

And if the Medical Officer has taken to the medical profession as to a Vocation, what a glorious heritage would it not be, if into the medical inspection could be embodied instruction as to the right diet in each needed case, diet that is essentially suited to the pocket of the poor. Surely, then, would the medical officer be paying rent for room on God's earth by helping God's little children to better health.

I had that great joy recently in the case of a poor boy of about 10 years of age. He had been losing weight rapidly and could ill afford it, as he had already been thin enough. I studied the case, and as he could not afford milk, I gave him Vitamin A in his daily diet in the form of ghee made out of good village butter, to be eaten with his curry and rice as chutney, though the curry, as usual, could not but be cooked in gingelly oil, which is so much cheaper. I also especially recommended greens and certain vegetables, and I am happy to say that he picked up more rapidly than I ever expected; and I am, by no means, medically qualified!

So much then for the medical inspection of pupils, I shall deal next with the medical inspection of school buildings, both of Government buildings and of buildings occupied by the bigger aided schools, buildings which the medical officer will be expected to visit in order to examine the pupils. We have often spoken of the medical inspection of schools, but are there any school buildings that have been so inspected? Surely prevention is better than cure, and it is but right that the medical officer should visit the school building in order to see that the

I think that if Government made the continuation of aid dependent on this inspection, there will not be a single school levying fees that would not attempt it. A payment of As. 8/- annually is little enough to take from each child for keeping up his physical well-being, but the total of this small annual charge will help to pay materially, if not fully for a medical officer for the school.

We are now left to deal with the medical inspection of aided Primary schools which levy no fees and of poor schools which contribute their little quota to mass education. More especially would I deal with *poor girls' schools*, the teachers of which know so little about physical well-being and have so little opportunity of knowing more. They are the ones which need this medical inspection far more than schools of the better class, for are they not hampered by greater ignorance, are their pupils not drawn from poorer classes and consequently subject to greater ills arising from the poor conditions in which they live? And in order that you may realise the great need of these schools, I would mention that they were opened with deficient material at a time when nothing better could be procured locally. In the initial stages girls' schools for mass education were so few and far between that for more than 2 years after I took up this work I had to inspect Boys' schools, until I could make enough work for myself with Girls' schools. Then an order was issued during Sir Ross Masood's regime, that Experimental Schools should be opened for mass education with the local material to hand. This was very poor indeed, but I was able to obey orders and make what use I could of local applicants by means of individual tuition and by means of the Teachers' Association which I formed later and which functioned every Friday under me for several years, until I was medically forbidden to continue it. That is how these Experimental Schools came into being.

In poor schools a visit from the medical officer is unnecessary for there is very little worth a medical inspection of the building, but it is most imperative that the children

WOMEN'S SECTION

Medical Inspection of Schools

BY

Mrs. M. Engler, B. A., L. T.,

Retired Chief Inspectress of Girls' Schools,
H. E. H. the Nizam's Dominions.

Medical Inspection of schools in H. E. H. the Nizam's Dominions is at present limited to Government Middle and High Schools, and very recently a few of the Government Primary Schools in Balda have also been brought under medical inspection. Very rightly it has been undertaken twice annually, for how otherwise is a medical officer to know if the suggestions made have been carried out and if there has been any improvement within the year? Now that Government have extended medical inspection to some of their Primary schools and have determined on the expansion of Primary Education, we may expect that it will not be long before all Government Primary Schools will be medically inspected. What we are left to deal with, therefore, is the introduction of medical inspection in all aided schools.

Public money is directed into so many other channels to-day that it would be a great undertaking for Government to provide funds for the medical inspection of the numerous aided schools in the State. If Government are able to manage this, well and good; if not, why may not parents and guardians of children attending other than free schools be required to pay annually a small fee of say at least 8 annas per head, which would go towards the medical officer's fee, this medical officer to be either chosen or approved of by Government. Since such parents and guardians are able to pay for their children's mental education, surely it is not much to expect them to pay a small fraction of this for their children's physical well-being and thus aid in cultivating a sound mind in a sound body.

with Form VI are certainly not the persons to be stationed at a strategic point. In the interest of the school their services must be confined to the fourth and lower forms.

Another practice which is strongly to be deprecated is that of splitting up the work in a particular subject, notably English, into a number of parts and giving each part to a different teacher to handle. Educational psychology requires that every subject included in the curriculum should be correlated with the rest. But under this dispensation, the purpose of *un*-relating a subject with itself is achieved to perfection !

Education should be principled. School work can and must be organised according to accepted educational principles. Educational tenets are not heresies. I have tried to focus attention on some of the superannuated follies in educational institutions. When persons who have gained some experience of a training institution do nothing to remedy them, it is simply a case of '*et tu Brutus !*' The law of God is the law of evolution. Our aim should not be only to maintain the *status quo* at any cost but to raise the level at some cost. It does not require a will on the heroic scale. Our virtues should not be a matter of opportunism. Progress is *willed* in the human world. We should not drift but advance. Wisdom lies in timely change. Routine is death. The future is to those who prefer change and adventure to security.

In my next and subsequent articles I shall add a few words on the bearing of organisation and co-operative effort on school work and discipline, and also attempt a discussion of such school topics as the psychology of the time-table and acting work, correction of exercise note-books, planning of work for the year, library and reading room, extra-curricular activities, factors which have a marked tendency to detract from a teacher's work etc.

(To be Continued)

my contention is that every section of a form should contain an equal number of good, bad and indifferent boys assessed according to their general proficiency in subjects common to all students. They must divide only for their second language and optional. I am happy to say that at least in one school in Balda this unsocial arrangement has ceased to be in force. The Principal of this institution deserves warm congratulations on the stand he took in the matter.

I shall now advert to the question of entrusting teachers with particular classes. Among the top classes the Fifth Form is of great strategic importance. That is the key position. Nevertheless it is this Form which is usually the most exposed. Let no one who has got work exclusively in the Sixth Form think that all the work needed for the Public Examination is done only in the final year. If, however, it happens to be substantially true, he certainly cannot escape sharing the blame for such a state of affairs. The teacher who handles a section of Form V this year must teach the same subject to the same set of boys when they go up to Form VI. This is essential in the interest of continuity of method and prevention of wastage of teaching energy and work. It will also help to establish discipline on the basis of love, as I have shown in my previous article. It takes a fairly long time for students to appreciate the method followed by a teacher. If there is to be no continuity there is bound to be a clash of methods resulting in great loss to the taught. All roads may 'lead' to Rome but unless at least one road is completely covered to its length Rome cannot be reached. Secondly there will not be sufficient responsibility. If there is to be an unfortunate debacle of the boys at the Public Examination the blame will be tossed between the teachers of Forms V and VI without the need for any side to own it. It is an excellent and workable arrangement that a teacher should handle the same subject in one section of Form V and one section of Form VI. Those who plead their inability to cope

or hindrance. His primary duty is to teach. He must not be pestered with clerical and other meaningless routine work which serve only to distract his work and make it unpleasant. In many a school the headmaster is simply absorbed in his office work and pays little attention to supervision work. Supervision work, when not aggressive, is very helpful. It is a well known educational principle that the teacher, if he understands his job, should be able to discover and develop the special aptitudes of his pupils. In its extended application, this certainly places a duty upon the Headmaster to discover the *bonafide* claims and aptitude of every one of his assistants to handle particular subjects. A careful study of the distribution of work among the teachers in some schools will bring out the unsavoury fact that a good many of them are doing work 'beside their character', if I may be pardoned the expression. Why should there be this perversion of arrangement in High Schools where every teacher is a graduate, usually trained also? Why should a teacher be tolerated and encouraged to handle a subject to which he is 'not born' by virtue of his University Degree? I am convinced that it will be a healthy step if, like the law of the Medes, it is made an inviolable rule that every teacher should be given work in the subject which was his main optional in his Degree examination and for a change, some English work if he has graduated in English also and some work in his subsidiary optional if he has not. So much for the distribution of work.

Since education is 'living life itself', it stands to reason that school education should be at least related to life as it is lived. Are all Mathematics men, or all Sciencemen, or all History men etc., gathered or sworn to be together into a round mass on the surface of this round earth? No. Then why should we club together our boys into sections according to their optionals although they all belong to the same form? In actual life people of varying types and degrees of talents have to rub shoulders with one another. In the same way

have no educational instinct. They follow the path of least resistance rather than of the greatest advantage to pupils and are unwilling even to replace books which have become practically obsolete, and fall into the rut of routine without any real contact with the living world outside. They regard themselves as having *finished* their education because they are styled 'teachers'. The aims and purposes of what we impart in our schools are seriously challenged today on all sides. Schools have proved a failure not because they are too academical but because they are too mechanical and commercial. To allow this state of affairs to continue is like committing suicide in the hope of rebirth. This is only one side of the picture.

The assertion made by the New Education that the child is the centre of instruction is quite all right in the lower classes which contain a small number of young pupils. But it appears to me to possess no significance in our High School classes as they are constituted and conducted at present. The wearer alone knows where the shoe pinches. The teacher is better qualified than any one else to pronounce an opinion on the text-books to be prescribed or the curricula to be framed. But in actual practice his opinion is usually very scrupulously avoided. The 'need' of the child appears to be only an 'educational fiction' in our country to this day. I mention all this only to emphasise that the educational theory that the child is the centre of instruction, and the curriculum should be child-centred etc., must be taken with a big pinch of salt when viewed in our class-room setting. Every one knows that it is the 'teaching', whatever its quality, that really dominates the class-room, wherein the fast and the slow, the hare and the tortoise, are forced to run the race together in harness.

Since teaching plays such an important part in our schools it becomes the imperative duty of the school authorities not only to make the teacher's work and stay in the school pleasing but to give him all reasonable facilities and freedom to carry on his work efficiently and without let

Some Aspects of School Discipline Punishments & Organisation—II.

BY

T. A. Lingam, B. A., L. T.,

(Continued from the Previous Issue)

In this article I shall endeavour to show how efficient organisation is an indispensable factor in checking the wastage in teaching work. My observations apply mainly to the top classes of our High Schools.

To start with we must recognise that our schools are by no means ideal institutions. In the Training College we learn many principles and methods of teaching. Having regard to the limitations of our class-rooms and the actual conditions in our country, it is impossible to introduce the Dalton Plan, the Project Method or the Gary System. These systems were all obviously conceived for children in the West who appear to have an instinctive sense of self-discipline and responsibility. But nothing should prevent us from striking a golden mean between the graces of what we learn at the Training College and the insipidity of our class-room environment. I submit that there is no need, in any event, to wilfully or glaringly set at naught any of the highly cherished and easily practicable educational principles and methods.

It requires no labouring that a curriculum on paper, however excellent, cannot make a good school. Nor can the curriculum and the children by themselves make a good school. Behind and beyond them all should be the living personality of the teacher. But it is a sad and bitter truth that in our country the teaching profession has all along been, and even now continues to be, a refuge for many who cannot pull on elsewhere, who have been dismal failures in their academic careers, who have no taste for reading and who

can keep the teacher at work day and night and still he will not be able to cope with all his findings!' The new words may be entered in the book under different heads—home, school, shop, garden, playground etc. This gives the boy a sense of power over the material which he has gathered.

I have explained at some length how the teacher should help the boys to gather matter for their written composition. The written composition can hardly mean anything more than a recapitulation of matter already extracted from the class in conversation with the help of pictures. The sentences so formed will be strung together as a description. It will be found when this has been done that the language is simple to the verge of baldness, but at this stage nothing more can be attempted. In the initial stages the boys may be allowed to consult their 'Word Book' while writing the composition. The most important and at the same time the most difficult part of the teacher's work is the correction of the written work of the boys. I know how tedious and trying it usually is. But it should not, on that account, be shirked. It is the sacred duty of every teacher to do it thoroughly and systematically.

revision work. I do not know how many teachers do this kind of periodical revision, but its necessity is real and its value great.

The work of the Standard III is continued in Standard IV, but in addition a beginning should be made here to teach composition. There are three stages in the composition to be taught to the boys of this class. The boy, in the first instance, must have something to say, then he must say it and lastly he must learn to say it well. To have something to say, something interesting, that is the beginning. To kindle that desire should be our first attempt. This can be best done through pictures and projects. All written composition should be based on the oral composition, done with the help of pictures. The picture provokes thought, talk and spontaneous reaction. Having presented the picture, we must use our skill to foster interest in the conversation, to correct grammatical and other mistakes and aim always at removing impediments to the boy's free expression of his ideas. In other words we must help him to talk well. Where necessary new words will be introduced and written on the black-board. The boy's vocabulary thus increases rapidly along with his mastery of fluent speech.

I also suggested that projects and excursions provide infinite scope for language training. A shop project, a visit to the Zoo, all these can be undertaken with a set object by the teacher, who should think out beforehand the vocabulary that will be acquired in the carrying out of the project. The value of a project or excursion is tested by asking the boys to give an account of it. These afford opportunities for encouraging free talk. The teacher will thus be able to widen the outlook of the boys in addition to building up their vocabulary.

A most useful device for vocabulary building is the 'word book', just a little pocket note-book. Boys find great pleasure in maintaining such a book provided they can add to it as they observe and learn. 'A really enthusiastic word collector

which I conducted the examination, it may be seen that the teaching of English is not easy and unless the teacher is really capable and interested in his work little will be achieved.

As the child's vocabulary is increased his reading also should be improved. The ability to read well is as important as the ability to speak and write and the teacher should give the boys constant practice in reading. Where necessary remedial measures should be taken to correct reading disabilities and to prevent wrong habits and attitudes from taking root. The parents and medical authorities should be consulted if backwardness is due to defective vision or any other organic trouble. Poor reading is sometimes traceable to poor visual discrimination. It is not uncommon to find boys reading 'the' for 'them', 'these' for 'there', 'mouth' for 'month' and 'horse' for 'house'. Sometimes boys read the words backwards as 'on' for 'no', 'pat' for 'tap', etc. In all these cases practice in observation, matching of words and word building should be emphasised.

The teachers' work will be incomplete and even ineffective without periodical revision. It is a mistake to suppose that the words introduced in a lesson have become part of the pupil's active vocabulary, unless a short time is given daily to the study of words already learnt. Cycling or swimming cannot be learnt in a day. It has to be practised for a few days until it is mastered. The same is the case with the acquisition of vocabulary. It is an excellent plan to set apart a period every week for the revision of the work done during the week. The revision work should be carefully planned and prepared beforehand with the object of testing the pupils' active vocabulary learnt during that week. The nature of the revision may, of course, vary from week to week, but the object of such revision should be clearly borne in mind. The revision may be done in different ways. Filling up blanks, story telling with the co-operation of the boys, and picture reading are some of the important ways of doing

is to give them drill in a variety of ways, such as carrying out commands, describing actions, filling up blanks, story telling and dramatization. Words should be used in different situations, like 'stop the ball, stop the game, stop writing, etc'. The boys should be made to describe actions and answer questions requiring the use of words not directly suggested by them, as for example, 'What do I do? Why does he not play? How does he run? etc. Sometimes it is profitable to continue play activities such as shopping, housekeeping and the like.

I shall give in detail the way in which I conducted the examination for the Third Standard and that will give an idea of the kind of work that every teacher is expected to do in that class. I read the whole book and prepared a list of all important nouns, verbs, adjectives and adverbs which should have formed the active vocabulary of the boys. The examination consisted of 1. Carrying out commands. 2. Describing actions to test active vocabulary. 3. Describing a picture specially drawn to test the boys' active vocabulary. 4. Translation from vernacular to English (only a few sentences to test their knowledge of some special words like 'let', 'please') 5. Filling up blanks. 6. Reading. 7. Dictation and handwriting. The written examination was taken by all the boys at the same time but the oral part of it was taken separately by each boy. It of course took me 4 days to examine the boys, but I had the satisfaction of having examined the boys thoroughly. Many boys who merely got by heart the contents of the text-book could not answer questions requiring the use of words in situations different from those given in the text. It is no exaggeration when I say that a boy, in reply to the question, 'What is in my hand?' gave the answer 'It is a rose', though the object held in the hand was a pencil. The fact was that the boy had committed to memory the sentence in the book 'It is a rose', but could not vary the answer when a different object was presented. Memorizing is not an evil in itself, provided the boy is trained to vary the answers to suit different situations. From the details given of the way in

In Standard III our aim must be to further increase the vocabulary of the boys. Words, words and more words should fall upon the ear of the child. As I have already stated, the meanings of these words should, as far as possible, be conveyed through aids other than the use of the vernacular. Then only a direct association between expression and experience will be formed. In the Primary School the teacher should adopt such methods as would help the boy to increase his active vocabulary. The distinction between active vocabulary and passive vocabulary should be clearly understood by teachers as they have to employ different methods to help the boys to acquire these two kinds of vocabulary. Teaching does not consist in merely giving the meanings of words and phrases. The boy should be made to use them in different contexts and situations until they become part of his active vocabulary. It requires great patience and skill on the part of the teacher to see that the boy gets the necessary and adequate drill in the use of words. Speech training and enrichment of vocabulary through experience and interesting activities must form the basis of learning any language.

We adults find it difficult to use the right word in the right place where our active vocabulary is limited, and there has been no conscious effort on our part to enlarge it We cannot expect our boys to acquire the ability to use words readily in speech and writing unless we help them on the right lines. Once I went to the Third Standard and stopping a boy who was asked to go to the window, put him the question 'What do I do?' He was not able to use the word 'stop' in a sentence in reply to my question. I put the same question to every boy in the class and to my great surprise not even a single boy could give the correct answer though they had been taught the use of the word 'stop' in a previous lesson. Evidently the teacher of that class made no effort to add the word 'stop' to the active vocabulary of the boys. The best way to increase the active vocabulary of the pupils

There are several devices by which the teacher can teach correct pronunciation. The use of pictures for teaching rhyming words helps the boys in acquiring not only a knowledge of the words but also their phonic element; e. g., cat, rat, hat—kæt, ræt, hæt. Pictures provide an excellent channel to enrich the vocabulary. Each picture may be talked about and similarity in sounds pointed out. Sometimes the game of 'word and picture matching' may be played. A collection of these pictures and their name cards should be made for the purpose. At a later stage, when the boys have learnt the alphabet, the same pictures may be used to point out the similarity in spelling and specific drill in spelling may periodically be given. Sometimes they may be asked to play word building games. Every class should have a set of these picture name cards to match and word building sets. Another device to teach correct pronunciation is through Nursery Rhymes and Jingles. Nursery Rhymes are of the same kind as folk songs and they appeal to children. They offer marvellous opportunities for practising the different speech sounds. They may be written on large drawing sheets for display and the boys may be made to sing them in chorus. These songs give exercise to the different parts of the speech machine, the lips, the tongue, the lungs and the larynx. The teacher who knows his job will be able to point out how these sounds are produced. I know how difficult it is to fit everything a child should learn into the daily time-table, but those who are enthusiatic never despair. Speech training exercises can be helpfully and effectively given at different times of the day. Mrs. Simpson, of the Wesley High School, Secunderabad, I remember, used these rhymes to accompany physical exercises on the playground. The gramophone, the reading lesson and the dramatic class—all these give opportunities for speech training. If these instructions are followed the necessary spade work would be done in the second standard which would make further progress in the higher classes easy.

introduced, then their corresponding associations. The maxim is 'follow the child'. The child learns his mother tongue through experience and it is natural that he should learn a foreign language also in the same way. Pictures, word games, speech training games and practice in directions, all these provide the child interesting experience through which he can build up his vocabulary. The teacher first introduces only familiar groups of words, words relating to his immediate surroundings, his dress, his home, his school, his garden, etc. All these present themselves to him a great number of times and are within his experience and comprehension. Actions, pictures and objects, wherever possible, should be used to convey the meaning. In the initial stages, the work should be only oral and the child need not learn the alphabet till he is able to carry out certain simple commands and talk on a few familiar subjects. The vernacular may be used only to explain the commands, the directions and the words whose meaning cannot be conveyed by means of objects, pictures or actions.

The most important thing at this stage is pronunciation. The teacher should be able to give the boys training in correct speech sounds. This he will be able to do only if his own pronunciation is satisfactory. To say that the pronunciation of even the English people is different in different districts is no excuse for his bad pronunciation. The pronunciation of some of our boys and teachers is so curious that it is very difficult to make out that the language they are speaking is English. It is for this reason that I suggested at the outset that the teacher of English should be a specialist having a knowledge of phonetics so that in cases of doubt he may refer to a pronouncing dictionary. If the necessary training in correct speech sounds is not given in the early stages of language teaching, wrong habits and attitudes of pronunciation are formed, which it will be nearly impossible to correct afterwards.

Some Aspects of the Teaching of English in Primary Schools

BY

K. Sambamurthi, B. A., L. T.,

Headmaster, Govt. High School, Bolarum.

English is a foreign language and of all foreign languages it is the most difficult to learn or to teach on account of its peculiar idiom, spelling and pronunciation. The nature of the language demands that only specialists should handle the subject, and therefore the fact that in India it is entrusted to any and every teacher is much to be deplored. This accounts in a large measure for the unsatisfactory result of our teaching. Every teacher can do a particular kind of work which no other teacher can do with equal efficiency and it is the duty of every headmaster to discover the special aptitudes and talents of his assistants and properly distribute the work according to their attainments and capabilities. In my opinion every Primary School having one section in each of the Standards 2, 3 and 4 should have at least one teacher who is a specialist in teaching English, who has a fair knowledge of phonetics and who has a fairly good command of English. The English work of the whole school should be entirely in his hands. This will certainly make for efficiency not only in English but also in other subjects, which should be taught in the mother tongue of the pupils.

Coming now to the details of organisation of English work in Primary schools, I wish to lay emphasis on the need for arousing interest in the pupil by providing for plenty of interesting and useful activities. Undoubtedly there is much to be said in favour of this point, for any method which would lead a child to dislike the work assigned to him and shirk it on account of its irksomeness would be disastrous in every way. Learning and teaching should be based on child interests and the teacher should devise ways and means of fostering interest in his work. First simple concepts should be

buildings, as this question has now become rather acute Most of the District and a few Tàluq Middle schools may be handed over to private management as was done about 3 or 4 decades ago in all, particularly the neighbouring, British Indian Provinces—Bombay, Central Provinces and Madras. To reduce still further this burden the nominal school fees now levied, which are as good as no fees, may easily be doubled or even trebled. This too demands immediate attention and decision. Thus the present High schools of the First Grade and a few others, if successful, may be worked, planned and organised somewhat on the lines of great Public Schools in England as Eton, Harrow, Wellington, Winchester and so on. There should be fine rich traditions for these big schools which are now capable of consolidation and organisation on well marked lines to serve as models to the rest. These institutions when thus organised should be a potent means of real education to exercise and radiate quite a healthy influence on the life and thought of the country.

Members of the Committee

1. Mr. Md. Hafeezullah, *Chairman.*
2. „ P. V. Subba Rao, *Secretary.*
3. „ Md. Ahmadullah, B. A., B. T.
4. „ Satyanarayana Rao, B. A., L. T.
5. „ Abdul Aziz, B. A., B. T.
6. „ Ali Nawaz Jeddy, B. A., B. T.
7. „ Kamali, B. A., B. T.

Registration of Teachers.—The most essential and urgent question from the standpoint of the welfare of pupils and masters that emerges now is the Registration of teachers or subject masters. It is high time that persons without a Teachers' Certificate were not allowed or authorised to become teachers. And after completing proper courses and a period of 2 or 3 years' probation with a report of their work by special officers of standing, teachers may be registered or enrolled, the Register being maintained by the Ministry of Education.

Research.—The next matter that is of absorbing interest and value is Research in education to be undertaken by really competent persons fully qualified for the purpose. In this way a Council or Bureau of Educational Research attached to the Ministry of Education has now become urgent so that the several questions and problems that arise now and again may be studied carefully from the scientific standpoint and the results of enquiry and research issued in the form of publications or pamphlets by the same body including those on Teaching methods and School Organisation. These publications will be useful in the working out of schemes of reform and thus be of great help to the Government, the pupils, parents and teachers.

Finally, the burden of Secondary Education in our Dominions is borne almost entirely by our benign Government and it is time that this heavy burden was lightened. One of the ways for this is the gradual transfer of this charge to the shoulders of public bodies registered under the Company's Act. Substantial funds under clearly marked heads as Building, Equipment, Library and Staff, under rules to be laid down by the Government in the Ministry of Education have to be set apart for this. If this be the goal to be attained in the course of six or eight years decent funds, say half the present expenditure under this head, will become available for the improvement of Government First Grade Secondary schools in the matter of equipment and

higher educational value of certain films and the wireless. Now that electric power is being made available in several district centres, there should be no difficulty in taking advantage of this tool of education in our more Central schools to start with. As we gain experience in this direction, better arrangements may easily be made as funds and circumstances permit.

Teachers' Training.—Above all, the education of teachers is the most vital and essential problem related to Secondary schools, and therefore demands our immediate and careful attention, for without well-qualified and able masters nothing can be done in our schools. This does not mean that the work that is now being done is not satisfactory. The work of Teachers' schools and colleges has to be closely related to Secondary school education and the changes that are now being brought about in our Secondary schools must result in certain corresponding fundamental changes in the curricula and courses of work adopted by Teachers' Institutions. This Committee feels it necessary to recommend the inauguration of Refresher Courses and study for the benefit of teachers, trained and untrained, once in five years at the Teachers' College and First Grade Institutions at Subah Centres such as the present Intermediate Colleges.

This course need not last longer than a fortnight for a batch of about a dozen teachers every six months under the direction and guidance of highly capable and experienced educationists with at least six to eight lectures on the theory and practice of teaching school subjects along side of study circles, practical aspects of the technique of teaching being emphasised most. There are certain other problems connected with the education of teachers such as the Institution of Teachers' School or College Certificates with proper courses of studies and examination. All these details and others may well form the subject for study and report by a select sub-committee to be appointed by the Department of Education or the University.

curriculum are Commerce and Accounts and Gardening. In course of time some very useful subjects like Spinning and Weaving, Engraving and Metal work may be included. Arrangements are to be made at least for the teaching of two subjects in a school in accordance with the needs of each locality. Proper teaching of these, as also organisation and planned work, are highly necessary. A record of the work done in these subjects should be maintained and the best specimens and models should be preserved in the school museum.

IX Conclusion.

Before this report, made as brief as possible, is concluded, it is but right and proper that certain essentials of Secondary education are touched upon here, particularly Extra-curricular activities, the Cinema and the Radio in schools and, last but not least, the Education of Teachers with its cognate factors, the Registration of Teachers and the institution of a Council of Educational Research.

The term, "Extra-curricular" is misleading inasmuch as activities usually classed as such are not really 'extras' but integrals of school work and life. It is only meet that this term should be changed into 'Out-of-Class' or Out-of-School'. That is the right connotation of this term. These activities closely allied to or cognate with regular academic class work, are really useful and helpful in the making of a student, and therefore should not be ignored. But at the same time daily scholastic work should not suffer on that account; rather its proper place and value will have to be assigned without detriment to the sense of proportion when the varied activities of school life have to be organised. A detailed report approved of at the last session of this Conference merits careful study for well organised and sustained work on clearly laid out lines.

The cinema and the wireless too can be made use of in the actual teaching of certain branches of knowledge, specially Geography, Science and History. There is also the

mere syllabus will not do but regular coaching and instruction on the right lines are the first essential. And until this is attended to along with a systematic teaching of physiology and hygiene no satisfactory results can be expected.

8. *Art-Creative Education and Handicraft.*

Creative education aims at unfolding all the powers of a child, physical and mental. It is one of the most interesting and valuable aspects of the activities of a child's life. Besides providing him with such activities as keep him engaged, it develops his creative faculties and aesthetic sense. It affords a valuable training to his hand and eye and opportunities to learn order, neatness, exactness and taste. The development of these senses has been the foundation of the teachings of all great educators, Froebel, Pestolozzi, and Montessori. That is the reason why it is made a part of the content of the curriculum. But unfortunately in the teaching of art and crafts these aims and purposes are not kept in view.

To achieve these, the essentials are a building with adequate space and accommodation with the required light and shade and proper epuipment. In addition to these, a good syllabus and qualified art masters are highly necessary. The present syllabus is fairly good but qualified art masters are required. The work to be done should be properly planned, schemes of work for the various classes being drawn up beforehand and strictly adhered to. Inspectors should see that the work is carried on according to them.

Handicrafts.—The aim of teaching handicrafts is not to prepare pupils for a vocation but to give only a vocational bias and a training to the hand and eye. It is also to give an opportunity to those who have an aptitude for them to develop it. This of course is bound to be of great help to them in later life and is, therefore, a part of the right kind of education. The teaching of two subjects like wood-work and drawing should go together but they need not be made compulsory. Two other subjects which are proposed as an alternative in the

not yet been what they may be for want of a clear vision, perhaps of a definite aim. It behoves us therefore as teachers to pause and reflect calmly if matters cannot be improved and what we should do, why and how. We propose, therefore, to put down in brief a few thoughts under this head with a view to make our path clear and do something which will benefit our pupils.

The aims have to be made clearer, there should be less haphazard work, and methods must be tested and appraised.

Four main ideas can be accepted generally. Firstly, physical education must benefit all children. Secondly, real benefit depends largely on enjoyment. Thirdly, the whole syllabus, the whole gymnastics, must be based on scientific knowledge of the human body and mind. Fourthly, there must be attention to individual needs as well as to groups of children.

Physical education must benefit all children. Such an idea would seem to be common sense, but for several years ordinary team games, sports and old fashioned gymnastics have been the province of the expert. The mediocre have tried to emulate, the weak have been disheartened and have lost interest, but there is at least one physical activity that appeals or should appeal to each boy, some type of movement which he enjoys, which it is our duty to find and foster.

The joy of movement is denied to too many children because the types of movements they are expected to make are too narrow to be skilful. A well-balanced system of physical activities with scope and choice will offer some suitable activity for each child. So too with the modern gymnastics lesson which has to be planned in such a way that it gives equal opportunity for all the children.

Further we notice that barely 10 % of the students on rolls actually take active interest in physical activities. This is really unfortunate. The entire system needs overhauling. A

The general library must consist of books of general interest dealing with Literature, History, Geography, Science and Mathematics. The Teachers' library should have a section each dealing with the technique of teaching languages—English, Modern Indian languages, Mathematics, Science, History and Geography, Physical education and so forth to enable teachers to make a specialised study of the methods of teaching in their subjects. A secondary school will be failing in its purpose without the existence of the three kinds of libraries referred to above.

Attached to the Students' and Teachers' libraries, should be separate Reading rooms for students and teachers. The students' reading room must have besides a few daily and weekly newspapers, magazines, pictorials and journals catering to juvenile tastes. The teachers' reading room must be provided with the most up to date magazines relating to education and the technique of teaching the various subjects besides a few well known standard magazines.

Every secondary school must have a fully qualified and trained librarian to ensure an efficient working of this library organisation. The notion that any body and every body can be a librarian is at once fallacious and untenable. Unfortunately in most of the secondary schools now, the librarian is a 'multiple personality.' He is the combination of the clerk, the drawing master and perhaps a part-time teacher. It is absolutely necessary that the librarian should be one not only trained in the science of librarianship but possessing a sense of courtesy ever ready to lend a helping hand to those who need it.

Health and Physical Education

We, who have to do something with our Secondary shools, know all that is being done for the physical education of pupils. There can be no denying the fact that we have been making attempts in this direction but the results have

future plan of work. Teachers, students and curricula are not meant to be dominated by examinations as is the practice now.

The problem of examinations is rather an incricate one and therefore demands careful thought. To judge three or four years' work of classes and schools mainly on the results of a written Public examination, should be a hardship both to the teacher and the taught—leave alone other considerations. The Committee feels that the School Record System for the assessment of a pupil's work by means of marks is, quite reasonable and just. The school examination marks may be added to the class marks and the Public examination marks to determine the worth of the examinees in case of a failure. Specific rules may easily be framed for this purpose after due consideration of all aspects of a pupil's work and attainments. This, the Committee considers, is the only way out to minimise the rigour and the evils of Public examinations which unfortunately hold an undesirable sway over the minds of pupils, parents and teachers.

(c) *Library-General, Class and Teachers'.*

The modern library movement has awakened a real interest in the organisation, study and effective use of books in libraries. Every school maintains a library of its own. But unfortunately for want of a proper organisation, libraries have continued to remain a mere collection of books in most schools without a proper use being made of them either by the teachers or students.

Besides the consulting library containing dictionaries, encyclopaedias and other books for reference, the secondary schools should have a general library, students' library for each class and a teachers' library. Every class should have a library consisting of books suited to its standard and requirements not only in languages but in other subjects as well.

Such a practice is not right from the educational stand point. For each subject the authorities may recommend at least half a dozen books out of which each student must be made to study one, or more if possible. Every boy should be made to buy at least one of these books recommended. There should be a sufficient number of copies of the recommended books in the Class Library for use by all students.

Such an arrangement widens the pupils' range of vision as it encourages them to study books written by different authors from various stand points though it may not be possible to satisfy the specific requirements of their examination. Class teaching should supplement the information contained in the books by presenting all that is essential for a thorough grasp of the subject. In the treatment of the topics the teachers will have to give reference to the chapters of the recommended books. In Mathematics too, a number of books may be recommended and problems from different books of recent publication, not easily available to the pupils, have to be collected by the teacher and set for class work.

Examinations.

The examinations should have a definite standard suited to the mental growth and capacities of the pupils and the requirements of the country. Efforts should be made to raise the standard of the examinations slowly and steadily. The type of questions, specially in languages, must be the same, and intimation must be given to the school authorities two or three years before any change is introduced so that the teachers may train the students to meet the new requirements. Allocation of marks to each type of question should not be altered without previous intimation

It has to be remembered, however, that examinations are not the be-all and the end-all of school work They are meant to be tests whereby the teachers may know the extent to which the pupils have benefited by their work. Examinations should also serve as a guidance to them in their

One or two words about the teaching of languages-English and the modern Indian Languages may not be out of place here. Precis writing, Paraphrase, Letter writing and Essay writing must be the essentials of language learning. Due importance is to be given to translation in the teaching of a classical language. More attention should be given to functional grammar than to formal grammar.

At present undue importance is attached to the study of text books in languages, especially in English, and for the sake of examinations, students memorise summaries of lessons with the result that examinations have failed to be a real test of the ability of the students. The aim should be a high standard of attainment and not success in examinations.

Greater attention should also be paid to extensive study of books in languages. Extensive reading must give pleasure and a sense of achievement to the pupils. Unfortunately, no distinction is made in practice between the treatment of detailed and non-detailed books.

It has to be recognised that "from the educational point of view it is not the subject, but the methods of teaching that matter". Insistence should be laid on planning of the subjects of study, schemes of lessons and notes of lessons. Individual schools under proper guidance and direction may be encouraged, as a result of sufficient study and careful thought, to evolve specific methods of teaching suited to the requirements, if possible. It would go a long way to improve matters if Inspecting Officers make special reference to the way in which subject teachers draw up the schemes of lessons and write lesson notes, giving reference to books consulted and used in teaching.

(b) *Class Books and Examinations.*

Except in regard to the languages, no text book need be prescribed. If a book is prescribed for study in a subject, both the teachers and the taught have that book only in mind.

Report on Secondary Education[1]

(Continued from the previous issue)

Application of Principles

(*a*) *Curricula and Methods.*

The curriculum is in the strict sense of the phrase a statement or programme of the courses of teaching and instruction. These courses for the pupils of secondary schools must satisfy the following conditions :—

1. They should be related to the natural activities of body and mind.

2. There should be scope for harmonising and developing the physical and mental powers of the pupils.

3. These should as far as possible be 'all-round' to give full opportunity to the pupils for the pursuit of individual interests. There should be elasticity in the grouping of the subjects of the curriculum to enable the pupils to take up subjects according to their aptitudes with no unnecessary duplication of subjects. For instance, a student may be permitted to take Elementary Mathematics or Algebra and Geometry and not compelled to take both.

4. These should stimulate or rather create the desire to continue some form of study even after the pupils have left school on the completion of the course.

5. As for languages, while English and Urdu are compulsory, pupils whose mother tongue is Urdu may be permitted to take a classical language and pupils whose mother tongue is Telugu, Canarese or Marathi, may be permitted to study the mother tongue or the related classical language.

Fuller details of the curriculum for the School Certificate Examination are given in the section on 'Scheme of Reorganisation proposed'.

---

1 This report was read at the 2nd Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association held at Gulbarga in January, 1940.

Attendance and participation of students in the activities must ultimately be voluntary, though it will be necessary to enforce compulsion till that stage is reached.

There is still a controversy as to whether students' corporate activities should be organised in the regular school time or out of the school hours. If these activities tend to realize the all-round development aim of education, then there does not appear any valid reason against having them in the school time. Furthermore, if they are conducted in the regular school hours they are expected to run continuously and under-proper supervision. Such an arrangement will be convenient also for students, for they need not come to the school a second time the same day to take part in these activities. In the case of young students, in particular, it is advisable that their corporate activities should take place in the regular school hours, for, otherwise, there will be difficulties with regard to securing adequate attendance of students, in looking after their conduct and behaviour on their way to school from home, on their way home from the school and while they are in the school in connection with these activities or participating in them. But where students' corporate activities are many and cannot be included in the regular school hours, it will be necessary, perforce, to have them out of school hours. In such a case proper arrangements should be made for supervision of conduct and behaviour of students.

Too much should not, however, be made of the corporate activities of students. They are at their best a part of the means and methods employed in connection with the education and training of students. The more formal and traditional work and programme of the school must continue to enjoy their importance and prestige, for their usefulness is undeniable.

There are some specific objectives also which must be kept in view in the organization and conduct of the students' corporate activities. They should train students to take active part in society, co-operate with others, and take interest in their school. These activities must develop school morale, and cultivate sentiments of law and order. They should, further, discover and develop students' special qualities and aptitudes.

To carry out the above-mentioned aims and objectives various types of students' societies should be organized in the school. There must be literary societies for debating and speaking, athletic societies for sports and games, art societies for dramas and music, journalistic societies for school journal and magazine, and social societies for organizing and conducting school socials and welfare campaigns. Some arrangement should also be made whereby all the students, through their representatives, can take part in the general management of the school, without affecting, of course, the authority of the masters and the discipline of the school.

These societies must perform their functions properly and efficiently. Literary societies should develop intellectual interests and capacities. Athletic socities must offer opportunities for physical development and recreation. Art societies must provide training in culture and refinement. Journalistic societies should cultivate penmanship and expression. Social societies should teach etiquette and decorum. Students' councils should create sense of rights and duties.

To perform their respective functions the students' societies should be placed under efficient managers. The office-bearers of these societies must be capable students, who may be appointed by the school or elected by the students. Members of the school staff, who will supervise the work of students' societies, must take keen interest in the work placed in their charge, and must have experience of such work.

actions of himself and others and be guided accordingly. It is due to the urge of gregariousness that students group together in clubs, associations and unions, and create a collective life. Devotion to the group, *esprit de corps*, and dedication to principles and practices are the results of the loyalty urge. The protection of others' rights and interests, acts performed in enhancing common welfare, and deeds of benevolence are the outcome of the sympathy urge. Praise and approbation are spring-boards for great accomplishments. Manipulation and control over things, persons and processes are the outcome of the mastery urge, which leads on to success. It is by imitation, far more than by precept, that we learn, and when we learn thus, we learn not only more effectively but more pleasantly. It will be seen, therefore, that these natural urges have an important role in the corporate activities of students. But it should be noted also that these urges, if not properly developed, may become harmful. Curiosity, for instance, may degerate into idle and useless prying, gregariousness may repress individuality, loyalty may lead to servility, sympathy may become softness, mastery may amount to tyranny or callousness, and imitation may deteriorate into blind and slavish imitation. It is necessary, therefore, to distinguish between the good and bad sides of these urges and check the bad and encourage the good ones.

Students' corporate activities must also be related whenever possible, to local conditions and requirements, for in this way they will enlist parental support and outside co-operation. Students will also feel that in their own humble way they are workers in the same line as their elders and seniors, and that their corporate activities are real to life and substantial in result. In rural areas, for instance, programmes of rural improvement or welfare must find a place in the corporate activities of students, and attempts should be made to tackle them. In urban areas urban problems must be dealt with by students in the course of their corporate activities.

new conception of education by placing emphasis upon utility tries to combine both culture and utility in one and the same process. In a similar manner the new theory, by giving importance to the educand, accepts also the older view which elevated the position of the educator, as an agent of education. The school as distinguished from the past connotation is no more an isolated entity, but it is a fundamental link between the home on one side and the society on the other, and is required, through the training and education of its students, to fulfil the aims and objects of both the home and the society. The new conception of education also demands that the school should prepare its students in such a way as to ensure efficiency both to the individual and the group, of which the individual is but a unit. The new conception of education, to define briefly, aims at the all-round development of the educand.

Students' corporate activities receive encouragement and support from the point of view that they help forward effectively and pleasantly the all-round-development aim of education, that they are complementary to the more formal and routine work of the school and its teachers, and that they are expressive of students' characteristics and life. That these expectations may be fulfilled, it should be the business of the organizers of students' corporate activities to build them on bases, which will assure permanence and success to these activities and benefits to the participants.

Students' natural urges or drives, such as, curiosity, gregariousness, loyalty, sympathy, approbation, mastery and imitation, if properly used in the organizing and conducting of students' corporate activities, can serve as bases, which will help in fulfilling the desired aim of all-round development. Curiosity is the root and sustainer of interest. It serves as motive and stimulus to various kinds of efforts and achievements of children and the grown-ups. It is the starting point of the process which leads a student to understand and appreciate the effects of desirable and undesirable ideas and

best use of the amenities of that place. It is the duty of the teacher to train the future citizens to visualise properly the conditions of the great world-stage and so help them to have sane ideas about the social and other problems confronting them.

Students' Corporate Life*

BY

Mr. Mir Ahmed Ali Khan, M. A., M. Ed. (Leeds), Barrister-at-Law,

Reader, Osmania Training College.

Students' corporate life implies students' activities, which from one aspect refer to immediate or ultimate development of the individual participants, and from another aspect to a group-life of which the individual students are the factors. The importance of the corporate life or activities of students follows from the new conception of education, which differs from the older theories in many points. The older theories of education emphasised solely the mental aspect and considered as satisfactory evidence of a student's achievement if he secured marks, diplomas, degrees and other distinctions, which were prescribed and determined by the educator in the light of his own views and regardless of the condition and circumstances of the student. The new conception of education, as opposed to the older theories, points out that when the student enters the school all of him comes in—his brain does not walk in on a pair of wooden stilts. He enters the school mentally, physically, morally and socially. In all of these aspects the student is educable, and further he must be educated in all of them if he is to be successful in life. While the older theories laid great stress on culture in its narrower sense, implying the possession of mere knowledge or information for its decorative or ornamental considerations, the

---

* Summary of Inaugural Address delivered at the Staff Club, Govt. High School, Bolarum, on the 5th August 1940.

Boys possess what is called the "hoarding instinct." It is up to the teacher to make the best use of this instinct, and this could be easily done when he reserves a portion of the Geography room and christens it a "museum". Here the exhibits presented by the boys should be neatly labelled and kept. When a boy sees his own exhibits, he feels proud that he too has contributed his quota.

Learning by doing should be encouraged in the boys. When costly apparatus cannot be had, the teacher should try to prepare cheap apparatus. In this work he should seek the help of his boys and train them in this art. Let him always try to inculcate it as a hobby.

The teacher should be good at drawing figures, diagrams and rough sketches on the black board. This aids in attracting and sustaining the attention of the boys. If possible, he should frequently resort to the showing of lantern slides and moving pictures, because they make the teaching more interesting and enable the eye to convey impressions to the mind quickly and vividly, and hence make a lasting impression. In seeing the Niagra Falls, the boys will forget for the time being the usually unattractive and unimpressive atmosphere of the class room.

In a city like Hyderabad, there are many picture houses wherein educational films are screened. The teacher should not fail to make good use of the opportunities afforded. Accompanied by the boys, the teacher could make the best use of his knowledge in explaining the various factors, such as the influence of the desert environment etc, on man and the development of paper industry in the Coniferous forest region.

It is always better to begin all studies in Geography with a thorough survey of the local surroundings. Such a start is very helpful in many ways. In the first place it enriches one's memory. A thorough local knowledge helps one to make the

least difficulty. He should never be a slave to text books. He must have examples at his finger-tips, to cite from every-day life. The lesson on "Longitudes" is generally dry and the boys are not in a mood to take it in easily. Ask them a simple question: Why is it possible to hear in India at 9-30 p. m. the things which are happening at 5 p. m. in England? The boys would be induced to master the Longitudes and the time sense.

Due to the importance of Geography, it is necessary that there should be a separate room for the teaching of this subject. Besides being well furnished, it should be provided with all materials requisite for the teaching of this subject, so that when the student enters the class he may feel the pervading spirit of Geography.

The foremost thing necessary in this room is a variety of maps Nowadays sets of eight maps of the continents are available at a reasonable price. Besides the maps, there should be the outline maps useful for showing required changes in climate or rainfall of a particular country. The second important requisite is the globe. Then there are the charts, pictures, materials for survey, apparatus for observation of temperature, pressure and the rain-guage. Next to the real things pictures stand foremost in interest and usefulness.

With regard to the use of maps, the pupil should be so trained from the beginning to look beyond the maps. The map-study should often be supplemented by globe study to get the pupils round the earth better than the flat map can do. As regards the use of pictures, they should be studied and described by the pupils.

Many geography teachers are found teaching Geography without the help of maps. What does that show? It means either the teacher is not good at maps or the school does not possess maps worth the name. Without the use of maps satisfactory results cannot be secured.

acquire experience. This could only be done if things of interest and value are actually observed by the students under the guidance of their teachers. The results of observation and experiment will develop the powers of observation, imagination, reasoning and judgment. Due to its direct applicability to life Geography ranks high among the school subjects. The study of mere facts appeal to memory. But from the point of view of cause and effect it is very interesting to the students as well as teachers, because men succeed best when they apply their energies in the direction that Nature's forces are exerted. Instead of showing scanty interest in natural phenomena such as days and nights, change of seasons etc., boys would really enjoy these topics.

The subject as a study of cause and effect is sure to be interesting. Surface-soil, temperature and rainfall should be studied not as isolated topics but as data which explain organic adaptation.

Climate is probably the most important geographical control that affects man. While primitive races go naked in the Tropics, in the colder regions of the North they clothe themselves in fur. Possibly the very complexion of man is the result of climate. A thorough study of the climatic regions of the world is essential. Once this is grasped by the boys the study of the continents becomes simple. In the higher classes the regional treatment of the subject should be followed, because a geographic unit is a region that presents a general uniformity of topography, climate, vegetation, natural resources, occupations etc., e. g., The Prairies. This kind of treatment makes it possible to establish a causal connection and also brings out clearly the relation between earth and man.

A good geography teacher should be well versed in his subject, he should always be in touch with the latest development. If his reading is wide enough, the teacher should be able to explain the "how's and why's" without the

Our aim in teaching Geography should be to explain the relation of man to his surroundings. That is to say, the human aspect should be predominant because life is conditioned everywhere by environment. The study of one's environment is of prime importance because the things studied appeal directly to life and these first-hand notions constitute a man's intellectual capital by means of which he acquires his knowledge of the world.

In India, Geography is not given the same status as the other subjects are and that is why it is comparatively neglected. The result is that students are taught Geography almost as a narrative of a natural phenomenon or a description of a country. The power of observation is not developed. They learn only to forget it. Whenever they ask " how and why," they are not satisfied with the answers of the teacher. Their insatiable curiosity and thirst for knowledge are killed at the very first enquiry. It is here the parents are more responsible for the ignorance, meekness and shyness of their children than the teacher. A European child pesters his parent with a thousand and odd queries and does not rest content till they are answered.

During the schooling period the child is generally eager to know something about the life of the peoples in other lands. He wants to know something about famous places, to enjoy the beauty of scenery such as waterfalls and other things, too innumerable to be mentioned here, which provide material for the exercise of his reason and judgment. He reads in newspapers about an expedition or earthquake shocks in Japan and wants to know from his teacher the significance of these. He sees a film of the Esqüimos and wants to know why icebergs are found in the Northern seas. This particular enquiry on the part of the student is the result of geographical knowledge imparted to him in the geography periods.

Geography is taught in India as a dead subject. It is the teacher's task to create opportunities for the child to

hopefulness of the plan for rural betterment, also by the distinguished gentlemen who form the committee. All are helping, and certainly educationists cannot be backward.

The progressive Prime Minister of Aundh State, the Hon'ble Mr. Appasahib Pant, the Chairman of the Bombay Provincial Board of Adult education, Mr. S. R. Bhagwat, and the late Bombay Prime Minister, Mr. B. G. Kher, are among those who have been impressed by the great possibilities of the plan *to relieve poverty in India, as well as to improve education.*

Sir Asutosh Mookerjee stressed the fact that the educational colonies system would greatly improve the position of teachers, and be the most hopeful solution for the problem of unemployment among the educated classes. The "brightest hope" has to be considered in many bright aspects, and with such a lead as Hyderabad has in the matter is very clearly worth taking some trouble about.

The Teaching of Geography.

BY

Mr. Sajjan Lal, M. A., Dip. Ed., F. R. S. A.

Assistant, Govt. High School, Chaderghat.

In these bleak war days, a knowledge of Geography has become essential, nay imperative. The rugged nature of a country and the flow of its rivers and weather play an important part. Without the signal of "all clear" from the prophets of weather, even a bold aviator would not venture to be in the air.

The science of Geography is now receiving an impetus. Geography is the study of man in relation to the earth. In other words, it is the study of earth as the abode of man, as also the study of man in relation to his environment.

for India's education problem, a propaganda that in every part of the world was written about with warm approval. The extent of the notice it had was testified to by the fact that "The Times" gave no less than seven full column reports of it in its Educational Supplement.

The late King Edward, the late British Prime Minister, at the time Mr. Lloyd George, a number of Cabinet Ministers, and many of the foremost economists of the time wrote, and repeatedly, expressed their entire approval. The greatest have perceived the new light on the social horizon, and all now must look where they direct them to look and see it too.

Every educationist in Hyderabad, at all events, must be thoroughly informed of the plan the leading people in the State, and India's greatest men have approved.

But they must be more than interested. They are asked to be actively helpful. The demonstration must be completed next year by a practical illustration of boys' earning well. That depends on the public. *The educated public must support the colony's industries.*

First and foremost, all educationists must be well informed about the facts. They are extraordinarily interesting and simple, both in their educational and economic aspects. A condense of the books on the plan published by Messrs Allen and Unwin of London, and by Calcutta University, has been prepared. Some copies can be had from the office of the Registrar, Co-operative Societies, Hyderabad-Dn. and other books on loan. All sending three annas in stamps to the colony office, 9 Osmania University Buildings N. P. O. Amberpet, will receive a copy of the above named condense, and of the last annual report of the colony (now in the press).

All are responding to Hyderabad's Chief Minister's lead, so splendidly seconded by Mr. Seyed Fazalullah, the Secretary to Government for Rural Reconstruction and Mr. Razueddin, the Joint Registrar, Co-operative Societies, *who see the great*

In the circumstances people who are in earnest will want to know what the most *prominent people* who have studied the idea have said about the alleged "greatest hope on the social horizon."

To begin with your leading men, the Rt. Hon. Sir Akbar Hydari wrote:—

"I am perfectly prepared to help you in the good work, WHICH HAS ALWAYS COMMANDED MY SERIOUS ATTENTION; but would you allow me to have the publication of a message considered by a committee of mine consisting of representatives of the Co-operative Credit Department and the University".

Sd/ A. Hydari.

The result of the examination of the plan by that committee was more than the sending of a message. It was that the Hyderabad Department of Co-operation took up the pioneering of the new possibilities, its heads helping zealously, and a great special committee was formed in connection with it. It consists of four Secretaries to Government, the heads of many government departments and your Directors of Technical and of Public Instruction, the Inspector of Schools, Balda, with the present and past professors of economics of the University. One of your prominent business men, Mr. L. M. Savale, has drawn up a plan for a colony on business lines.

Speaking of India's great men generally, when the pioneering was decided on, Dr. Rabindranath Tagore, Mahatma Gandhi, Sir Manmatha Nath Mukerji, the recently retired Law Member of the Viceroy's Council, among many others, wrote congratulating the pioneers. Dr. Tagore commended their "love of great things", and spoke of the "great interest and importance" of the pioneering which he was, in fact, the first to introduce into India.

Most educationists are aware of the fact that the late Justice Sir Asutosh Mookerjee, when Vice-Chancellor of Calcutta University, carried out for the plan, as the solution

children to earn from the earliest age, and always more than they would by working for money. To explain this very briefly, people producing things for their homes earn the distributor's profits and costs as well as the producer's wage.

This possibility that progress has opened up is spoken of as perhaps the brightest hope that has ever dawned on the social horizon. I leave it to the leader to ponder those words. It has been studied specially from the Indian point of view, and unanimously declared to be full of hopeful promise. AS EDUCATIONISTS, WE HAVE TO GIVE OUR MOST EARNEST ATTENTION TO THE FACT THAT PROGRESS HAS REMOVED THE DIFFICULTY THAT HAS HITHERTO STOOD IN THE WAY OF OUR ESTABLISHING THE SYSTEM OF EDUCATION THAT WE ALL KNOW IS INCOMPARABLY THE BEST, AND FURTHER COULD BE CHEAP OR EVEN SELF SUPPORTING.

We want to be practical in this domain. No one is much interested in theoretical sociological possibilities. Practical people will ask immediately why, if all this is true, their attention is being directed to a demonstration on the Osmania University premises, why they are not hearing of educational colonies being established everywhere.

But, in the first place, educational colonies cannot be established. They have to grow. The well-trained adolescents and trained teachers are essential elements in them, the steel frame of them. We shall have first to establish "United Communities"—as they are called in the United States bill —mutually co-operating colonies, and they will have to develop their educational side and so become educational colonies. There is a journey to travel to reach the goal, and the conservative minded people multiply every mole hill on the way into a mountain, and changes to be made into insuperable difficulties. That is always the case when something new and radically disturbing to old institutions, is first suggested.

Why then, as we all know this, are we not all acting on it?

Alas! we know the answer only too well. Whatever may have been the case in Plato's time, modern people could not generally employ the children in the right ways, keeping them at the right kinds of work to develop them, giving them the proper *variety* of "educative employment". The peasant, of course, and many craftsmen, can give it, but their training even, needs to be supplemented in important ways. As, however, every educationist knows, every plan to give educational employment in schools has been tried but in vain, for the reason that *children cannot work usefully except as helpers to competent workers;* we have therefore given it up. But Plato is right after all, our system leaves out the most valuable element and is a poor makeshift, and we realize it only too well.

Now why is an attempt being made in Hyderabad to do what hitherto has always failed?

The answer is that *this thing that was impossible in the past has become possible now owing to technical progress, so it has to be tried again.* Well trained adolescents can now be as good as adults in most branches of productive work, under modern conditions, with an astonishingly small proportion of adults as leading hands. We might, therefore, have educational colonies now in which the young would work during *childhood and adolescence.* The adolescents would be able to remain in the colony organization as long as necessary, because they would be able to earn useful products for their homes of greater value than the ordinary lad's wage would buy. The children in educational colonies helping the trained adolescents would soon be able to earn well in kind, the poorer the parents the greater. Thus would be the immediate advantage of the system to them. It would enable the

Proverbially there is nothing new under the sun. There are many to whom this demonstration will not be new, but we need sometimes to be reminded of old truths.

Plato of old told us that the best education for children was "association with their elders in their work". Throughout the ages, foremost educationists have endorsed the greatest and most important of all educational truths. There is nothing so good for children as good "educative employment".

How shall we best sum up what they have said on this subject? First, they have told us not to trouble ourselves so much about teaching the child, that what we have to do for him is to develop him. The adolescent, they always remind us, generally learns in a few weeks what the child takes many months to learn. Properly, then, lessons with the child should, in any case, occupy only a small part of the day, just to awaken faculties that are not so well awakened by work or play. In any case childhood is not the age of concentration, so that the longer hours will only bore the child, and not get him forward; they will sacrifice his development for no final gain. On the other hand, all insist on the truth that the normal child's greatest delight is in helping his elders do really constructive work. If this alternates with plenty of good play, and a moderate time for lessons, for a change, helping his elders brings out the child's best and most generous impulses, so is, the best moral education to begin with. The combination of good occupations can keep the child joyfully active for the whole day. We know perfectly well that a day in which good constructive work, good play and lessons would alternate, would make every normal child grow up strong, healthy, practical, alert, harmoniously developed, and above all, morally well disposed. A joyful busy day, but with proper intervals for really good relaxation, does every thing that is good for the child.

The Hyderabad Educational Colony

BY

Capt. J. W. Petavel, R. E. (Retd.),

Manager of the Colony.

By the desire of the Rt. Hon. Sir Akbar Hydari, an educational Colony has been established on the precincts of Osmania University, the object of which is to demonstrate certain very important principles in connection with the educational colonies plan.

The first thing to be demonstrated was that children may spend about half their school hours in good industrial work, making useful things for their homes, and yet show as good progress with their subjects as those who spend their whole time in class. Every educationist knows that there have been numerous instances tending to prove that, but people have still to be convinced that the principle is one we can apply generally, to the incalculable benefit of the children, as well as relief to poor parents.

To give the Colony a fair chance of giving its demonstration, Mr. Ahmed Hussain Khan, Divisional Inspector of Schools, Atraf-Balda, with the consent of the parents, gave us two classes of the Amberpet Primary School to demonstrate with. Any misgivings there might have been at first were removed when, a year after, the Inspector came with members of his staff and examined the boys. The following is from his report. " I was myself doubtful whether the teachers could do their work properly, as they would have only half a day to do what is done in a full day at ordinary schools. *After what I have seen now of the work done I am convinced that it is possible and I congratulate the teachers on the work turned out.* The objections raised by parents have also been withdrawn and what is more, students are now coming to the Colony from far off localities ".

Kanarese .... Miss K. E. Munson, Bangalore.
Chhattisgarhi dialect of Hindi .... E. W. Menzel.

These lists have been made up in connection with the adult education movement. There may be lists in other languages of which the writer is not aware.

In those areas where there is as yet no list the following plan might be suggestive. It has been found that the lists in various languages the world over show great similarity, as to the meanings of the words. A vernacular translation of the Basic English list or any other basic language list, would have considerable tentative value. Some changes of words would suggest themselves. For instance, the word "rice" is much more important in India than in England, and the word "snow" much more important in England than in India. If done with discretion and used with discretion such a list would have considerable value at least until the time a more carefully worked out list could be composed.

When a composition in Basic English is translated into another language the translation is also very simple. At present a small newspaper in Basic English for use among the semi-literates is being published by Miss Ruth Robinson through the Lucknow Publishing House. This paper is printed not for use among English speaking people but to supply source material for small papers or bulletins in various vernaculars. It has been found that by using source material in Basic English as a guide, very simple matter in the vernaculars can also be produced. There is no reason why writers should use a foreign language as a medium to express themselves in an Indian vernacular, but seeing there is not a list of the most important words extant in most of the vernaculars, a well worked out restricted-vocabulary language like Basic English can temporarily prove suggestive as to what words would go into a simple vernacular.

language areas. A restricted vocabulary in the vernacular as in Basic English and a common script used for all languages would do more for establishing linguistic contacts between language areas than probably anything else that could be done.

To the knowledge of the writer only three word counts have thus far been published, namely in Hindi, Urdu, and Marathi. All three of these word lists are included in the "Handbook for Primary School Teachers" by the Department of Education of Central Provinces and Berar. This Handbook is published by the Indian Press of Allahabad and Jubbulpore in the three languages mentioned above. The Hindi handbook contains the Hindi word list, the Urdu handbook the Urdu list and the Marathi handbook the Marathi list. The Hindi word list is also printed separately*. This edition of the list contains a lengthly introduction in English by J. C. Koenig telling just how the list was made up, the technique involved in its composition and use, and further information of value to those interested in making up a word list in their own vernacular.

In addition to these lists made up from counting the words in literature there are now several lists ready or in preparation made up from spoken language. A variety of methods were used to make up these lists which cannot be described in this short article. These lists are also of considerable value in making up literature for those of very limited education. The lists about which I have received information are the following: (the name of the person or organization responsible for the list is also given. For information about any list please address those responsible for the list directly;

Spoken Telugu	....	Andhra Christian College, Guntur.
Spoken Marathi	....	Wilson College, Bombay.
Punjabi	....	Forman Christian College, Lahore.

* *Teachers' and Authors' List of Four Thousand Important Hindi Words* by J. C. Koenig, Mission Press, Jubbulpore.

and papers are not fit for them and won't be until some attempt is made at vocabulary control. The excuse that people won't buy is only half the story. Of course, they won't buy when their impression of books and papers is that they are dry and rather unintelligible. It takes much reading of easy interesting matter to make books and papers look interesting.

A controlled vocabulary also sheds interesting light on the question of a lingua franca. It has recently been shown that if we use the thousand most familiar words in Hindi or Urdu, the words of both languages are 70 per cent indentical.* When we use the words which come in the list of second thousand of most frequently used words there is only 50 per indentity. In the list of the third thousand of more common words only 33 per cent correspond and in the fourth thousand only about 25 per cent. In other words, Hindi is very similar to Urdu when the most used Hindi words are used but dissimilar when the less commonly used words are used. The same is true as regards simpler Urdu being similar to Hindi. Did we have a basic Hindi and a basic Urdu we would find that there is really very little difference between these two languages but a pandit's and a maulvi's speech differ very greatly. Probably simple Urdu and Hindi can be understood in many dialect areas where at present there is much language trouble.

Those in dialect areas would quickly learn the main branch language if they were taught through a sort of basic Hindi or Urdu instead of the present dictionary fattening language. Since so many of the Indian vernaculars have branched off from Sanskrit, we may be sure that a basic language in each vernacular would permit a very rapid adjustment of the users of that vernacular to a closely related vernacular. Indian nationalism rightly sees the tremendous importance of establishing communication between the various

---

* *How much alike are Urdu and Hindi?* by E. W. Menzel, The Indian Journal of Education, November 1938.

It is not easy to watch the introduction of new words carefully enough without a list of the most used words of the language. A word-count list permits us to limit the number of words used and to practise the most familiar words first. Even profound literature can be produced with a very limited vocabulary. Basic English employs from 850 to 1000 different words and yet can say a good part of the things that are said when roaming over the whole dictionary. A working acquaintance with Basic English is very valuable for anyone interested in vocabulary control. The "Times of India" book on Basic which sells for Re. 1/- is quite helpful.

A child or illiterate is somewhat in the same position in regard to unfamiliar words of the mother tongue as is a more educated person who knows little English but has to read English. As Basic English enables a person who knows comparatively little English to be able quickly to read and understand what is written in Basic, so a controlled vocabulary in the mother tongue enables those with but little education to read much that is now reserved exclusively for the well educated. Through reading quickly and easily one gets that foundational skill which makes the difference between one who is reading only "words, words, words" and one who is reading exciting news or a thrilling story....Why should a poor reader read ? He gets no thrill out of it. No wonder newspapers and magazines have such small subscription lists and books sell in such limited quantity! It is not only the poverty of the masses which retards sale but the inadequacy of the reading skill of many people to read the only kind of literature available. Four-fifths of all so-called literate people in India have only a primary school education or less. Only 2 per cent of the literate population has a high school education. Yet almost all the literature is made for college, high school, or at the least middle school graduates. Little or nothing is made for 90 per cent of those who have barely learned to read in which class nearly all those who have not finished the middle school belong. The present books

word through the context, but we can do this only if the number of unknown words is a small one. It has been found that most people get pleasure and meaning out of reading matter only when not more than one word in 30 is unfamiliar or only partially familiar to them. When the number of unfamiliar words is greater than this, interest lags, the reading matter appears dry to the reader, and the book will not be read excepting under compulsion. Who wants to read what he only half understands?

Let us look at many of our school books. The pupil knows only four in five instead of 29 out of 30 words. He gets the impression that reading is painful and makes one sleepy. The experience he should be getting is that reading is pleasurable, stimulating, and very useful.

The teacher who thinks that one teaches pupils to read difficult matter by giving them plenty of difficult matter to read has a wrong psychology. Only a few people, those with exceptional ambition and will power continue to read that which is difficult or seems dry to them. Reading should be so easy that the mechanics of reading disturb us little, thus setting us free to become absorbed in the material we are reading rather than in the bold mechanics of reading. Much difficult reading creates a distaste, while reading that which absorbs the whole attention creates taste for reading. One can gradually and painlessly increase one's reading vocabulary tremendously through reading much easy matter. Establish the reading habit and the vocabulary increases of itself. Difficult reading becomes easy where the habit has been carefully nurtured through the reading of interesting material in which there is not too much of the unknown.

Modern reading books are based on the assumption that it is most important to get the pupil read quickly and easily enough, so that reading becomes a pleasure. Therefore new words are introduced very slowly but systematically.

Vocabulary Studies in Indian Vernaculars

BY

Rev. E. W. Menzel, Bisrampur, C. P.

Indian students do notoriously little reading for their own pleasure. This is a most deplorable situation because 75 per cent of the benefit of reading is in reading the things we are not forced to read but read for pleasure, intellectual curiosity, or a desire to keep abreast of what is happening in the world. The most valuable thing to be taught through teaching reading is the habit of regular reading. The ability to read is worth little without the reading habit.

Why don't people read more? Lack of literature is only a partial reason. Did people actually want to read we may be sure there would be appropriate literature available. A genuine demand will soon result in a supply. In the great majority of cases those who claim they can read but don't, do not read because they cannot read well enough to get real pleasure out of it. It is one thing to be able to read a paragraph orally without making a mistake in pronunciation and another to know what is in the paragraph one has just read. Many read only "words, words, words" and not connected meaningful sentences and paragraphs.

Thousands upon thousands of pupils graduate from primary or even middle and high schools each year who hardly look at a book or newspaper after they leave school. One need only look at some of the books used in school to see the reason why. In most of the school books the pupil does not know the meaning of one in five words. Most words have several meanings and it takes thorough familiarity with the word to choose the meaning needed in the particular context. The context is the key to the meaning of most of the words in the sentence. We can often guess the meaning of a new

The Hyderabad Teacher

CONTENTS

The Hyderabad Teacher

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief*. They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	12	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
Full page ...	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page ...	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page ...	3	0	0	1	12	0	1	0	0
Per line ...	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address.—

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

Vol. XV No. 1

THE HYDERABAD TEACHER

JULY—SEPTEMBER 1940

Quarterly Magazine of the All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSSAIN JAFERI, Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1940.

جلد ۱۴ شمارہ ۴

زیر سرپرستی جناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب) مدیر مسئول۔ عبدالنور صدیقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

سعید الدین خاں بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ) ملا فخر الحسن بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

حیدرآباد ٹیچر

بابت خورداد لغایتہ امرداد ۱۳۴۹ف

فہرست مضامین

جلد ۱۴ — شمارہ ۴

۴

رموز اوقاف کی تدریس

از ملا سید فخر الحسن صاحب بی اے ؛ بی۔ ٹی لکچرار ٹریننگ کالج بلدہ

بچے اکثر مذاق میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

میں نے چڑیا کو پڑھتے دیکھا۔

اور کبھی پوچھتے ہیں۔

بھئی کیا تم نے کبھی ہاتھی کو لکھتے دیکھا ہے؟

ان جملوں کو اور اسی قسم کے جملوں کو سن کر سننے والے لڑکے حیران ہو جاتے ہیں اور عموماً جواب نفی میں دیتے ہیں حالانکہ انھوں نے بارہا پڑھتے پڑھتے نظر اٹھا کر دیکھا ہوگا کہ کوئی چڑیا پھر سے اِدھر سے اُدھر اُڑ گئی یا لکھتے لکھتے سر جو اُٹھا کر دیکھا تو سامنے سڑک پر ہاتھی جھومتا ہوا جا رہا ہے۔ اس مغالطہ کا سبب یہ ہے کہ جو لفظ پڑھنے اور لکھنے کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں وہ چڑیا اور ہاتھی کے متصل آ گئے ہیں حالانکہ ان کو "میں" اور "تم" کے قریب ہونا چاہئے کیونکہ ان ہی لفظوں کی حالت ظاہر کی جا رہی ہے یعنی حال ذوالحال سے منفصل ہو کر غیر ذوالحال سے متعلق نظر آتا ہے۔

یہی مغالطہ فاؤلر نے اپنی استقرائی منطق میں پیش کیا ہے۔ لکھا ہے۔ "ایک لیڈی نے ایک کچھوے کو ڈونگے میں دریا پار کرتے ہوئے دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈونگے میں لیڈی صاحبہ بیٹھی دریا پار کر رہی تھیں جبکہ ایک کچھوے نے پانی سے سر نکالا اور لیڈی صاحبہ کے نظر پڑا۔ مگر اس جملہ سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیڈی کہیں کھڑی تھیں کہ اُن کی نظر ایک کچھوے پر پڑی جو ڈونگے میں بیٹھا ندی پار کر رہا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ راوی کا مقصود یہاں یہ نہیں ہے۔ پھر بھی سننے والا حیرت کے بھنور میں چکر کھانے لگتا ہے۔

بات چیت میں آواز کے چڑھاؤ اُتار سے کسی حد تک مغالطہ کو رفع کیا جاسکتا ہے

بشرطیکہ مقصد یہ ہو کہ مخاطب مغالطہ سے پریشاں نہ ہونے پائے۔ مگر تحریر میں آواز کا چڑھاؤ اُتار یعنی تغیرِ لحن اور تاکید وغیرہ مفقود ہوتی ہے۔ اس لئے جب ہم چاہتے ہیں کہ جملوں میں کسی قسم کا ابہام نہ پیدا ہو تو غیر متعلق لفظوں میں فصل ڈال دیتے ہیں اور متعلق لفظوں کو وصل دیتے ہیں۔ اس وصل اور فصل کا کام رموز اوقاف سے لیا جاتا ہے۔

پس رموز اوقاف وہ علامتیں ہیں جن سے ہم لفظوں کو الگ کرتے اور ملاتے ہیں تاکہ ہمارا مفہوم بغیر التباس و ابہام کے سننے والے کی سمجھ میں آجائے چنانچہ ہم اگر اوپر کے جملوں کو اس طرح لکھیں ؟

میں نے چڑیا کو، لکھتے ہوے دیکھا۔

کیا تم نے کبھی ہاتھی کو، پڑھتے ہوئے دیکھا ہے ؟

ایک لیڈی نے ایک کچھوے کو، ڈونگے میں دریا پار کرتے ہوے دیکھا تو لکھنے کا فعل چڑیا سے اور پڑھنے کا فعل ہاتھی سے اور ڈونگے میں دریا پار کرنے کا فعل کچھوے سے متعلق کرنے کے امکانات بمنزلہ صفر رہ جائیں گے۔

جو علامت اُوپر دی گئی ہے وہ کاما یا نیم وقفہ کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ چند اور علامتیں اس غرض کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ اردو میں اس طرح کی ۹ علامتیں یا رموز اوقاف ہیں۔

(۱) کاما یا نیم وقفہ۔
(۲) وقفہ۔
(۳) کولن۔
(۴) آدھا کولن۔
(۵) علامت استفہام۔
(۶) علامت تعجب۔
(۷) واوین۔

(۸) قوسین۔

(۹) خط۔

اِن علامتوں کے مقاصد اور محل استعمال جدا جدا ہیں اور یہ معلمِ اُردو کا کام ہے کہ وہ بچوں کو ان میں سے ہر ایک کے محل استعمال سے بخوبی آگاہ کرے اور مشقیں کرا کے پختہ کار بنائے۔

اب فرض کیجیۓ کہ کاما کے محل استعمال کی تدریس کرنی ہے۔ سب سے پہلے مدرس کو چاہیۓ کہ وہ عام استعمال کی چند مثالیں تختہ سیاہ پر پیش کرے۔ مثلاً

زید، بکر اور خالد آئے۔

وہ آیا، اس نے دیکھا اور فتح کیا۔

روپیہ، میرے دوستو، جان سے زیادہ عزیز ہے۔

اِن جملوں کو پیش کر کے بچوں سے کاما کا محل استعمال اخذ کرایا جائے کہ

"کاما وہ رموزِ اوقاف ہے جو چھوٹا سا فصل ظاہر کرنے کے لئے لاتے ہیں"۔

جب قاعدہ ذہن نشیں ہو جائے تب مشقیں دی جائیں تاکہ کاما کے استعمال کے موقع پر کاما استعمال کرنے کی عادت پڑ جائے۔

مشقیں۔ جہاں جہاں کاما کی ضرورت ہے وہاں کاما بناؤ۔

(۱) وہ نیک فیاض اور بہادر تھا

(۲) موہن تم کیا کر رہے ہو

(۳) یہ اُس آدمی کی کتاب ہے جو کل آیا تھا

(۴) شہر کے مرد عورت بوڑھے بچے اور جوان سب موجود تھے۔

(۵) نکلے اک دم گھروں سے چوہے
کالے پیلے سفید بھورے

اوپر جو اُصول ذہن نشین کرانے کا طریقہ بتایا گیا ہے وہ کاما کے خاص محل استعمال سے

متعلق ہے۔ اسی طرح دوسرے مواقع استعمال ذہن نشین کرائے جا سکتے ہیں۔ اب اسی طریقہ کو ہر بارئی طریقہ پر ترتیب دینا ہو تو یوں ترتیب دیں گے۔

اشارات سبق

سبق۔ کاما

وقت۔ ۱۵۔م

مدعا۔ لفظوں کو الگ کر کے ابہام رفع کرنا اور مفہوم واضح طور سے ذہن نشین کرنا

اقدام	مواد و طریقہ تعلیم	تحریر تختہ سیاہ
تمہید	مندرجہ حاشیہ جملے تختہ سیاہ پر لکھے جائیں گے اور بچوں پر یہ واضح کیا جائے گا کہ جملوں کے معنی مبہم ہیں اور ان کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا	یہ جملے لکھے جائیں۔ (۱) میں نے چڑیا کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (۲) کیا تم نے کبھی ہاتھی کو لکھتے دیکھا ہے؟ (۳) ایک لیڈی نے ایک کچھوے کو ڈونگے میں دریا پار کرتے دیکھا۔
استحضار	اب مدرس ان جملوں کو تختہ سیاہ پر لکھے بچے پوچھنے پر بتائیں گے کہ اُن کا مطلب واضح ہے پھر مدرس یہ اخذ کرے کہ ایک علامت یا کاما لگانے سے مفہوم واضح ہوا ہے۔ اس کے بعد کاما کے محل استعمال اخذ کرائے کہ (۱) کاما اسموں، فعلوں اور صفتوں کو الگ کرنے کے لئے آتا ہے۔ (۲) منادے کے بعد آتا ہے۔	مثالیں: (۱) زید، بکر اور خالد آئے۔ (۲) وہ آیا، اُس نے دیکھا اور فتح کیا۔ (۳) روپیہ، میرے دوستو، جان سے زیادہ عزیز ہے۔ (۴) میں نے، چڑیا کو، پڑھتے ہوئے دیکھا۔

	(۳) حال کو غیر ذوالحال سے الگ کرنے کے لئے آتا ہے۔
تعمیم	اس منزل میں مدرس کلیہ اخذ کرائے اور تختۂ سیاہ پر لکھے۔
انطباق مشقیں	کا ما لگاؤ:۔ (۱) وہ نیک فیاض اور بہادر تھا۔ (۲) موہن تم کیا کر رہے ہو؟ (۳) یہ اس آدمی کی کتاب ہے جو کل آیا تھا۔ (۴) شہر کے مرد عورت بوڑھے بچے اور جوان سب موجود تھے۔ (۵) نکلے اکدم گھروں سے چوہے کالے پیلے سفید بھورے۔

اُوپر کا سبق ہربارٹی طریقہ پر کاما کے بعض مخصوص محل استعمال پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اب ہم مختلف رموز اوقاف کے مخصوص محل استعمال کی تدریس کے لئے جس قسم کا مواد اور طریقۂ تعلیم اختیار کرنا چاہئے وہ اکٹھا لکھ دیتے ہیں۔ مدرس اُن کو پھیلا کر ہربارٹی طریقہ تام کے سانچہ میں ڈھال لیں اور اپنی تدریس کو موثر و کامیاب بنائیں۔

عنوان سبق	مثالیں اور کلیے	طریقہ تعلیم
وقفہ	(۱) تندرستی ہزار نعمت ہے (۲) راستی آدمیت کی جان ہے (۳) بی اے، پی ایچ ڈی۔	ان جملوں کو تختۂ سیاہ پر لکھئے اور مثالوں پر غور کر کے طلبہ سے کلیہ اخذ کرائے۔ بچوں سے اور مخففات پوچھئے۔

	کلیہ: وقفہ جملے کے آخر میں اور مُخففات کے بعد لاتے ہیں۔	جہاں وقفہ کا نشان آتا ہے۔ کتاب میں وقفہ کی علامت پر توجہ دلائے۔
علامت سوال یا استفہام	(۱) یاد ہیں وہ دن بھی تم کو یا نہیں ؟ (۲) کیا کیا خضر نے سکندر سے ؟ (۳) یہ چھوٹے بڑے، آقا خدمت گار کا فرق کیوں باقی ہے۔ ؟ کلیہ: استفہام کی علامت (؟) سوال کے بعد لگائی جاتی ہے۔	جملوں کو پڑھوائے اور مشترک چیز دریافت کرنے کے بعد تختہ سیاہ پر بڑا سا سوال کا نشان بنائے۔
علامت تعجب	(۱) عبث یہ اُو ستم ایجاد کیوں غضب توڑا ! (۲) شاباش لڑکے شاباش ! (۳) اے خدا ! رحم کر۔ کلیہ: علامت تعجب (!) ایسے لفظوں اور جملوں کے بعد استعمال کرتے ہیں جو تعجب یا دلی جذبات ظاہر کرتے ہیں۔	پہلے جملوں کو پڑھوائے اور پوچھے کہ یہ جملے معنی کے لحاظ سے کس قسم کے ہیں اور ان میں کیا بات ظاہر کی گئی ہے۔ پھر پوچھے کہ کونسی چیز سب جملوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد تختہ سیاہ پر بڑا سا نشان تعجب کا بنائے۔
کولن اور خط اور واوین	(۱) کسی نے خوب کہا ہے:— "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" (۲) خدا فرماتا ہے:— "پاک رہو کیونکہ خدا پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے" (۳) صفت عددی ایک کبھی تنکیر کے لئے آتا ہے: "کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا"	مدرس بتائے شاباش، عبث وغیرہ کو فجائیہ کہتے ہیں۔ فجائیہ کے معنی بھی بتانا چاہئے۔ مدرس ان جملوں کو تختہ سیاہ پر لکھکر ان کا مقابلہ کرائے۔ اور یہ ذہن نشین کرے کہ خط اور کولن کے بعد کوئی مقولہ یا کلیہ لکھا جاتا ہے۔ اور

	کلیہ: کولن اور خط (:—) کسی مقولہ یا کلیہ کے پہلے آتے ہیں۔ مقولہ یا کلیہ کے دونوں طرف داویں (" ") آتے ہیں۔	یہ بھی ذہن نشین کرائے کہ مقولہ اور کلیہ داویں کے دونوں طرف آتا ہے۔
آدھا کولن	سرکار ہند نے اب خاص طور پر زراعت کی طرف توجہ کرنی شروع کی ہے؛ ملک میں جا بجا اعلیٰ پیمانے پر زراعتی کالج اور مدارس سرکاری اہتمام سے قائم ہو رہے ہیں؛ اچھی تنخواہوں پر ماہرین زراعت مامور ہو رہے ہیں؛ نئے آلات کشاورزی، نئی نئی کھادیں اور بہتر سے بہتر تخم فراہم کئے جا رہے ہیں اور ان کو رواج دینے کی تدبیریں کی جارہی ہیں۔ کلیہ: آدھا کولن اس وقت لاتے ہیں جب زیادہ وقفہ دینا منظور ہو۔	وقفہ اور آدھا کولن کے استعمال کا فرق واضح کیجئے۔ تختۂ سیاہ پر بڑا سا آدھا کولن کا نشان بنائے۔

یہ مختصر سا خاکہ جو اوپر دیا گیا ہے وہ مدرسین کی رہنمائی کے لئے ہے۔ اس میں رموز اوقاف کے مخصوص محل استعمال کو ذہن نشین کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے لیکن مدرس حسب ضرورت، دوسرے استعمال واضح و ذہن نشین کرنے کے لئے نئی مثالیں لے کر کلیہ قائم کرا سکتا ہے۔ جب رموز اوقاف کا استعمال ذہن نشین ہو جائے تو تختۂ سیاہ پر ہر ایک کا محل استعمال لکھ دیا جائے تاکہ ارتسامات پختہ ہو جائیں۔

رموز اوقاف (تحریر تختۂ سیاہ)

(۱) کاما چھوٹے وقفے ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے (،)

(۲) وقفہ جملے کے آخر میں اور مخففات کے بعد لاتے ہیں (۔)

(۳) علامت استفہام سوال کے بعد لگائی جاتی ہے (؟)

(۴) علامت تعجب ایسے لفظوں اور جملوں کے بعد استعمال کرتے ہیں جو تعجب یا دلی جذبات ظاہر کرتے ہیں (!)

(۵) کولن، خط اور واوین عموماً ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ کولن اور خط مقولہ یا کلیہ کے پہلے اور واوین کلیہ کے دونوں طرف آتے ہیں (:۔ " ")

(٦) آدھا کولن اس وقت لاتے ہیں جب زیادہ وقفہ دینا منظور رہو۔

ان سب اقدام سے زیادہ اہم انطباق یا مشقوں کا قدم ہے مشق جتنی زیادہ ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ اس سے کلیہ اور محل استعمال دماغ میں جانشیں ہو جاتا ہے۔ اب ہم رموز اوقاف میں سے ہر ایک کے دل نشیں کرنے کے لئے چند موزوں مثالیں دیتے ہیں مدرسین اس قسم کی بے شمار مثالیں کتب درسی میں سے فراہم کرکے اپنے سبق کو جاندار اور موثر بنا سکتے ہیں۔

مشقیں

کاما:۔

(۱) اتحاد ثلاثہ میں جرمنی آسٹریا اٹلی کے ممالک شامل تھے۔

(۲) خدایا رحم کر جاں لب پر آئی۔

(۳) اے چشمۂ آب زندگانی گھٹیو نہ کبھی تیری روانی

(۴) ساون کا مہینہ ختم ہوا بھادوں لگا جھڑیوں کا زمانہ گیا بھوار کا زمانہ آیا دلی والوں کے دلوں میں پھر گدگدی شروع ہوئی قطب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا پھول والوں کے سیر کی سوجھی۔

وقفہ:۔

(۱) مصیبت میں رنج کرنا عبودیت کی شان نہیں۔

(۲) سفر کرنا چھوٹوں کی تعلیم کا اور بڑوں کے تجربہ کا ایک ذریعہ ہے۔
(۳) حق مغفرت کرے عجیب آزاد مرد تھا۔
(۴) ڈی سی ایل، ایم اے، ایم آر اے ایس

علامت استفہام:۔

(۱) کون سنتا ہے فغانِ درویش
(۲) صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانہ میں۔
(۳) یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا۔
(۴) میں کہاں جا کر رہوں۔

علامت تعجب

(۱) اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر۔
(۲) اُجاڑا موسم گل ہی میں آشیاں میرا
الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پر آسمان صیاد
(۳) ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
(۴) آہ وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

کولن، خط اور دادیں

(۱) سقراط کا یہ مشہور قول ہے حاجت نہ ہونا خدائی صفت ہے حاجت کا جہاں تک ممکن ہو کم ہونا خدا سے قریب ہونے کی دلیل ہے۔
(۲) اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا مجھے بڑی دیر ہو گئی ہے۔
(۳) پھر اُٹھ کے اور دو زانو ہو کے وہ بولی اور رحم کے فرشتے سن ایک عرض میری
(۴) یہاں پہونچ کر چوکیدار خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد بولا یہ ہے اسی کی ساری داستاں

آدھا کولن۔

(۱) ہر ایک طریقہ اختیار کرنے سے پیشتر اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

علم کے بعد اس کے عمل کی مشق واجب ہے ہر ایک شخص انہیں طریقوں سے کسی نہ کسی طرح کا علم و عمل سیکھتا اور دولت کماتا ہے

(۲) سیزر کو مجھ سے محبت تھی اس لئے آنسو بہاتا ہوں اس کی قسمت نارسا تھی اس لئے خوش ہو رہا ہوں اس کے حوصلے بلند تھے اس لئے میں نے اس کو قتل کیا۔ پس اس کی محبت کے لئے میری آنکھوں میں آنسو ہیں اس کی بدقسمتی کے باعث خوشی ہے اس کی جواں مردی کے باعث عزت ہے اور حوصلوں کے باعث موت۔

یہ مشقیں صرف نمونے کے لئے دی گئی ہیں مزید مشقوں کے لئے قواعد اردو حصہ دوم یا سوم کے باب رموز اوقاف سے مدد لینی چاہئے۔

اس قسم کی مشقوں کے علاوہ رموز اوقاف ذہن نشیں کرنے کے لئے املا نویسی بھی بہت مفید چیز ہے۔ اگر املا نویسی کے ذریعہ رموز اوقاف کی مشق کرانی مقصود ہو تو طریقہ تدریس یہ ہوگا۔

(۱) پہلے اصول مثالوں کے معائنہ اور مقابلہ سے واضح کیا جائے۔

(۲) اس کے بعد ایسی عبارت املا کرائی جائے جس میں کسی خاص علامت کے استعمال کے متعدد موقعے آئیں۔

(۳) مگر یہ ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ ایک وقت میں ایک ہی اصول ذہن نشیں کرنے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً صرف کاما کے استعمال کی مشق کرائی جائے یا آدھا کولن یا وقفہ کے استعمال کی۔ ورنہ بچوں کے انتشار خاطر کا موجب ہوگا اور نتیجہ خاطر خواہ مترتب ہوگا۔

مثلاً کاما کا استعمال ذہن نشین کرنے کے لئے بجائے دئے ہوئے جملوں کے یہ عبارت املا کرائی جائے تو مفید ہوگا۔ اس موقع پر املا لکھانے کے قاعدوں پر عمل کرنا چاہئے۔

"انھیں تماشوں میں تمہیں شام ہو جائے گی اور غروب آفتاب کا عالم دیکھ کر تم سر دھننے لگو گے کیونکہ یہ وقت بھی یہاں نہایت ہی نشاط انگیز ہوتا ہے۔ ادھر آفتاب سر کوہ کی طرف

جھکا اور اُفقِ مغرب میں آگ لگی ہلکتی ہوئی سنہری کرنوں
سے تمام جنگل گلزار اور روشن ہوگیا تیتریاں اڑنے لگیں
ہوائے سرد کے جھونکے چلنے لگے بلند نشیں وتنہائی پسند
طیور آشیانوں میں آ بیٹھے شفق پھولنی شروع ہوئی
ابابیلیں اُڑنے لگیں آفتاب غروب ہوگیا۔ اب گھاس
نم ہونے لگی پھول سرنگوں ہوگئے تاریکی پھیلنے لگی
چڑیاں چپ ہوگئیں اور چاروں طرف اندھیرا اور سناٹا
ہوگیا گہرے گہرے غار تاریک ہوگئے اور ویران بلندیوں
پر ہولناک سکوت چھا گیا۔"

ان طریقوں سے مجھے توقع ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں بچے رموز او قاف
کے نکات سے بخوبی واقف ہوجائیں گے اور انکی تحریر واضح، روشن اور ایہام والتباس
سے محفوظ ہوجائے گی۔

نصاب تعلیم میں اُردو کی اہمیت

از
مولوی سید محمد صاحب ایم۔ اے لکچرار سٹی کالج بلدہ

آپ سب حضرات ضرور اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ ہماری زبان اُردو کوئی اجنبی اور غیر ملکی زبان نہیں ہے۔ یہ سرزمین ہند میں پیدا ہوئی اور یہیں نشو و نما پائی جب عربی و فارسی بولنے والی قومیں ہندوستان میں آکر بس گئیں اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ ان کا تمدنی اور معاشرتی اتحاد قائم ہوا تو بالکل قدرتی طور پر اور بغیر کسی خاص شخص یا جماعت کی کوشش کے یہ زبان وجود میں آئی اور ہندو مسلم اتحاد کی پہلی نشانی کے طور پر ظاہر ہوئی۔ اگرچہ اس کا رسم الخط فارسی ہے مگر اس میں عربی فارسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی تقریباً تمام صوبجاتی زبانوں کے الفاظ بکثرت داخل ہیں۔ علاوہ ازیں بعض بیرونی زبانوں کے الفاظ بھی بقدر ضرورت اس میں شامل ہیں۔ یہ سب الفاظ گھل مل کر اور اردو کی خراد پر چڑھکر اس قدر شستہ اور سلیس بن گئے ہیں کہ ہر شخص کی زبان سے نہایت بے تکلفی اور آسانی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ اپنی بناوٹ اور قواعد کی سادگی اور لوچ کے اعتبار سے یہ ہر قسم کے علمی اور سائنٹفک مضامین کے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس زبان کے ادب کی عمارت بھی ہندو مسلمانوں نے مل کر تعمیر کی ہے اور دونوں فریق نے اپنے اپنے مذاق کے موافق اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔

ہماری ریاست ابد مدت حیدرآباد میں تو اردو کو ایک خاص امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہ نہ صرف یہاں کی ایک بڑی ملکی زبان ہے بلکہ مشترکہ کاروباری۔ سرکاری اور اعلیٰ تعلیمی زبان بھی ہے۔ ریاست کے تمام سیاسی۔ عدالتی۔ اور انتظامی کاروبار اردو ہی میں انجام

یہ تقریر انجمن اساتذہ مستقر بلدہ کی دسویں سالانہ کانفرنس میں کی گئی۔

پاتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ اور اس کے ماتحت کالجوں اور مدرسوں میں جمیع علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم اسی زبان میں دی جاتی ہے۔ دارالترجمہ نے ہر قسم کی علمی اصطلاحوں کے تراجم شائع کر کے نہ صرف اُردو کے ذخیرہ الفاظ میں بیش قیمت اضافہ کر دیا ہے بلکہ تصنیف و تالیف میں بھی بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں آج حیدرآباد سے جس کثرت سے علمی کتابیں شائع ہو رہی ہیں ہندوستان کا کوئی صوبہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جس طرح مشرقی تہذیب و تمدن میں حیدرآباد کو بہ ہمہ وجوہ برتری حاصل ہے، زبان و ادب کے مقابلے میں بھی سب کی نگاہیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور جس طرح زمانہ قدیم میں دکن کو اردو کی سرپرستی اور اس زبان میں شعر و شاعری علمی و ادبی تصنیف و تالیف میں سارے ہندوستان کی قیادت کرنے کا فخر حاصل رہا ہے اس کا شاندار مستقبل بھی اسی سے وابستہ ہے۔

حیدرآباد میں اُردو کے اس اعلیٰ موقف کے مدِ نظر ہمارے نصاب تعلیم میں اس کی جیسی کچھ اہمیت ہونی چاہیئے وہ بجائے خود ظاہر ہے۔ جب اردو ہمارے ملک میں ابتدائی سے لے کر اعلیٰ درجے تک ذریعہ تعلیم ہے۔ جب وہ ریاست کی علمی اور سرکاری زبان ہے اور ہمیں اس میں اظہار خیال کرنا ہو تو اس کی تعلیم ایسے طریقے پر ہونی چاہیئے کہ ہمارے طلبہ اس کی اہمیت کو کماحقہ محسوس کریں اور اس میں تحریر و تقریر کی مہارت تامہ بہم پہونچائیں۔

اگرچہ اردو ادب کی تعلیم ابتدائی جماعت سے لے کر فوقانی جماعتوں تک تمام مدارس عثمانیہ میں لازمی ہے لیکن اس مضمون کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بدقسمتی سے عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ اس مضمون میں کامیابی حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہیں سرسری مطالعہ سے بھی کامیابی کے نشانات حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس کے برخلاف طلبہ میں ایک محدود جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ان کے لئے کسی طرح اجنبی اور انگریزی کی طرح نئی زبان نہیں۔ یہ جماعت اُردو کو مشکل سمجھتی ہے۔ ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ طالب علم افتاں وخیزاں

امتحان کے منازل سے گزر جاتے ہیں لیکن ان میں اردو میں تحریر و تقریر پر ذرا بھی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ نہ وہ کامیابی کے ساتھ کوئی سیدھا سادہ مضمون لکھ سکتے ہیں نہ ان میں کسی موضوع پر جس کا وہ اچھی طرح مطالعہ کر چکے ہیں اظہار خیال کرنا ہی آتا ہے۔ ان میں اُردو زبان و ادب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

انگریزی غیر ملک اور غیر قوم کی زبان ہے۔ ہمیں دن رات اس سے سابقہ نہیں پڑتا۔ ہمارا مطالعہ انگریزی محدود اور ہمارا ماحول انگریزی سے بالکل جداگانہ ہے۔ اگر ہم اس زبان میں تحریر و تقریر کی اعلیٰ مہارت بہم نہ پہنچا سکیں تو بہت زیادہ قابل اعتراض نہیں لیکن اردو میں اظہار خیال سے عاجز رہنا اور باوجود دن رات کے سابقے کے اردو میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھنا بہت ہی افسوس ناک اور قابل تعجب ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے طلبہ ہی نہیں بلکہ اور لوگ بھی کس طرح انگریزی کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور عام طور پر اس بارے میں کیا ذہنیت ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں انگریزی زبان کو محنت اور توجہ سے نہیں سیکھنا چاہئے۔ ہم کو اس قابل بننا چاہیئے کہ انگریزی کی کتابوں سے کماحقہ استفادہ کر سکیں انگریزی میں نوشت وخواند اور بول چال کی مہارت پیدا کریں۔ لیکن کوئی شخص ہم سے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ انگریزی کے بلند پایہ ادیبوں اور انشا پردازوں کی برابری بھی کریں۔ اس کے برخلاف اردو ہماری زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہمیں اپنی زندگی میں انگریزی سے بہت زیادہ اسی زبان میں کام لینا ہے۔ اردو میں تقریر و تحریر کی صلاحیت کے بغیر نہ ملازمت میں ترقی کر سکتے ہیں نہ کاروبار ہی میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ وکالت خطابت اور صحافت میں ہم اسی زبان کی مہارت کے ذریعہ چمک سکتے ہیں۔ ہمیں اسی میں تصنیف و تالیف کا کام کرنا ہے اور اسی کے ذریعہ ہم دنیا کی اور قوموں کے مقابلے میں اپنی جداگانہ قومیت اور اپنے وجود کو ثابت و برقرار رکھ سکتے ہیں۔

اسی چیز کو ملحوظ رکھ کر جامعہ عثمانیہ کے تاسیس کے لئے پیش گاہ ہمایونی میں نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر نے (جو اس وقت معتمد تعلیمات تھے) جو عرض داشت

پیش کی تھی اس میں بتایا تھا کہ :-

"موجودہ طریقہ تعلیم کی دورنگی اور بے اصولی کو مٹانے اور اُن خطرناک اور تباہ کن نقائص کو رفع کرنے کے لئے جو موجودہ طریقہ تعلیم نے پیدا کئے ہیں اور جو گھن کی طرح ہمارے نظام تمدن و معاشرت ۔ قوائے دماغی و جسمانی کو اندر ہی اندر کھائے چلے جارہے ہیں ہمیں ایک جدید یونیورسٹی کی ضرورت ہے جس کی بنیاد صحیح اصولِ تعلیم ملکی ضروریات اور قومی خصائص پر قائم ہو جس میں قدیم و جدید دونوں طریقوں کی خوبیوں سے فائدہ اٹھایا جائے، جو تعلیمی بھی ہو اور امتحانی بھی اور ساتھ ہی تالیف و ترجمہ کا کام بھی کرے اور جو تربیتِ ذہن اور تحصیلِ علوم دونوں کے لئے اپنی ہی زبان یعنے اردو کو کام میں لائے"

چنانچہ بارگاہ سلطان العلوم سے جو فرمان عطوفت نشان اس سلسلے میں شرف صدور لایا اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"مجھے بھی عرض داشت اور یادداشت کی مصرحہ رائے سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ کے لئے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمی اور دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجے کی

تحقیق کا کام بھی جاری رہے۔

اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دیا جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے۔"

اس فرمان واجب الاذعان سے ہمارے نصاب تعلیم میں اردو کی اہمیت اور انگریزی کی حیثیت دونوں واضح طور پر ظاہر ہے اور اس مبارک جامعہ کے قیام سے جو ملک کی ضروریات اور قومی خصائص کو کماحقہٗ ملحوظ رکھ کر قائم کی گئی ہمارے ملک کو جو حیرت انگیز ذہنی اور علمی ترقی حاصل ہوئی ہے وہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ جس سے کوئی شخص بھی انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم میں اردو کی طرف جیسی چاہئے توجہ کی جائے اور اس کو وہ اہمیت دی جائے جس کی وہ مستحق ہے تو میں یہ عرض کرسکتا ہوں کہ ہماری رفتار ترقی اس سے دوچند بلکہ سہ چند ہوجائے گی اور آج کے طلبہ میں سے کل بہت سے ایسے ہند و مولف، پیدا ہوں گے جو نہ صرف اردو زبان کے لئے موجب افتخار ہوں گے بلکہ جن پر سارا ملک بجا طور پر فخر کرسکے گا۔

میں اس موقع پر اردو کی موجودہ نصابی کتابوں پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ صرف مختصر طور پر ان چیزوں کا ذکر کروں گا جو اردو کی تعلیم میں اصلاح و ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے ہمارے نصاب تعلیم میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ انگریزی۔ ریاضی۔ سائنس اور تاریخ جغرافیہ، ان مضامین کو ہماری تعلیم میں جو اہمیت حاصل ہے اردو کو اس کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دیگر نصابی مضامین کا انتظام کرنے کے بعد جو اساتذہ بچ رہتے ہیں ان میں اردو کی تعلیم کے گھنٹے تقسیم کردئے جاتے ہیں۔ بعض مدارس میں تو عربی فارسی اور اردو تینوں کی تعلیم ایک ہی مدرس کے تفویض ہوتی ہے۔ جس طرح اور مضامین کی

تعلیم میں خاص اہلیت اور اختصاص و امتیاز کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اردو کی تعلیم میں اس کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی تعلیم میں کسی قسم کی جدت کو دخل نہیں ہے۔ زبانوں کی تعلیم دینے کے لئے ماہرین فن تعلیم نے جو نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں اور جن میں سے بعض طریقے انگریزی وغیرہ کی تعلیم میں ہمارے مدارس میں بھی رائج ہیں ان میں سے کوئی بھی اردو کی تعلیم میں اختیار نہیں کیا گیا۔ ریڈروں میں دئے ہوئے اسباق کو پڑھا دینا الفاظ کے معانی اور اشعار کے مطالب بتا دینا ہی اُردو پڑھانے والے استاد کا کام سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ چیزیں زبان کی تعلیم کا جزو ہیں لیکن محض اس پر اکتفا کرنے سے کوئی طالب علم زبان میں ترقی نہیں کرسکتا اور نہ اس زبان کے ادب سے ان میں دلچسپی پیدا ہوسکتی ہے۔ جو نئے الفاظ اور محاورات طلبہ کے مطالعہ میں آتے ہیں ان کے محل استعمال سے انہیں واقف کرانے کے لئے جس قسم کی مشق و تمرین کی ضرورت ہے وہ اردو میں بالکل رائج نہیں۔ جو مضامین درسی کتابوں کے ذریعہ پڑھائے جاتے ہیں ان پر مختلف قسم کے سوالات کرنے اور حاصل شدہ معلومات کو تحریری و تقریری طور پر طلبہ سے دوہرانے اور اس طرح ان کی عام قابلیت بڑھانے کے طریقے بھی بہت ہی کم اختیار کئے جاتے ہیں۔

جس طرح دوسری زبانوں اور خصوصاً انگریزی کی تعلیم میں طلبہ کی استعداد کی تدریجی ترقی اور مضمون سے ان کی دلچسپی برقرار رکھنے کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور کتب نصابی مضامین نظم و نثر میں تنوع افادہ ادبیت اور عام دلچسپی مدنظر ہوتی ہے اردو کی نصابی کتابیں اکثر اس سے خالی نظر آتی ہیں۔

قواعد اور مضمون نویسی یہ دونوں مضمون بھی زبان کی تعلیم کے نہایت اہم جزو ہیں۔ ان دونوں کے بغیر کسی زبان کی تحصیل خواہ وہ مادری زبان ہی کیوں نہ ہو بہت ہی ناقص اور ادھوری رہتی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب اُردو ہماری مادری زبان ہے تو اس کی قواعد پڑھنے اور اس میں مضمون نویسی کی مشق کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ گمراہ کن خیال بہت سے لوگوں کی اردو دانی میں

ناکامی کا باعث ہوا ہے۔ اردو قواعد کی تعلیم ہمارے مدارس میں جس طریقے پر دی جاتی ہے اس کی وجہ سے یہ مضمون طلبہ میں حد درجہ غیر مقبول اور ناپسندیدہ ہے۔ چھ سات برس تک قواعد کو مختلف جماعتوں میں پڑھنے کے بعد دسویں جماعت میں طلبہ اس کے نام سے گھبراتے اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ یہی حال مضمون نویسی کا بھی ہے۔ جماعت یا گھر پر مضمون لکھنا طلبہ کو بہت ہی ناگوار گذرتا ہے حالانکہ زبان دانی اور ادبی ترقی کے لئے ان دونوں چیزوں کی طرف خاطر خواہ توجہ لازمی ہے۔ ضرورت ہے کہ قواعد اور مضمون نویسی کو جدید طریقہ ہائے تعلیم پر عمل پیرا ہوکر دلچسپ اور خوش گوار بنایا جائے۔ قواعد کی ثقیل اصطلاحوں اور خشک تعریفوں کو ازبر کرنے پر زور دینے کی بجائے۔ قواعد کی کتاب میں دی ہوئی مثالوں کو رٹانے کی بجائے بسیط طریقہ پر استعمالات زبان سکھائے جائیں۔ طلبہ کی کمزوریوں اور مقامی ضروریات کا لحاظ کرکے خاص خاص غلطیوں کو دور کرنے کے لئے ضروری مشقیں مرتب اور حل کرائی جائیں۔ بجائے اس کے کہ نے کے استعمال کے قواعد لکھا جائیں یا رٹا دئے جائیں مناسب ہے کہ مختلف قسم کے جملے بطور مشق کے طلبہ سے حل کرا کے انہیں اس کے استعمال پر حاوی کر دیا جائے۔

اسی طرح مضمون نویسی کے ناخوشگوار کام کو دلچسپ بنانے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جائیں۔ مجرد عنوانات تجویز کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ ابتداً اول موضوع پیش کرکے طلبہ سے مختلف سوالات کئے جائیں، انہیں مضمون لکھنے سے پہلے خاکہ بنانا سکھایا جائے۔ مضمون کے عنوانات بھی خشک اور فرسودہ نہ ہونے چاہئیں طلبہ میں اس کا شوق پیدا کرانا چاہیئے کہ وہ مضمون کا مواد تلاش اور کوشش سے فراہم کریں اور اس کو بہتر سے بہتر پیرایہ میں ادا کریں۔

اگر ابتدائی جماعتوں میں درسی کتابوں کے اسباق کے دوران میں قواعد و مضمون کی تعلیم دی جائے اور سبق ہی کے الفاظ اور ترکیبوں کے ذریعہ قواعد کی تفہیم کرائی جائے تو بہت زیادہ آسانی اور کامیابی کے ساتھ اس مضمون کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

موجودہ نصاب تعلیم میں ایک کمی یہ بھی ہے کہ انگریزی کی طرح اردو میں معاون ادب اور سرسری مطالعہ کی کتابیں شریک نہیں ہیں۔ ان کتابوں سے زبان سیکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ کتابیں عموماً تفصیلی مطالعہ کی کتابوں سے آسان ہوتی ہیں۔ ان کے مضامین بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ طالب علم اساتذہ کی تھوڑی سی امداد سے خود بخود ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ کوئی زبان بھی صرف چند درسی کتابوں کے مطالعہ سے سیکھی نہیں جاتی۔ مختلف معاون ادب کتابوں کا مطالعہ نہ صرف گذشتہ خواندگی کو قوی بناتا ہے بلکہ نئی معلومات اور طرح طرح کے اسلوب بیان پیش کر کے زبان دانی کو بھی غیر معمولی تقویت بخشتا ہے۔

معاون ادب کتب کو شریک نصاب کرنے کے علاوہ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ مدرسے کے کتب خانے میں ایسی کتابیں معقول تعداد میں فراہم کی جائیں جو طلبہ کی استعداد اور عمر کے لحاظ سے ان کے لئے قابل مطالعہ ہوں۔ اساتذہ کو چاہئیے کہ ہر جماعت کی تدریجی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر ہر میقات پر طلبہ کو ایسی کتابوں کی فہرست لکھوادیں اور اپنی نگرانی میں کتب خانے سے انھیں کتابیں دلا کر ان میں مطالعہ کا شوق پیدا کریں۔ مدرسے میں محض ایک عظیم الشان کتب خانے کی موجودگی طلبہ کے لئے کوئی مفید چیز نہیں ہے۔ طالب علموں کے لئے کتابوں کے مطالعہ میں اساتذہ کی رہنمائی اور امداد نہایت ضروری ہے۔

زبانوں کی تعلیم میں مخرج، اعراب اور رسم الخط کی خصوصیات پر بھی زور دینا ضروری ہے۔ اسی طرح طلبہ میں شعری ذوق پیدا کرنا اور ان میں شعریت الفاظ کی موسیقیت سے آگاہ کرنا بھی ادبیات کے اساتذہ کا کام ہے۔ ادبی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے اخلاقی ڈراموں کو اسٹیج کرانا۔ مباحثہ اور نظم خوانی کے مقابلے مقرر کرنا۔ تقریری جلسے منعقد کرنا بھی زبان دانی کی تحصیل میں بہت کچھ معاون ہو سکتا ہے۔

اردو کی تعلیم میں اصلاح و ترقی کی بہت گنجائش ہے۔ یہ چند سرسری تجاویز جو مجھے ضروری معلوم ہوئیں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ موقتی اور مقامی ضروریات کے اعتبار سے ان میں ہر طرح ترمیم و اضافہ ہو سکتا ہے۔ اگر ہمارے معزز اساتذہ

اس مضمون کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ مبذول فرمائیں اور اس کی اہمیت اور ضرورت کو خاطرخواہ طور پر محسوس کر کے جدید طریقہ ہائے تعلیم کو کام میں لائیں تو اردو کی تعلیم کا مستقبل نہایت تابناک اور شاندار ہوگا۔

دیہاتی طلبہ کی اصلاح

از مولوی رزاق منور صاحب مددگار مدرسہ وسطانیہ قندہار ضلع ناندیڑ

میرا عنوان دیہاتی طلبہ کی اصلاح ہے۔ سررشتہ تعلیمات کا میرا بیس اکیس سالہ تجربہ مجھے ہمیشہ مجبور کرتا رہتا ہے کہ میں ملک کے ہونہار طلبہ کی تعلیم سے بڑھ کر تربیت کی جانب توجہ کرتا رہوں۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ اسی امر کی کوشش کی کہ طلبہ کی اچھی سے اچھی تربیت ہو۔ میں نے اوقات تعلیمی میں اکثر و بیشتر اپنی جماعت کے طلبہ کو ضروری ہدایات دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اُن عملیات کی جانب طلبہ کو متوجہ کرتا رہا جن کی تکمیل کے بغیر وہ اپنی آئندہ زندگی کی دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور نہیں کر سکتے۔

مدرس کی ذمہ داری اور اس کی تفصیلات پر اگر غائر نظر ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اولیائے طلبہ نے اپنے بوجھ کو اپنے سر سے اتار کر مدرسین کے سر پر دھر دیا اور اس طرح خود سبکدوش ہو گئے۔ جس طرح لکڑی کاٹنے والے درختوں کی مختلف شاخیں، تنے اور پیڑ کاٹ کر نجار کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اب نجار کا کام ہے کہ لکڑی کی حالت اور خاصیت کا بغور مطالعہ کر کے اپنی ذہنی قابلیت اور ہاتھ کی صفائی سے لکڑی کو اس عمدگی سے کاٹے یا تراشے کہ اُس کا کوئی حصہ نہ تو ضائع ہونے پائے اور نہ ناکارہ۔ لکڑی کا وضع دار و خوبصورت بنانا اور اُس کو کام کے قابل کر دینا ایک اچھے نجار ہی کا کام ہو سکتا ہے ورنہ ایک نااہل نجار عمدہ سے عمدہ لکڑی کو بھی بے طور کاٹ کر از کار رفتہ بنا دیتا ہے۔

زمانۂ قدیم میں بعض مدارس خیال کا یہ نظریہ تھا کہ ہم اپنے کو اس قابل بنائیں کہ وہ اپنے ماحول کے مطابق کام کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرلیں مثلاً وہ اپنے عہد کے اوزار آلات اور ہتیار وغیرہ بنا کر جنگلی جانوروں کا شکار کرکے اپنا پیٹ بھرلیں یا اگر اُن پر کوئی حملہ آور ہو تو پوری قوت کے ساتھ دشمن کی مدافعت کرکے اس کو اپنی سرزمین سے مار بھگائیں اور اس طرح اپنی اور اپنے متعلقین کی جانی حفاظت کرتے ہوئے اپنے مال و متاع اور جانوروں کی نگہداشت کریں چنانچہ ہر بزرگِ خاندان کی یہی کوشش رہتی تھی کہ اپنے افرادِ خاندان کو اس قابل بنادے۔

جب زمانہ کے ساتھ حالات زمانہ بدلتے گئے تو لوگوں نے اپنی اولاد کو بذاتِ صنعت و حرفت اور تجارت کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا اور پیشہ ورانہ تعلیم کی بنیاد ڈالی مختص اور منتخب طبقوں کی ابتدا کی گئی جس کے بعد طلبہ کی تعلیم بھی مختلف علوم وفنون میں منقسم ہوگئی اور طلبہ اپنے آبائی پیشہ کو اختیار کرنے لگے۔ وہ موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کی طرح پیشہ ورانہ تعلیم کو ننگ و عار نہ سمجھتے بلکہ حقیقی تربیت کا خیال کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی یکسوئی مزاج کے سبب اُن میں باکمال اور ماہر پیدا ہونے لگے۔ مذہبی پرچار کرنے والے نہ صرف اپنے مذہبی عقائد درست رکھتے تھے بلکہ اوروں کے مختلف فیہ مسائل کی جانچ پڑتال، چھان بین کے بعد ان کی تفہیم میں ناکام نہ رہتے اور اس طرح اپنا مقصد پورا کرلیتے تھے۔

برخلاف اس کے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اولیائے طلبہ نے اپنا جو نصب العین قرار دے لیا ہے اس کی بنا پر طلبہ کی ذہنی، جسمانی اور فطری کیفیات کا اندازہ کئے بغیر ان کی تعلیم کا خوش آیند خاکہ اپنے خیال میں کھینچ کر اُن کو تحصیل علم کی جانب متوجہ کردیتے ہیں حالانکہ اکثر طلبہ کے حق میں ان کی یہ تعلیم بیرونی مواد کو اُن کو ذہنوں میں جو اُن کے مذاق کے بالکل متضاد ہے بلاوجہ ٹھونسنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس طرح کی تعلیم جو اُن کی فطرت کے خلاف ہوتی ہے اُن کے لئے نہ تو اب اور نہ آیندہ زندگی میں مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ اولیائے طلبہ چونکہ اس کی حقیقت سے ناواقف

ہوتے ہیں اس لئے مدرسین کا کام ہے کہ ان کو سمجھائیں تاکہ وہ اپنے بچوں کو اُن کے ذوق طبع اور ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے تعلیم دلائیں۔ کہ ایک کمہار کا لڑکا جو بچپن ہی سے چکنی مٹی کے کھلونے بنا کر کھیلتا ہے اُس کا ذوق تعلیمی ایک کپتان کے لڑکے کا سا نہیں ہو سکتا جو کھیل ہی کھیل میں چند لڑکوں کا سردار بن کر خیالی گھوڑے پر بیٹھ کر دوڑتا اور اپنے ساتھیوں کو اپنے پیچھے دوڑاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ طلبہ کی تعلیم اُن کے فطری ذوق کے موافق ہونی چاہیئے۔

دیہاتی لڑکوں کو اس غرض سے تعلیم دلائی جائے کہ وہ اچھے کاشتکار بن سکیں تعلیم کے ذریعہ اراضیات کی خصوصیات سے واقفیت پیدا کریں اور معلوم کر سکیں کہ کونسی یا کس قسم کی زمین کس طرح کی کاشت یا پیداوار کی قابلیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اُن کو تعلیم اس غرض سے نہ دلائی جائے کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر اپنی زرخیز اراضیات اوروں کے حوالہ کر کے یا ان کی طرف سے بے اعتنائی برت کر محض اس وجہ سے کہ اُن کی معلومات اس خصوص میں محدود رہیں شُد بُد تعلیم پا کر کاسئہ گدائی ہاتھ میں لے کر ملازمت حاصل کرنے کے لئے حکام کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہوئے پندرہ یا بیس کی ملازمت حاصل کر کے نہایت مسرت کے ساتھ اپنی گردن میں نوکری کا طوق ڈال لینا باعث افتخار سمجھیں۔

دیہاتی طلبہ کو اس وجہ سے تعلیم دلائی جائے کہ وہ افزائش نسل چوپایہ میں خاصا مذاق پیدا کریں، اُن کی غذا، ان کی نگرانی، ان کے علاج کا علم سیکھیں اور اُن کی بیماریوں کے وجوہ دریافت کریں بغرض اچھی نسل کے جانوروں کی تعداد بڑھا کر دولت مند تاجر بنیں۔ مرغیوں کا پالنا ان کی تعداد میں اضافہ کرنا اور ان کے انڈے فروخت کرنا معیوب نہ سمجھیں کہ یہ بھی ایک قسم کی تجارت ہے اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ایک تاجر ملازم پیشہ کی نسبت زیادہ مالدار ہوتا اور آزادی کے ساتھ کافی روپیہ کما سکتا ہے

دیہاتی طلبہ کو اس غرض سے تعلیم دلائی جائے کہ وہ صنعت و حرفت میں اپنی علمی اور عملی معلومات کے ذریعہ کامل مہارت پیدا کریں پارچہ بافی کے فن میں جس کے

سبب زمانہ گذشتہ میں ہمارا ملک ہندوستان کافی ترقی یافتہ سمجھا جاتا تھا اور جس کو آج کل محض شوق تعلیم اور وہ بھی ادھوری تعلیم نے بقول کسے جیاک آف آل اینڈ ماسٹر آف نن (Jack of all And Master of None) جانتے سب کچھ ہیں اور کچھ بھی نہیں جانتے اِس شریف پیشہ کو نہ صرف ترک کر دیا ہے بلکہ اِس پیشے کے لوگوں کو ہمارا نئی روشنی کا تعلیم یافتہ طبقہ ذلت کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ ہمارے دیہاتی بھائی افلاس میں مبتلا ہوگئے اور اپنی خوش حالی کھو چکے ہیں، تو کیا یہ ہمارا فریضہ نہیں ہے کہ کم ازکم اپنے دیہاتی طلبہ کو آیندہ کی مزید تکالیف سے بچانے کے لئے ان کی تعلیم کا اصلی مقصد اُن کے اور اُن کے اولیاء کے ذہن نشین کردیں کہ وہ ضروری تعلیم کے ساتھ فنی تعلیم کے حصول کو اپنا ذریعہ معیشت سمجھیں؟ میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ کوئی صاحب اس کا جواب نفی میں نہ دیں گے۔

دیہاتی طلبہ کو زراعتی تعلیم کے سلسلہ میں بعض اہم اور نہایت ضروری معلومات کا حاصل ہوجانا ناگزیر ہے مثلاً ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ کس موسم میں کونسی زمین کس قسم کی کاشت کے قابل ہوتی ہے۔ کونسے پودے کس قسم کی کھاد دینے سے اچھی طرح نشو ونما پاتے ہیں۔ کھیتوں کو باغوں کی شکل میں کس طرح لایا جاسکتا ہے اور اُن میں کس قسم کے پھلدار درخت اور کون کونسی ترکاریاں کس موزونیت کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہیں۔ ان امور کی مشق عملی طور پر طلبہ کے ذہن نشین کردی جائے تاکہ وہ عملی طور پر کام کرنے میں دقت محسوس نہ کریں۔

ہمارے موجودہ حالات اور ہماری موجودہ ضروریات ہمیں اس امر پر مجبور کررہی ہیں کہ ہم ترقی کے زینے طے کریں۔ اسلاف کے افعال واقوال کا مطالعہ کریں اور ان باتوں پر عمل کریں جن سے ہماری ترقی کے سربستہ راز کا افشا ہوسکتا ہے جیسا کہ ہر زمانہ میں مصلحانِ قوم کی یہی کوشش رہی کہ نونہالان قوم کو ان کی آیندہ زندگی کے قابل بنائیں، موجودہ زمانہ میں بھی ہمارے افسران سررشتہ کی یہی کوشش ہے کہ طلبہ کی تعلیم سے زیادہ ایسی عمدہ تربیت ہو کہ اُن کے کردار اچھے ہوجائیں اور

اُن کی تعلیم اُن کی آیندہ زندگی کو خوش گوار بنانے والی ہو۔ اور اسی کو تعلیم کا حقیقی مقصد سمجھا جائے۔ اگر ہم نے اپنی انتھک کوشش سے مقصد تعلیم کے تحت طلبہ کے کردار کو درست کر دیا تو یقیناً ہم نے اپنا اہم فرضِ منصبی کو ادا کر دیا اور اپنے طلبہ کو قریب قریب سب کچھ سکھا دیا۔ دیہاتی طلبہ کی اصلاح اور کردار کی درستگی کے لئے دیہات میں کام کرنے والے مدرس کا کام اور بڑھ جاتا ہے بہ نسبت اس مدرس کے جو ایک شہر میں رہ کر اپنا فریضہ ادا کرتا ہے تجربہ اِس امر کا شاہد ہے کہ ایک چھوٹے سے چھوٹا شہری لڑکا جو مدرسہ میں شرکت کی غرض سے آتا ہے وہ اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ معلومات ضرور لاتا ہے اور مدرسہ کی زندگی میں اُس کی چار دیواری کے اندر اس کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی جاتی ہیں ان کے علاوہ مدرسہ کی آمد و رفت ساتھی طلبہ کے میل جول، راستوں اور گلیوں کے واقعات و مناظر عزیز و اقربا کی ملاقات گھر کی زندگی کے حالات وغیرہ سے بھی اُس کو نئے نئے تجربات حاصل ہوتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے اُس کی عمر بڑھتی جاتی ہے مختلف سوسائیٹیوں اور محفلوں میں اُس کے حصہ لینے سے اس کی عقل میں وسعت، اس کے دائرۂ ملاقات میں اضافہ اور اس کے علم میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اور اس طرح دنیا کی مختلف چیزیں جن کو دیکھ کر وہ بہرہ ور ہوتا جاتا ہے وہ ساری چیزیں مدرس کے کام میں ہاتھ بٹانے والی ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے ایک دیہاتی طالب علم کی معلومات کا دائرہ شہری کی نسبت ابتداء ہی سے محدود رہتا ہے جس کے سبب دیہات میں کام کرنے والے مدرس کو دیہاتی طلبہ کی تفہیم کے لئے خصوصی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس طرح دیہات میں کام کرنے والے مدرس کی ذمہ داری ایک شہر میں کام کرنے والے مدرس کی ذمہ داری سے بڑھ جاتی ہے۔ دیہاتی طالب علم کی زندگی کا مقابلہ ایک شہری طالب علم سے کیا جائے تو ہر لحاظ سے ان دونوں کی زندگیوں میں بیّن فرق نظر آتا ہے مثلاً دیہاتی طالب علم کو جو غذا ملتی ہے وہ عموماً بہت سادہ اور معمولی ہوتی ہے مگر ایک شہری طالب علم کا سرپرست خواہ وہ دولت مند اور تعلیم یافتہ نہ ہو قرب وجوار کی پیداوار یا عمدہ اشیاء کے بسہولت تمام فراہم ہونے کے سبب مختلف قسم کا غلہ، ترکاریاں، پھل پھلاری خریدتا

اور مناسب تبدیلیوں کے ساتھ کھاتا اور اپنے بچے کو کھلاتا ہے جو ایک دیہاتی طالب علم کو میسر نہیں آسکتے۔ اور جو عمدہ اور مقوی اشیاء دیہات میں پیدا ہوتی ہیں وہ یا تو بڑے شہروں کی مانگ کے سبب دیہات سے چلی جاتی ہیں یا تاجروں کی خواہشِ منفعت اُنھیں دیہات سے بڑی آبادیوں میں منتقل کر دیتی ہے۔ اب جو کچھ ان غریب دیہاتی طلبہ کو ملتا ہے اسی سے وہ اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں ایسی حالت میں مدرس کا کام یہ ہے کہ وہ اُن اشیاء کی جو دیہاتیوں کو روزانہ آسانی سے میسر آتی ہیں کیفیت اور خاصیت سے واقفیت پیدا کر کے ان خاصیتوں سے دیہاتی طلبہ کو واقف کر دے کہ فلاں شئے گرم وخشک اور فلاں سرد و تر ہے فلاں ترکاری یا غلہ بہ لحاظ موسم اس طرح بدل بدل کر کھایا جائے تو اُن کی جسمانی صحت برقرار رہے گی اور وہ بیماریوں سے بچے رہیں گے۔

دیہات میں قدرت نے شہروں کی نسبت آب و ہوا صاف رکھی ہے۔ لیکن دیہاتی قدرتی قانون سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اُٹھاتے محض اس وجہ سے کہ اُن کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ وہ روزانہ جو غذا کھاتے ہیں اُس کے ہر جز کی خاصیت سے واقف نہیں ہوتے معلّم چونکہ ہر چیز کی ماہیت سے واقفیت رکھنے والا سمجھا ہی نہیں بلکہ مانا گیا ہے اور ایک قابل مدرس ہمیشہ نئی معلومات کے حصول کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے دیہاتی طلبہ کو غذا کے ہر جز کی خاصیت سے واقف کرائے تاکہ طلبہ اس کی ہدایت سے مستفید ہوا کریں اور معمولی غذا جو اُنھیں میسر آتی ہے اصولی ترکیب سے مرکب کر کے مناسب فائدہ اُٹھائیں۔

ایک اور معمولی مگر اہم جز جس کی طرف طلبہ کو خاص طور پر متوجہ کرنا ہے، وہ پینے کا پانی ہے۔ دیہات میں اکثر باؤلیاں یا کنوے جن کا پانی گاؤں کے لوگ پیتے ہیں یا کھانے پکانے کے کام میں استعمال کرتے ہیں اکثر ان کے اطراف دیواریں نہیں ہوتیں اور ظاہر ہے کہ ایسے کنوؤں کا پانی پینا مضر صحت ہی نہیں بلکہ مہلک

کہیں تو بیجا نہ ہوگا ان کنوؤں میں بارش کا پانی بہ کر چلا آتا ہے کہ اُس کی روک تھام کا کوئی انتظام نہیں ہوتا اور حفظ صحت کے اصول کا جاننے والا اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ بارش کا بہتا ہوا پانی کن حصوں سے بہ کر آتا اور اپنے ساتھ دنیا بھر کی غلاظت بہا کر لاتا ہے۔ میں نے اکثر قصبات اور قریہ جات میں ایسے کنوئیں بچشم خود دیکھے ہیں جن کے دہانے تقریباً زمین کے ہموار ہوتے ہیں۔ غریب دیہاتی جو عام طور پر ننگے پاؤں پھرنے کے عادی ہوتے ہیں بلا تامل کنوؤں پر آتے غلیظ ڈول اور بھیگی ہوئی سڑی رسّی سے پینے کا پانی کھینچتے اور گھڑوں میں بھر کر لے جاتے ہیں ان ہی کنوؤں پر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جانور مثلاً گائے بیل بھینس بکری وغیرہ پانی پلانے کی غرض سے لائے جاتے ہیں جو کنوؤں سے قریب پانی پیتے جاتے ہیں اور پیشاب کرتے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کے عمل سے پینے اور برتنے کا پانی کہاں تک پاک وصاف ہو سکتا ہے۔ حالانکہ پینے کے پانی کو صاف کرنے اور اس کو پینے کے قابل بنانے کے لئے حفظ صحت کے جاننے والوں نے جو اصول بتائے ہیں اُن پر بڑے شہروں میں سختی کے ساتھ پابندی کرنے کے باوجود ذراسی بے احتیاطی کے سبب لوگ امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو ہمارے دیہاتی طلبہ جن کے اولیاء اور سرپرست تک کوئی احتیاط نہیں کرتے اور پینے اور برتنے کے پانی سے متصل نہ صرف نہاتے اور میلے کچیلے کپڑے دھوتے ہیں بلکہ اس کے قرب وجوار میں بول و براز کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے میں نے اکثر وبیشتر دیہات کے کمسن لڑکوں اور لڑکیوں کو راستوں کے کنارے غلاظت کرتے دیکھا ہے اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ ساری غلاظت بہ کر آبادی کے متصل کنڈ یا تالاب کے پانی میں شامل ہوگئی ہے جہاں کا پانی اُسی گاؤں کے رہنے والے اپنے کھانے پینے کے برتنوں کو دھونے یا دوسری ضروریات کی تکمیل کی خاطر گھڑوں میں بھر کر گھر لے جاتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہی نہیں بلکہ رنج ہوا کہ کیا میرے پیشرو مدرسین نے جن کے سامنے ہمارے موجودہ طلبہ کے بعض سرپرستوں نے زانوئے ادب تہ کیا ہوگا اور تھوڑے بہت عرصے کے لئے اُن کے زیر مشق ضرور رہے ہوں گے۔

اتنا بھی نہیں بتلایا کہ کس قسم کا پانی پینے سے انسان ہیضہ میں مبتلا ہو جاتا ہے یا وہ کونسا پانی ہے جس کا استعمال دیہاتی دنیا کے مرض عالمگیر یعنے نارو میں ان کو مبتلا کر دیتا ہے اگر انھوں نے نہیں بتلایا یا اُن کے بتلانے کے باوجود ہمارے دیہاتی بھائی نے اس پر عمل نہیں کیا اور احتیاط کو کام میں نہیں لائے تو کم از کم اب ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنے دیہاتی طلبہ کو صاف پانی پینے کی ہدایت کریں اور اُن کو وہ سارے طریقے عملی طور پر بتلائیں جن پر وہ عمل کرنے لگیں اور آئندہ کے لئے محتاط بن جائیں تو یقین ہے کہ موجودہ پود اور ان کی نسلیں ایسے امراض میں آیندہ مبتلا نہ ہونے پائیں گی۔

ایک اور چیز جس کے لئے مجھے نہ صرف کہنا بلکہ آپ حضرات اور بالخصوص حکّام ذی مرتبت، ذی ثروت و ساہوکاران اور صدر صاحبان مدرسہ و دیگر معقول تنخواہ یاب اساتذہ صاحبان سے اپنا معروضہ بطور اپیل پیش کرنا ہے وہ غریب اور نادار طلبہ کی امداد ہے۔ اگر ہمارا یہ سربرآوردہ طبقہ بہ لحاظ اپنی آمدنی کے نادار طلبہ کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے تو ان کی ہر فی صدر وپیہ ماہانہ آمدنی پر ایک غریب طالب علم ان کی سرپرستی میں پرورش پا کر تعلیم و تربیت حاصل کر سکتا ہے اور اس طرح ایک کثیر تعداد نادار طلبہ کی علم و ہنر سے بہرہ ور ہو سکتی اور اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے کے قابل بن سکتی ہے۔

ہمارے معزز سررشتہ کی توجہ سے نادار طلبہ کی امداد کے مدِ نظر ہر مدرسہ اپنا ایک پور فنڈ رکھتا ہے مگر اس پور فنڈ سے صرف اُن طلبہ کی امداد کی جاتی ہے جو درسی کتب خریدنے کی سکت نہیں رکھتے مگر ان کے علاوہ ایسے غریب اور نادار طلبہ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کو کھانے کو کھانا اور پہننے کو کپڑا تک میسر نہیں، ایسے طلبہ ہماری خاص توجہ کے محتاج ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ غریب اور نادار طلبہ کی امداد کی خاطر اصحابِ ثروت نے نہایت فراخ دلی سے کام لیا طلبہ کی تشویق اور تکمیل ضروریات کے پیشِ نظر عالی شان مدارس اپنے ذاتی صرفہ سے قائم کئے اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھنے والے منتخب اساتذہ بعد تلاش

نہایت اعزاز کے ساتھ بلوائے اور مامور کئے گئے۔ علاوہ درسی اور مطالعہ کی کتب کے طلبہ اور اساتذہ کے رہنے سہنے کھانے پینے کا معقول انتظام کیا اور آج بھی متمدن ممالک میں ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں جہاں ایسے رفاہِ عام کے کام پبلک خود کرتی اور حکومت پر غیر معمولی بوجھ نہیں ڈالتی۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم مدرسین نادار طلبہ کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا جواب ہم میں سے ہر شخص تھوڑے سے غور و خوض کے بعد دے سکتا ہے۔ ہمارا پور فنڈ جہاں درسی کتب فراہم کر سکتا ہے غریب لڑکوں کو وظائف حسب گنجائش دے سکتا ہے۔ حسب ضرورت پہننے کا لباس بھی فراہم کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا مخیر اصحاب سے خالی نہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔ سر سید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کار خیر میں جس قدر حصہ لیا اُن کی نظیر ہمارے لئے کافی ہے۔ جن مدارس پر میں نے کام کیا ہے ان میں بعض مدارس نے مذکورۂ بالا بعض امور پر عمل کر کے صدر مدرسہ اور بعض معقول تنخواہ یاب اساتذہ نے حصہ لے کر ثابت کر دکھایا کہ مدرسہ اور اساتذہ نادار طلبہ کی ہر قسم سے مدد کر سکتے ہیں۔ بعض اساتذہ نے غریب طلبہ کو اپنے گھر میں اپنے بچوں کی طرح رکھ کر خود پڑھایا لکھایا اور شریک مدرسہ کر کے باضابطہ تعلیم دلائی ہے۔ بعضوں نے اِن غریب بچوں کو اپنے بچوں کے کپڑے پہنائے۔ بعضوں نے اِن نادار طلبہ کے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھو کر سی کر صاف ستھرے اور درست کر کے پہنائے ہیں اور اس طرح انتہائی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔

اس کے بعد مجھے جس عام چیز کے متعلق عرض کرنا ہے وہ دیہاتی طلبہ کے اخلاق کو درست کر کے اُن کے کردار کو ٹھیک کرنا ہے۔ مذکورۂ بالا الفاظ نے میرے ناقص خیال میں میری ذہنی ترجمانی کر دی ہوگی۔ میں نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ دیہاتی طلبہ کی اصلاح کے چند ضروری امور کا اظہار کر دیا ہے اور اشارتاً ظاہری بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے انسداد کی تدابیر بھی پیش کر دئے ہیں۔ اب چند باطنی امراض کا ذکر کر دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں جس کے ہمارے دیہاتی طلبہ شکار بنے ہوئے ہیں۔

عموماً دیہاتی طلبہ ماحول کی جہالت کے سبب جس میں وہ گھرے ہوئے ہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ غیر مہذب اور ناشایستہ گفتگو کرتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص و پیار رکھتے ہیں مگر اُن کی آپس کی ہمکلامی اور مخاطبت میں محبت کے ساتھ گالی گلوچ کا شمول بھی لازمی ہوتا ہے غالباً ہم میں کے بعض مدرسین نے راستوں اور گلیوں میں طلبہ کو ایک دوسرے کے ساتھ بدتہذیبی سے پیش آتے دیکھا ہوگا۔ ایسے بدتہذیب لڑکے کبھی کبھی مذاق کے سلسلے میں ہاتھا پائی بھی کرنے لگتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے بداخلاق لڑکوں کو بعض وقت پارٹیوں کی شکل میں باضابطہ لڑتے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ طلبہ کی اِس قسم کی ابتدائی عادتیں طبیعت ثانی بن کر آیندہ زندگی میں اُن کو لڑاکا اور شاید ڈاکو بھی بنا دیں اور اُس وقت ہماری حالت اس غریب مگر جاہل باپ کی طرح ہو جس کے ناہنجار لڑکے نے دانتوں سے باپ کا کان کاٹ کھایا تھا جبکہ عدالت کے جج نے چوری کی علت میں اس پر فرد جرم لگا کر دو سالہ قیدِ سخت کی سزا دی تھی اور جس نے حاکم کے استفسار پر جواب دیا تھا کہ میں بچپن میں اپنے ساتھیوں کی کتابیں قلم دوات وغیرہ مدرسہ سے چرا کر لایا اور بازار میں اونے پونے فروخت کرکے اپنی ماں کو ان کی ناواجبی قیمتیں لا دیا کرتا تھا اور میری ماں بجائے اس کے کہ مجھے اِن افعال قبیحہ کے ارتکاب سے روکتی پیسوں کو دیکھ کر خوش ہوتی اور میرا باپ میری ماں سے میری ناجائز حرکات کو سُن کر انجان ہو جایا کرتا تھا۔ بحیثیت ایک مرد ہونے کے اور بحیثیت اِس کے کہ وہ میرا باپ تھا اُس کا فریضہ تھا کہ مجھے ابتدا ہی میں ایسے ناجائز حرکات سے باز رکھتا ورنہ آج میں بڑا ہو کر اس چوری کی علت میں سزا نہ پاتا۔

غرض آج کا بچہ کل بچہ نہیں رہتا اگر ہم ظاہری بیماریوں سے بچانے کی جس حد تک اپنے طلبہ کی نگہداشت کرتے ہیں اور سال میں دو تین مرتبہ باضابطہ معائنہ طبی کراتے ہیں اُن کی باطنی بیماریوں، بداخلاقیوں، بداطواریوں اور بدکرداریوں کو دیکھ کر چشم پوشی سے کام نہ لیں تو اُن کی وقتیہ اصلاح ہو سکتی ہے کہ یہ امور بھی ہم مدرسین کے فرائض میں داخل ہیں۔

سب کمیٹی رپورٹ مدارس وسطانیہ سدا سیو پیٹھ +

زیر صدارت

مولوی نادر الزماں صاحب بی۔ اے؛ بی۔ ٹی صدر وسطانیہ سداشیو پیٹھ

"مدارس تحتانیہ میں تعداد و حاضری کو بہتر بنانے کے وسائل اور موجودہ دقتوں کے انسداد کے طریقے" پر غور و خوض کرنے کے لئے مدرسہ ہذا میں ایک ذیلی کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی گئی جس کے حسب ذیل پانچ اراکین منتخب ہوئے مولوی نادر الزماں صاحب صدر۔ مولوی سید ابو صالح صاحب نائب صدر۔ محمد رفیع اللہ معتمد مولوی میر محمد الدین حسین صاحب رکن۔ مسٹر جگناد ہاچاری رکن۔ اس خصوص میں ذیلی کمیٹی کے پانچ جلسے ہوئے۔ مراکز حلقہ سے وصول شدہ رپورٹیں پڑھ کر سنانے کے بعد اس موضوع پر کافی بحث کی گئی۔ باہمی تبادلہ خیالات و رپورٹ ہائے مراکز کی امداد سے مزید معلومات و وجوہات فراہم کئے گئے۔ نیز سابقہ روئدادوں پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے اُن مسائل کا انتخاب کیا گیا جن کو رپورٹ میں جگہ دینا ضروری سمجھا گیا۔ اس طرح چار مہینے کی مسلسل جانچ پڑتال کے بعد عنواں زیر بحث کے نسبت جو مواد فراہم ہوسکا وہ ذیل میں پیش ہے:۔ اس خصوص میں (۱۸) مراکز کے منجملہ حسب ذیل (۱۲) مراکز نے اپنی اپنی تجاویز و آرائیں روانہ کی ہیں۔ سدی پیٹھ۔ جوگی پیٹھ۔ مکا راج پیٹھ۔ گجویل شریف۔ زمستان پور۔ ترکل خانہ پور۔ یلدرتی۔ ٹیکمال۔ دوباک۔ مرد وڈی شنکرم پیٹھ۔ ابراہیم پٹن۔

حصہ اول۔ کمی تعداد کے وجوہ۔

(۱) رعایا کی جہالت:۔ سب سے بڑی رکاوٹ جو مدرس تحتانیہ کی ترقی میں

+ یہ رپورٹ کانفرنس انجمن اساتذہ صوبہ میدک بابتہ ۱۳۴۴ف کے موقع پر پڑھی گئی۔

سدراہ ہے وہ رعایا کی جہالت ہے۔

ہمارے دیہات کی نوے بلکہ پچانوے فیصدی آبادی تعلیم سے بے بہرہ. مقدمہ بازیوں میں روپیہ صرف کرنا فضول اور مضحکہ خیز رسومات میں دولت اڑانا، نمود و نمائش اور اسی قبیل کے کاروبار میں پیسے کو بے دردی سے خرچ کرنا انہیں ذرا بار معلوم نہیں ہوتا مگر اولاد عزیز کی تعلیم جیسی ضروری چیز پر روپیہ خرچ کرنے کو ایک ناقابل برداشت بوجھ اور انتہا درجے کی فضول خرچی سمجھتے ہیں۔ اور ایسا سمجھنے میں ایک حد تک وہ مجبور بھی ہیں کہ یہ ان کی اپنی نہیں بلکہ اس تاریک ماحول کی پیدا کردہ ذہنیت کا نتیجہ ہے جس میں وہ زندگی گزارتے چلے آرہے ہیں۔

(۲) تعلیم کی قدر وقیمت سے واقفیت نہ ہونا اور اس کو ذریعۂ معاش سمجھنا۔ تعلیم کی صحیح قدر وقیمت سے عدم واقفیت کے باعث اس کو ذریعہ حصول معاش و ملازمت سمجھنے کا ایک عام اور غلط نظریہ قائم ہوگیا ہے چنانچہ بچے کو مدرسہ میں شریک کرانے سے قبل اولاً ان امور پر غور کر لیا جاتا ہے کہ حصول تعلیم کے بعد کونسی اور کس ماہوار کی نوکری ملے گی جوابات خاطر خواہ ہوں تو خیر ورنہ تعلیم کی افادیت ہی سے انکار کیا جانے لگتا ہے تعلیم جب تک خاطر خواہ حصول معاش و ملازمت کا ذریعہ تھی دیہات و قصبات کے عوام میں جاذب توجہ بنی رہی جیسے جیسے اس سے یہ صلاحیت مفقود ہوتی گئی عوام کی توجہ بھی بتدریج اس جانب سے ہٹنے لگی۔

(۳) غربت۔ ناداری۔ اقتصادی پستی:۔ جہالت کے بعد بڑی رکاوٹ جو مدارس کی ترقی میں حائل ہے۔ وہ رعایا کی غربت ناداری اور مالی پستی ہے۔ ملک کا بڑا حصہ زراعت اور مزدوری کے ذریعہ اپنی بسر برد کا انتظام کرتا ہے۔ ان میں اکثر ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنھیں کئی کئی وقت کے فاقے کرنے پڑتے ہیں۔ جن لوگوں کو تن پوشی اور شکم پُری کا مقدور نہ ہو وہ تعلیم کی طرف کس طرح اقدام کر سکتے ہیں۔ فیس تعلیم اگرچہ معاف ہے لیکن دوات، قلم، پنسل،

کاپی اور کتب وغیرہ کے لئے ناگزیر طور پر کچھ نہ کچھ صرف کرنا ہی پڑتا ہے اس لئے فاقہ کش اور نادار والدین کو بچہ کا گھر پر رہنا مدرسہ بھیجنے سے زیادہ فائدہ منداور نفع بخش معلوم ہوتا ہے۔ اطفال شماری کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قابل تعلیم عمر کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد آبادی میں موجود ہے مگر محض اس خوف سے شریک نہیں کروائی جاتی کہ یہ ایک مستقل خرچ کی صورت ہے۔

(۴) تعلیم کی گراں باری اور نصاب کی تبدیلی:۔ ہمارے ملک میں غریب اور نادار لوگوں کے سوا ایسے لوگ بھی ہیں جن کی مالی حالت قدرے بہتر اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی شوق بھی رکھتے ہیں چاہتے ہیں کہ اولاد کو لکھائیں اور پڑھائیں۔ تکمیل شوق میں وہ بچوں کو شریک مدرسہ کروا دیتے ہیں مگر تعلیم کے گرانبار مصارف کو برداشت کرنے کی اپنی محدود و مختصر آمدنی میں گنجائش نہیں پاتے تو ترک تعلیم میں عافیت خیال کر کے بچوں کو مدرسہ سے روک لیتے ہیں۔ اساتذہ صاحبان کا ہر مضمون کے لئے کتب اور موٹی کی کاپیاں فراہم کرنے پر مصر ہونا کاپیوں کے سائز و کاغذ کی یکسانیت پر تشدد کرنا۔ گراں قیمت کی کتب کا شریک نصاب ہونا جلد جلد نصاب کا تبدیل ہونا یہ ایسے وجوہات ہیں جن سے مذکورہ طبقہ کا تعلیم میں ہیٹا ہونا کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا غالباً یہی سبب ہے کہ جو تعداد نیچی جماعتوں میں ہوتی ہے وہ اوپر کی جماعتوں میں نہیں پائی جاتی۔

(۵) تحتانی امتحان کی مسدودی وغیر افادیت:۔ امتحان تحتانی کی مسدودی مدارس کی تعداد پر کافی اثرانداز ہوئی ہے مشاہدہ شاہد ہے کہ جس زمانہ میں چہارم جماعت کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد تیس چالیس روپیہ کی نوکری بلا دقت اور تردد مل جایا کرتی تھی اس زمانہ میں ہر کس و ناکس تعلیم کا شیدائی نظر آتا تھا۔ مزارعین زراعت سے تاجرین تجارت سے، صناع صنعت سے منہ موڑ کر تعلیم ہی کی جانب جھکے ہوئے نظر آئے تھے لیکن وہ شوق انہماک اب اس وجہ باقی نہیں کہ اسناد کی رائج الوقت قیمت کم اور معیار ملازمت بلند ہونے کے باعث یا تحتانی امتحان کی کہیں جگہ کوئی قدر و پرسش نہیں رہی معاشی نقطہ نظر سے چونکہ یہ فی زمانا بالکل غیر مفید ہے اس لئے عوام کے نزدیک تعلیمی مصروفیت کا

کاروباری مصروفیت کے مقابلے میں کوئی امتیاز و تفوق حاصل نہیں۔شوق تعلیم سمٹ سمٹا کر بتدریج ایک قلیل طبقہ میں محدود ہوتا جارہا ہے۔

(۶) فارغ التحصیل طلبہ کا آبائی پیشوں سے بے تعلقی ظاہر کرنا:۔مدارس کے کثیر التعداد فارغ التحصیل طلبہ کا آبائی پیشوں میں دلچسپی لینے ان کو فروغ دینے اور بمقابلہ غیر تعلیم یافتہ اشخاص زیادہ منظم و باقاعدہ طریقے سے انجام دینے کے بجائے ان پیشوں سے بیزاری و بے تعلقی ظاہر کرتے ہوئے نوائے عمل سے محروم اور سماجی روایات سے مطابقت نہ کرنا۔عوام کے تعلیمی برکات سے واقف ہونے میں مارج ہے۔

(۷) مدارس خانگی:۔ مدارس خانگی کی گوناگوں خرابیوں اور ناموزوں پیشوں کے باوجود عوام کو جو اعتماد خانگی مدارس پر ہے وہ سرکاری مدارس پر نہیں۔عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ سرکاری تعلیم طلبہ کو ملازمت ہی کے لئے تیار کرتی ہے کاروبار زندگی میں اُن سے کوئی مدد نہیں ملتی۔اس لئے جو لوگ ملازمت کروانا نہیں چاہتے یا جن کو ملازمت ملنے کا یقین نہیں ہوتا وہ سرکاری مدارس میں مفت تعلیم دلوانے کے بجائے خانگی مدارس میں روپیہ خرچ کر کے تعلیم دلوانا بہتر جانتے ہیں کیونکہ سرکاری تعلیم کے متعلق ان کا یہ مفروضہ ہے کہ اول تو اس میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے دوسرا کاروباری زندگی کے لئے جن چیزوں کے سیکھنے کی انہیں ضرورت ہے اس کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ان اعتبارات سے کمی تعداد کے بارے میں مدارس خانگی بہت کافی اور قابل لحاظ حصہ لے رہے ہیں ان دشواریوں کے اظہار کے بعد ان وسائل پر بحث کی جائیگی جن سے موجودہ ناموافق فضا کو دور کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے

حصہ دوم۔تدابیر اضافہ تعداد

(۱) ماہوار تعلیمی جلسے:۔ جہالت کا احساس خود آدھے علم کے برابر ہے قصبات و مضافات میں جہالت سے جنگ کرنے کے لئے تعلیمی جلسوں سے زیادہ کارگر اور

سہل الحصول حربہ غالباً کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ مدارس کی موجودہ پستی عوام کی جہالتوں ہی کا عکس ہے۔ اگر یہ اپنی جہالت سے مطلع ہوجائیں تو سمجھنا چاہئے کہ مدارس کی ایک بڑی مشکل آسان ہوگئی۔ طلبہ کے مدرسہ آنے میں کوئی چیز مانع مزاحم نہ رہیگی۔ اس لئے یہ جلسے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جن فوائد کے مدنظر یہ جلسے ضروری ہیں وہ یہ ہیں کہ ان میں تقاریر اور مضامین کے ذریعہ تعلیمی فوائد اور جہالت کے نقصانات بے نقاب کئے جاسکتے ہیں۔ اخلاقی و معاشرتی خرابیاں دور کی جاسکتی ہیں۔ سرکاری تعلیم اور نصاب مجوزہ سررشتہ کی خوبیاں ذہن نشین کی جاسکتی ہیں۔ سرکاری تعلیم کو جو بدنصیبی سے محض حصول ملازمت کا ذریعہ سمجھا جارہا ہے روحانی اور اخلاقی برکتوں کا سرچشمہ ثابت کرکے اِس بارے میں جو گوناگوں غلط فہمیاں عوام کے دماغوں میں مرکوز ہیں ان کی تردید کی جاسکتی ہے۔ اضافہ تعداد کے بارے میں ذی اثر حضرات کی امداد حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں طلبہ سے نیتجہ خیز مکالمے اور تقریریں کرواکے دوسروں کو تحریص دلائی جاسکتی ہے۔ ان جلسوں کے ذریعہ اساتذہ اور اولیائے طلبہ کے درمیان ایک رابطہ اتحاد پیدا ہوجاتا ہے جس کی کامیابی کی مدرسہ کے لئے ازبس ضرورت ہے۔

(۲) قیام پور فنڈ:۔ گروہ اساتذہ کو چونکہ ایثار اور حب وطن کا ایک نمونہ ہونا چاہئے اس اعتبار سے اپنی آمدنی کے کچھ حصے کو غریب اور نادار بچوں کی تعلیمی ضروریات میں صرف کرنے کے لئے محفوظ کردینا چاہئے۔ اس عمل سے عوام کی نگاہوں میں مدرسین کا وقار دوبالا ہوجائے گا اور ابنائے وطن علمی دولت سے مالامال ہوجائیں گے جس قدر اس فنڈ کا سرمایہ کثیر ہوگا اسی مناسبت سے اس کا حلقہ فائدہ رسانی وسیع تر ہوتا جائے گا۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ذی اثر اور خوش حال لوگوں کی معاونت سے اس میں خاصا اضافہ ہوتا رہے۔ اگرچہ عوام کی فلاکت و بے نوائی کے مقابلہ میں اس فنڈ کو ذرہ برابر بھی حیثیت حاصل نہ ہوگی تاہم "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے طور پر ایسے غریب بچوں کے لئے جو علمی شوق کے باوجود کتب و کاپیاں نصیب نہ ہونے کی وجہ تعلیم سے محروم ہیں ضرور

دستگیری اور حوصلہ افزائی کا باعث ہو گا۔

(۳) مدرسین کا بارسوخ اشخاص کی امداد سے فائدہ اٹھانا:۔ اساتذہ صاحباں مقامی عہدہ داروں اور سربرآوردہ حضرات سے میل، ملاپ پیدا کر کے مدرسہ کے معاملات میں ان سے مدد لیتے رہیں تو تعدادی اضافہ میں کافی سہولت ہو سکتی ہے۔ ذی اثر حضرات کبھی کبھی ماہواری جلسوں کے صدر بنائے جائیں کبھی کھیلوں کے نگراں مقرر ہوں۔ اور ان کے ہاتھوں انعامات تقسیم کرائے جائیں۔ اس طریقہ سے ان کی ہمدردیاں مدرسہ پر مبذول رہیں گی اور وہ مدرسہ کی آبادی میں اپنی پوری قوت صرف کر سکیں گے۔ ایسے حضرات کے نام ایک علٰحدہ رجسٹر میں درج کئے جائیں، تاکہ ان کی مثال سے دوسرے لوگوں میں بھی مدرسہ کی امداد و معاونت کا شوق پیدا ہو۔

(۴) مدرسہ میں سامان دلچسپی کا فراہم کرنا:۔ مدرسہ کو باغیچہ سے آراستہ کرنا چارٹس وغیرہ دیواروں پر لٹکا کر دلکش بنانا تصاویر و دیگر اشیاء کے نمونے دکھانا، گاہے گاہے طلبہ کے تعلیمی مقابلے کرانا، جلوس نکالنا اور ایسے سامان مہیا کرنا جن سے طلبہ کی دل بستگی میں اضافہ ہو۔ مدرسہ کی ظاہری آرائش اور فرنیچر وغیرہ کی موزونیت میں ایک ایسی جاذبیت ہوتی ہے کہ ان کے دیکھنے کے بعد بدشوق طلبہ میں بھی شوق پیدا ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے ماڈل، ڈرائنگ، دستی مشاغل کے نمونہ جات اور کاغذی کام سے طلبہ کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

(۵) نتائج کی عمدگی اور طلبہ کی سالانہ کامیابی و ترقی:۔ ایک ہی جماعت میں اگر طالب علم دو دو تین تین سال زیر تعلیم رہے تو سرپرست مدرسہ کی تعلیم سے بددل ہو کر بچوں کو مدرسہ سے خارج اور دوسرے کاروبار میں مصروف کرا دیتے ہیں۔ اس وجہ مدرسہ کے معیار تعلیم کو اونچا کرنے اور عمدہ نتائج برآمد کرنے کی طرف خاص توجہ ہونی چاہیئے جماعت صغیر و اول کو باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے تو اضافہ تعداد میں بڑی رکاوٹ درپیش ہوتی ہے۔ ابتدائی جماعتوں کے لئے تجربہ کار مدرس کا انتخاب

کیا جائے۔ ہو سکے تو خود صدر مدرس اس جماعت کو تعلیم دے۔ کیونکہ یہ جماعت مدرسے کی ترقی کا زینہ ہوتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ابتدائی جماعتوں میں طالب علم ایک سال سے زیادہ زیر تعلیم نہ رہے۔ بچوں کی سالانہ ترقی سے تعلیمی اشاعت و مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے جو اضافہ تعداد کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

(٦) اساتذہ کی فرض شناسی اور تندہی:۔ مدارس کی آبادی میں اساتذہ کی فرض شناسی تندہی، یکجہتی اور باہمی اتحاد کا بڑا زبردست اثر ہے۔ جس مدرسہ کے اساتذہ میں ان چیزوں کا فقدان ہو وہ مدرسہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اساتذہ کو چاہیئے کہ اپنے فرائض کی ادائی میں فرض شناسی سے حصہ لیں۔ محنت اور تندہی سے کام کریں۔ قوم اور حکومت کی جانب سے جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہیں ان کا پورا پورا احساس رکھیں۔ مدرس کا کام مدرسے کی حد تک ہی ختم نہیں ہوتا مدرسہ کے باہر بھی چند فرائض اس سے متعلق ہیں مدرس کو چاہیئے کہ آبادی میں ایک مصلح اور لیڈر کی حیثیت پیدا کرے ہر اعتبار سے لوگوں کا رہنما اور پیشوا ہو ممکنہ کوشش کرے کہ لوگوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح ہو اور ان میں پاکیزہ خیالات پیدا ہو جائیں۔ سبق پڑھا دینے پر مدرس کا کام ختم نہیں ہوتا۔ اس کو چاہیئے کہ حکومت کے مفاد اور وقار سررشتہ کو ملحوظ رکھ کر کام کرے غرض یہ کہ مدرسہ میں بچے اسی وقت آ سکتے اور تعلیم سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں جب کہ مدرسہ کی فضا درست اور خوش گوار ہو۔ اس میں زبردست مقناطیسی کشش ہو۔ ایسی فضا کا پیدا کرنا مدرسین کے ذوق عمل، ایثار اور جذبۂ حب وطن پر موقوف ہے۔

(٧) یوم والدین:۔ سال میں ایک یا دو دفعہ یوم والدین منا کر تمام اولیائے طلبہ و معززین کو مدرسہ میں مدعو کیا جائے طلبہ سے مکالمے اور تقریریں کروائی جائیں۔ کھیلوں کے مقابلے ہوں اور موقع دیا جائے کہ اولیائے طلبہ اپنے بچوں کی مختلف استعدادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ایسے موقع پر طلبہ کی تعلیمی ترقی کا اظہار اور انعامات تقسیم کئے جائیں تو عام طور پر ایک بیداری پیدا ہو کر اضافہ تعداد کی

صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

(۸) کھیلوں کی ترویج:۔ منظم و باقاعدہ جماعتی کھیلوں کی ترویج سے نہ صرف طلبہ کی صحت جسمانی میں ترقی ہوتی ہے بلکہ اُس سے اُن طلبہ میں بھی شریک مدرسہ ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے جنھوں نے ابھی تک مدرسہ میں شرکت نہیں کی ہے۔ جن مدارس میں کھیلوں کا باقاعدہ انتظام ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ وہاں اکثر لڑکے محض کھیلوں کی خاطر شریک ہیں۔ اس لئے اضافہ تعداد کے لئے جماعتی کھیلوں کا رواج نہایت ضروری ہے۔ اسپورٹس اور کھیلوں کے ذریعہ کھیل کے شوق کو بیدار اور عام کر کے غیر شریک بچوں کو اس طلسمی طاقت سے شرکت مدرسہ پر مائل کیا جا سکتا ہے کبھی کبھی اولیائے طلبہ کے روبرو اُن کے مقابلے اور مظاہرے ہوں تو مزید دلچسپی کا موجب ہے۔

حصہ سوم اسباب و وجوہ غیر حاضری

(۱) سزا اور سختی کا خوف:۔ سزا ایک دوا ہے جو خاص شرائط اور مقررہ پابندیوں کے ساتھ شدید مجبوری کی صورت میں استعمال ہونی چاہیئے بے جا استعمال بہت مضر نتائج پیدا کرتا ہے جس میں سے ایک غیر حاضری بھی ہے۔

(۲) اسباق کی بے ترتیبی:۔ تیاری اسباق کا یہ مقصد ہے کہ تصاویر اور نقشہ جات سے سبق کو کافی دلچسپ بنایا جائے معمولی یا ناقص تیاری سے سبق پڑھایا جائے تو غیر دلکش ہونے کی وجہ طلبہ کو یاد نہ رہ سکے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ سزا اور تنبیہ کا خوف دامنگیر ہو کر غیر حاضری شروع کر دیں گے۔

(۳) ہوم ورک:۔ مدارس کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ ہر مضمون میں روزآنہ ہوم ورک دیا جاتا ہے اسباق یاد کرنے کے لئے جس قدر وقت ملتا ہے وہ خود ناکافی ہوتا ہے پھر جب اتنے بہت سے مضامین کے ہوم ورک کی تکمیل سے طالب علم اپنے کو قاصر پاتا ہے تو بخوف ملامت و سرزنش غیر حاضر ہو جاتا ہے۔

(۴) مدرسین کا اولیاء طلبہ سے نہ ملنا:۔ بعض کھلاڑی بچے والدین کی خفگی کے خیال سے کتابیں بغل میں دبائے مدرسہ جانے کے بہانے سے گھر سے تو نکل جاتے ہیں لیکن مدرسہ جانے کی بجائے کھیل کود میں مصروف ہو جاتے ہیں اور ٹھیک چھٹی کے وقت گھر پہنچ کر یہ باور کراتے ہیں کہ وہ مدرسہ سے ابھی آرہے ہیں۔ اُن کی اس فریب کاری سے والدین کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ بچہ پڑھنے کے لئے روزانہ مدرسہ جارہا ہے اور مدرس صاحب کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید کسی کام کی خاطر بچہ گھر پر روک لیا گیا ہے۔ مدرسین ایسے طلبہ کے اولیاء سے نہ ملتے رہیں تو بتواتر یہ عمل جاری رہ کر غیر حاضری کی عادت کو راسخ کر دے گا۔

(۵) چھوٹی جماعت میں زیادہ تر مضامین ایک ہی مدرس کے تفویض نہ ہونا:۔ ابتدائی جماعتوں میں کلاس ٹیچروں کے گھنٹے زیادہ نہ ہوں تو طلبہ کو غیر حاضر ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

(۶) دیر حاضری بتدریج غیر حاضری کا سبب بننا:۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بچے کو جب مدرسہ آنے میں دیر ہو جاتی ہے تو مدرس کی زجر و توبیخ کے ڈر سے وہ غیر حاضر ہو جاتا ہے۔

(۷) چیدہ چیدہ طویل تعطیلات:۔ علی العموم دیکھا گیا ہے کہ تعطیل کے بعد مدرسہ کی اوسط حاضری گری ہوئی پائی جاتی ہے۔ متفرق طور پر درمیان میں جو تعطیلات واقع ہو جایا کرتی ہیں اس سے بھی طلبہ میں غیر حاضری کا میلان پیدا ہو جاتا ہے۔

(۸) ناقص جماعت بندی:۔ مدرسہ کی کارگزاری اور کامیابی کا سارا دارومدار محتاط اور سنجیدہ جماعت بندی پر موقوف ہے۔ اس میں ذری بھی لغزش ہو گی تو نااہل ناقص اور غیر موزوں لڑکوں کے اجتماع سے ایک تو معیار تعلیم گر جاتا ہے دوسرے خود طلبہ اپنی نااہلیت اور کم استعدادی کو محسوس کر کے غیر حاضر ہونے لگتے ہیں۔

(۹) فصول کے زمانہ میں اولیائے طلبہ بچوں کو زراعتی کاموں مثلاً کھانا لانے کھیتوں کی نگرانی کرنے اور دیگر کاروبار میں مصروف کر لیتے ہیں جس کی وجہ طلبہ مدرسے

غیر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں غیر حاضری ایک دو دن کی نہیں ہوتی مہینوں اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ اگر کسی جماعت میں زراعت پیشہ رعایا کے لڑکوں کی تعداد زیادہ ہو تو جماعت کی جماعت برباد ہو جاتی ہے۔ فصل خریف کی درو کے موقع پر تقریباً آبان کا پورا مہینہ اور ربیع کی درو کے موقع پر اسفندار اور فروردی کے مہینہ میں بالتخصیص حاضری بہت ناقص ہو جاتی ہے۔ ایک آدھ دن کی غیر حاضری سے جو خرابی پیدا ہو جائے اس کی تو مدرس بسہولت اصلاح کر سکتا ہے مگر طویل غیر حاضری کا نقصان ناقابل تلافی ہے۔ زراعتی کام کاج سے فارغ ہو کر طویل غیر حاضری کے بعد بچے جب مدرسہ آتے ہیں تو موافق نصاب تعلیم نہ پانے سے اہم مضامین میں کمزور اور سالانہ امتحان میں ناکام رہتے ہیں۔ اس سے ایک طرف مدرسہ کا سالانہ نتیجہ متاثر ہو جاتا ہے دوسری طرف مدرسہ کا معیار تعلیم بھی پست ہوتا ہے۔

حصہ چہارم - تدابیر اصلاح حاضری

(۱) سزا اور سختی کی وجہ طلبہ مدرسہ سے خائف اور اس کو ایک قید خانہ اور ہتوا سمجھنے لگتے ہیں۔ مدرس کا برتاؤ طلبہ کے ساتھ ایسا مشفقانہ ہونا چاہئے کہ وہ مدرسہ کو اپنا گھر سمجھ کر آئیں۔ کھیل کھیل ہی میں انھیں وہ سب کچھ بتا دیا جائے جس کا سیکھنا ان کے لئے ضروری ہے۔ شفقت محبت سے بڑے بڑے سنگ دل رام ہو سکتے ہیں تو معصوم بچوں کے قلوب کا مسخر ہونا کونسی بعید بات ہے۔ پیار خلوص ہمدردی سے طلبہ کو مانوس کر لیا جائے تو غیر حاضری کا سدباب ہو سکتا ہے۔

(۲) سبق اگر اچھی طرح یاد نہ ہو تو طالب علم بخوف تنبیہ غیر حاضر ہو جاتا ہے۔ سبق یاد نہ ہونے کے مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں خرابی حافظہ کی وجہ سبق یاد نہ ہونا، کمی استعداد کی وجہ سبق پر حاوی نہ ہونا۔ ایسی مثالیں کسی جماعت میں ایک دو ہی نکل سکتی ہیں۔ لیکن پوری جماعت کو یاد نہ ہو تو یہ اس کے غیر دلچسپ ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔ اساتذہ صاحبان کو کوشش کرنی چاہئے کہ قبل از قبل پوری تیاری کر کے

دلچسپ پیرایہ میں سبق پڑھائیں۔کمزور لڑکوں پر بطور خاص توجہ کریں اور ہمدردی سے اُن کی ہمت افزائی کریں۔

(۳) ہوم ورک کی زیادتی بھی غیرحاضری کا موجب ہے۔نہ صرف غیرحاضری کا موجب بلکہ مالی مشکلات کا باعث ہے۔ہر مضمون کا مدرس اپنے مضمون کا ہوم ورک تکمیل کروانا چاہتا ہے۔طالب علم جب ہوم ورک کی تکمیل سے اپنے کو عاجز سمجھتا ہے تو غیرحاضری اختیار کرتا ہے۔اس لئے روزانہ ہوم ورک دینے کا طریقہ بالکلیہ مسدود کر دینا چاہیئے۔البتہ تعطیلات کے زمانہ میں اردو ریاضی جیسے اہم مضامین میں اساتذہ صاحبان باہمی مشورہ سے ہوم ورک دیا کریں تو بخوبی اس کی تکمیل ہوسکتی ہے اور تعلیمی نقطہ نظر سے مفید بھی ہے۔

(۴) اولیائے طلبہ ایک دفعہ بچے کو شریک مدرسہ کرادینے کے بعد تعلیمی عدم دلچسپی کہیئے یا مشاغل کی کثرت کہ وہ پھر مہینوں برسوں مدرسہ نہیں آتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش اور بری الذمتہ ہیں۔ اُنہیں بچے کی حاضری غیرحاضری کی کوئی اطلاع نہیں۔کھلاڑی بچے ایسے سرپرستوں کو دھوکے میں رکھ کر خوب مغالطہ دے سکتے ہیں۔اس لئے اساتذہ صاحبان وقتاً فوقتاً اولیائے طلبہ سے مل کر بچوں کی حاضری و تعلیمی حالت سے مطلع و باخبر کرتے رہیں تو غیرحاضری کا انسداد ممکن ہے۔زمانہ تعطیل یا باوقات فرصت اولیائے طلبہ سے ملتے رہنا نہایت ضروری ہے۔صغیرسن بچے مدرسہ کی آمد و رفت سے جی چرانے لگتے ہیں جس سے جماعتوں کی حاضری متاثر ہوجاتی ہے۔اس کے لئے چپراسی مدرسہ کو غیرحاضر طلبہ کی فہرست دی جائے تو وہ آبادی میں گشت لگاکر بچوں کو مدرسہ لائے گا۔محلہ واری فہرستیں تیار کرکے بڑی عمر کے بچوں سے بھی اس کام میں مدد لی جاسکتی ہے۔

(۵) چھوٹی جماعتوں کا جو مدرس کلاس ٹیچر ہو حتی الامکان اس جماعت کے زیادہ مضامین اُس کے تفویض ہوں۔تاکہ طلبہ پر اس کی کافی نگرانی رہے اور غیرحاضری

روک تھام ہو سکے۔ چھوٹی جماعتوں میں چونکہ بچے غیر حاضری کے عادی ہوتے ہیں اس لئے کلاس ٹیچر کو اس جماعت کے زیادہ گھنٹے دینا بہت ضروری ہے۔ اس انتظام سے طلبہ کلاس ٹیچر سے مانوس ہو کر اس کے انس و محبت کی کشش کی وجہ حتی الامکان کم غیر حاضر ہوا کریں گے۔

(۶) عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بچہ مدرسہ کو دیر سے آتا ہے تو مدرس کے زجر و توبیخ کے ڈر سے غیر حاضر ہو جاتا ہے دیر حاضر بچوں پر کافی نگرانی رکھی جائے اور سرپرستوں کو آگاہ کیا جائے پابندی وقت اور حاضر باشی پر لکچر دینا عام طور پر مفید ثابت ہوتا ہے۔ حاضر باشی کے جماعتواری مقابلے کرانا اسکول میں حاضر باشی کے انعامات دینا حاضری بڑھانے میں سود مند ہے سال میں دو دفعہ حاضری کے انعامات تقسیم کئے جائیں جن میں کوئی ایک امتیازی نشان ہو۔

(۷) ایام درس کے سلسلہ میں چیدہ چیدہ اور متفرق طور پر تعطیلات کا واقع ہونا چھوٹی جماعت کے بچوں کو بالخصوص غیر حاضری کی جانب رہبری کرتا ہے چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ تعطیل کے بعد کی اوسط حاضری عموماً گری ہوئی رہتی ہے اور جب تک ایک آدھ ہفتہ مسلسل مدرسہ نہیں چلتا اس وقت تک حاضری کی اصلاح نہیں ہوتی اس لئے زمانہ تعطیل میں چھوٹی جماعت کے بچوں کو کسی مقامی مدرس کے زیر نگرانی مصروف رکھنے کا انتظام کیا جائے تو غالباً طلبہ کو غیر حاضری کا موقع نہ ملے گا۔

(۸) جماعت بندی کے موقع پر دوستی مروت سفارش وغیرہ کا ہرگز کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔ ناقص جماعت بندی سے مدرسہ کا ضبط متاثر ہونے کے علاوہ مدرسہ کی کارکردگی پر بھی حرف آتا ہے صرف انہیں طلبہ کو ترقی دی جائے جو قانوناً اور اصولاً ترقی کے مستحق ہوں نا اہل اور غیر مستحقین کو ہرگز ترقی نہ دی جائے۔

سفارشات پیش کردہ کمیٹی

(۱) دیہاتی رعایا کے ناخواندہ ہونے کے باعث مدارس کو بڑی دشواری

درپیش ہے تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان اپنے معاملات اور کاروبار کو بطریقہ احسن انجام دے سکتا ہے مگر دیہاتی باشندے جہالت کی وجہ ابھی تک لکیر فقیر اور زمانہ جاہلیت کے رسومات کے پیرو ہیں جب تک انہیں تعلیم نہ ہو یہ اپنے اور بچوں کے سود و بہبود کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے سے قاصر رہیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عوام کی جہالت دور کرنے کے لئے تعلیم بالغاں کی اسکیم کو جلد روبہ عمل لایا جائے تاکہ عوام میں معلومات کا اضافہ ہو۔

(۲) مدرسین کو حتی الامکان ان کے وطن یا وطن کے قرب وجوار کے مدارس پر متعین رکھا جائے اس لئے کہ ایسے مدرسین مدرسہ کی ترقی میں بہت مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ دیر قیامی وجہ تبادلہ نہ تصور فرمائی جائے (بجز خاص اسباب کے) مدرس جتنا دیر قیام ہوگا طلبہ اسی قدر اس سے مانوس ہوکر مدرسہ آیا کریں گے۔ اس لحاظ سے مدرسہ آباد کرنے کی یہ بھی ایک صورت ہے۔

(۳) حفظ صحت اور سبق الاشیاء کی کتب و مضامین علحدہ علحدہ مقرر کرانے کی بجائے منجانب سررشتہ ایسی ادبی کتابیں تیار کرائی جائیں جن میں یہ مضامین داخل ہوں اور اُن سے جو وقت بچ جائے اس کو ریاضی اور ادب کی تقویت میں صرف کیا جائے، تو مدرسہ کی کارکردگی میں بڑی خوبی پیدا ہو جائے گی۔ مدارس تحتانیہ میں چونکہ شفٹ سسٹم کے تحت طلبہ کو صرف تین گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے اس سے وقت کی کفایت اور مالی مفاد کے مدنظر بھی یہ صورت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

(۴) انسداد غیر حاضری زمانہ فصول کی خاطر متفرق اور چیدہ چیدہ تعطیلات کو منسوخ فرماکر بلحاظ فصول تعطیل کا انتظام فرمایا جائے تو مناسب ہے۔

شذرات

جلسہ تعلیمی و سالانہ مدرسہ تحتانیہ جونا بازار اورنگ آباد ۔ مدرسہ ہذا کا سالانہ جلسہ بصدارت جناب نورالنسا بیگم صاحبہ بی۔اے آنرس مہتمم مدارس نسوان اورنگ آباد بتاریخ ۸ خورداد ۱۳۴۹ ف ٹاؤن ہال اورنگ آباد میں منایا گیا جلسہ کے تمام انتظامات کم سن بچوں کے تفویض تھے تقریباً جملہ عہدہ داران مقامی نے جلسہ میں شرکت فرمائی ۔ ذوالفقار حسین و اختر صدیقی متعلمین کی تحریک و تائید سے تالیوں کی گونج میں مہتمم صاحبہ کرسی صدارت پر متمکن ہوئیں۔ محمد قاسم متعلم نے قرأت اور دوسرے بچوں نے ترانہ دکن پڑھا شیخ احمد صاحب صدر مدرسہ نے رپورٹ مدرسہ سنائی اور متعلمین مدرسہ نے مکالمہ "لمحات تعلیمی" عمدگی سے ادا کیا۔ ذوالفقار حسین و رام چند متعلمین نے خورشید علی خاں صاحب مددگار صوبہ داری کی نظم "چائے دودھ" اور اختر صدیقی متعلم نے حضرت سلطان العلوم آصفجاہ سابع کے دور میں علمی ترقیات کے عنوان پر مضمون پڑھا۔ اس کے بعد دوسرا مکالمہ "خودداری طالبعلم" ادا کیا گیا۔ مسٹر سلطان محی الدین اور ان کے شاگرد مختار عالم۔ شیخ احمد محمد عثمان اور محمد شفیع متعلمین مدرسہ نے دلچسپ جسمانی کرتب دکھلائے۔ پھر ایک مزاحیہ مکالمہ "مجسمہ کفایت شعاری" طلبہ نے عمدگی سے ادا کیا۔ نماز مغرب کے بعد مہمانوں کی تواضع شربت وغیرہ سے کی گئی اس کے بعد ترک مسکرات کا ڈرامہ موسوم بہ "عبرت" مصنفہ ولی حیدرآبادی صدر مدرسہ و طلبہ نے بحسن و خوبی اسٹیج کیا۔ اختتام ڈرامہ پر صدر جلسہ نے ایک فاضلانہ تقریر فرمائی اور مدرسہ کی ترقی پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے کامیابی جلسہ کا سہرا صدر مدرسہ کے سر باندھا۔ جناب خورشید علی خاں صاحب مددگار صوبہ داری کی جانب سے مبلغ (۵عـہ) اور صدر جلسہ کی جانب سے مبلغ (۵عـہ) روپیہ کے انعامی عطیوں کا اعلان فرمایا گیا و نیز جناب صادق علی صاحب مددگار وسطانیہ چیلی پورہ اور جناب عبدالرحمن صاحب مہتمم پنچکی کی جانب سے دو تمغہ جات مختص اداکار طلبہ کو دئے جانے کا اعلان فرمایا گیا

بعد ازیں ذوالفقار علی متعلم نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور دعائے سلامتی حضرت اقدس و اعلیٰ پر جلسہ ختم ہوا۔

جلسہ انجمن اتحاد باہمی ناگل پلی ضلع میدک۔ جناب مولوی بہر علی مرزا صاحب انسکپٹر انجمن امداد باہمی ضلع میدک نے جلسہ میں اسٹاف وطلبہ مدرسہ تحتانیہ ماسائی پیٹھ کو مدعو فرمایا بصدارت جناب مولوی عبدالعزیز خاں صاحب مددگار ناظم انجمن اتحاد باہمی تقریباً (۵) بجے اسپورٹس شروع ہوئے۔ ختم اسپورٹس پر محترم صدر نے انعامات تقسیم فرمائے اور ایک تقریر فرمائی جس میں مدرسین کو معمار ملک و قوم فرمایا۔ آخر میں طلبہ و اساتذہ کی عکس کشی ہوئی اور جلسہ برخاست ہوا۔

یوم والدین مدرسہ تحتانیہ قصبہ وڈیمان ضلع محبوب نگر۔ بعد ختم امتحان سالانہ بصدارت مسٹر لچھما راؤ پٹواری جلسہ منعقد ہوا۔ اولیا ر طلبہ کے علاوہ ذی اثر و خوش باش حضرات بھی شریک تھے صدر مدرسہ نے یوم والدین کی اہمیت بیان کی۔ کنڈیا و ابوطالب متعلمان جماعت چہارم نے حمد و ترانۂ شاہی خوش الحانی سے پڑھا۔ اس کے بعد طلبہ جماعت چہارم سوم و دوم نے بزبان تلنگی و اُردو تقاریر کیں۔ مولوی محمدؐ عظیم الدین صاحب مددگار نے مدرسین کے ساتھ اولیائے طلبہ کے تعاون کے عنوان پر تقریر کی۔ صدر نشین صاحب نے بھی اسی عنوان اور فوائد علم پر پُر زور تقریر کی۔ آخر میں اعلیٰ حضرت بندگان عالی و خانوادہ آصفی کی دعائے سلامتی پر جلسہ ختم ہوا۔

جلسہ انجمن اساتذہ مدرسۂ تحتانیہ را ائم پیٹھ۔ بہمن ۱۳۴۹ف میں مسٹر سدانندم مددگار نے جماعت سوم تلنگی کو جغرافیہ پر سبق پڑھایا۔ اور اسفندار میں مولوی سید نبی صاحب و مولوی محمدؐ قاسم صاحب مسٹر رنگیا و سورمنم نے بعنوان "تدابیر توفیر طلبہ" تقریریں۔ تقریباً ہر ایک نے اس امر پر زور دیا کہ اگر اساتذہ اولیائے طلبہ سے میل جول پیدا کرکے ان کو تعلیمی فوائد سمجھاتے رہیں تو توفیر طلبہ کی توقع ہے۔ صدر جلسہ نے کہا کہ موجودہ تبدیلی سے چند مشکلات پیش آرہی ہیں۔ جو تعاون اولیار کے بعد رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گے۔

انجمن اساتذہ مدرسۂ تحتانیہ منیال ضلع میدک ۔ بتاریخ ۲۸ بہمن بعنوان "فرائض مدرسین" مولوی سید غالب علی صاحب نے تقریر کی ۔آپ نے بتایا کہ پیشہ میں کامیابی کا انحصار انہماک پر ہے۔ مدرس کو ۲۴ گھنٹے طلبہ کی تعلیم و تربیت میں منہمک ہونا چاہیئے۔ اولیار طلبہ کے رنج و خوشی کے موقعوں پر اُن کے ساتھ شریک رہنا چاہیئے۔ مدرس کو اسباق کے اشارات تیار کرنے چاہئیں۔ پابندی اوقات ضبط اور صفائی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ نشست و برخاست اور حرکات و سکنات لب و لہجہ میں بھی خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

جشن پنجاہ سالہ مدرسہ تحتانیہ ہنمکنڈہ ۔ سر سالار جنگ بہادر اول کے زمانے میں علاوہ دیگر بڑے بڑے مقامات کے ورنگل پر بھی ۱۲۹۴ف میں محلہ دیول ہزار ستون میں مدرسہ قائم ہوا اور تاریخ قیام سے آج تک اسی محلہ میں قائم ہے اسی بنا پر منجانب مدرسہ پچاس سالہ جشن مدرسہ بتاریخ ۱۱ خورداد ۴۹ف منعقد کیا گیا جس میں عہدہ داران و وکلاء و معززین محلہ کے علاوہ سابق صدر مدرسین جو تاریخ قیام سے کارگذار تھے، ان کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا چنانچہ منجملہ ۱۷ صدر مدرسین صاحبان کے ۹ صدر مدرسین بقید حیات ہیں جن میں سے ۸ صدر مدرسین صاحبان نے شرکت فرمائی ۔ مولوی احمد شریف صاحب صدر مدرسہ نے تفصیلی رپورٹ سنا کر عہدہ داران مقامی و سررشتہ و پبلک سے فلاح و بہبود مدرسہ کے لئے اپیل کی ۔ وقفۂ مغرب کے بعد مولوی محمد احمد اللہ صاحب مہتمم تعلیمات ضلع نے طلبہ کو شیرینی تقسیم فرمائی نیز مولوی محمد افضل صاحب مددگار مدرسہ ہذا نے نظم بعنوان "ہمارا مدرسہ" پڑھ کر اور پنڈت آونچہ وینکٹ راؤ صاحب وکیل ہائیکورٹ نے اتفاق و اتحاد پر تقریر فرما کر سامعین پر خاص اثر کیا من بعد عالی جناب شیخ ابوالحسن صاحب صدر مہتمم صوبہ ہذا نے مدرسین و اولیائے طلبہ میں اشتراک عمل پر پُرجوش تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مولوی احمد شریف صاحب صدر مدرسہ نے بلا امداد دفتر پبلک سے تعاون کرکے مدرسہ کے اہم ضروریات کی تکمیل کی ہے جو ہر بڑے مدرسہ تحتانیہ کے لئے قابل تقلید ہے میرے تجربہ میں ایسے صدر مدرسین کم نظر آئے ۔

اس کے بعد مہتمم صاحب تعلیمات نے مدرسہ کی جانب سے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت حضور پرنور و خانوادۂ شاہی کی سلامتی و ترقی عمر و اقبال کے لئے دعا فرمائی۔

میقات دوم میں اولیائے طلبہ و معززین کی ضیافت معقول طریقے پر کی گئی، جس کے لئے مدرسہ ہذا مسٹر گورنٹلہ کیادری ساہو و مولوی قادر حسین صاحب بی۔ اے بنجر دار کے حسن انتظام کا ممنون ہے یہ جلسہ شب کے دس بجے نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔

جلسہ ہائے انجمن اساتذہ مدرسہ فوقانیہ بیدر۔ آذر ۱۳۴۹ف کا جلسہ بہ عنوان دستی مشاغل زیر صدارت صدر مدرسہ منعقد ہوا۔ مولوی سید ابراہیم صاحب معلم ڈرائنگ باغبانی و دستی مشاغل نے کمرہ دستی مشاغل و کمپونڈ باغ میں دستی مشاغل کے کام کی نمائش کی اور مضمون کی اہمیت کو ظاہر فرماتے ہوئے حسب ذیل فوائد بیان فرمائے۔ عملی کام سے لڑکے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ اور کند ذہن لڑکا بھی رفتہ رفتہ ذہین بن سکتا ہے جس کے ثبوت میں ڈاکٹر اسٹینلی ہال Dr. Stanly Hall کا مقولہ کہ" دستی مشاغل میں عضلات کی تربیت مختلف مراکز دماغی کی نشونما کا موجب ہوتی ہے اور دستی مشاغل کی تعلیم میں مدرس صرف نگرانی اور مناسب اصلاح کرے بچے اپنے انتخاب کی چیزیں بنائیں۔ کام میں صفائی و نفاست کا اور بچوں کی استعداد کا ضرور خیال کیا جائے تاکہ آئندہ ان کے لئے کسب معاش کا ذریعہ بن رہے۔

دوسرا جلسہ بہ عنوان حفظان صحت اسفندار میں منعقد ہوا۔ مولوی قمر الدین صاحب نے اپنا مضمون سنایا جس میں صحت کی اہمیّت کو واضح کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ لڑکا اپنی روزآنہ زندگی کا کافی حصہ گھر میں صرف کرتا ہے لہذا لڑکوں کی صحت و جسمانی تندرستی برقرار رکھنے کے لئے استاد و والدین و سرپرست کا اتحاد عمل ضروری ہے۔ معائنہ طبی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ اس وقت تک بے کار ہے جب تک والدین و سرپرست اس میں بخوبی دلچسپی نہ لیں۔ مولوی عبد الحمید صاحب شوق و مولوی مرزا کاظم بیگ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد جناب صدر نے تقاریر پر تنقید فرمائی۔

تیسرا جلسہ فروردی ۴۹ف میں منعقد ہوا۔ مولوی حبیب اللہ صاحب وفا نے تعلیم کے اہم اجزا معلم، نصاب تعلیم اور متعلم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے معلم کی شخصیت ولیاقت اور نصاب تعلیم کے اثرات جو متعلم پر پڑتے ہیں واضح کئے اور بیان کیا کہ تعلیم کا مقصد خداشناسی اور اطوار کا سنوارنا ہے نہ کہ حصول ملازمت بفضل الرحمن صاحب نے بھی تہذیب نفس اور تعلیم کے اعلیٰ مقاصد پر روشنی ڈالی۔ آخر میں صدر جلسہ نے تقاریر پر تنقید فرمائی۔

چوتھا جلسہ اردی بہشت میں منعقد ہوا۔ مولوی عبدالحمید صاحب شوق نے تعلیم بطریق کھیل پر تقریر کرتے ہوئے جدید ترقیات کا ذکر کیا جس میں بچے کی فطرت کے مطالعہ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ جناب وفا صاحب نے فرمایا کہ بچے کی کھیل پسند جبلت سے مدرس کو کام لینا چاہئے۔ کشنا چاری صاحب نے فرمایا کہ تعلیم بطریق کھیل کا طریقہ اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ نصاب کی کوئی قید نہ ہو اور طالب علم و مدرس دونوں کو اپنا راستہ آزادی کے ساتھ متعین کرنے کا اختیار ہو۔ مرزا کاظم علی بیگ صاحب نے فرمایا کہ تعلیم میں دلچسپی لی جائے تو ہر مضمون بطریق کھیل پڑھایا جاسکتا ہے۔ مولوی بشیرالدین صاحب نے فرمایا کہ کھیل طبیعت میں مادہ قبولیت پیدا کرتا ہے۔ جناب صدر نے فرمایا کہ اس طریقہ کو ہر مدرسہ میں جاری کرنے میں مشکلات کا امکان ہے۔ تاہم اس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مدرسہ تحتانیہ یلدرنی ۔ بتاریخ ۲۵ دی ۴۹ف بوقت ۲ ½ ساعت کشٹیا صاحب منصرم صدر مدرس نے جماعت چہارم اردو کو تاریخ پر بعنوان "محمد قلی قطب شاہ" نمونہ کا سبق پڑھایا۔ سوالات اجماعی تھے اور جوابات انفرادی۔ نقشہ اور خلاصہ بھی ہوا۔

جلسہ انجمن اساتذہ مرکز مدرسۂ وسطانیہ سلطان بازار ۔ بتاریخ ۷ فروردی ۴۹ف بوقت ۲ ساعت بصدارت جناب مولوی سعیدالدین خاں صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی جلسہ کا آغاز ہوا۔ سیرت سازی پر مولوی عبدالجلیل صاحب مددگار مدرسہ نے تقریر کی۔ درستی اخلاق میں اولیائے طلبہ کا تعاون۔ اور زمانہ تربیت میں نگرانی اور اسکی طریقہ

ضرورت بتائی۔ مولوی محبوب علی شاہ صاحب مددگار مدرسہ تحتانیہ عثمان شاہی نے فرمایا کہ خود مدرس کو عمدہ نمونہ ہونا چاہیئے۔ طلبہ میں خدا کا خوف۔ بادشاہ کے ساتھ وفاداری ماں باپ کی اطاعت اور آداب بزرگان کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ بالآخر جناب صدر نے فرمایا کہ اخلاقی تعلیم بلاواسطہ اور بالواسطہ دی جاسکتی ہے۔ زندگی کے اعلیٰ نمونے شستہ زبان میں پیش کرنے۔ ذہنی تربیت۔ نمونہ مدرس۔ کھیلوں کی تنظیم اور عمدہ جسمانی تربیت سے سیرت سازی میں مدد لینی چاہیئے۔

بتاریخ ۲۹ ماردی بہشت ۱۳۴۹ف مولوی دلدار حسین صاحب مددگار مدرسہ تحتانیہ کاچی گوڑہ نے جغرافیہ پر بعنوان "نسیم بری و بحری" نمونے کا سبق دیا، جو کامیاب رہا۔

روئداد مدرسہ تحتانیہ منجال ضلع میدک۔ ماہ فروردی ۱۳۴۹ف کا جلسہ ماہانہ بعنوان "اشتراک بہ والدین طلبہ" منعقد ہوا۔ جس میں مہیپال ریڈی صاحب نے تقریر فرمائی۔ آپ نے اس بات کی اہمیت ظاہر فرمائی کہ لڑکے کی تعلیم و تربیت کا تعلق زیادہ تر سرپرستوں اور اساتذہ کی اتحاد عمل سے ہے۔ تاوقتیکہ سرپرست اساتذہ سے اتحاد عمل نہ کریں لڑکے کی تربیت کا سوال نامکمل ہی رہتا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے آپ نے فرمایا کہ بوقت شرکت طلبہ اور والدین کا مدرسہ میں حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اساتذہ سے واقف ہوں مدرسہ کے سالانہ جلسے یا اسپورٹس میں انہیں مدعو کیا جائے۔ و نیز تعلیمی رپورٹوں سے ان کو مطلع کیا جائے۔

جلسہ انجمن اساتذہ مدرسہ وسطانیہ سداسیو پیٹھ۔ بتاریخ ۲۹ اسفندار ۱۳۴۹ف جلسہ ماہانہ بعنوان "ابتدائی جماعتوں میں طلبہ کی دیرقیامی کے وجوہ اور ان کے انسدادی تدابیر" منعقد ہوا۔ مولوی رفیع اللہ صاحب نے فرمایا کہ ابتدائی نقائص ہی اعلیٰ جماعتوں میں دیرقیامی کا موجب ہوتے ہیں۔ جس کے وجوہ یہ ہیں کہ بوقت داخلہ لڑکے کی عمر پر غور نہیں کیا جاتا۔ داخلہ کا عمل سال تمام رہتا ہے اس کی مدت محدود کی جائے۔ چھوٹے بچوں کی حاضری کا ضروری لحاظ ہو اور ان کو کنڈرگارٹن کے اصول پر تعلیم دی جائے جو کھیل کے طریقہ پر فطرت کے موافق ہو۔ اختتام پر جناب صدر نے تنقیدی تقریر فرماتے ہوئے آبادی مدرسہ کے متعلق چند امور کو پیش فرمایا اور جلسہ برخاست کیا گیا۔

یوم والدین مدرسہ تحتانیہ لنگسگور - بتاریخ ۹ مہر خور داد ۱۳۴۹ف بہ صدارت جناب مولوی سید زین العابدین صاحب دوم تعلقدار منعقد ہوا جدباری اور سیٹھ کیپے راؤ وکیل کی خیر مقدمی تقریر کے بعد طلبہ کے مکالمے و تقاریر ہوئیں دیگر اراکین جلسہ نے تعلیم کی اہمیت پر اظہار خیال فرمایا۔ مسٹر ہنمنت راؤ کے سالانہ رپورٹ سنانے کے بعد صدر مدرس صاحب مدرسہ لنگسگور نے "مدرس اور والدین طلبہ کے تعاون" پر موثر تقریر فرمائی۔ صدر جلسہ کی تنقیدی تقریر کے بعد اعلیٰ حضرت حضور پر نور کی دعا سلامتی پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

جلسہ سالانہ مدرسہ تحتانیہ گجبول - بتاریخ ۲۸ فروردی ۱۳۴۹ف بصدارت جناب پی۔جی۔ پالکر صاحب منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز پرچم آصفی کی سلامی کے ساتھ ہوا۔ زاں بعد اسپورٹس کے مقابلے شروع ہوئے۔ صدر مدرس صاحب نے سالانہ رپورٹ سنائی۔ مولوی احمد حسین صاحب نے معلومات دیہی پر نمونہ کا سبق دیا۔ صدر مدرس نے تیاری اسباق اور غیر حاضری طلبہ کے نقصانات پر موثر تقریر فرمائی اور ادب، پرکسن طلبہ کو سبق دیا۔ طلبہ جماعت پنجم و چہارم نے سنابینی و حرص وہوس پر دلچسپ مکالمے کئے۔ اختتام پر صدر جلسہ نے اسپورٹس کے جیتنے والے طلبہ کو انعامات تقسیم کئے اور ایک مختصر مفید تقریر فرمائی۔ جلسہ کا اختتام حضور پر نور اعلیٰ حضرت کی دعا سلامتی پر ہوا۔

جلسہ سالانہ مدرسہ تحتانیہ دونگاون - بتاریخ ۱۸ اردی بہشت ۱۳۴۹ف بصدارت جناب ابراہیم خاں صاحب بی۔اے انسپکٹر آبکاری منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز قرات و حمد باری تعالیٰ سے ہوا۔ صدر مدرسہ نے رپورٹ سنائی اور والدین کی امداد کی خواہش کی۔ طلبہ کے دلچسپ مکالمے کے بعد متعدد اساتذہ صاحبان نے دلچسپ تقریریں کیں۔ صدر جلسہ کی اختتامی تقریر پُر اثر تھی جس کی وجہ سے رعایا و حاضرین جلسہ نے دلی مدد کا وعدہ کیا۔ شکریہ کے بعد جلسہ کا اختتام ترانہ دکن و دعا سلامتی حضور پر نور و شہزادگاں بلند اقبال و شہزادیاں فرخندہ فال پر ہوا۔

تنقید و تبصرہ

تعلیمی کھیل مصنفہ ڈبلیو۔ ایم۔ رائبرن ایم۔ اے و پنڈت ہنسراج ایس۔ وی
۲۔ حصے۔ ہر حصے کی قیمت ۴ کلدار۔ ملنے کا پتہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔

آج کل کھیل کھیل میں تعلیم دینے کے طریقہ کو بہت اہمیت دی جارہی ہے مگر اُردو میں ایسی کتابیں کم ہیں جو مدرسین کی رہنمائی اور بچوں کے لئے دلچسپی کا سامان فراہم کرسکیں۔ یہ کتاب فاضل مصنفین نے اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی ہے اور اپنے لگاتار تجربوں کی بنا پر ایسے کھیل بنائے ہیں جو بچوں کے جذبۂ اعجوبہ پسندی کو اُبھاریں اور اُن کی توجہ اپنی طرف مائل کریں۔ ساتھ ہی اس امر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ اُردو زبان کے الفاظ بچوں کے ذہن نشین ہوجائیں اور متضاد الفاظ کی شناخت واحد جمع اور تذکیر و تانیث پر عبور ہوجائے۔ اس طور سے نہ صرف اردو حرف کی کٹھن گھاٹیوں سے گذرنے میں بچوں کو کافی مدد پہنچائی گئی ہے بلکہ جملہ کی ساخت اور سوالیہ، امریہ او ربیانیہ جملوں کی ترکیب سے روشناس کرکے نحو کی دشواریاں بھی دور کردی گئی ہیں۔ زبان کے ساتھ ساتھ قوائے ذہنیہ کی طرف بھی توجہ کی گئی مثلاً قوتِ فیصلہ کی مشق کے لئے اس قسم کے کھیل دئے گئے ہیں۔

گلہری کی تصویر

میں پانی میں تیر سکتی ہیں
میں باریک سوت کات سکتی ہوں۔
میں گٹھلی کتر سکتی ہوں۔

بچے ان جملوں کا مقابلہ کرکے فیصلہ کرنا سیکھتے ہیں کہ ان میں کونسی بات گلہری پر صادق آتی ہے ادھوری تصویروں کی کمی پورا کرنے اور رنگ بھرنے کے کھیلوں سے آرٹ سے مانوس کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بعض جگہ غالباً سہواً اسباق کی تکرار ہو گئی ہے۔ چنانچہ پہلی کتاب کے صفحہ ۱۲ کا دسواں سبق دوسری کتاب کے صفحہ ۱۳ پر من وعن موجود ہے۔ اسی طرح "میں کیا کرتا ہوں" کا سبق پہلی اور دوسری دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ اس تکرار کے علاوہ چند غیر معیاری الفاظ بھی کتاب میں آگئے ہیں جیسے بجھارت جو نہ ہندی ہے نہ اُردو بلکہ شائد پنجابی ہے اور ہندی میں پہیلی کا لفظ مستعمل ہے اور اس سلسلہ میں بعض جگہ استعمال بھی ہوا ہے۔

ہماری رائے میں یہ سلسلہ بچوں کے لئے دلچسپ اور بے حد مفید ثابت ہوگا لکھائی چھپائی اچھی ہے اور سارے کھیل مصوّر ہیں۔

راجہ دسرتھ گوتم بدھ نور جہاں۔ مصنفہ خدیجہ بیگم صاحبہ مانٹ سوری ٹرینڈ (لندن) مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس ملنے کا پتہ۔ سید عبدالقادر اینڈ سنز حیدرآباد دکن۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ زبانِ اُردو میں ابتدائی جماعتوں کے کمسن بچوں کے مطالعہ کے لئے جو بھی ذخیرہ ہے، وہ ناکافی ہے۔ علاوہ درسی کتابوں کے ایسی کتابوں کی ہمیشہ کمی محسوس کی گئی ہے، جو موزون اور مناسب گانوں، کہانیوں اور ڈراموں پر مشتمل ہوں۔ ان حالات کے تحت خدیجہ بیگم صاحبہ کی مساعی بلاشبہ قابلِ مُبارکباد ہیں۔ راجہ دسرتھ، گوتم بدھ، اور نور جہاں کی تصنیف میں مصنف موصوفہ نے نہ صرف بچوں کی دلچسپی اوران کی جذباتی کیفیات کا لحاظ رکھا ہے بلکہ تاریخی معلومات کو اخلاقی نقطۂ نظر سے پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ زیر بحث ڈراموں کی زبان صاف سلیس اور بامحاورہ ہے اور مضامین ہندوستانی تہذیب کے سبق آموز عمدہ نمونے ہیں۔ ان ڈراموں کی ترتیب میں اسبات کا بھی بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ محض معمولی ساز و سامان کے ساتھ اور نسبتاً بہت ہی کم وقت میں اِن کو اسٹیج پر لایا جا سکے۔ اِن سہولتوں کے مدِ نظر ہماری رائے میں ممالک محروسہ کے تمام مدارس تحتانی میں اِن سے استفادہ کرنے کی کوشش کی جائے تو اچھے تعلیمی فوائد حاصل ہوں گے۔

وظیفہ یادگار نواب مسعود جنگ بہادر

سررشتہ تعلیمات کے نان گزیٹیڈ معلمین ومعلمات اور اہلکاروں کے فرزند یا دختر کو جو امتحان ہائی سکول لیونگ سرٹیفکٹ یا امتحان عثمانیہ میٹرک میں سب سے زیادہ نشانات لے کر کامیاب ہوا ور آئندہ کالج کی تعلیم حاصل کرنا چاہے وظیفہ یادگار نواب مسعود جنگ بہادر تعدادی (دس روپیہ) ماہانہ امرداد ۱۳۴۹ف سے چار سال کے لئے بشرطیکہ وہ ہر سال امتحان سالانہ میں کامیاب ہوتا رہے، دیا جائے گا۔

کالج کی تعلیم میں ادبی تعلیم کے ساتھ فن اور پیشہ کی تعلیم بھی داخل ہے معلمین و معلمات و اہلکاران مدارس امدادی بھی باغراض مذکور سررشتہ تعلیمات کے معلمین ومعلمات و اہلکاران میں شامل ہیں۔

چونکہ سال ۱۳۴۸ف کا وظیفہ امتحان ہائی سکول لیونگ سرٹیفکٹ بابتہ ۱۳۴۸ف کے کامیاب امیدوار مسمی وی۔ سبا راؤ ولد وی۔ سمپتی راؤ طالب علم جماعت جونیر انٹر نظام کالج کو دیا گیا ہے۔ اس لئے سال ۱۳۴۹ف کا وظیفہ امتحان عثمانیہ میٹرک بابتہ ۱۳۴۹ف کے اُس ملکی طالب علم کو دیا جائے گا جو امتحان مذکور میں سب سے زیادہ نشانات لے کر کامیاب ہوا ہو اور تعلیم جاری رکھنا چاہے۔ پس سررشتہ تعلیمات کے نان گزیٹیڈ معلمین ومعلمات و اہلکاران جن کے فرزند یا دختر امتحان عثمانیہ میٹرک بابتہ ۱۳۴۹ف میں کامیاب ہوئے ہوں وہ نظامت تعلیمات سے درخواست وظیفہ مذکور کا فارم بادائی قیمت ایک آنہ حاصل کر کے نظامت تعلیمات میں ختم مہر ۱۳۴۹ف تک پیش کر سکتے ہیں۔ بیرون حیدرآباد کے نان گزیٹیڈ معلمین ومعلمات و اہلکاران کو فارم کی قیمت کے علاوہ ٹکٹ ٹپہ بھی بھیجنے پر دفتر ہذا سے فارم بھیجدیا جائے گا۔

(حسب مسودہ دستخطی ناظم صاحب)

شرحِ دستخط

مددگار ناظم تعلیمات

افتتاحیہ

سر مہاراجہ کشن پرشاد کی وفات حسرت آیات

ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے ۸ مئی ۱۹۴۰ء مطابق ۱۳۴۹ف کو مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا ۔ اس خبر نے سارے شہر کو رنج و محن میں مبتلا کر دیا ۔ ہر چھوٹا بڑا بلا لحاظ مذہب و ملت ملول نظر آتا تھا اور ہزاروں ایسے بھی نظر آئے جو اشکبار تھے ۔

مہاراجہ بہادر بیسیوں خوبیوں سے متصف اور ایک اعلیٰ کردار کے حامل تھے ۔ اپنے نانا مہاراجہ نریندر پرشاد بہادر کے آغوش میں تربیت پائی ۔ اُردو اور فارسی کے ادیب ہونے کے علاوہ وہ بہت اچھے خطاط، اور آرٹسٹ بھی تھے ۔ اپنے نانا کے انتقال کے بعد جاگیر اور املاک پر متصرف ہوئے پھر موروثی خدمت پیشکاری کے علاوہ وزیر فوج مدارالمہامی فوج اور صدر اعظمی کی خدمات جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ آپ کا نصب العین ہمیشہ ملک کی خدمت اور مالک سے وفاداری رہا ۔ باوجود امارت کے طبیعت میں سادگی اور انکسار تھا ۔ آپ کا دربار مرجع خاص و عام رہا ۔ آپ کی داد و دہش اور آپ کی فیاضی اس زمانے میں فقید النظیر تھی ۔ مہاراجہ بہادر اُردو کے اچھے ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے ۔ باوجود گوناگوں مصروفیات کے ہمیشہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا چنانچہ بیکنٹھ باشی نے کئی درجن تالیفات چھوڑی ہیں ۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان شعر و سخن اور ادب کو پہنچا ۔ آپ کی محفلیں کبھی باکمال لوگوں سے خالی نہ رہیں ۔ اور ہمیشہ آپ اُن کی سرپرستی اور امداد فرماتے رہے ۔ تعلیمی امور میں خاص طور پر دلچسپی لی جب کبھی بیکنٹھ باشی نے اصلاع کا دورہ فرمایا تو مدارس کو کبھی نہ بھولے ۔ مدرسین کو انعامات دیے اور طلبہ کی امداد فرمائی ۔ انجمن اساتذہ بلدہ کی دوسری سالانہ کانفرنس کا افتتاح فرمایا ۔ مہاراجہ بہادر کی موت ایک ادیب، ایک شاعر، ایک عالم اور ایک سیاس کی موت ہے ماہل ملک جس قدر بھی ماتم کریں کم ہے ۔ ہم انتہائی رنج و الم کے ساتھ دست بدعا ہیں کہ خداوند تعالیٰ اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔

لیڈی حیدری کی وفات حسرت آیات

۹؍امرداد ۱۳۴۹ف کو لیڈی حیدری کے انتقال کی خبر انتہائی حزن و ملال کے ساتھ سنی گئی۔ مرحومہ اپنی سماجی خدمات اور اصلاحی کارناموں کے باعث طبقہ خواتین میں ممتاز حیثیت کی مالک تھیں ملکی فلاح و بہبود میں ایک درد مند دل رکھتی تھیں۔ چنانچہ حیدرآباد میں متعدد تعلیمی اداروں کی بنا ڈالی اور ان میں گہری دلچسپی لی۔

۱۹۰۸ء کی طغیانی میں مصیبت زدگان کی امداد اور ان کے مصائب میں تخفیف کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور جنگ عظیم میں ریلیف فنڈ جمع کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔

طبقہ خواتین ہمیشہ مرحومہ کا رہین منت رہیگا کہ سب سے پہلے مرحومہ نے خواتین میں سماجی شعور پیدا کرنے کی جدوجہد کی اور ان کے اصلاحی کاموں میں نمایاں حصہ لیا۔ مرحومہ مشرقی اور اسلامی زندگی کا قابل تقلید نمونہ تھیں اور طبقہ نسواں میں اس کی احیاء کی مسلسل کوشش کرتی رہیں۔ مرحومہ میں بڑی خوبی یہ تھی کہ باوجود مصروفیات کے انتظام خانہ کے جملہ مراحل وہ اپنی ذاتی نگرانی میں انجام دیا کرتی تھیں اور اپنے معزز شوہر کی راحت و آرام کا ہر وقت خیال رکھا۔ ان کے علاوہ مختلف انجمنوں کی صدارت بھی اپنے ذمہ کر رکھی تھی تنظیم تعلیم ثانوی کے ضمن میں جب مجلس تعلیم ثانوی کی تشکیل عمل میں آئی اور تعلیمی امور میں نسوانی نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے ویمنس ایجوکیشن کمیٹی مقرر کی گئی تو مرحومہ علاوہ رکنیت بورڈ کے اس کمیٹی کی صدر بھی مقرر ہوئیں۔ آپ کی رہنمائی اور قیادت میں تعلیم نسوان کی حد تک ادنیٰ ثانوی منزل کے تمام نصابی امور طے پائے اور انتظام خانہ داری کو عملی حیثیت سے نمایاں جگہ دی گئی۔ غرضکہ محترمہ کی زندگی نسوانی کردار کا ایک اعلیٰ اور قابل تقلید نمونہ تھی۔ مرحومہ نے عام طور پر ملکی فلاح و بہبود اور خاص کر طبقہ نسوان کی جو بیش بہا خدمت انجام دی ہیں وہ تاریخ دکن میں یادگار رہیں گی ہمیں اس نوبت پر نسوانی حیات عامہ کی رہنمائی سے محروم ہو جانے کا ملال ہے۔

ہم مرحومہ کے انتقال پر گہرے رنج و الم کا اظہار کرتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ خداوند متعال مرحومہ کے درجات بلند کرے اور رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

Review

Suggestions for the Teaching of the Mother Tongue in India. By W. M. Ryburn, M. A., Oxford University Press, 1940, Price B. G. Rs. 2/8/-

The book under review covers over 200 pages and is written for English knowing vernacular teachers, with special reference to the teaching of Urdu in Indian Schools. The book, as its name indicates, is a book of suggestions and presupposes previous knowledge of the detailed technique of language teaching.

Generally speaking, methods followed in handling Indian languages are antiquated and new methods are not brought to the service of the mother tongue. In this book the author shows lucidly how the latest methods—playway and project—could with advantage be utilised by the vernacular teacher.

One novel feature of the book is the suggestion for correlating the form of Urdu letters to various material objects—for example, a boat with the main mast denoting the form of the letter (ب)—which not only gives practice in free arm movements but also initiates the young learner in the art of reading and writing in a very interesting and effective way.

The place of importance which the learned author has assigned to the grammar of the Arabic and Persian languages in the teaching of Urdu may not commend itself to many. A knowledge of Persian and Arabic grammar is in no way necessary. Indeed, experience has shown that those who know little of it speak and write better and more idiomatic Urdu than those who are well versed in it.

On the whole, the book is not only interesting but is full of valuable information and useful suggestions.

FAKHRUL HASAN.

During the Musi floods of 1908 Lady Hydari was in the forefront in organising relief work, for which she was honoured with the Kaiser-i-Hind Gold Medal. Later, during the plague and influenza epidemics and during the Great War, she played an active part in organising means of relief to the suffering and was a leading personality in every committee. Last year in spite of her failing health she took a keen and practical interest in the work of the Famine Relief Committee, and at the outbreak of the present war she accepted the Presidentship of the Women's Section of the War Relief Committee. Lady Hydari was also associated with Child Welfare work in Hyderabad, first as a member of the Committee and later as its President.

Her services to the cause of Women's Education in the Hyderabad State were no less distinguished. As President of the Women's Education Committee, she took a deep interest in all matters affecting Girls' education. She took her responsibilities as President so seriously that in spite of ill-health, she visited all types of girls' schools in the city, made searching enquiries into every aspect of school life and was ever ready to offer practical advice and help. Lady Hydari was also the President of the Governing Board of the Mahboobia Girls' School and of the Girls' Educational Committee, Saroonagar Orphanage.

From the purely social point of view, the Hyderabad Ladies' Association Club building bears witness to many hours of thought and effort on her part to raise for the women of Hyderabad a fitting place of intercourse and recreation.

Hyderabad deeply mourns the sad death of Lady Hydari, and we offer to The Right Hon'ble Sir Akbar Hydari—Nawab Hydar Nawaz Jung Bahadur—and to the members of his family our heartfelt condolences in this their sad hour of bereavement.

tried to obtain first-hand knowledge of the conditions of education in the State by personally inspecting schools in the course of his tours.

The late Maharaja Bahadur's generosity and his sympathy with the poor were proverbial. He had a big heart. Equally unique was his breadth of vision. He never recognised any distinctions of race, religion or language. He was held in the highest esteem and affection by Hindus and Mohamadens alike, and, in fact, it can be said of him, without any exaggeration, that he was the embodiment of Hindu-Muslim Unity.

Perhaps there can be no more fitting tribute to the memory of the late Maharaja than the one which His Exalted Highness paid when he heard the sad news of his death: "He had a noble character. He was a gentleman, and a well-wisher of the State".

THE LATE LADY HYDARI

The lamented death of Lady Hydari has removed from the social life of Hyderabad one of its most active and respected members. She was the daughter of Mr. Najmuddin Tyabji and the niece of Justice Badruddin Tyabji. Lady Hydari used her family tradition to full advantage in the field of social and educational work in the Hyderabad State. Soon after she came to Hyderabad, nearly thirty years ago with her illustrious husband The Right Hon'ble Sir Akbar Hydari—Nawab Hydar Nawaz Jung Bahadur—she devoted herself heart and soul to the social and educational uplift of the women of Hyderabad.

Editorial

THE LATE MAHARAJA SIR KISHEN PERSHAD BAHADUR

With the death of the Maharaja Bahadur Hyderabad has suffered an irreparable loss, which it can ill afford at a time like this. The late Maharaja's family can be traced back to Raja Todarmall, the illustrious Finance Minister of Akbar the Great. After the break-up of the Moghul Empire his ancestors came to Hyderabad with Nawab Nizamul Mulk Asaf Jah Bahadur, and since then the family has served the Asaf Jahi dynasty with unswerving loyalty.

Born in 1864, the Maharaja showed early signs of a great administrator. At the age of 28 he was appointed to the hereditary post of Peshkar by His late Highness. His talents were soon recognised and he was elevated to the rank of Prime Minister, a post which he filled with great distinction from 1902 to 1912. In 1928 he was called upon by His Exalted Highness to become the President of the Executive Council, and he remained in this office till 1937, when, owing to declining health, he was obliged to retire. During his long tenure of office the Maharaja enjoyed the complete confidence of the Ruling House.

While he distinguished himself as a great administrator and statesman, he was no less reputed for his patronage of learning and his literary accomplishments which drew to him men of learning from all over the country. His literary compositions in Urdu are many and varied, and his poetry, both Urdu and Persian, is well known for its grace and beauty.

The late Maharaja Sir Kishen Pershad took a keen interest in education and was always solicitous for the welfare of the youth of the State. As President of the Council he

The Correct Method.

$$1-\frac{1}{2+\frac{1}{5}}-\frac{1}{5+\frac{1}{2}}=1-\frac{5}{11}-\frac{2}{11}=1-\frac{7}{11}=\frac{4}{11}\quad \text{Ans.}$$

All the rest of the working in the above example can be done mentally.

Simple Areas.

1. To find the cost of staining the border left uncovered when a carpet is found in a room.

18 ft.

3ft.

15 ft.

Length	of the	room	= 18 ft.
Width	,,	,,	= 15 ft.
Area	,,	,,	= 18×15 sq. ft. = 270
Length	,,	Carpet	= 12 ft.
Width	,,	,,	= 9 ft.
Area	,,	,,	= $12 \times 9 = 108$ sq. ft.
Area left uncovered			= $270 - 108 = 162$ sq. ft.
The cost of staining 1 sq. ft. =			
,,	,,		162 sq. ft. = ?

2. To find the cost of paving a room with slabs of stone.

18 ft.

15 ft.

Length	of the	room	= 18 ft.
Width	,,	,,	= 15 ft.
Area	,,	,,	= 18×15 sq. ft.
Length	,,	Slab	= 1 ft.
Width	,,	,,	= $\frac{1}{2}$ ft.
Area	,,	,,	= $\frac{1}{2}$ sq. ft.

No: of Slabs of Stone required $= \frac{18 \times 15}{\frac{1}{2}} = 18 \times 15 \times 2$

$= 540$ Answer.

When the multiplier goes into 4 figures we use simple practice. As often as possible give the example as a problem, *i. e.* the cost of one (something or the other) is so much ; find the cost of 53. This will help with unitary method later on.
Divison.

$$\frac{\pounds\ 125 \quad 15\text{ s} \quad 6\text{ d}}{102} = \pounds 1 \quad 4\text{ s} \quad 7\text{ d} \quad \text{Ans.}$$

Rem 8 s

	£ 1	4 s	7 d
102	125	15	6
	102	475	810
	23	408	714
		67	96

Sometimes put the example in this way, it helps later on with Unitary Method :— If 102 articles cost £ 125 15 s. 6 d. find to the nearest penny the cost of one article.

Fractions.

The Wrong Method.

Addition and Substraction.

$$3\tfrac{10}{11} + 5\tfrac{7}{15} - 2\tfrac{9}{22} - 4\tfrac{9}{10} = \overset{(1)}{\tfrac{43}{11}} + \overset{(2)}{\tfrac{82}{15}} = \frac{\qquad}{165}$$

$$\tfrac{53}{22} + \tfrac{49}{10} = \frac{\qquad}{220}$$

L. C. M.
11,3,5

There are three mistakes here

(1) The equals sign connects two expressions that are not equal.

(2) Making improper fractions when adding and subtracting increases work.

(3) The fraction should never be broken up into bits and the bits worked separately and put together at the end.

Simplification

The Wrong Method.

I have seen this example done like this.

$$1 - \frac{1}{2+\frac{1}{5}} - \frac{1}{5+\frac{1}{2}} = \frac{10+1}{5} = \frac{11}{5} = \frac{1\times 5}{11}$$

$$\frac{1}{5+\frac{1}{2}} = \frac{10+1}{2} = \frac{11}{2} = \frac{1\times 2}{11} = 1 - \frac{5}{11} - \frac{2}{11} = \frac{11-5-2}{11} = \frac{4}{11} \quad \text{Ans.}$$

This is the way I have seen reduction done.

Rs.	as.	ps.
5	7	6

$$16 = 80 + 7$$
$$12 \times 87 = 6 + 1044$$
$$= 1050 \text{ ps.}$$

This is the way it should be done :—

Rs.	as.	ps.
5	7	6
	87	1050 Ans.

For compound addition the method used is correct. But do not have many rows of figures. Start with two and stop at 4 or 5 rows. No marginal working is then necessary. That is, in Rs. as. ps. with 5 rows the pies will never total more than 60 and this number can be mentally divided by 12, also the annas will not total more than 80 and this number is easily divisible by 16

There are 3 methods for compound multiplication.

1st The number by which we multiply is a two figure number that can be easily factorized.

£	s.	d.	
5	12	6 ×	45
		× 9	
		× 5	

2nd The multiplier has no factors.

£	s.	d.		
5	12	6 × 3	43
		× 10	40 + 3
56	5	0	
		4	
225	0	0	
16	17	6	
241	17	6	

3rd The multiplier is a three figure number.

£	s.	d.	
5	12	6 × 5	225
		10	200 + 20 + 5
56	5	0 × 2	
		10	
562	10	0	
		2	
1125	0	0	
112	10	0	
28	2	6	
1265	12	6	

Women's Point of View

The Teaching of Arithmetic in Primary Classes

BY **Miss Mary Nundy, B. Sc.,**

Vice-Principal, Mahboobia Girls' High School

(Continued from the previous issue)

I will now deal with good and bad methods of teaching certain principles in Arithmetic. In modern method as far as possible marginal working is eliminated. We are expected to do a sum in the most straightforward manner and in such a way that the reasoning is logically put down step by step.

Class III & Class IV

1. *Prime and composite numbers.*

Factorize 630 & 3528 and then write down their L. C. M. and G. C. M.

```
3) 630, 3528
3) 210, 1176
```

Etc. for L. C. M.

The above method is bad because it involves the setting down of working which should be done mentally.

```
630) 3528 (5
     3150
      378) 630 (1
           378
           252) 378 (1
                252
                126) 252 (2
                     252
```

G. C. M. 126.

This method is very bad because it is impossible for the teacher to explain to the child how the alternate division results in the G. C. M.

I suggest the following method which does for factorization as well as G. C. M. and L. C. M. It is also explicable.

$630 = 63 \times 10$

$= 7 \times 3^2 \times 2 \times 5$

$3528 = 7 \times 504$

$= 7 \times 2^2 \times 126$

$= 7 \times 2^3 \times 63$

$= 7^2 \times 2^3 \times 3^2$

L.C.M. $= 7^2 \times 2^3 \times 3^2 \times 5 = 17640$ Ans.

G.C.M. $= 7 \times 3^2 \times 2 = 126$ Ans.

```
  360
   49
 ----
 1440
3240
 ----
17640
```

Part III.

Health education including a study of Elementary Physiology and Anatomy, Gymnastics and Games and Sports.

There will be a Public Examination only in subjects included in Part I., the medium of instruction being Urdu or English.

The courses of study for the Higher Certificate Examination should be such as to enable young men to choose their careers in life which shall include Engineering, Medicine, Law, Teaching, Agriculture or Public service.

According to the requirements of each professional course in the University, the period may be 2,3 or 4 years. For instance, the would-be teachers should select teaching as their profession or career after the completion of the Higher Certificate Course and undergo a 2 or 3 years' intensive course at the University. For this Degree each student should study all the fundamental sciences of education such as Logic, Ethics, Psychology and Socialogy, besides 2 school subjects which he wishes to teach. The standard of these will be the same as that for the Bachelor of Arts Degree. This examination will be the Bachelor of Arts in Education. After this 2 or 3 years' course he should study for one more year at the University Training College for the Degree in Teaching and complete the prescribed theoretical courses in education besides practical training in a High School. Similarly, Law courses may extend over 2 or 3 years, Medicine 4 or 5 years, Engineering 3 or 4 years, Commerce 2 or 3 years and Agriculture 3 years and so forth.

The Sub-Comittee feels the need for having a Department of Oriental Studies attached to First Grade Schools or Colleges for the benefit of those who do not wish to study English but desire to acquire proficiency in two or more Indian and classical languages. These languages may comprise Urdu, the Mulki languages, Arabic, Persian and Sanskrit. Such an arrangement will provide the Department with competent teachers of Oriental languages also.

(To be continued).

those who wish to study for University Degree courses on the strengh of the Certificate. It is clearly to be understood that the University will not dominate the school courses and school work.

(5) The Madras University may then be approached to recognise this examination as equivalent to its own Matriculation Examination to be revived from June 1940, commencing with Form IV. Thus there will be no difficulty for other universities to recognise the High School Certificate Examination, though subject to certain rules, sufficiently high standards have to be maintained.

(6) This High School Certificate will open the door to services and the subordinate Engineering Class, Teachers' training, Agricultural and Technical Institutes.

Courses of Study for Classes VIII & IX, i. e., for the School Certificate Examination.

Part I.

(*a*) English. (*b*) Urdu. (*c*) A classical language or mother tongue for those whose mother tongue is not Urdu. (*d*) Elementary Mathematics or Algebra and Geometry (*e*) History. (1. Modern Indian History or Ancient Indian History and 2. English History or Islamic History) (*f*) Geography. (*g*) General Science (including the elements of Physics, Chemistry, Botany, Zoology, Physiology and Hygiene or Botany or Zoology).

With regard to the courses in History, general outlines may be done in Classes 5,6 and 7 leading to a detailed study of one or two special periods in History in Classes 8 and 9 and in Geography, general principles of Geography in Classes 5,6 and 7 leading to a detailed study of monsoon regions in Classes 8 and 9.

Part II.

(1) Theology or Ethics (2) Drawing with Woodwork or Practical Agriculture or Commerce and Accounts.

So far as English is concerned, the School Certificate Examination should aim more at the student's ability to speak, read, understand and express himself orally and in writing with accuracy than at the reproduction of summaries or substance of the lessons studied as now. The Sub-Committee therefore recommends Tipping's Primer and Book I. of "An English Course for Foreign Children, by Morris" in Class V and Books 2,3 and 4 by the same author in Classes 6,7 and 8 respectively, besides suitable supplementary Readers. For the 9th Class a Text Book may be published by the Department consisting of suitable selections in Prose and Verse.

An Alternative Proposal.

If for certain reasons the present ten years' course of study has to remain unaltered in view of the fact that the Nizam College will have to continue, as now, affiliated to Madras University, the Committee recommends:

(1) That the School Certificate Examination be held at the end of the tenth year and not the ninth, the courses of study being the same proposed now for the 9th but with a higher standard of attainments.

(2) That, as a prelude to this, the examination at the end of the 8th year shall continue but the 8th class shall be the first year of the High School stage. This Examination will then be the Junior Certificate Examination.

The courses will include Urdu, English, Mathematics, Geography or Science, History, a Classical Language or a local modern language-Telugu or Marathi or Canarese-besides other practical and cultural subjects. There will be one question paper of 2½ hours or 3 hours as the case may be in these six subjects.

(3) There will be no Higher Certificate Examination (see page 215).

(4) The High School Certificate will be issued along with the Record according to the recommendations under the head "Examination", so that the University may select

substantial work is done in this class, instead of a mere revision and consolidation of the work done in Class VIII with no examination.

During these two years the medium of instruction must be Urdu, as they are primarily intended for the passed candidates of the School Certificate Examination, who had Urdu as the medium of instruction, though the others are not excluded.

(9) Schools providing courses in Classes X and XI may be called Colleges or Collegiate High Schools. The first grade High Schools of the City—City High School, Chaderghat High School and Darul Uloom High School and the Combined High Schools at the Subah Headquarters may enjoy the status of Colleges. Such Colleges or Collegiate High Schools may be started at other places also, if and when there is a demand for them.

The Sub-Committee suggests the organisation of schools according to the needs of different localities as shown below :—

(*a*) All Primary Schools providing instruction in 4 classes and covering 5 years' course with the mother tongue as the medium of instruction.

(*b*) Higher Primary Schools at certain selected places—5th and 6th classes also with the mother tongue as the medium of instruction.

(*c*) Middle Schools—5th, 6th and 7th classes.

(*d*) High Schools—8th and 9th classes.

(*e*) Collegiate High Schools or Colleges—10th and 11th classes.

Courses of Study.

The Sub-Committee feels that, while the subjects for study may be the same as now for Classes V. VI. and VII., a slight revision or adjustment is necessary for Classes VIII and IX.

(*b*) In view of the fact that pupils, by the time they come out successful in 'The Hyderabad School Certificate Examination,' complete 10 years' course (5 Primary and 5 High school course), it is hoped that Madras and other Universities will recognise the proposed Hyderabad School Certificate Examination as equivalent to Matriculation or S. S. L. C. Examination, especially when success in the Cambridge School Certificate Examination qualifies candidates for admission into the Intermediate class. The standard of this certificate examination will be that of the present High School Examination.

If, however, the Madras and other Universities do not consider the School Certificate Examination to be on a par with the Matriculation or S. S. L. C. Examination, the H. S. L. C. Courses will have to continue as at present. Under such circumstances, the Sub-Committee is of opinion that the medium of instruction in Classes VIII and IX should be only Urdu.

(8) Intensive courses of study in the several subjects in Classes X and IX have to be framed and the examination to be held at the end may be termed 'The Higher Certificate Examination.' The Sub-Committee is of opinion that the standard of the Higher Certificate Examination should be the same as that of the present Intermediate and not Junior Intermediate class as suggested, there being no specific standard for the latter. The Sub-Committee believes that the raising of the standard of the Higher Certificate Examination to that of Senior Intermediate can be made possible by the following measures:—

(*a*) Adoption of the mother tongue as the medium of instruction up to the end of the Higher Primary Stage, thereby facilitating the study of subjects. (*b*) Choice of Urdu or English as the medium of instruction in Classes VIII and IX. (*c*) Making Class IX an integral part of the School Certificate Course with an examination at the end so that

in selected schools in accordance with the needs and demands of certain localities as now.

(7) According to the present scheme of re-organisation, the First Public Examination is to be held at the end of Class VIII or 9th year of school course. The Sub-Committee is not in favour of a Public Examination at the end of Class VIII., especially when the Government Middle School Examination was abolished a few years ago not only in Hyderabad but throughout India on the consideration that it was injurious to boys at such a tender age. Further, the work of Class IX will be a continuation of general education imparted in Class VIII subjects and it is expected that in Class IX special plans will be adopted to determine the aptitudes of students so as to predispose them appropriately towards the next two years' course of study. The first division of the Secondary stage shall thus be of three years and the second (Classes 8 and 9) of two years. The Sub-Committee feels that Class IX, instead of being a mere repetition of Class VIII and a part of the Higher Secondary Course, may be attached easily and with advantage to Classes VII and VIII. This arrangement while increasing the length of the Lower Secondary Stage by one year, provides facilities for making instruction during this stage fuller and more comprehensive. The first Public Examination may, therefore, be held at the end of Class IX and termed 'The Hyderabad School Certificate Examination' instead of 'The Lower Secondary Certificate Examination.' Schools providing instruction in Classes VIII and IX should be called High schools.

The medium of instruction in Classes VIII and IX may be Urdu or English. The following are the reasons that have led the Sub-Committee to recommend Urdu and English as alternative media of instruction in Classes VIII and IX :—

(*a*) This arrangement is calculated to bring about an amalgamation of the Osmania and H. S. L. C. Courses and minimise the administrative and financial difficulties of the Department.

pupils, studying in the Primary stage through the medium of the language of the locality, are now experiencing when they are suddenly called upon to study information subjects through the medium of Urdu of which they have only a scanty knowledge. Unable to cope with the work on account of a sudden change in the medium, some boys, after passing Telugu Standard IV again join Urdu IV or even III, which means retardation in their educational progress.

The Sub-Committee feels that in Classes V and VI, pupils having Telugu, Marathi or Canarese as the medium of instruction, will have ample scope and time to study Urdu as an additional language for two more years, and thus be able to study non-language subjects through the medium of Urdu from Class VII onwards.

Compared with pupils who, after passing the Fourth Standard (Telugu, Marathi or Canarese), have to study in Urdu from Class V, these should not find in Class VII the change of the medium of instruction difficult both on account of their advanced age and their previous study of Urdu as an additional language for a period of five years beginning from Class II.

Of course during these two years the arrangement for the study of additional languages will be the same as that which obtains now. Classes V and VI may constitute the Higher Primary classes or Lower Middle.

(6) Since by the time the pupils come to Class VII, they will have studied English, their mother tongue, Urdu or another vernacular, they may be given the option to have Urdu or English as the medium of instruction and examination from Class VIII onwards. The Sub-Committee does not mean thereby that English, as an alternative to Urdu as the medium of instruction, should be provided in all schools from Class VIII onwards. Urdu shall ordinarily and naturally be the medium of instruction, and it is open to the Department to make provision for instruction through English also

should not exceed 12 years including the year of the Infant class or 11 years.

(2) The medium of instruction in the Primary stage should be the language of the locality or Urdu for those whose mother tongue is Urdu, as it is now.

(3) As a good and sound grounding in the mother tongue is not only essential for, but a pre-requisite to, the understanding and assimilation of a foreign language by the pupils, and as the study of a foreign language in early childhood is bound to be injurious to the mastery of their own language by children, English should not be taugnt in the Primary classes. Urdu has, of course, to be taught as an Additional language to students whose mother tongue is Telugu, Marathi or Canarese, and Telugu, Canarese, Marathi or Persian to those whose mother tongue is Urdu.

(4) The teaching of English should begin in Class V. The Sub-Committee is strongly of opinion that delay in the introduction of English by two years will not in any way lead to a lowering of the standard of English, but will, on the other hand, be a distinct advantage to pupils for the following reasons :—

(*a*) A good grounding in the mother tongue and another language in the Primary stage makes it easier for the child to learn a new language.

(*b*) In view of the advanced age and maturer understanding, the rapid acquisition of a foreign language with better and more satisfactory results is assured when it is taught only by fully qualified and trained teachers. Such, however, is not the case at present in a majority of Primary classes. What is lost in 2 years of the Primary stage can easily be made good in the course of 5 years.

(5) In order to keep up the continuity, the medium of instruction in Classes V and VI should be the mother tongue of the pupils. Such a step removes the difficulty which

(4) The Higher Secondary course to extend over a period of 3 years, i. e., from Class IX to XI.

(5) The Degree course for B. A. or B. Sc. to extend over a period of 3 years.

Two public examinations are to be held—one at the end of Class VIII and the other at the end of Class XI—which will be known as the Lower Secondary Certificate Examination and the Higher Secondary Certificate Examination, respectively.

One notable feature of the scheme is that, while it provides a continuous course of literary and academic education, it also makes provision for industrial and vocational courses at the end of each stage:—

(*a*) Industrial schools at the end of the Primary stage, parallel to the Lower Secondary schools, extending over a period of at least 2 years, Class V being the minimum qualification for admission into these schools.

(*b*) Vocational High schools extending over 3 years, Teachers' Training schools extending over 2 years and Agricultural schools extending over 2 years at the end of the VIII class.

(*c*) Commercial schools, Medical schools, Agricultural schools and Osmania Technical College at the end of Class XI.

The Higher Secondary School certificate will lead to Degree courses in Arts, Science, Engineering, Theology and Medicine.

Suggestions and Recommendations.—

The following are the considerations which have weighed with the Sub-Committee in suggesting alterations regarding the stages of instruction, the holding of examinations and courses of study.

(1) The Sub-Committee agrees that the total length of the period of education to the end of the secondary stage

the problem is how to find the best possible man, how to produce the best possible work and how to secure the best possible results. The aim of Vocational Psychology is to give a scientific solution of the first of these three problems, namely "How to find the best possible man for every job, and conversely, how to find the most suitable job for every person."

Extracts from the Report on Secondary Education

This report was prepared by a Sub-Commitee appointed by the All-Hyderabad Teachers' Association with Mr. M. Hafeezulla, Principal, Warangal Intermediate College, as Chairman and Mr. P. V. Subba Rao, Superintendent, Normal School, Warangal, as Secretary. It was submitted to the Second All-Hyderabad Teachers' Conference held at Gulburga last January, and though it was not adopted, it was greatly appreciated. Chief Editor.

The Sub-Committee before offering any suggestions and recommendations, considers it necessary to review the essential features of the present scheme of Secondary Education launched by the Government in our Dominions. These are as follows :—

(1) The total length of the period of Secondary education from Class I to be 11 years or 12 years including the Infant class.

(2) Arrangements to be made for the opening of an additional class after class IV for boys who either drop off at the Primary stage or are not likely to proceed to a Secondary school.

(3) The Lower Secondary course to extend over a period of 4 years, i. e., from Class V to VIII.

most efficient workman, the psychologist will evolve methods in his laboratory by which this purpose can be achieved. If, on the other hand, the object is to have the cheapest labour, entirely different methods will obviously have to be applied. Vocational Psychology can speak as an exact science in its own field, independent of economic opinions and debatable partisan interests.

The whole system of Vocational Psychology has two aspects which involve two opposite ways of procedure. Firstly, the various mental processes may be examined to see for what end each mental factor can be practically useful. For instance, the mental states of attention or memory may be judged and seen as to how far the psychological knowledge of each of these can be utilized in different practical fields. The teacher tries to secure the attention of his pupils, the judge of his jury-men and the advertiser of his readers. A psychological study of *Attention* will indicate how *Attention* can be stimulated and retained in each of these dissimilar cases.

The other method would be to begin with studying what objects are useful and important in our society and then seek the various psychological facts needed for their realization. The problem then resolves itself into this: what mental processes are important for the task of education, which of them would do for the purpose of court-room, and so on. The first method is more convenient, but the second one is more helpful as also more fundamentally significant.

In the light of these principles three chief purposes are selected which are important in commerce and industry and in every economic endeavour for that matter. These are: how to find men whose mental qualities make them best fitted for the work which they have to do; secondly, under what psychological conditions can the greatest and most satisfactory output of work be secured from a man; and finally, how can such results be fully produced on human minds as are desired in the interests of business? In other words,

in the physical and chemical laboratories were quickly applied to the progress of physical and chemical industry. Knowledge and mastery of nature, as it were, marched hand in hand. As against this, psychologists were diffident in the application of their achievements to the needs of practical life. It seems they waited for a mass of facts to be collected before embarking on this stage. Another reason was that the general law of the mind absorbed too much of their attention and interest. They studied the typical mind, but overlooked the individual variations. When they saw various individuals differing in their mental behaviour, they eliminated the variations as disturbing factors in order to find general laws that hold good for every mind. These studies were, therefore, confined to the general averages of mental experiences. In practical life, however, we do not deal with what is common to all human-beings. Even when we have to do with groups, we have to influence the individuals whose mental life has particular traits such as of nationality, race, vocation, sex, age, special interests or other features which distinguish them from the average typical mind of the theoretical psychologist. As long as experimental psychology remained essentially a science of the mental laws common to all human beings, the question of its application to the practical demands of daily life could hardly arise. Recently, however, experiments have been carried out in psychological laboratories which relate to the individual differences among human beings. The psychology of individual differences has now been evolved without which applied psychology would have remained a phantom.

Vocational Psychology is a technical science which teaches the application of theoretical knowledge for the furtherance of human efforts. It is called Pschotechnics on the Continent (Ger: *Psychotechnicks*, Fr: *Psychotecnique*). Like all technical science, it guides us in regard to the measures to be taken to reach certain ends. The desirability or otherwise of an object is judged from the economic, political and other points of view. If the object is the selection of the

some of the common diseases, almost chronic, which call for a prompt and radical treatment.

In my next article on this subject, I shall venture to indicate, among other things, how efficient organisation and co-operative effort will go a long way in checking the *wastage in teaching work* and in securing a higher level of discipline.

(To be continued)

The Aim of Vocational Psychology

BY

Habeeb Ahmed Faruqi, B. A. Dip. Ed.,

Member, National Institute of Industrial Psychology (London).

Vocational Psychology is a new science which intermediates between laboratory psychology and the problems of Economics. It places psychological experiment at the service of commerce and industry. The earlier it is utilized, the quicker will be the development of the science of business life. Actual experiments carried out in different spheres of industrial life have demonstrated the efficacy of this system.

So long as philosophical speculation was the aim of psychology it could not render any useful service to practical life. Since the time the psychologist has delved into scientific investigation, mental life is being explained after the pattern of exact natural sciences. Although laboratories for experimental psychology have been working in all the civilized countries for the last fifty years, their results have not been utilized for practical application. Only in the last 25 years do we find systematic efforts being made to harness the experimental results of psychology for the needs of society. Not so with the advance of natural sciences. The results of investigation

punishment, there can be no real forgiveness. One is the antithesis of the other. There is no positive but has its negative. Like the quality of mercy, the quality of forgiveness also 'is not strained'. Punishment requires no justification. It justifies itself. But our endeavour must be to remove the causes which necessitate it. There is certainly no panacea for all the ills of school life. In the last resort, the hope of a school lies in an enlightened headmaster and staff.

The boys of a school are expected to behave in a particular way as a result of their school tradition and training. But strikes and threats of strike, successful and unsuccessful attempts to hush them up or put them down, voluntary and involuntary closing of educational institutions to avoid riotous scenes, picketing and hunger strike or threats to resort to them even in schools and colleges meant exclusively for women, have become very common nowadays. I consider only that class orderly and disciplined which preserves perfect silence in the absence of a teacher and conducts itself decorously when a new, young teacher is sent there for an acting period. One must not, however, confuse the exuberance of spirit of the young with a lack of discipline. I shall go further and suggest that some boys deserve pardon for the wit and intelligence of their offence. After all, if boys are vicious they are still only in the boyhood of their vices!

My experience as a teacher is that most of our boys are exceedingly slovenly in their habits, irregular in attendance and forgetful. Whatever the teacher may do or say, in a class of 40 boys not more than half the number will bring the necessary books, note-books, instrument boxes, pencils etc. Not a few will begin to sharpen the pencil when the teacher expects them to take notes or be otherwise engaged in writing work. This is a deplorable, if not also a disastrous, state of affairs. Late coming, not completing the work set in the class within the time limit, not doing the work set to be completed at home, running away during school hours are

What I wish to emphasise is that the same set of boys should be entrusted to the same teacher for a few years at least before there can be anything like discipline based on love. Love takes years to appear and with some people it never appears!

Regarding punishment, I may at once say that I believe in the ultimate triumph of moral force because one has necessarily to have faith 'in the ultimate sanity of man'. I hold further that force works only on the slavish mind and not on the free. But at the same time we should bear in mind that the first act of man's tragedy was set in Paradise and the first assassin was Cain, Eve's own first born! To rise superior to human frailties is not in the nature of human beings. In a class of 40 boys, sometimes even more than 40, the teacher is in the minority of one. Therefore, without a reserve of force no government is possible. In truth, man requires to be governed at all only because he is frail. But it must be readily conceded that that form of government is certainly to be preferred which is the least coercive, which is based on the common consent, which is best described by the word 'democratic'. I shall not join in the fashionable hue and cry that is sometimes raised by some people when a boy is caned, caned even severely, for moral turpitude. Life is not always plays and poems. Decadence finds devotees only when it wears the mask of progress.

But at the same time I yield to none in deprecating the free use of the cane or of the hand resorted to by teachers in the lower classes of some schools. This treatment of the children, along with other factors, makes them callous and presents a problem to higher form teachers who may have sentimental or conscientious objections to emulate the example. Tyranny can never be a settled system. *Punishment there must be, but it should be democratised* by increasing the responsibility and moral consciousness of pupils. The punishment attached to each offence should be clearly defined and be enforced in like manner by all teachers. *If there is to be no*

Many people talk glibly of love as a factor in discipline. I own I do not understand what they mean. I fail to see how love can be an easily attainable factor nor how punishments, including corporal punishment, are wholly out of place. The word 'love' is used to designate, so far as I could infer, many phases of kindly regard. But to be worthy of the name it must include, I submit, intellectual congeniality, spiritual sympathy as well as physical attraction. Love is not the slavish devotion of a brute. It is neither blind nor springs at first sight. Instead of blinding us to ugliness, it should open our eyes to beauty. It is something more than a passing attraction. *We cannot love what we do not know intimately.* It is the offspring of the true *intelligence* of the heart. Since I feel somewhat strongly on this question, let me take the liberty of illustrating my position by a reference to Shakespeare's "As You Like It", which is commonly considered to be a drama of love at first sight. It appears to me that no real love could have existed between the respective 'lover and his beloved' even in one out of the four pairs presented to us in the story. For, as I have already submitted, love is the outcome of intimate and protracted acquaintance and this subsisted only between the cousins, Celia and Rosalind. It is only Celia who could truly assess the worth of her cousin whom the usurper wished to banish from the dukedom for 'her' sake. For what does Celia tell her father, duke Frederick?

" We still have slept together,
Rose at an instant, learn'd, play'd, eat together:
And whersoe'er we went, like Juno's swans,
Still we went coupled and inseparable ".

It was the all compelling power of pure love, of a young lady to another young lady, that made her stand up against her tyrannical parent and say:

" Pronounce that sentence, then, on me, my liege:
I cannot live out of her company ",

and follow her cousin into voluntary exile.

him. Discipline must be cultivated from the nursery onwards. But in this article I shall waive a consideration of the counteracting influences on school training. Moreover, in offering my opinion on this subject, I am not having in mind a school wherein most of the boys are refractory or wherein discipline has broken down. The latter school will require special handling because there order has to be established afresh. But I am simply picturing to myself a school wherein discipline has become or tends to become lax owing to remediable laxity elsewhere; of a school wherein the students are still probationers in mischief.

It is usual to talk of *maintaining* discipline. This clearly presupposes the *existence* of discipline in the school, its character being determined by its tradition and organisation. Its *maintenance*, of course, depends largely upon the personality and character of the existing staff and the interest which the pupils take in their curricular and extra-curricular activities and the affection they have for their school.

Efficiency goes everywhere with simplicity. To secure a high standard of discipline, the rules of conduct for the guidance of boys must be simple and capable of easy obedience. Character building cannot be completed overnight but still it should be recognised that the soul of all improvement is the improvement of the soul. Discipline in girls' schools is of a high order because girls are by nature modest and know their interests better by instinct. In some Indian schools with European headmasters there is real freedom, as a result of self-discipline. In other schools I am inclined to the view that real kindness will prove a valuable weapon. Real kindness is inconsistent with the surrender of the teacher's dignity or an abject desire to be in the good books of the pupils by unprofessional means. Respect must be commanded, it cannot be demanded. Kindness should not degenerate into cowardice or be a mere stunt.

composition-textual as well as general. (5) Let a study in comparison and contrast between the English and vernacular grammar and grammatical usages be instituted in the course of teaching English Grammar. The adoption of this five point scheme will not only make the subject of grammar interesting but effect real improvement in facility of expression and writing on the part of the students.

Some Aspects of School Discipline, Punishments and Organisation—I.

BY

T. A. LINGAM, B. A., L. T.,

Assistant, Government High School, Chaderghat.

The problem of discipline in our schools and colleges is one of the most urgent and outstanding educational problems today. Discipline in common parlance means the maintenance of order among pupils in the class-room. As understood thus, it implies a certain amount of coercion, be it moral or physical. But since art lies in concealing art, the great art of maintaining discipline lies, no doubt, in keeping this coercive sanction in the background and creating an atmosphere which will enable the boys, willy-nilly, to become well disciplined and to appreciate, in good time, that in being so disciplined lies the complete enjoyment of their freedom. To give perfectly free choice to students is not contemplated even in the Dalton Plan, and it will mean putting ignorance above experience. But in this article discipline must be understood in a wider sense.

A pupil spends less than 6 hours in the school in a day of 24 hours. The sort of training and discipline which his home gives and the company he keeps have a very powerful influence on the training which the school attempts to give

been taught in the vernacular class-room. A few instances will make the point clear. While teaching the analysis of a sentence into its parts-subject, predicate and object-the teacher will do well to impress upon the boys the difference in the position of the predicate and object in English and the vernacular. Again while teaching genders, the teacher has to point out how in English there are four genders-Masculine, Feminine, Common and Neuter-whereas in Urdu there are only two genders Masculine and Feminine. By a number of illustrations, the teacher has to elicit the rule from the boys that the verb in Urdu unlike in English agrees with its nominative not only in number and person, but in gender also. While teaching parts of speech to students who have already learnt the same in Telugu, the teacher may show how 'Noun, Pronoun, Adjective and Verb' have their counterparts in Telugu, while the remaining four parts of speech in English correspond to the fifth part of speech in Telugu known as 'Avyavamu' the (indeclinable). Instances need not be multiplied. In teaching several parts of grammar and idiom, the teacher can, by a careful planning and study, impress on the students the grammatical and idiomatic distinctions between English and the vernacular, as also their similarities. Unfortunately this aspect of the teaching of English grammar is completely ignored and requires great attention at the hands of language teachers.

The essential considerations in the teaching of English Grammar may be summed up thus :—(1) Let functional and not formal grammar be taught. (2) Let the method of teaching grammar be inductive till the generalisation is established and then deductive, examples or exercises being based on the generalisation. (3) Let not Grammar be taught alongside of the vocubulary or subject matter while teaching the text, but taught separately in another period or lesson, the passage already done in the text being made the basis for teaching new principles of grammar or applying principles that have been taught. (4) Let grammar be correlated with

This correlation between English and the vernacular, among other things, entails a great co-ordination of English and vernacular studies. At present they ' move in independent orbits '. There are very many points which should not be attempted in English unless they have been previously taught in the vernacular. Habits of clear expression in English owe their origin to clear thinking and precise expression in the vernacular. There are points of agreement as well as of difference between English and the vernacular and in the course of teaching the teacher will do well to institute a study in comparison and contrast between the two in their grammar and grammatical usages. Facility in speaking in English can be primarily acquired through one's own vernacular, progress in English composition is rendered easier by the principles of composition learnt and practised in the vernacular, the obstacles in the teaching of English grammar are overcome by a proper treatment of vernacular grammar and that habits of independent, silent and rapid reading and above all, literary taste in English can be forestalled through one's vernacular.

In the early stages a good deal of English grammar ought to be based on the vernacular grammar. If the teacher of English is not also the teacher of the vernacular, it is necessary for him to keep in touch with what has already been learnt by the Class in the vernacular grammar. It is sheer waste of time to teach laboriously some point in English grammar as though it were entirely new, when a reference to the vernacular grammar might make the point perfectly clear to the class. It is therefore important, not only for vernacular teaching, but also for English teaching that vernacular grammar should be taught on sound lines. It is also necessary that the syllabus of work in the vernacular grammar should be drawn up in conjunction with the syllabus in English Grammar. The English teacher will realise the benefits of correlation, if he takes care that he may not teach English Grammar, the corresponding part of which has not

from the stand point of subject matter and vocabulary and in another lesson from the view point of grammar. One underlying principle of teaching is that one thing should be presented at a time and the attention of the pupils should not be divided between Vocabulary or Word study and grammar. The passage in the text may be made the basis of teaching new principles of grammar or the application of the principles taught. To this extent grammar is to be correlated with the text.

Again since grammar is an integral part of language work, it has to be correlated with composition. Exercises involving the construction of sentences after certain grammatical models, synthesis of sentences, transformation of sentences etc., are all examples of correlating grammar with composition. Grammar can be correlated with textual composition also. A story in the text in the third person may be retold in the first or vice versa,-a story in the present may be retold in the past, a passage in the Direct form of speech may be written as a continuous narrative in the Indirect form of narration. Thus, by a careful planning of the course, the teacher can effectively use grammar as a powerful instrument in composition.

Lastly, we come to the most important point, namely the correlation of English Grammar with the vernacular grammar. A false antithesis is often set up between English and the vernacular, it being wrongly supposed that, if the latter is emphasised, the former suffers. By a series of definite experiments, a close correlation has been established between the two. The implications of this correlation and its practical application are matters of vital interest to us. Proficiency in the one means proficiency in the other, and poverty in the one means poverty in the other also. It is now established that efficient teaching of the vernacular will lead to efficiency in English also and equally so, inefficient handling of the vernacular results in lowering its standard and with it the standard of English also.

I add the word 'green' to the noun, so that you may know immediately and precisely the thing intended. Hence the two words 'flower' and 'green' together are required in this situation to name the thing precisely. By questioning, it has to be elicited from the boys that the word 'green' adds to the meaning of the noun and also limits its sense, for it separates it from other flowers. Having led the boys to understand the function of the word 'green', the teacher may introduce the technical term 'adjective' and say that it qualifies a noun.

The process then becomes deductive. Sentences of the type—'There are few wild animals in the tiny Island'. 'The brave soldier rode on the black horse' may be written on the back board and the boys encouraged to pick out the adjectives. Exercises in the filling in of blanks in sentences with adjectives may also be set. Again lists of adjectives may be written on the black board such as—Geeen, Black, Round, Hot, Sweet, Dark and Blue, as also nouns—Fire, Fruit, Sky, Night, Grass, Crow and Bell—and the boys be encouraged to join each adjective to the noun which suits it best. Again, the boys may be asked to write adjectives opposite in meaning to some adjectives written on the black board. In this way the teaching of grammar may be made living without unnecessary technical terms being introduced.

It is often said that the text should be the centre of instruction in the teaching of grammar. This idea has led to the belief that no separate periods need be allotted for the teaching of grammar and the whole of grammar has to be taught, while teaching the text. Experience shows that it is not possible to finish the whole of grammar in the textual periods and that separate periods have to be allotted for the teaching of grammar. What can be and ought to be done is that passages in the text have to be used for teaching grammatical principles or setting grammatical exercises. But while dealing with the text, the teacher should not side-track his teaching of vocabulary or subject matter by introducing grammar. The same passage may in one lesson be dealt with

(1) "A square thing does not fit into a *round* hole. (2) Draw a circle *round* a given centre. (3) The flies are flying *round* and *round*. (4) Gama was the first to *round* the Cape of Good Hope. (5) We must go our daily *round* of duty. Similarly, in teaching analysis of sentences, the teacher has to lead the pupils to appreciate the work which a phrase or clause does—the work of an Adjective, noun or an adverb—before questioning them about the kind of the phrase or clause. The teacher should never allow any mechanical notion to enter the pupils' minds, that a certain clause beginning with a particular word is a particular kind of clause. The following sentences show how a clause beginning with 'when' is a noun or adjective or adverb clause according to its function :—

(1) No one knows *when he will come*.

(2) The exact time *when the theft was committed* was never found out.

(3) *When I was going to School* an accident occurred.

The above examples show clearly what the teaching of functional grammar means. The method of teaching to be adopted should be both inductive and deductive. A number of examples will be presented before the pupil and the rule or definition arrived at. When once the rule or definition is understood, exercises will be set based on the application of the rule, when the method becomes deductive. To give an instance, suppose a first lesson on 'adjective' is to be given to boys who have already learnt the parts of a sentence and the function of noun. The first lesson should be as concrete and interesting as possible. Pairs of sentences of the following type may be presented to the boys :—I have seen the *flower*, I have seen the *green* flower. In the first sentence, there are so many flowers and you can't know to which flower I am referring. In other words, the word 'Flower' is unable in that sentence to name precisely the thing I have in mind ;

The teacher of English should banish the idea from his mind that grammar means a mechanical memorization of rules, an elaborate classification of the 'Parts of Speech' and the cumbersome terminology of parsing. It is the mechanical treatment of grammar that creates in the students a vexation of spirit likely to breed a distaste for English. The science of grammar is based on the usage of the best writers and speakers, and use is its only sanction. As Macnee puts it, the grammatical rule that the verb agrees with its subject in number is based on the fact that the best writers and speakers use a verb in the singular with a singular subject, and a verb in the plural form with a plural subject. If the best writers and speakers were to change their custom and use the same form of the verb for both singular and plural subjects, the grammatical rule would be altered accordingly. Language comes first and grammar afterwards. It is the creative art of Shakespeare's dramas that produced Abbot's Shakespearean grammar and not Abbot's grammar that produced Shakespeare's dramas. Grammar should be taught to the extent to which it assists in the ultimate aim of enabling pupils to understand, speak, read and write English. The subsidiary aim, which is no less important, is the teaching of the function of every part of the sentence.

The first principle therefore to be enunciated is that emphasis has to be shifted from formal to functional grammar. In other words we have to make the pupils realise that a word is a noun or adjective or adverb etc. according to its function or the work it does. Stray words should not be presented as certain parts of speech. It is only when sentences are presented that pupils can be led to the study of the function of words. Hence a sentence and not a word should be the unit of teaching grammar. For example, sentences of the following type make the pupils realise how the same word round is an adjective, preposition, adverb, verb or noun according to the work it does :—

teaching grammar, though opinions vary as to how it is to be taught. If not taught properly, it would be a bugbear to the pupils, consisting as it does of many rules and giving a number of names to imperfectly understood words.

What is after all the ultimate aim of teaching grammar? It is to enable the pupils to speak and write the language correctly. In other words grammar, composition, conversation—all these are so many avenues or paths leading to one goal, namely, the acquisition of the language.

What are the factors which contribute to the strength and vitality of a language? It is the use of words and the structure of the sentences. It is variations of grammatical structure that determine changes of expression. In other words, we are to study grammar not as an end in itself, but as a means of acquiring a greater knowledge of all the possible variations of the language and of gaining a closer acquaintance with the thoughts and meanings underlying all those variations of language. We are to study grammar to improve our 'command of language'.

This aim of the study and the teaching of grammar leads us—teachers of English—to put the following questions to ourselves:—

In what way do words work? What are their function? How are English sentences constructed? How are English words grouped in a sentence to express what we have to say? How are words related to one another in a sentence?

Grammar, as all know, is traditionally divided into 'Accidence' and 'Syntax'. Accidence is concerned with the functions of words (parts of speech) and with the modifications (prefixes, suffixes and inflexions) which establish their mutual relationship. Syntax is concerned with the structure, i. e., grouping of words to establish meaning. In non-technical terms grammar means the study of the framework and structure of the language.

* Teaching of English Grammar in Secondary Schools

—a plea for its correlation with the vernacular grammar

BY

P. V. Subba Rao, M. A., L. T.

Superintendent, Government Normal School, Warangal.

There have been two extreme views about the teaching of English Grammar. The older methods of language teaching laid undue emphasis on formal grammar, i. e. mastery of grammatical rules, on the ground that correct expression could best be acquired by learning the rules of grammar. In short, grammar was taught prior to speech and writing and and was even regarded as an end in itself, as the be-all and end—all of language study.

The introduction of the Direct Method of teaching has set up a reaction against this wrong emphasis on formal grammar. According to this method, the English which the pupil speaks and reads has to be, from the beginning, founded on a scheme of Grammar, his oral and reading lessons being carefully graduated to what is called a grammatical scale. In the wake of this method, the view has become prevalent that grammatical knowledge can do nothing to produce capacity to speak and write English. It can only produce the critical sense which enables the learner to criticise and judge his speech and writing. Thus the pendulum has swung from the extreme of too much grammar to the extreme of little or no grammar. The result is that in many schools little grammar is taught and when taught, it is taught in a half-hearted way by teachers who have lost faith in its utility.

An examination of the old and new methods makes us realise that there is something to learn from both the methods. What is required is a synthesis of these two methods and the evolution of a system that may be adopted in making the teaching of grammar effective. There are now no two opinions among teachers of English regarding the need of

*A Paper read at the Warangal Subah Teachers' Conference in December 1939.

nurturing. Health and happiness of children in the elementary schools, and the development of right habits of conduct and character is to a large extent dependent on the programme of physical activities, and on the teacher who carries out the programme. The need for both, of the right type, is pressing.

The aim of National Education has been said to be "the realisation of the maximum growth of every individual with a view to evolving an efficient co-operative social order", the objectives at every stage of education being (1) physical well-being, (ii) national solidarity, (iii) economic efficiency, (iv) cultural development, and (v) ethical and moral consciousness. Health and vitality and physical well-being are the necessary foundations on which national solidarity, economic efficiency, cultural development and ethical and moral consciousness can be built up with the resultant efficient co-operative social order. These foundations should be well and truly laid in the early years of the child in the primary stage of the elementary school. Only then can the child develop all round—mentally, morally, physically and spritually—into an efficient citizen living best and serving most in an efficient co-operative social order.

Referenec:

Andrews G. F.:—*Physical Education for Boys in Secondary Schools in India*—The Little Flower Co., P. Box No. 99, Madras.

Johnstone, Mary H : *The Physical Training of Girls :* Sidgewick and Jackson Ltd., London.

Marshall, F. J. C. and Rees W. R.: *Physical Education in Boys' School,*—University of London, Press.

J. F. Williams and Brownell C. L.—*Administration of Health and Physical Education*—W. B. Saunders Co., London.

Drill and Exercise, *per se*, is not included in the programme because it is out of place in an elementary school. Drill and exercise is formal and artifical and is neither physiologically nor psychologically a sound physical activity for children.

Note:—A full discussion of the place of drill and formal Gymnastics in a physical education programme is to be found on pages 103—110 of "Physical Education for Boys in the Secondary schools in India" by G. F. Andrew—published by the Little Flower Co., Madras.

In the words of Mary H. Johnstone :

"The spirit of drill is not a joyous one. It lacks the outrush of spontaneous effort. The setness, the formality, the absolute restraint which must pervade the gymnastic lesson, explains why, when the charm of novelty of apparatus etc has faded, the business after three or four years of it becomes so boring that some girls are ready to evade it".

Indeed as Marshall and Rees say "drill becomes a source of intolerable boredom to all who take part in it".

Physical activities for Elementary schools must be natural and not artificial, and they must also be taught naturally. The Laws of Learning—the Law of Use, the Law of Disuse, the Law of Frequency, the Law of Recency, the Law of Readiness and the Law of Effect—are as important in the teaching of physical activities as in the teaching of any other subject. The elementary school teacher has an advantage in that children are hero-worshippers. He is the hero to the children and should therefore take an active part in all their physical activities leading and directing them. He should also live up to the ideal of "living for and with the children", and participate in the activities as one of the children. Unsupervised and undirected physical activities are likely to produce more evil than good. Right habits of conduct and character can only be developed by careful

The activities that bring out the children's imagination are called dramatization activities or story plays. A story is told and the children dramatize the story through the activities suggested in the story. The story of "the Fox and the Sour Grapes" may serve as an example. When the story is told the children imagine themselves to be foxes and wander in the forest—an imaginary one in the playground or class room,—looking for prey—also imaginary. They run, jump, and chase like the fox in the story, come to the imaginary vineyard, jump for the grapes till tired and go away. The story is enacted not through the dialogue and music of the stage, but through the vigorous activities of the playground. Stories are not wanting. They await dramatisation by children.

The sense of rhythm and music is satisfied through folk dances, song plays and musical drills : Kummi and kolattam are typical of the folk dances of which there are many kinds. In the song plays a game is played to the accompaniment of song, while the musical drill is done to the accompaniment of either instrumental music or vocal song. The folk dances are dying out and need resuscitation. Song plays and Musical drills to the accompaniment of Indian music are yet to be produced.

Every child wants to show off. "Stunt" activities are eminently suited for this purpose. The combative contests, pyramid building, tumbling etc are examples of stunt activities.

A programme of physical activities for the primary stage of elementary schools ought thus to consist of natural activities of the kinds above mentioned which satisfy the nature, needs and interests of children. All the exercise the growing child needs is available in these activities. As they are natural activities, children take to them just as ducks take to water.

Reconstruction of physical education must begin in the elementary schools. Children in the primary stage of the elementary school (ages 6-10,) are in the formative period of their lives. Skills, habits, attitudes and interests have to be discovered and developed at this stage. Inborn tendencies have to be trained. And a programme of physical activities for these children must be based on their characteristics, traits or tendencies some of which are the play instinct, the egoistic tendency, the active nature, the imitative and imaginative faculty, sense of rhythm and music, and love of "showing off".

It is unnecessary to discuss the above traits or characteristics, because they are well known, and every teacher and educator is aware of and realises their importance for educational materials and methods. What is of interest to the teacher of physical activities is to find out what types of physical activities satisfy these traits or tendencies and are useful for a sound programme of physical activities for elementary schools.

The play instinct, the egoistic tendency, and the active nature of children indicate the need for games of the active vigorous, noncompetitive type. To play is the birthright of the child because through play the innate physical skills of walking, running, chasing, climbing, jumping, throwing etc are satisfied and developed. To play games is to be active and activity is growth. Children's games are more or less the same the world over, and occupy the first place in any programme of physical activities for children.

The imitative faculty of children is brought out through imitative activities or mimetics. Activities of human beings, of animals, of birds, and even of moving inanimate things like trains, motor cars, aeroplanes etc are easily imitated by children with zest and vigour, and are valuable for providing them with plenty of fun and exercise.

Physical Activities for Elementary Schools

BY

G. F. Andrews,

B. A., L. T., (Madras), B. P. E., M. Ed., (Springfield), M. A., Ph. D., (Columbia),

Senior Physical Director, Saidapet, Madras.

These are days of reconstruction. Evidences of this are everywhere. The multifarious activities of the National Planning Committee, the Scheme of National Education adumbrated by the All-India Federation of Educational Associations, the work of the Secondary Education Reorganisation Conference in Madras are but a few of the attempts at reconstruction of national life in its varying phases.

The present system of education in the country is considered unsuited to the nature, needs and interests of the people and the emphasis in education is changing from the purely intellectual to a practical one. The field of activity in education is being extended from the mind and its processes to the child as a living organism, whose mind, body and spirit act and react on each other. Not mere intellectual brilliancy, but an integrated personality living a rich and full life, living best and serving most, is the declared goal of education.

Physical education, however, is not given the consideration due to it. Though "today we define physical education in terms of an integrated personality, in terms of educational goals, and in terms of the richness and fullness of the richest kind of living", the popular conception of physical education centres round drill and exercise, perspiration and respiration, muscle development and bodily growth. The existing drill and exercise ridden programmes of formal physical activities in schools bear out the truth of this statement.

significance explained. The story should now move on to the third stage and describe how King Arthur went to the lake with Sir Bedivere, how he came to possess the sword 'Excalibur' which had a message for him to drive away the heathen. A picture of the sword with the message inscribed on it should be shown to add to the realistic account of the narration.

The language of narration and the method of treatment should be such as to lead the pupils to see into the motives, purposes, ideas and ambitions of the characters ; and at every stage the teacher should try and cultivate a feeling of anticipation in the minds of the pupils for what is to follow. Thus the finding of the sword 'Excalibur' and the subsequent vow King Arthur took would prepare the pupils for the war which the king waged in order to carry out the message which he found engraved on the sword. This would naturally lead on to the description of the battle and the consequent driving away of the heathen from Britain. Thus the story moving from crisis to crisis would reach the climax-the point of intense interest. The climax in this case would deal with the treachery of Modred, Arthur's nephew, the last fearful battle between the two, which resulted in the death of the traitor and a complete overturning of the king's mission inasmuch as the country lapsed again into old feuds and quarrels. Wherever there is an opportunity the teacher should emphasise the spiritual and moral aspects of the various characters so that the pupils may get an idea of what is good and what is evil.

The blackboard summary should be brief and built up during the progress of the story.

Metaphors and similies, and there are bound to be a few in every piece, may be left out of account in the first dramatic presentation and should be taken up when the piece is done a second time on a more intensive scale. The first narration should always aim at giving the pupils a dramatic experience, and there should be on no account a digression of any kind which might adversely affect the first dramatic presentation of the piece.

The use of pictures and diagrams in a dramatic narration is permissible provided it is kept in proper limits. The use of too many pictures, it must be remembered, would tend to deteriorate the lesson into a picture or an object lesson. We should, therefore, take particular care that pictures are used sparingly.

Having indicated briefly the main principles involved in teaching through dramatic narration we shall now turn to their application to the story of King Arthur. Obviously the first thing is to acquaint the pupils with the setting of the story. In this we may include a brief description of the occupation of England by the Romans, their subsequent departure from England, and the appearance of King Arthur on the scene when the country was divided among petty chieftains and threatened by the barbarians. A map showing the Roman occupation and the country of King Arthur may profitably be shown at this point. The background thus prepared, the main story should then be developed from crisis to crisis in a psychological manner. The first section of the story should deal with the account of how Arthur gathered together a band of brave knights like Sir Bedivere, Sir Launcelot, Sir Galahad etc., to rid the country of the barbarians. The teacher should endeavour to emphasise the main characters, bringing out their important traits and thereby helping the pupils to probe into the spirit of the story. The fact that the knights were nicknamed the Knights of the Round Table should be made known to the pupils and the

After selecting the story there are two things to which we should pay special attention. In every piece of dramatic literature, whether in poetry or prose, there is an inside and an outside or in other words it has a body and a spirit. The body of the dramatic piece is made up of time, the dress, the events and things that we may call objective. They make up the colour and the reality but they are subordinate to the spirit which lies in the minds and hearts of the characters. The pupils should be able to see into the minds and hearts of the characters and their nature. To be brief they should have an experience and understanding of human nature. Another factor to which we should attend is the setting of the story. Every story takes place in a certain setting, it may be imaginative, historic or social. But whatever the setting be we should acquaint the pupils of its nature at the very outset, bringing out the essentials in a realistic and living manner. The background or the setting is important because it serves as an essential link with the main story. Besides, it provides a fitting opportunity to introduce any unfamiliar words or strange matter that the piece contains. The teacher, therefore, should very carefully examine the piece and pick out such points and weave them in a natural way in his introductory talk. The more familiar the pupils are with the language, the richer and readier will be their interpretation.

The background thus prepared, the story should move on in a sequence of events from crisis to crisis and thus reach the climax which is the point of intense interest. At every section of the dramatic piece a feeling of anticipation should be stirred up in the minds of the pupils with a view to obtain a sustained interest in the story. To stimulate anticipation and to give it full play is part of the task of the teacher. It is important, however, to remember that when once the actual narration is started there should be no break in the middle to explain the meaning of an unfamiliar word or phrase, as such digression often robs the story of its interest and leads to distraction of attention.

quantity being represented by beads. Ten is represented by a chain of ten beads, 100 is represented by 10 chains tied together in the form of a square, and 1000 is represented by 10 such squares being tied together to form a cube. By means of the same material, the child is shown the procedure of the four operations—Addition, Subtraction, Multiplication and Division. The idea of change and not borrowing in subtraction should be impressed on the child. For instance, when four tens are to be subtracted from three tens, the child must be made to realise that since the value of 3 tens is less than that of four tens, one hundred should be changed into 10 tens; thus we have 13 tens from which we have to substract 4 tens. In any other system the child should learn to count as a pre-requisite of dealing with numbers. As a result of the Decimal system, interest is evoked in the child who is attracted to memorise the mechanism and is prompted by a desire to enter new fields. The Decimal system is a fine way to deal with numbers and to make counting attractive to the child.

Teaching Through Dramatic Narration.

BY

Salim Bin Sayeed, B. A. Hons., M. Ed., (Leeds.)

In a dramatic narration there are three great arts which a teacher has to keep in mind. The first is selecting a story; the second is telling the story and the third is securing the co-operation of the children. The co-operation of the children can only be secured if the story selected is such that it will appeal to the understanding and interest of the pupils. Besides, the manner of telling the story, to a very large extent, is responsible for securing the active co-operation of the pupils who always feel keenly interested if the method of procedure is sound and correct.

The sensations or qualities have to be analysed, and the apparatus should be devised in an orderly and methodical manner whereby the child can order its own sensorial images. For instance, cubes of different sizes are presented to teach the child the sense of size. They may be piled in the form of a pyramid or put into hollows in accordance with their sizes. The child itself realises the mistake when a certain cube is too small or big for a hollow. In the same way the child realises the awkwardness when the cubes are not piled in a graded way to form a pyramid. Such exercises are repeated by the child. What is required is a classification of the visual impressions according to their size, colour or form and the devising of the apparatus or material in such a way that the child can control its errors. In short, what is required is an analysis of the qualities or sensations and the presentation of the same in an orderly way.

Third Lecture—Monday, 11—12—1939

Decimal System.

One of the first difficulties in elementary schools is the teaching of numbers. If the children were to understand the nature and function of numbers, they must be given very clear ideas about them. There are many methods dealing with numbers, but one of the best and simplest is the Decimal System. Very early between the ages of four and five, the child would become acquainted, by means of symbols and and names, with the relative quantity of the first numerical values or numbers, that is from One to Ten. Having acquired this basis, it is given to the child to conduct an exploration of the world of numbers following a line which is not dictated by the logical adult but by the psychology of the child. According to the Decimal System the child is not required to learn to count from 10 up to a hundred and to one thousand, nor is it required to learn sums first within 20 and then further on. The child is shown that ten tens make a hundred, ten hundreds make a thousand. The child is shown this clearly by means of suitable material. The symbols are given with quantity,

The child enters into relation with its environment by means of its senses. All the impressions rush at it from these five doors of its intelligence. The child passes through what is called the sensorial period. During this period the child seeks images in the world; images are not, however, put into its mind. When the child comes to school at three years of age, it has already realised a certain consciousness, but that consciousness is vague and the knowledge chaotic. When the child sees objects with identities or contrasts, its consciousness is struck, but the impression is vague. What is required of adults is that they should bring about order in that consciousness. They should prepare the environment in which the child is free to choose, and put in it things in a logical order which would help the child to develop the impressions it has stored in its mind. In a scientific and ordered environment, the child could choose and work for itself.

There are millions of objects, though colours are limited. Objects might differ in form, colour, size, weight etc., and by arranging them in a series and in analysed gradation, one could give the child an order or method by which it could shape its sensorial images. There are two aspects regarding sensorial education-material preparation and psychological process. The child should be enabled to perceive identities as well as contrasts. A very important principle of the technique of this method is the need of the isolation of the sense in which training is given. It is the law of Nature that the suppression of one of the senses leads to the other becoming more acute. For example, the acuteness of hearing of a blind man is much greater than in the case of an ordinary person, and the capacity to recognise speech by watching the movements of the lips of a person is greater in a deaf man. If you touch two spheres of the same size, one rough and one smooth, the perception of the difference becomes clearer when you close the eyes.

impels it in its activities. This period may be compared to hunger. When the human system needs food, hunger is felt, and so it is when sensorial orientation is needed, the child at that moment reaches a period in life when all sensorial stimuli attract it immensely. The mechanism by which these acquisitions are made is termed repetition of exercise. It is only by repetition of the same sets of movement that the co-ordination necessary for that movement can be acquired. God has put in the child the need of repeating and repeating the same thing.

These are some of the laws that govern the growth of the child. Education in order to be effective ought to second and take advantage of these laws and not set a syllabus which often goes against the directions given by Nature. It should be the duty of educators to prepare the environment for the child to carry on its activities during this period. If educators made it their aim and objective to follow the laws of development of the child through its own activities, and if education followed these laws of natural development, the results achieved would be most surprising. To go against these laws is to get into a struggle with the child, violate the laws of nature and disobey the Creator.

Second Lecture—Sunday, 10—12 —1939.

Sensory Education.

What is of interest in sensory education is the effort of the child to form impressions in its formative activity. When the child is born, it is thrown from absolute zero, as far as sensorial impressions are concerned, into the chaotic whirl of impressions of all kind with which our world is filled. As the child cannot understand, cannot move, it cannot be helped by any outside agent. It should on the other hand be left to its inner laws and guidance. In other words the child must build itself. The instinct of the child is to be active. It always fights and rebels at the interference of external agency. Adults should only prepare the ground for making the child do things for itself.

All the characteristics in man, good and bad, were acquired by him as a child. The child elaborates and develops its own personality through its own activities. What scientific education has to do is to study these activities and the 'elaboration' going on within the child and isolate the laws which govern and inspire these activities. Our habits, language etc. are only an elaboration of the qualities which we possessed as children. The child teaches itself. No better illustration of this could be given than the process by which it acquires speech. Modern biology tells us that certain sensibilities are developed in an organism at the period and for such length of time as is necessary for the growth and unfolding of the organism.

We consider the growth of the child as something natural, and of course it is natural, but very few realise that it follows a certain set rules; growth has a time-table, a motto and a mechanism. The time-table can be seen in the physical field, has been recognised in the physical field by certain exterior signs, such as the changing of teeth, the growth of the limbs at one period and of the bust at another period. By this example it will be easily understood that parallel periods have been set for the acquisition of the human faculties such as speech, 'outer and inner orientation equilibrium,' and so forth. Thus the child has its own 'sensitive periods' which could easily be recognised by man. During this period the child acquires impressions of things, directs its own movements in response thereto and co-ordinates its activities which result in its development. In other words, there are certain moments in a man's life when he feels the urge towards a certain set of actions, and no matter how often he is punished or stopped, he will continue to do those actions. A very common example of this is the fact that the child at a certain stage always touches everything and no one can prevent it from doing so. In this formative period the child possesses 'strength' which nothing or no one can overcome. It has the will of God and the strength of Nature which

A Report of the Lectures delivered by Dr. Maria Montessori, M. A., D. Litt. at Madras under the auspices of the South Indian Teachers' Union and the Madras Teachers' Guild.

BY

P. V. Subba Rao, M. A., L. T.,

Superintendent, Government Normal School, Warangal.

First Lecture—Saturday, 9—12—1939.

Education and the Laws of Development and the Sensitive Periods,

Dr. Montessori commenced her lecture by offering her respectful greetings to the child. The child, which is considered small and powerless, is worth meditating on. It has to be realised that the child is the father and builder of man. Though the child owes its birth to its parents, it is not made by them. It is, after all, a few pounds of flesh at the time of birth. The new ideal she intended to present to the audience was that of a teacher who would be the servant of the child.

Man is the offspring of the child and the makings of man were present in the child itself and were developed by it actively in its childhood. Science in general and educational science in particular has yet to recognise the importance of the child, for the conviction still prevails that the child is an empty vessel which the adult has to fill up little by little. The child according to this view is a helpless being, and the adult has to do everything for the child, correct it when it goes wrong, and generally sets himself as an examiner for the child to imitate.

The child is worthy of inspiring poetical thoughts. In the words of Emerson 'the child is the eternal Messiah who comes to elevate Man.' We know the amount of self-sacrifice which the parents undergo for the sake of their child. They have to look upon it as a spiritual gift entrusted to them.

The Hyderabad Teacher

CONTENTS

The Hyderabad Teacher

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief.* They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	14	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
Full page ...	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page ...	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page ...	3	0	0	1	12	0	1	6	0
Per line ...	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address.—

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

VOL. XIV No. 4

THE HYDERABAD TEACHER

APRIL—JUNE 1940

Quarterly Magazine of the All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSAIN JAFFRI, Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1940.

جلد ۱۴ شمارہ ۳

زیر سرپرستی جناب محمد سید حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سیّد علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب) مدیر مسئول عبداللہ صدیقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

سعید الدین خاں۔ بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ) ملا فخر الحسن بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

حیدرآباد ٹیچر

بابت اسفندار لغایۃ اردی بہشت ۱۳۴۹ف

جلد (۱۴) شمارہ (۳)

فہرست مضامین

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تیسری سالانہ کانفرنس

بابتہ ۱۳۴۹ف

بمقام

گلبرگہ شریف

خطبۂ استقبالیہ

از

غوث یار جنگ صوبہ دار

معزز خواتین و حضرات!

میں نہ صرف اس مستقر کے بلکہ پورے صوبہ گلبرگہ کے ہر طبقہ کی جانب سے جنہوں نے اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ یا مجلس عاملہ کی رکنیت قبول فرماکر اپنی تعلیم پرستی و روشن خیالی کا ثبوت دیا ہے آپ علم برداران تعلیم کا جو ہمارے ملک کی تعلیمی کشتی کے ناخدا اور لاکھوں ہونہار نسلوں کی آئندہ زندگی کو سنوارنے والے ہیں بر از اخلاص مسرت وگرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتا ہوں۔ یہ میری واحد زبان نہیں ہے بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس صوبہ کے جملہ ہمدردان تعلیم کا بلا امتیاز مذہب وملت یا پیشہ وغیرہ مسرت کے ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں رکنیت قبول کرنا اور آپ اصحاب کو مدعو کرنا وہ خود دلیل اس بات کی ہے کہ

اِس صوبہ کا تعلیم یافتہ و روشن خیال طبقہ آپ کی تشریف آوری پر خلوص دل سے کہتا ہے کہ:

سے ۵ اَے آمدنت باعثِ آبادی ما
ذکرے تو بود زمزمۂ شادی ما

اِس صوبہ میں تعلیمی سرگرمی اور علمی روشنی پھیلانے کی خاطر دور دراز مقامات سے گوناگون مصروفیتوں کے باعث عالی مقام صدر اور معزز اَرکان انجمن اَساتذہ کا یہاں تشریف لانا کمال اِمتنان کا مُوجب ہے۔

یہ موقعہ آج سے ایک سال قبل ملنا جو سال گذشتہ بعض غیر اِختیاری مجبوریوں کی وجہ حاصل نہ ہو سکا۔

خود کی اِنکساری یا معزز مہمانان کی مدح سَرائی ہر دو مسلّمات سے ہیں۔ اِس لئے اِس پُرانی رَسم کی اَدائی میں ہم اپنا وقت صرف نہیں کریں گے۔ اہم سوال تو یہ ہے کہ ایک طرف ملک کے ممتاز ماہرینِ تعلیم کو دعوت دی جائے اور دوسری طرف گِلہ، شکوہ کیا جائے۔ مگر فی الحقیقت یہ آپس کی بات چیت ہے۔ اِس کو خطبۂ اِستقبالیہ سے موسوم کیا جائے یا باہمی تبادلۂ خیال کہئے۔ بہرحال اِلتماس یہ ہے کہ:-

ع خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گِلہ بھی سُن لے

اپنی حد تک Layman ہونے کا مجھے اِعتراف ہے مگر اِس ہوس میں ذوقِ طلب ضرور رکھتا ہوں۔

ماہرانِ فنِ تعلیم میں سے (جو آج اِس جلسہ میں تشریف فرما ہیں) اگر اِس نوحہ میں کوئی بات کسی کے خلافِ طبع ہو تو دلگیر نہ ہوں اور اگر کوئی کام کی بات نکل آئے تو اِس بات میں بات پیدا کی جائے۔ میں نے خود ممکنہ طور پر اِس اَمر کا خیال رکھا ہے کہ:-

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

انجمن اساتذہ کی پہلی دو کانفرنس دارالسلطنت میں ہوئیں۔ مضافات میں گلبرگہ شریف کو شرف اولیت حاصل ہے۔

گلبرگہ ایک ایسی سرزمین ہے کہ جس کے تاریخی ورثہ میں انواع و اقسام کے امتیازات آئے ہیں اسی سلسلہ میں آج ایک یہ جدید اضافہ ہے۔ دورِ ماضی کی تفصیل آپ کے سامنے ایک آموختہ ہوگا۔ اس لئے اس کا ایسے مجمع کے سامنے دہرانا ایک بے معنی سی بات ہے۔ جدید قابل الذکر اضافہ یہ "جوبلی ٹاؤن ہال" ہے جو ہمارے قابل اول تعلقدار محی الدین احمد صاحب رضوی کی دلچسپیوں کا نتیجہ ہے جس کا افتتاح آج ہمارے قابل فخر صدر محترم کے ہاتھوں ہوا اور سب سے پہلا اس ہال کا یہ مبارک استعمال ہے۔

کل حیدرآباد اساتذہ کانفرنس کی اہمیت اب جتلانے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کا اعتماد اور وقار اب اس درجہ پر پہونچ چکا ہے کہ اس کو ملک کی تعلیمی کانفرنس قرار دیا جا سکتا ہے۔

نصابِ تعلیم، طرز تعلیم پر ہم یہاں بحث نہیں کریں گے، ہم موازنۂ تعلیم پر Scrutiny کرنے کی غرض سے یہاں جمع ہیں نہ تعلیم لازمی و اختیاری پر گفت و شنید ہمارا آج کا Topic ہے نہ مدارس کی تنظیم نہ اصلاح نہ مدت تعلیم تحتانی یا ثانوی پر بحث ہمارا کام ہے۔ اس لئے متقدر ماہرانِ فن کے روبرو یہ سارے Problems موجود ہیں اور وہ اُن کے حل کرنے میں مصروف ہیں اور کرتے جارہے ہیں۔ زمانہ جیسے جیسے ترقی کرتا جائے گا ویسے ویسے تعلیمی پالیسی میں ردّ و بدل ہوتا رہے گا۔ Lord Macaulay اور گذشتہ صدی کے ماہرین تعلیم کے نظریئے آج باقی نہیں ہیں

اور نہ آج کا زاویۂ نظر کل باقی رہے گا۔

اِس سے میرا مقصود یہ ہے کہ اِن کاموں کی طرف جب ماہرانہ توجہات مصروف ہیں تو ملک کا کام ہے کہ اُن پر کُلیتاً اِعتماد کرے اور اُن پر چھوڑ دے۔ البتہ کوشش یہ کی جائے کہ جو بات کبھی چھیڑ کر چھوڑ دی گئی ہو یا جس کو کبھی چھُویا ہی نہ گیا ہو اُس کو حرکت میں لایا جائے۔

تعلیم کی ذمہ داری تعلیم کی واحد ذمہ دار حکومت ہی نہیں ہو سکتی ہے، خوشحال پبلک کو بھی ہاتھ بٹانا چاہئے۔ ہمارا ملک دیگر متمدن ممالک سے اِس خصوص میں بہت پیچھے ہے۔ طبائع یہ تبلاتے ہیں کہ آگے نہیں بڑھیں گے تا آنکہ اُن کو ڈھکیلا نہ جائے۔

بکھیڑے پیدا کرنے والے فنڈ روز کھلتے ہیں، لاکھوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ فرقہ وارانہ حیثیت میں ہوں یا سیاسی رنگ و روپ میں، مگر کبھی اِس طرف کوئی توجہ نہ ہوئی۔

کبھی کسی فرد یا جماعت نے کوئی ادارہ قائم بھی کیا تو اس میں ہزاروں خودغرضیاں پنہاں رہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ ایسے ادارے آج پیدا ہوئے اور عارضی چمک دمک تبلا کر کل فنا ہو گئے۔

تجارت پیشہ "دھرماداو" Charity Fund بہ صورت لازمی جمع کرتے ہیں حالانکہ یہ فنڈ اِسم بامسمیٰ نہیں ہے۔ نہ گورنمنٹ کے کسی حکم نے صراحتاً یا معناً پبلک کو اس کی وصولی کا مجاز گردانا ہے۔ مگر باوصف اس کے اگر قائم ہیں تو کیوں؟ محض اِس لئے کہ ایک جماعت کا متحدہ نصب العین ہے۔ اگر اِس سے انحراف کیا جائے تو نہ زراعت پیشہ کی کمی پیداوار زرعی کے لئے کوئی مارکٹ ہے" نہ کسی کاروبار تجارتی میں لین دین ہی ہو سکتا ہے تو کیوں تعلیمی فنڈ ایسے ہی اثر کے

ساتھ بصورت لازمی کھو لنے کے تدابیر پر غور نہ کیا جائے؟

ارباب دول کے مختلف Hobbies ہیں کسی نے اِس مقصد تعلیمی کو اپنا Hobby نہیں بنایا۔ کیوں ایسے مصارف میں تعلیمی فنڈ کو کم ازکم کوئی حصہ بصورت لازمی نہ ملے؟ اگر نہ ملے تو "دو ہرا داو" کی طرح اِس کا رد عمل کیوں نہ نکالا جائے۔

دیوان بہادر ایس، ای، رنگنا دھن صاحب وائس چانسلر مدراس یونیورسٹی نے بھی اپنے حالیہ جامعہ عثمانیہ کے جلسۂ تقسیم اسناد میں جو خطبہ پڑھا۔ اُس میں فرماتے ہیں کہ:-

"میں حیدرآباد کے امراءعظام اور اصحاب دول سے خاص طور پر التماس کرونگا۔ وہ اپنے فیاضانہ عطیوں سے جامعہ کی دستگیری کریں۔ یہ جامعہ ریاست کی اعلیٰ ترین خدمات کے لئے قائم کی گئی ہے اور ان اصحاب کے لئے جو تعلیم کے ساتھ حقیقی دلچسپی رکھتے ہیں اپنے مخیرانہ عطیوں سے جامعہ کی امداد کرنا وطن پرستانہ فخر و مباہات کا باعث ہونا چاہئے"

نظم تعلیمی اور اُس کی تقسیم — ہمارے ملک کی فیاضانہ مادی تقسیم دنیا سے جدی ہے۔ اس لئے کوئی اسکیم کامیاب نہ ہوسکا تا آنکہ اُس کو اکھٹا نہ کیا گیا ہو۔ مثال کے لئے عدالت کی تنظیم یا آبکاری کا بطرز مدراس سسٹم نفاذ یا پولیس کا ایک حد تک تعلق وقس علیٰ ھذا کیا تعلیمی نظم ان سب سے گیا گذرا ہو گیا۔

" The child is the father of the man ".

اگر آج بچوں کو بہتر نہ بنایا گیا تو کل اچھے باپ پیدا نہ ہوں گے۔ گو تعلیم

باغان کا آج چرچہ ہے یہ بھی جدّت طرازی کی ایک نئی مشق ہے ورنہ ایک دکھنی مثل ہے کہ :- "بڈھے طوطے کہیں بولتے ہیں"

میرا تلخ تجربہ ہے کہ اس میں کامیابی ہوئی نہ ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ مگر سچی بات تو یہ ہے کہ آج کے بچوں کو کل کا ایک بہتر باپ بنانے کی سعی پیہم کی جائے تا آنکہ غیر از خالصہ جملہ علاقہ جات بھی باغراض تعلیمی سررشتہ تعلیمات سرکار عالی سے ایک ہی پالیسی کے تحت باہم مدغم نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک تعلیمی نظم نہیں بیٹھے گا۔ کیوں غیر از خالصہ مداخل میں بحصّہ متناسبہ خالصہ تعلیمی مخارج کو جگہ نہ ملے ؟

جاگیردار کالج قائم نہ ہوتا اگر ٹیکس دارالاقامہ قرار نہ پاتا۔ اسی طرح یہ بھی اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ درجۂ لزوم پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ورنہ غیر از خالصہ رعایا، جس طرح آج جزاً یا کلاً اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے، کل بھی رہے گی۔ حکومت اعلیٰ پر بالراست نہ سہی تو بالواسطہ بحیثیت مُعطی اس کی ذمہ داری عائد ہو سکتی ہے۔ اس لئے گورنمنٹ اس پر غور کرنے کی مجاز ہے۔

اشاعت تعلیم اور اس کے دگرگوں نظریے

عام طور پر باوصف لگاتار تدریجی ترقی تعلیم کے آج بھی اس کے گرے ہوئے تناسب پر اعتراض ہے۔ گو اعتراض کرنے والے خود مورد الزام ہو سکتے ہیں اس لئے کہ علمی دلچسپی انہوں نے کب لی ہے ؟ "رہبر اور رہرو" کی نکتہ چینی گو صدا بہ صحرا سمجھی جا سکتی ہے مگر وہ بھی کبھی آندھی بن کر ستاتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ ترقی تعلیم کی تعداد محدود نہ کی جائے۔ ذرائع مصروفیت پیدا کئے جائیں۔ کسی کو دکھ ہے کہ تعلیم یافتوں کا کوئی خریدار نہیں ہے۔ ایک Platform کی دو صدائیں آپ کو سناتا ہوں۔ سالِ گزشتہ سر شاہ سلیمان نے

آگرہ یونیورسٹی کے Convocation address میں فرمایا کہ:۔

" If there are unemployed educated people there are even greater uneducated unemployed people. The remedy is not a restriction in the number of the educated but, a wide expansion of trade, industry and commerce."

اسی Platform سے سال حال کے Convocaaon address میں ہمارے ملک کی مایۂ ناز خاتون مسز سروجنی نائیڈو فرماتی ہیں کہ:۔

"You will be the greatest nation builder to-morrow, but I do not know what is in the store for those who have taken the degree of M.A. and B.A. Your degrees carry no market value."

اب فرمائیے کہ کیا جائے تو آخر کیا ؟ پڑھنے والے پڑھیں تو کس ضمانت کی طمانیت پر اور اگر نہ پڑھیں تو اُس میں کونسی خوبی اور خوشحالی مضمر ہے۔ جیسے کہ سر شاہ سلیمان نے فرمایا کہ:۔

"تعلیم یافتہ سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ میں بے روزگاری ہے"

اور مسز نائیڈو کہتی ہیں کہ:۔

"تعلیم یافتہ کے لئے مارکٹ نہیں ہے"

بہر حال مختلف الخیالی دنیا میں رہی اور ہمیشہ رہے گی۔ کرنا وہی ہے جس کے کرنے پر حالات حاضر متقاضی ہوں۔

کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ علم، جہل سے بہتر ہے۔ کھپت کی پیچیدگی محض اس لئے ہے کہ طالب علم کا مطمح نظر ہی ایک ہوتا ہے کہ فراغتِ تعلیم کے بعد ملازمت حاصل

کی جائے۔ یہ سمجھنے کے باوصف بھی کہ ایک ذریعہ دنیا کا متکفل نہیں ہو سکتا ہے پھر بھی اگر اسی کا سودا ہے تو آپ حضرات اساتذہ معاف فرمائیں یہ آپ کی غلطی کا خمیازہ ہے، جو فارغ التحصیل نوجوانوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اِس لئے اساتذہ کا یہ فریضہ حکماً گردانا جانا چاہئے کہ طالب علم کے رجحان طبع کی گہری Study کر کے اُس کو اُسی جانب مائل کرنے کی لگاتار کوشش کرتے رہیں۔ اور وہ ہر ایک کی موزونیت کے لحاظ سے مختلف النوع ہونی چاہئے تاکہ جب لڑکا کالج سے نکلے تو اُسی سمت کا رُخ کرے۔ دیوانہ وار ایک ہی سمت تکنی نہ پڑے۔

سرشاہ سلیمان نے جو مصروفیات ہو سکتے ہیں وہ بتلائے ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ پہلی نشاندہی نہیں ہے یقین کی حد تک روندی ہوئی زمین ہے، مگر تعمیل کے منشا میں ابھی اچھوتی ہے۔

صنعت و حرفت تجارت میں ترقی جب ہو کہ ملک کے سرمایہ داروں کا سرمایہ باہر نکالنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ بیرون ملک کے خواہشمندوں کے لئے Competition کے در کھول دیئے جائیں۔ ممکنہ سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔ ہر کارخانہ چاہے جدید ہو یا قدیم اس کے وسعت کاروبار کے لحاظ سے ایک سے چند گریجوئیٹس کو مختلف شعبوں میں اپنے صرفہ سے ٹریننگ دلانے اور خاص کفایتوں کے ساتھ اُن کے خدمات حاصل کرنے کو شرائط قیام یا بقاء کارخانہ میں داخل کیا جائے۔

اَرباب دولت کو آمادہ کیا جائے کہ وہ سالانہ چند اِسکالرشپ ہونہار گریجوئیٹس کو دیگر Industries and commerce کے لئے اُن کو تیار کریں۔ اسی کو اپنی وہ خیرات، زکواۃ، عبادت سمجھیں۔ پیشہ ور بھیک منگوں سے ہاتھ روکیں۔

زرعی وسائل کے پیدا کرنے میں ممکنہ سہولتوں کے بہم پہونچانے پر گورنمنٹ ہر طرح آمادہ ہے۔ اَرباب دول بھی اپنے سرمایہ کو اِس میں Invest کریں اور گریجوئیٹس

سے کام لیں۔

۵۔ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

Vocational training کے انتظامات گورنمنٹ نے آغاز کر دئیے ہیں۔ ملک نہیں بلکہ ملکیوں کی بدنصیبی ہے کہ کلاسس خالی ہیں۔ طالب علم نہیں ملتے ہیں۔ اس لئے خاندانی پیشہ کی اعلیٰ تعلیم فنی کو جبری تعلیم قرار دیا جائے۔ طبعی رجحان کو آزادی رہے۔

اس کے پھیلانے کے لئے دیہی مدارس میں بارہ سال سے متجاوز عمر کے لڑکوں کو مقامی صنّاعان کے ذریعہ تعلیم دلانا مقامی صناعان کا اخلاقی مگر لازمی فریضہ قرار دیا جائے۔ بضمن اصلاحات متوقعہ پنچایت سسٹم کے فرائض میں اس کو جگہ دی جائے۔ مجھے اس اسکیم میں کامیابی ہوئی سررشتہ تعلیمات نے بھی میرا ایک حد تک ساتھ دیا۔

بجز ملازمت کے ہر پیشہ میں کھپت کی بڑی گنجائش ہے۔ مگر افسوس اس کا ہے کہ میلان طبع کا فقدان ہے۔ اسی کا پیدا کرنا اساتذہ کا فرض اولین قرار دیا جائے۔

ڈاکٹر سید محمود سابق ایجوکیشنل منسٹر بہار نے ابھی حال میں ٹیچرس کانفرنس کے اڈریس میں فرمایا کہ:۔

" Educated should be three fold :- Body, Mind and heart

یہ بھی کوئی نیا اشارہ نہیں ہے۔ اسلاف نے بھی یہی سکھایا تھا۔ ٹیگور جیسی مسلّمہ شخصیت بھی ایک طالب علم میں جو چاہتی ہے وہ یہی ہے۔

"A Strong body, a pure and a kind heart".

Theory نئی نہیں ہے۔ Practice نئی ہوسکتی ہے۔ جسمی نشو و نما کے لئے سر رشتہ جو کچھ کر رہا ہے وہ لہر اپنی آپ دوڑ رہی ہے۔ خود بخود اضافہ ہوتا جائے گا۔ اِس لئے کہ ابھی بہت کچھ ہونا ہے اور سر رشتہ کو اِس کا احساس ہے مگر Pure mind and kind heart پیدا کرنا اُستاد کا کام ہے اگر شاگردوں میں یہ بات پیدا نہ ہوی تو مجھ جاہل کے نزدیک اُستاد ہی ذمہ دار گردانا جاسکتا ہے۔

کل کی بات تھی کہ ہمارے قلوب فرقہ وارانہ جذبات سے پاک تھے ہمارے دل بلالحاظ ذات پات باہمی اُلفتوں سے مامور تھے آج اگر اس میں فرق آگیا تو کیوں آیا ؟ مدرسہ کے بچوں نے کیوں تحریکات مذہبی و پالٹکس میں حصہ لیا Old schools کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ امیر و غریب کا بچہ اُستاد کے روبرو زانوِ ادب جوڑتا تھا۔ اب وہ اُستاد کے کہے سے باہر کیوں ہے ؟ اُستاد کی صحبت کا بڑا گہرا عکس شاگرد پر پڑتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ موجودہ آزادی یا بے باکی کو بھی اِس پر دخل ہے۔ آج اُستاد اور طالب علم باہم Free رہتے ہیں اور طرز قدیم کی تعلیم میں Reserve رہنا لازمی تھا۔ اِس کو میں یہیں چھوڑتا ہوں بقول علامۂ اقبال مرحوم

محفلِ نَو میں پُرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جواب نہ آئیں اِن فسانوں کو نہ چھیڑ

خیر آج کا جو مقتضاء ہو وہی کیا جائے، اسی میں یہ داخل و شامل ہے کہ طالب علموں کو تعصبات مذہبی اور Active Politics میں جانے نہ دیا جائے اور سمجھا دیا جائے کہ

ع
تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیاہ کار رہے

تعلیم نسواں | اِس کی اہمیت کو جتانا بھی نہیں ہے۔ روز کے چرچے ہیں۔ گورنمنٹ متوجہ ہے چنانچہ رائٹ آنریبل سر اکبر نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ:۔

"میں شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ مدارس نسواں میں جس قسم کی تعلیم ہماری طالبات کو دی جاتی ہے، وہ ہندوستانی عورت کے بلند مقاصد کے حصول کے لئے موزوں نہیں، اِس میں ہندوستان کی مایۂ ناز خواتین کی زندگیوں اور کارناموں کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اِس میں ہندوستانی گھر کی رُوحانی عقیدت اور مخصوص کفایت شعاری کو جگہ دی گئی ہے۔ جس کی وہ ایک دِن ملکہ بننے والی ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی ماں اِس طرح سے جدید طرز کی تعلیم پاکر اِس نام نہاد دورنگی گھر کی ملکہ بن جاتی ہے۔ حالانکہ یہ گھر اپنی نوعیت واصلیت کے لحاظ سے ہندی ہے اور جسے ہماری حقیقی قومی خصوصیات سے مزین ہونا چاہئے۔"

یہ کب ہوگا جب کہ لڑکوں کے نصاب سے لڑکیوں کا نصاب مختلف ہو۔ اصل گلہ یہ بھی ہے کہ پبلک کو دلچسپی نہیں ہے۔ اِس میں بھی پبلک کے تعاونِ عمل کے وہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ جو لڑکوں کی تعلیم سے متعلق اُوپر بیان میں آچکے ہیں۔ اِس سلسلے میں جو اہم اجزا قابل غور ہو سکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

Co-education | یہ بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے کوئی موئد ہے اور کوئی مخالف۔ ابھی حال میں بیگم امیرالدین

"The veteran social reformer of Madras".

نے بھی اسی پر زور دیا ہے کہ:۔

"Primary education should be Co-education"

یہ سوال پیچیدہ ہے۔ مگر ہمارا سررشتۂ تعلیمات ملکی اور مقامی حالات کا گہرا مطالعہ اس سلسلہ میں عرصہ سے کر رہا ہے۔ کافی احتیاط کے ساتھ صرف ان مواضعات میں جہاں مدارس نسوان قائم نہیں ہیں اور جہاں مدارس ذکور صرف ابتدائیہ یعنے دو جماعت اوّل و دوم کے قائم ہیں اور جن میں لڑکوں کی عمریں ۱۲ سال سے زائد نہیں ہیں: Co-educotion کو روا رکھا ہے وہ بھی جبری نہیں ہے اختیاری ہے۔

جس طرح پردہ کا سوال پیچیدہ ہے اسی طرح Co-education کا مسئلہ بھی اہم ہے جس پر سررشتہ کی خود غائر نظر ہے۔ اس لئے ہم اس یقین اور بھروسہ پر کہ سررشتہ کی ماہرانہ توجہ اس جانب مائل ہے اچھے نتیجے پر پہنچنے کی اُمید رکھیں گے۔

جبکہ اُوپر ذکر آچکا ہے تو نصاب تعلیمی سے یہاں بحث نہیں ہے تربیت کے انتظام کا آغاز بھی گورنمنٹ نے کر دیا ہے پبلک کو دلچسپی نہیں ہے اگر دلچسپی حاصل کی جائے تو اس کام کو جلد پھیلا یا جاسکتا ہے عملی مثال کسی بیوی نے رائچور پر پیش کر دی ہے۔ گلبرگہ پر اس کی ابتدا ہے۔ لاتور۔ بیدر۔ اور عثمان آباد میں بھی اس کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ مگر عام شکایت ہے کہ معلمات سے تعاونِ عمل نہیں ہو رہا ہے۔ پبلک سے مدد حاصل کرنا اگر داخلِ فرائض معلمات کیا جائے اور ایسی امداد حاصل کرنے والی معلمہ کو Credit دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔

لڑکیوں کی تعلیم کا مقصد تو مسلمہ ہے کہ وہ اچھی بیوی یا قابل ماں بنے مگر اس قابل بھی اُن کو بنانا چاہیئے کہ اگر زمانہ نا مساعد ہو جائے تو اپنے ہنر سے شریفانہ طور پر وہ کمانے کے قابل ہوں۔ محض پڑھ کر معلمہ بن جانا اُسی ملازمت کی تعریف میں

داخل ہے جس پر اُوپر بحث کی جا چکی ہے۔ گو آج تعلیم یافتہ خواتین کی بزمرہ ملازمت قلت ہے مگر کل جب کثرت ہو جائے گی تو پھر وہی کشمکش پیدا ہو جائے گی جو آج نوجوان تعلیم یافتہ لڑکوں کے درپیش ہے۔

مدارس نسوان کی تنقیح فنی ہاتھوں میں رکھی جائے مگر Visitors کی حیثیت سے دعوتِ عمل ہر تعلیم یافتہ بیوی کو اِس لئے دی گئی ہے کہ انتظامی حیثیت سے اُن کی Visit بہتری پیدا کر سکے مگر ایسے Visitors کو حاصل کرنیوالی معلمات کو اُونچا کیا جائے تاکہ معلمات اِس میں دلچسپی لیں۔

اساتذہ کے خدمت میں عرض مدعا آپ کی عظمت سے کس کو اِنکار ہو سکتا ہے۔ باپ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے۔ نہ یہ نصیحت ہے نہ مشورہ صرف ایک گذارشِ اَحوال واقعی ہے۔ اِس سلسلہ میں زیادہ کمانے کے جذبات دِل میں نہ لائے جائیں۔ ترقی یا گریڈ کا اِضافہ کبھی پیش نظر نہ رہے، تعطیل سے اِستفادہ یا اِستحقاقی رخصت کا لینا کبھی آپ کے پیش نظر نہ ہو۔ تعطیلات کی بہتات خود ایک بڑا رخنہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سررشتہ اِس پر خود غور کرے، کاروباری اَوقات میں پُورا اِنہاک چاہیئے آپ ہمیشہ یہ سمجھیں کہ خدمت نہیں عبادت ہے، زندگی کو آپ سادہ کریں تاکہ لڑکوں میں ذوق تبختر پیدا نہ ہو۔ اگر یہ ہوا تو ان کی زندگیاں آسان ہوگئیں ورنہ ہر نوجوان آج جاہ طلبی کے جذبات رکھنے لگا ہے۔ لڑکوں کو مالدار بیوی اور لڑکیوں کو زیادہ کمانے والے شوہروں کی خواہش ہے۔ اچھے اِنسان کی تلاش طرفین میں مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ اِس کے ذمہ دار اُستاد ہی ہو سکتے ہیں۔ گو والدین پر بھی اِس کی ذمہ داری منزور رہے۔

غرض اِس خصوص میں بڑی کاوش درکار ہے ورنہ حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ کسی قومی اِدارہ کے مدرسین نے کم معاوضہ پر اگر اِکتفاء کیا تو اِس

قربانی کی وجہ سے ان کی عظمت میں کبھی فرق نہیں آیا۔ مثال کے لئے جامعہ ملیہ دہلی
کے امیر جامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا نام لیا جا سکتا ہے۔

یہ گذارش ایک عالم بے عمل کا وعظ ہی سہی لیکن ایک درد مند دل کی صدا ضرور ہے
گو یہ ذوق طلب عمر بھر کا سودا ہے مگر :-

خام ہے ذوقِ طلب شاید ابھی تک خام ہوں
ورنہ کیوں راہ طلب میں ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

اس لئے یہی عرض کر کے بیٹھ جاتا ہوں کہ :-

ع تو دانی حساب کم و بیش را

محترم خواتین و حضرات !

آخر میں آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں
کہ ہماری ہر کوتاہی کو آپ اپنی دریا دلی سے نظر انداز فرما دیں گے ۔

خطبۂ صدارت

نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات و معین المہام جامعہ عثمانیہ

آپ حضرات نے جس گرم جوشی سے میرا خیر مقدم فرمایا ہے۔ میں اس کا دل سے شکر گذار ہوں۔ آپ کے صوبے کے باشندوں نے تعلیم سے ہمیشہ گہری دلچسپی لی ہے۔ اور اس موقعے پر جس جوش و سرگرمی کا اظہار کیا ہے وہ ان کے جذبات کی گہرائی اور خلوص کا ایک تازہ ثبوت ہے۔

شہر گلبرگہ بڑی تاریخی روایات رکھتا ہے اور یہاں زمانۂ گذشتہ کی بہت عمدہ یادگاریں ابھی تک باقی ہیں۔ کسی زمانے میں یہ بہمنی خاندان کے اولو العزم بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا۔ جن کی حکومت سمندر کے ایک کنارے سے لیکر دوسرے کنارے تک ایک بہت وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شاہان اولو العزم اپنی علم پروری کے لئے مشہور ہیں۔ اور ان کے عہد میں گلبرگہ سارے ہندوستان میں علم و فضل اور ثقافت و تمدن کے اہم مرکزوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس شہر کو یہ افتخار بھی حاصل ہے کہ یہاں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی رحمتہ اللہ علیہ آسودہ ہیں۔ آپ کا روضۂ مبارک اس شہر کی زینت ہی نہیں بلکہ اس کی عظمت و تقدس کا باعث ہے۔ آپ اس حقیقی علم کی دولت سے ممتاز تھے جو سراسر علیہ الٰہی و ہدایت ربانی سے حاصل ہوتی ہے

وہ شہر جو ایسی شاندار روایات اور قابل احترام تعلقات کا حامل ہو۔ ایسی کانفرنس کے لئے بہت ہی موزوں مقام ہے جس کا مقصد علم کی روشنی پھیلانا ہے۔

ابھی میں نے زمانہ گزشتہ کے بہمنی فرماں رواؤں کی علمی سرپرستیوں کا ذکر کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمیں اپنے خسرو جمجاہ حضرت سلطان العلوم کی ذات شاہانہ میں ایک ایسا ہی علم پرور بادشاہ ملا ہے۔ جس نے نہ صرف دکن کے قدیم فرمان رواؤں کی روایات کو زندہ کیا۔ بلکہ اپنی معارف نوازیوں اور عالمگیر فیض رسانیوں کے باعث جمیع شاہانِ سلف سے ممتاز ہے۔ ذات شاہانہ کی فیض رسانیوں کی مثال کے طور پر اس عظیم الشان جامعہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جو حضور والا کے نام نامی سے مفتخر ہے۔ نیز مفاد عام کے وہ متعدد کام پیش کئے جا سکتے ہیں جو سارے ممالک محروسہ سرکار عالی میں جاری وساری ہیں۔ لیکن آپ کا عہد مبارک خاص طور سے ان برکات کے لئے مشہور ہے جو رعایا کے سب سے غریب اور نادار طبقوں کے لئے مہیا کی گئی ہیں۔ دیہات سدھار۔ حفظ صحت۔ طبی امداد۔ اور دیہی قرضداری دور کرنے کے انتظام اور قحط سالی کے زمانے میں رفع مصائب کے لئے ضروری تدابیر۔ رعایا کی پرورش اور ان کی اصلاح حال کی مساعی جمیلہ میں سے مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ عہد عثمانی کے فیوض وبرکات میں ایک اہم چیز ابتدائی تعلیم بھی ہے جو ساری ریاست میں مفت دی جاتی ہے۔ حال ہی میں ذات شاہانہ نے اپنے الطاف بے پایان سے اس مد میں ساڑھے سات لاکھ روپئے سالانہ کا اضافہ منظور فرمایا ہے جو پانچ سال کے عرصے میں ساڑھے بارہ لاکھ روپئے تک پہنچ جائیگا۔ اس اضافہ امداد کی وجہ سے ابتدائی تعلیم کی رفتار بہت زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ اور

اِس کا مقصد ابتدائی تعلیم کو اِس طرح وسیع کرنا ہے کہ ریاست کے ہر ایسے گاؤں یا قریہ میں جس کی آبادی ایک ہزار یا اُس سے زیادہ ہو کم از کم ایک مدرسہ تحتانیہ قائم ہو جائے۔

صوبہ دار صاحب نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں بالکل بجا طور پر والدین کو اُن کے نونہالوں کی تعلیم میں اَرباب مدرسہ کے ساتھ اشتراکِ عمل کا فرض یاد دلایا ہے، اور اس پر بھی زور دیا ہے کہ دولتمند اَفراد مقاصدِ تعلیم کی پیش رفت میں مالی اِمداد سے دریغ نہ کریں۔ جہاں تک ان کی پہلی تجویز کا تعلق ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں کہ والدین کی طرف سے تعاون و اِشتراکِ عمل نہایت ضروری ہے۔ آجکل سب کام اُستاد ہی کے ذمہ کر دیا جاتا ہے۔ مکان میں بچوں کی اچھی تربیت اور مدرسہ میں ان کی تعلیمی ترقی سے اِظہارِ دلچسپی کے ذریعے والدین ہماری بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ اَساتذہ اور معائنہ کرنے والے عہدہ داروں کا بھی فرض ہے کہ والدین سے میل جول رکھیں اور ہر طرح اُن کی توجہ ہمدردی اور دلچسپی حاصل کریں۔ ابتدائی تعلیم کی اِصلاح و توسیع کی جدید اسکیم کے تحت مختلف دیہات میں جو دیہی مجالس تعلیمی قائم ہونے والی ہیں اُن سے والدین کا تعاون حاصل کرنے میں بہت کچھ سہولت ہوگی۔ یہ امر اُن کے فرائض میں داخل ہوگا کہ بچوں کو مدرسہ کا پابند بنائیں اور تعلیم میں تضیع وجوہ دُور کرنے کے لئے ممکنہ جد و جہد کریں۔ جو والدین اِن کمیٹیوں کے رکن ہونگے انہیں اِس کام کا اچھا موقع حاصل ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیمی ترقی سے واقف ہوں اور اَساتذہ کے ساتھ ہر طرح کا اِشتراکِ عمل کریں۔ آئندہ سے لوکل فنڈسس کی تین پائی جو تعلیم کے لئے وقف ہیں

وہ بالکلیہ ابتدائی مدرسوں کے مکانات کی تعمیر اور ضروری سامان تعلیمی مہیا کرنے پر صرف کی جائیں گی اِس سے لوکلفنڈ کمیٹیوں کو تعلیم سے اپنی دلچسپی ظاہر کرنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اِس خصوص میں اگر کسی فنی مشورے کی ضرورت لاحق ہو تو مہتمان اور صدر مہتمان تعلیمات نہایت خوشی سے اپنی خدمات پیش کریں گے۔

صوبے دار صاحب نے دوسرے جس امر کی طرف توجہ دلائی ہے وہ خانگی تعلیمی فنڈ کا قیام ہے۔ اِس کے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم صوبہ گلبرگہ خانگی مساعی سے کامیابی کے ساتھ مدرسہ چلانے کی دو شاندار مثالیں پیش کرسکتا ہے اور یہ گلبرگہ کا نوتن ودیالیہ اور رائچور کا خانگی مدرسۂ فوقانیہ ہے۔ دونوں عمدگی کے ساتھ جاری ہیں۔ ان کے علاوہ صوبے میں بعض ایسے مدارس نسواں بھی ہیں جن کا اِنتظام خانگی اشخاص ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ حکومت کے ذرائع بھی غیر محدود نہیں ہیں۔ اور یہ اُس کے لئے ناممکن ہے کہ مدارس ثانویہ کی مانگ کی بالکلیہ تکمیل کرے۔ اِس لئے اَب وقت آگیا ہے کہ ثانویہ تعلیم کی مزید توسیع کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ خانگی کوششوں پر اِنحصار کیا جائے۔

خانگی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے میں اِس موقعے پر اُن شبہات کو رَفع کردینا چاہتا ہوں جو عوام کے ذہنوں میں خانگی مدرسہ۔ مسلمہ مدرسہ اور امدادی مدرسہ کی اِصطلاحات کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

خانگی مدرسہ سے ایسا مدرسہ مُراد ہے جس کو حکومت سرکارِ عالی نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ ایسے مدارس اپنے نصاب تعلیم اور ذریعہ تعلیم کے متعین

کرنے میں ہر طرح آزاد ہیں۔ اُن کے قیام میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں خواہ وہ کسی درجہ کے ہوں۔ البتہ ایسے مدرسے قائم کرنے والوں کو صرف قیام مدرسہ کی اطلاع متعلقہ تعلیمی عہدہ داروں کو دینی پڑتی ہے اور یہ اطلاع محض مدارس کی رجسٹری اور تعلیمی اعداد و شمار کی ترتیب کے لئے ضروری ہے۔ اِس طرح کے خانگی مدرسہ کی رجسٹری کے لئے کم سے کم پندرہ طلبہ کا ہونا لازمی ہے۔

مسلّمہ کے معنے یہ ہیں کہ اس مدرسے کے طلبہ سررشتہ تعلیمات کے امتحانات میں شریک ہو سکتے ہیں اور اس غرض کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ مدرسہ سررشتہ کے نصاب تعلیم اور اس کے مسلمہ ذریعہ تعلیم کا پابند ہو۔

امدادی مدارس سے مُراد وہ مسلّمہ مدارس ہیں جن کو سرکار عالی کی طرف سے کسی قسم کی مالی اِمداد دی جاتی ہے۔ امداد کے اہم شرائط یہ ہیں کہ مدرسہ کی کارکردگی ایک مقررہ معیار کے مطابق ہو۔ جس کا تصفیہ مہتمم مدارس کرتا ہے اور یہ کہ اِمداد، مدرسہ کے اخراجات جاریہ کے نصف سے یا مدرسہ کی آمدنی اور اخراجات جاریہ کے تفاوت سے زیادہ نہ ہو۔ بلکہ اُن دونوں میں سے جو بھی کم ہو اُس کے برابر امداد دی جائے۔ خانگی مدارس کے ساتھ سرکار عالی کے طرز عمل کی نسبت بہت کچھ غلط فہمیاں اور شبہات پھیلے ہوئے ہیں اِس لئے میں اُمید کرتا ہوں کہ میں نے جو کچھ تصریح کی ہے اُس سے اِشتباہ دور ہو جائے گا۔

ناخواندگی دور کرنے کے مسئلے کے دو اہم جزو ہیں۔ پہلے یہ کہ کس طرح عام ابتدائی تعلیم رائج کی جائے اور دوسرا یہ کہ بالغ اور پختہ عمر لوگوں کو خواندہ بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ میں اِن دونوں اُمور کے متعلق کچھ

کہنا چاہتا ہوں۔

ریاست ہذا میں ابتدائی تعلیم بالکل مفت دی جاتی ہے۔ اس کو عام کرنے کے لئے دوسرا قدم بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو جبری اور لازمی کر دیا جائے۔ لیکن اس کا انتظام اتنا آسان نہیں جتنا اس کا کہہ دینا آسان ہے۔ اول تو اس کے مصارف اس قدر زیادہ ہونگے کہ وہ بجائے خود امتناعی اور ناقابل برداشت ثابت ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ برطانوی ہند میں بھی یہی دشواری پیش ہے۔ ہمارے پاس لازمی تعلیم کا مسودۂ قانون تیار ہے۔ لیکن جنگ کی وجہ سے موجودہ زمانہ اس کو مجلس مقننہ میں پیش کرنے کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ اگر یہ مسودہ بعد کو کسی وقت بھی قانونی شکل اختیار کر لے تو اس ملک کے چند چھوٹے چھوٹے علاقوں میں جزوی طور پر نافذ کرنا پڑے گا اور یہ بھی صرف اسی صورت میں ہو سکے گا کہ ان علاقوں کے باشندوں سے مصارف تعلیم کی بابت کافی ٹیکس وصول کیا جائے۔ وہ تعلیم جس کے لئے رعایا پر محصول کا غیر معمولی بار ڈالا جائے مشکل سے مفت تعلیم کہی جا سکتی ہے۔ جبر و لزوم کے درجے تک پہنچنے کے لئے جو زمانہ درکار ہے اس میں بہت کچھ اصلاح و درستی کی گنجائش ہے۔ اور ابتدائی تعلیم میں جہاں تک ممکن ہو رضاکارانہ اساس پر توسیع کی جا سکتی ہے۔ اس وقت جو مسئلہ فوری توجہ کا محتاج ہے وہ ایسے طلبہ کے لئے حصول تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنے کے متعلق ہے جو تعلیم پانے کے لئے اپنی مرضی اور خوشی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ توسیع کی اسکیم میں زیادہ سے زیادہ طلبہ کے لئے اسی قسم کی سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

داخل ہے جس پر اُوپر بحث کی جا چکی ہے ۔ گو آج تعلیم یافتہ خواتین کی بزمرہ ملازمت قلت ہے مگر کل جب کثرت ہو جائے گی تو پھر وہی کشمکش پیدا ہو جائے گی جو آج نوجوان تعلیم یافتہ لڑکوں کے درپیش ہے ۔

مدارس نسوان کی تنقیح فنی ہاتھوں میں رکھی جائے مگر Visitors کی حیثیت سے دعوتِ عمل ہر تعلیم یافتہ بیوی کو اس لئے دی گئی ہے کہ انتظامی حیثیت سے اُن کی Visit بہتری پیدا کر سکے مگر ایسے Visitors کو حاصل کرنیوالی معلّمات کو اُونچا کیا جائے تاکہ معلّمات اس میں دلچسپی لیں ۔

اساتذہ کے خدمت میں عرض مدعا آپ کی عظمت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے ۔ باپ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے ۔ نہ یہ نصیحت ہے نہ مشورہ صرف ایک گذارشِ احوال واقعی ہے ۔ اس سلسلہ میں زیادہ کمانے کے جذبات دِل میں نہ لائے جائیں ۔ ترقی یا گریڈ کا اضافہ کبھی پیش نظر نہ رہے ، تعطیل سے استفادہ یا استحقاقی رخصت کا لینا کبھی آپ کے پیش نظر نہ ہو ۔ تعطیلات کی بہتات خود ایک بڑا رخنہ ہے ۔ بہت ممکن ہے کہ سر رشتہ اس پر خود غور کرے ، کاروباری اوقات میں پُورا انہماک چاہیئے آپ ہمیشہ یہ سمجھیں کہ خدمت نہیں عبادت ہے ، زندگی کو آپ سادہ کریں تاکہ لڑکوں میں ذوق تبختر پیدا نہ ہو ۔ اگر یہ ہوا تو ان کی زندگیاں آسان ہو گئیں ورنہ ہر نوجوان آج جاہ طلبی کے جذبات رکھنے لگا ہے ۔ لڑکوں کو مالدار بیوی اور لڑکیوں کو زیادہ کمانے والے شوہروں کی خواہش ہے ۔ اچھے انسان کی تلاش طرفین میں مفقود ہوتی جا رہی ہے ۔ اس کے ذمہ دار اُستاد ہی ہو سکتے ہیں ۔ گو والدین پر بھی اس کی ذمہ داری ضرور ہے ۔

غرض اس خصوص میں بڑی کاوش درکار ہے ۔ ورنہ حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے ۔ کسی قومی ادارہ کے مدرسین نے کم معاوضہ پر اگر اکتفاء کیا تو اس

اس طرح آپ دیکھیں گے کہ دوران تعلیم میں دستکاریوں کی طرف بطور خاص میلان پیدا کرنے کی کوشش بہت زیادہ نمایاں ہے۔ نصاب تعلیم اس طرح کا رکھا گیا ہے کہ ابتدائی درجے کی تعلیم ختم کرنے پر جو طلبہ آگے تعلیم نہ پانا چاہتے ہوں اُنہیں اِس قدر ذہنی اور حرفتی تربیت حاصل ہو جائے کہ وہ اچھے شہری بن سکیں یا پھر طالب علم چاہے تو اِس درجے کو ختم کرنے کے بعد اِن مدارس میں سے کسی مدرسہ میں شریک ہو جائے جو سررشتۂ تعلیم صنعت و حرفت کے تحت خاص خاص صنعتوں اور پیشوں کے لئے قائم ہیں۔ جو طلبہ ثانوی درجے کی تعلیم پانا چاہتے ہیں وہ چوتھی جماعت کے بعد ثانوی مدرسے میں شریک ہو جائیں گے۔ ثانوی درجے کے دوران میں پیشہ ورانہ میلان برابر پیدا کیا جاتا رہیگا۔ اور اِس امر کی خاص طور پر کوشش کی جائے گی کہ طلبہ کی صلاحیتیں اور میلان طبع معلوم کیا جائے۔ آٹھویں جماعت کے ختم پر لوئر سکنڈری یا ادنیٰ ثانوی امتحان ہوگا اور گیارہویں جماعت کے بعد ہائر سکنڈری یا اعلیٰ ثانوی کا امتحان لیا جائے گا اِس کے ساتھ ہر درجۂ تعلیم کے ختم پر پیشہ ورانہ تعلیم میں منتقل ہونے کی راہیں کھُلی رہیں گی۔ اور جامعہ عثمانیہ میں معمولی ڈگری کا اِمتحان سہ سالہ کر دیا جائے گا۔

ثانوی مدارس میں ذکور اور اُناث کے لئے جو جدا گانہ نصاب اِس وقت منظور کیا گیا ہے وہ برطانوی ہند کے کسی صوبے کے نصاب سے کم نہیں ہے تنظیم جدید کی پوری اِسکیم جس کا اِنتظام تیز رفتاری سے جاری ہے۔ مزید چار سال میں کمل جائے گی۔ اِس تعلیمی کامیابی کا سہرا مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات اور ہمارے ایک اور ماہر تعلیم اور مجلس تعلیم ثانوی کے سرگرم

اور مستعد معتمد مولوی سید علی اکبر صاحب اور اُن ارکان مجلس کے سر ہے جنھوں نے اِس اسکیم کے تفصیلی منازل طے کرنے کی زحمت اُٹھائی ہے۔

یہاں ایک اور امر بھی غور طلب ہے اور یہ ہمارے راستے میں تھوڑی دشواری پیدا کرنے کا موجب ہے۔ یہ ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کو بطور ایک متوازی نظام کے برقرار رکھنا ہے۔ ثانوی تعلیم کے دہرے نظام کو چلانا بہت بڑا نقصان ہے۔ میں ہمیشہ سے اِس خیال کا موید رہا ہوں کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج ہونا چاہیئے تاکہ ہم اپنی پوری قوت اور توجہ اِس پر مرکوز کرسکیں۔ جب تک نظام کالج کا الحاق جامعہ مدراس سے قائم ہے ہمیں دہرے نظام تعلیم کا بار مجبوراً برداشت کرنا ہی پڑیگا۔

ناخواندگی کے خلاف مہم کا ایک اہم پہلو تعلیم بالغان ہے۔ اور یہ مسئلہ آجکل سارے ہندوستان میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ صدر انجمن اساتذہ ملک سرکار عالی نے اِس بارے میں جو کمیٹی مقرر کی تھی اُس نے اپنی رپورٹ شائع کردی ہے اس کے نتائج تحقیق نہایت بصیرت افروز ہیں۔ اور اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے مطالعہ اور غور و فکر کے مستحق ہیں۔ اِس اہم مسئلہ کے نسبت میں بھی اپنے چند خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) بالغ اور پختہ عمر کے لوگوں کو پڑھانا بچوں کو پڑھانے سے زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ اُن کے ذہن پختہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی تعلیم میں جو نفسیاتی امور ملحوظ رہنے چاہئیں وہ بچوں کے نفسیاتی مسائل سے جداگانہ ہیں۔ اِس لئے مناسب ہوگا کہ ہمارے ٹریننگ کالج اور نارمل اسکولوں میں اِس موضوع کے نفسیاتی پہلو کا بطور خاص مطالعہ کیا جائے۔

(۲) مدارس بالغان میں جو کتابیں پڑھائی جائیں وہ عام مدرسوں کی کتابوں سے کسی قدر جداگانہ ہونی چاہئیں۔ اِس سلسلے میں سررشتے کی جانب سے ایک الگ نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو خاص طور پر بالغوں کے مناسب حال ہے۔ تعلیم بالغان کی مدت دو سال سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔

(۳) جیسا کہ میں نے سال گزشتہ کہا تھا مکرر میرا یہی مشورہ ہے کہ ہر اُستاد کو چاہیئے کہ وہ اَن پڑھ بالغوں کی ایک خاص تعداد کو خواندہ بنانا اپنے اُوپر لازمی گردانے۔ خواہ یہ کام اپنے گھر میں انجام دیا جائے یا اور کسی جگہ۔

(۴) مدرسوں کی عمارتیں تعلیم بالغان کے مدارس شبینہ کے لیئے اِستعمال کی جاسکتی ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اُستاد اور طلبہ دونوں دن بھر محنت کرنے کے بعد اِس قدر تھک جاتے ہیں کہ وہ بدقّت کوئی موثر کام کر سکتے ہیں۔

(۵) جہاں تک بالغوں کا تعلق ہے۔ لکھنے پڑھنے۔ اور حساب کے علاوہ دوسرے تعلیمی ذرائع مثلاً تقریریں۔ لاسلکی گفتگو قندیلی مناظر وغیرہ کے طریقے بھی کام میں لائے جائیں تاکہ پڑھنے والوں کی دلچسپی کا دائرہ وسیع ہو اور اُن کی تہذیب و تمدّن میں ترقی ہوسکے۔

(۶) سررشتہ تعلیمات کا یہ عمل کہ بالغوں کو ختم تعلیم پر سند عطاء کی جائے بُرا نہیں ہے۔ لیکن خواندہ بالغوں کو ادنیٰ ملازمت میں ناخواندہ بالغوں پر ترجیح دے کر اَن کی مزید حوصلہ افزائی کرنا بھی ضروری ہے۔ بنیادی اُردو اور بنیادی انگریزی تعلیم بالغان کے لیئے خاص طور پر موزوں ہے اور اس کام کے لیئے ضرور انہیں اِستعمال کرنا چاہیئے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ

جملہ عہدہ دار اور اساتذہ ناخواندگی کے خلاف جہاد میں ممکنہ امداد سے دریغ نہیں کریں گے۔

بنیادی انگریزی اور بنیادی اُردو کے معنے اور مقاصد کے بارے میں کچھ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اِس کا مقصد جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں یہ نہیں ہے کہ پڑھنے والوں کے ذخیرہ الفاظ کو صرف چند محدود اور گنے چُنے الفاظ کا پابند کر دیا جائے۔ بلکہ اُس کے برخلاف "بنیادی" میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ نوآموز کو خواہ وہ بچہ ہو یا بڑا۔ سائنٹفک طریقے پر چُنے ہوئے الفاظ کی فرہنگ یاد دلائی جائے اور یہ فرہنگ ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو سب سے زیادہ اِستعمال میں آتے ہیں۔ اس میں ایسے الفاظ چن لئے جاتے ہیں جو بہت ہی کارآمد ہوں اور جن کو کئی موقعوں پر استعمال کیا جا سکے۔ کتنی ہی زیادہ کوشش کیوں نہ کی جائے یہ ممکن نہیں کہ ابتداہی میں نوآموز کا ذخیرہ الفاظ بہت بڑھ سکے۔ جب اُس کو محدود ذخیرہ الفاظ کے ساتھ کام کرنا لازمی ہے تو پھر یہ ذخیرہ سب سے زیادہ کارآمد اور کثیر الاستعمال الفاظ کا مجموعہ ہی کیوں نہ ہو؟ میں جانتا ہوں کہ بچوں کو اِس طرح کے بعض انگریزی الفاظ یاد کرائے جاتے ہیں جیسے "Sunshade" "Limpet" "Dormouse" "Quagga" اِس قسم کے الفاظ نہ تو بول چال میں بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور نہ ان کے سیکھنے سے تحصیل زبان کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ اِس قسم کے الفاظ کا اِنتخاب بہت ہی غلط اُصول پر کیا گیا ہے۔ اور اِس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کے لئے ذخیرہ الفاظ کا اِنتخاب کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ بنیادی انگریزی ان لوگوں کی

مسلسل دس سال کی علمی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ جو انگریزی زبان کے ماہرین خصوصی ہیں۔ ایک صاحب مسٹر اگڈن نامی نے یہ محسوس کیا کہ انگریزی زبان کی لغت میں مختلف اصطلاحات کی تعریف و توضیح کے سلسلے میں چند الفاظ بار بار استعمال ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ الفاظ بنیادی کہے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے ذریعے دوسرے تمام الفاظ کے معنے تبلائے جا سکتے ہیں۔ بطور استعارہ اِنہیں زبان کا عاد اعظم کہا جا سکتا ہے۔ اُن کی تعداد (۸۵۰) سے زیادہ نہیں تھی اور ان (۸۵۰) الفاظ کے ذریعے آپ بہت سی چیزوں کا اظہار کر سکتے ہیں۔ فعل جملے کی جان اور رُوح کی حیثیت رکھتا ہے اور انگریزی زبان میں یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو نحوی طور پر سب سے زیادہ مشکل ہے۔ مسٹر اگڈن نے تقریباً (۱۶) افعال کا انتخاب کیا اور اس میں (۸۰۰) سے کچھ زیادہ ایسے الفاظ کا اضافہ کیا جو کثیر المعنی تھے۔ اور (۸۵۰) الفاظ کی بنیادی فرہنگ تیار کی۔ اِس ضمن میں حسن اتفاق سے اُنہوں نے علم نحو کو بھی آسان کر دیا۔ اِس ذخیرۂ الفاظ کی زبردست اِفادیت کو ظاہر کرنے کے لئے اُنہوں نے بعض معیاری تصانیف کو بنیادی انگریزی میں منتقل کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ نو آموز کے لئے یہ ذخیرہ الفاظ کس قدر کارآمد ہے۔ وہ اِس کے ذریعہ مشکل سے مشکل مطالب کو ادا کر سکتا ہے اور ہر طرح اُن سے کام لے سکتا ہے۔ اور نیز یہ نو آموز کو انگریزی سکھانے میں بڑی سہولت کا باعث ہے۔ اور اس کی تعلیم بھی موثر ہوتی ہے۔ چنانچہ متعدد مدارس میں اِس کے مظاہرے دیکھ کر میں مطمئن ہو چکا ہوں۔ اِس سے ہمارے مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے ایک غیر معمولی تحریک و تقویت حاصل ہوئی ہے۔ اور طلبہ اور اَساتذہ دونوں میں یکسان

دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ نوآموز جیسے جیسے تحصیل زبان میں ترقی کرتا جائے گا وہ معمولی فرہنگ کے دوسرے تمام الفاظ بھی رفتہ رفتہ سیکھ لے گا اس کا منشاء زبان کو صرف (۸۵۰) الفاظ تک محدود کرنا اور صرف اُنہی کی تحصیل پر اکتفاء کرنا نہیں ہے۔

ملک سرکار عالی میں تقریباً اٹھتر ہزار طلبہ ہیں جو کم وبیش دو سو ثانوی مدارس میں انگریزی پڑھتے ہیں۔ اُن میں سے سال حال (۴۰) ثانوی مدارس میں تقریباً دس ہزار طلبہ کو پہلی دفعہ بنیادی طریقے پر انگریزی سکھائی جا رہی ہے۔ اِس کام کو شروع کرنے سے پہلے مسٹر مائر نے جو ہندوستان میں آرتھولوجیکل اِنسٹیٹیوٹ کے خصوصی نمائندے ہیں ہماری دعوت پر یہاں تعطیلات میں (۱۲۰) اساتذہ کو اس کام کے لئے تیار کیا۔ اِس تعطیلی نصاب کے دو اہم نتائج برآمد ہوئے۔ اول تو یہ کہ وہ تمام اندیشے اور غلط فہمیاں رَفع ہوگئیں جو اِس اہم اِصلاح کے نفاذ میں مانع تھیں۔ دوسرے اِس کی وجہ سے متعلقہ اَساتذہ میں خصوصی مسائل کے متعلق بصیرت پیدا ہوئی۔ اور اُنہیں ایک ترقی یافتہ طریقۂ تعلیم بھی حاصل ہوا۔ جس سے وہ مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اِس نصاب کی تکمیل کے بعد مسٹر مائر نے اِن چالیس بنیادی مدرسوں سے اپنے تعلقات برابر قائم رکھے اور شخصی معائنوں اور ترقی تعلیم کی تفصیلی رپورٹوں کے ذریعہ جو اُنہیں ہر ہفتے بھیجی جاتی ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنے مشاورتی تحریروں کے ذریعہ اِس میں مدد دیتے رہے۔ مسٹر مائر کی اِن مشاورتی تحریروں کو پڑھ کر ہر شخص متاثر

ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ان میں بہت کچھ کارآمد باتوں کے علاوہ ان حالات کا ہمدردانہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ جن کے تحت ہمیں کام کرنا پڑ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریرات جن اساتذہ کے نام لکھی گئی ہیں۔ اُن پر ارتسامات دیرپا ثابت ہوں گے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اور اگلے سال اس کو دوسرے مدارس میں بھی رائج کیا جائے گا۔

مولوی سجاد مرزا صاحب نے اپنی اُصولوں پر بنیادی اُردو کے لئے (۹۰۰) سے کچھ زیادہ ضروری الفاظ کی ایک فرہنگ مرتب کی ہے۔ بنیادی اُردو کی مشکلات اس لحاظ سے کم ہیں کہ اس کے افعال میں وہ نحوی اشکال نہیں جو انگریزی زبان کے افعال میں پائی جاتی ہیں۔ اُردو کی اصل دشواری اس کا فارسی رسم الخط ہے۔ اور سجاد مرزا صاحب نے نو آموزوں کے لئے اس کو آسان بنانے کی خاص طور پر کوشش کی ہے جو ایک حد تک کامیاب معلوم ہوتی ہے۔

تعلیم نسوان میں بڑی دشواری اضلاع کے لئے لائق اُستانیوں کی فراہمی ہے۔ اَب ہمارے نارمل اسکولوں میں مڈل اور میٹرک کامیاب لڑکیوں کی تربیت کا انتظام ہوگیا ہے۔ اس لئے میں توقع رکھتا ہوں کہ لائق اُستانیاں آسانی سے مل سکیں گی۔ سررشتے کو چاہئے کہ زنانہ ٹریننگ اسکول حیدرآباد کی عمارت کو جس قدر جلد ممکن ہو تعمیر کرائے۔

حال ہی میں سررشتہ تعلیمات نے ایک نہایت مفید اقدام کیا ہے اور یہ اندھے۔ گونگے۔ اور بہرے بچوں کے لئے مدرسہ کا قیام ہے۔ اس کام کے لئے چند اساتذہ کو بیرون ریاست بھیج کر خاص طور سے اس کی تعلیم

و تربیت دلائی گئی ہے۔

آخر میں میں تربیت کی طرف بطور خاص توجہ کرنے اور اپنے پیشے میں دلچسپی لینے اور اس پر فخر کرنے کی ضرورت کو اساتذہ صاحبان کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہون۔ جملہ تربیتی اِدارون کے ساتھ مشقی مدارس کا الحاق ضروری ہے اور جہاں اِس کا اِنتظام نہیں ہے جلد سے جلد اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ تعلیم کی کامیابی بہت بڑی حد تک مشق و عمل پر منحصر ہے۔ اِس کے ساتھ نظری تعلیم کی اہمیت کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ ٹریننگ کالج کے استاد ملک سہراب علی صاحب نے تعلیمی نفسیات پر اُردو میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں تمام اساتذہ کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہون۔ میں نے اِس کتاب پر ایک چھوٹا سا مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں تعلیمی نفسیات کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہربرٹ کے نظریہ اِدراک کو اساتذہ کے افادہ کے لئے بیان کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اساتذہ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

پستالوزی کا مندرجہ ذیل دانشمندانہ قول تعلیم کے وسیع نظریہ کا نچوڑ ہے۔

"اِنسان اپنی اخلاقی زندگی کے بنیادی عناصر یعنی محبت اور ایمان کو محبت اور ایمان پر عمل کرکے ترقی دے سکتا ہے۔ جس طرح کہ وہ اپنی ذہنی زندگی کے عناصر یعنی فکر و نظر کو فکر و نظر کی مشق کے ذریعہ اور عملی اور صنعتی زندگی کے عناصر یعنی اپنے اعضاء و جوارح کو ان کی ورزش کے ذریعہ بڑھا سکتا ہے"

عہدہ داران و اراکین انتظامی کمیٹی بابتہ ۱۳۴۹ف
انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی

سرپرست ۔ عالیجناب نواب مہدی یار جنگ بہادر۔ ایم۔ اے (آکسن) صدر المہام تعلیمات

صدر ۔ جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات

نائب صدر ۔ (۱) مس بے نندی صاحبہ ایم۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ۔ (لندن) مہتمم مدارس نسوان بلدہ

(۲) مولوی سید محمد اعظم صاحب ایم۔ اے۔ (کنٹب) پرنسپل سٹی کالج

(۳) " سجاد مرزا صاحب ایم۔ اے (کنٹب) " ٹریننگ کالج

(۴) " سید علی اکبر صاحب ایم۔ اے (کنٹب) اسپیشل انسپکٹنگ افسر تعلیمات

معتمد عمومی و خازن ۔ کے۔ بی۔ ایر صاحب معتمد کمشنر امتحانات سرکار عالی۔

مددگار معتمد عمومی ۔ (۱) مولوی سید محمد علی صاحب بلگرامی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مددگار ناظم تعلیمات

(۲) " غلام قادر صاحب بی۔ اے نائب صدر سٹی کالج

اراکین انجمن بلدہ ۔ (۱) مسز تہنیت اکرم صاحبہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ

(۲) مولوی فیض الدین صاحب ایم۔ اے۔ (کنٹب) بارایٹ لا صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک

(۳) مولوی غلام ربانی صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی پرنسپل فوقانیہ چادر گھاٹ

(۴) مولوی احمد حسین خانصاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ

(۵) " عبدالستار صاحب سبحانی بی۔ اے۔ ال۔ ٹی پرنسپل دارالعلوم بلدہ

(۶) " سید مجتبیٰ حسین صاحب نقوی بی۔ اے۔ ایم۔ ایڈ۔ (لیڈس) صدر فوقانیہ نامپلی

اراکین انجمن اضلاع ۔ (۱) نورالنساء بیگم صاحبہ بی۔ اے مہتمم مدارس نسوان اورنگ آباد

(۲) مولوی سید محی الدین صاحب بی۔ اے (کنٹب) بارایٹ لا پرنسپل کالج اورنگ آباد

(۳) " حفیظ اللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پرنسپل کالج ورنگل

(۴) " سید ذوالفقار علی صاحب حقانی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی صدر کالج گلبرگہ

(۵) " شیخ ابوالحسن صاحب بی۔ اے۔ ال۔ ٹی صدر مہتمم تعلیمات صوبہ ورنگل

(۶) رائے شنبھو پرشاد صاحب بی۔ اے صدر " " " گلبرگہ

(۷) مولوی محمد عثمان صاحب بی۔ اے۔ ٹی۔ ڈی (لندن) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد

رپورٹ معتمد عمومی

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی

بابتہ ۱۳۴۹ف

کے ۔بی ۔ایر صاحب بی ۔اے ۔بی ۔ٹی معتمد عمومی و مددگار معتمد مجلس تعلیم ثانوی

یہ امر میرے لئے باعث فخر ہے کہ میں بحیثیت معتمد عمومی، انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی، تیسرے سال کی رپورٹ پیش کرنیکی عزت حاصل کر رہا ہوں ۔ مولوی ذوالفقار علی صاحب حقانی اور رائے شمبھو پرشاد صاحب کی لگاتار کوشش ۔ نیز نواب غوث یار جنگ بہادر کے سرگرم تعاون کے باعث، آج ہم اس قابل ہوئے کہ کانفرنس کا اجلاس پہلی مرتبہ صوبہ کے مستقر پر منعقد کرسکیں۔

پچھلے سال، ۵ ۔ ذیلی کمیٹیاں مندرجہ ذیل عنوانات پر رپورٹیں پیش کرنیکی غرض سے تشکیل دی گئی تھیں :-

(۱) "ثانوی تعلیم"

صدر ۔مولوی حفیظ اللہ صاحب بی ۔اے ۔بی ۔ٹی پرنسپل انٹر کالج ورنگل ۔

معتمد ۔پی ۔وی ۔بسّا راؤ صاحب ایم ۔اے ۔بی ۔ٹی سپرنٹنڈنٹ تعلیم المعلمین ورنگل ۔

(۲) "تعلیم نسواں"

صدر ۔مس جے ۔نندی صاحبہ ایم ۔اے ۔مہتممہ مدارس نسواں بلدہ ۔

معتمد ۔مسز تہنیت اکرم صاحبہ بی ۔اے ۔ڈپ ۔ایڈ ۔صدر مدرسہ مرکزی تعلیم المعلمات بلدہ ۔

(۳) "تحتانی تعلیم"

صدر ۔مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی ۔اے ۔ال ۔ٹی ۔صدر مہتمم تعلیمات ورنگل

معتمد ۔مولوی احمد اللہ صاحب بی ۔اے ۔بی ۔ٹی ۔مہتمم تعلیمات ضلع ورنگل

(۴) "اِعادی نصاب"

صدر۔ مولوی سجاد مرزا صاحب ایم۔ اے کنٹب پرنسپل ٹریننگ کالج بلدہ۔

معتمد۔ جی۔ ایس۔ پرکاش راؤ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی اول مددگار فوقانیہ چادر گھاٹ۔

(۵) "تعلیم معذورین"

صدر۔ ڈاکٹر۔ ڈی۔ ڈی۔ شنڈا مرکر لکچرار ٹریننگ کالج بلدہ۔

معتمد۔ مولوی توقیر احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ٹی صدر مدرسہ معذورین بلدہ

پچھلے سال کانفرنس میں ثانوی تعلیم اور تعلیم نسواں پر کمیٹی کی جانب سے رپورٹیں پیش ہو چکی ہیں۔ مگر جدید تنظیم کی اسکیم اور سنئے نصاب متزل ادنےٰ ثانوی کے باعث، جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں اُن کو سلجھانے اور ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان مباحث کا سلسلہ اس سال بھی جاری رکھا جائے۔

ان کمیٹیوں کی رپورٹیں کانفرنس کے دوسرے اور تیسرے اجلاس میں پیش کی جائیں گی۔

سال زیر رپورٹ انتظامی کمیٹی کے ۲ جلسے ہوئے۔ دیگر امور طے شدہ کے منجملہ مولوی سید محمد علی بلگرامی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مددگار تعلیمات کی نامزدگی شریک معتمد عمومی کے عہدہ پر بجائے مولوی سید خیرات علی صاحب عمل میں آئی جن کا تبادلہ جگتیال پر ہو گیا ہے۔

ہمارا سہ ماہی رسالہ "حیدرآباد ٹیچر" اپنی مفید خدمات بدستور انجام دیتا رہا۔ ریورنڈ ایف۔ سی۔ فلپ جو دو سال کے لئے انگلستان گئے تھے بعد واپسی مدیرین کے زمرہ میں دوبارہ شریک ہو گئے ہیں۔ یہ محسوس کیا گیا ہے کہ رسالے کے لئے اضلاع سے بہت کم مضامین وصول ہوتے ہیں۔ میں اساتذہ صاحبان اضلاع سے اپیل کرتا ہوں کہ رسالہ سے دلچسپی لیں اور مفید مضامین بغرض اشاعت بھیج کر قلمی امداد سے دریغ نہ فرمائیں۔

ملحقہ انجمنیں اور اُن کی کارگذاری

مثل سال گذشتہ انجمن ہذا سے ۱۲ انجمنیں ملحق رہیں۔ تمام انجمنوں نے سال حال مفید خدمات انجام دینے کی پوری کوشش کی بسمت بلدہ، اورنگ آباد، بیدر اور ورنگل کی انجمنوں نے سالانہ کانفرنسوں کے انعقاد اور

تعلیمی نمائش کا بھی اِنتظام کیا۔ صوبہ سے ملحق انجمنوں میں مرتبہ پروگرام کے مطابق دورانِ سال کام ہوتا رہا۔
مدرسے سے متعلقہ عنوانات پر تمام انجمنوں میں بحث و مباحثہ کیا گیا اور مختلف مضامین پر نمونے کے سبق بھی دئے گئے۔

(۱) انجمن اساتذہ بلدہ اِس انجمن کی ۱۲ شاخیں اور تقریباً ایک ہزار اراکین ہیں۔ انتظامی کمیٹی کے چار جلسے ہوئے۔ ایک سب کمیٹی "شہری تحتانی تعلیم" کے عنوان پر سال بھر کام کرتی رہی، جس نے مسودہ رپورٹ پیش کردی ہے۔ ماہانہ جلسوں میں تحتانی تعلیم سے متعلق مباحث پر بحث و تمحیص ہوئی۔ ادارۂ زائد نصابی مصروفیات نے تقریری مقابلے (اُردو اور انگریزی میں) باغبانی کے مقابلے نیز مکالمے اور نظم خوانی کے مقابلے منعقد کئے۔ سالانہ کانفرنس کے ضمن میں نمائش تعلیمی کا بھی اِنتظام تھا، جو لحاظ جدت اور ندرت اچھا رہا۔ مدرسین کے کلب کی یہ خصوصیت رہی کہ ٹینس کا اِفتتاح کیا گیا اور سوشل و اکسکرشن کے اِنتظامات عمل میں آئے۔ مختلف کھیلوں میں مدرسین کے لئے ٹورنمنٹ رکھے گئے۔ کتب خانہ جس کے ساتھ دارالمطالعہ اور ریڈیو بھی ہے، مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔

(۲) انجمن اساتذہ صوبۂ اورنگ آباد تمام انجمنہائے ضلع میں گشتی کتب خانوں کا اِفتتاح کیا گیا۔ مدارس میں یونیفارم کے رواج دینے اور سہ ماہی رسالے کی اِشاعت کا مسئلہ انجمن کے زیر غور ہے۔
معلمات نے بھی مقررہ پروگرام کے مطابق عمل کرنے میں سرگرمی دکھائی۔

(۳) انجمن اساتذہ صوبہ میدک علاوہ تکمیل پروگرام سالانہ کے بزمانہ کانفرنس ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب کی صدارت میں مشاعرہ رکھا گیا تھا۔ شرکا کی تعداد زیادہ تھی اور مدرسین و پبلک نے خاص دلچسپی ظاہر کی۔ کانفرنس میں سب کے لئے ایک مشترکہ ڈنر کا انتظام بھی کیا گیا تھا جو بہت کامیاب رہا۔

(۴) انجمن اساتذہ صوبہ گلبرگہ انتظامی کمیٹی کے ۵ جلسے ہوئے۔ مدارس وسطانیہ کی انجمنوں کا تعلق انجمن ضلع سے برخاست کرکے صوبہ کی انجمن سے کیا گیا۔ ایک خصوصی تقریر کا انتظام بھی کیا گیا جس میں مولوی سید علی اکبر صاحب نے مدرسین کو مخاطب کرکے نئی اسکیم کے نفاذ سے جو شکوک پیدا ہوگئے تھے انہیں صاف اور واضح فرمادیا۔ انجمنہائے اضلاع کے تحت مدرسین کے استفادہ کے لئے کتب خانے قائم ہوگئے ہیں۔ انجمن صوبہ کے تحت کتب خانے کا قیام سہ ماہی رسالے کی اِشاعت اور انجمن امداد باہمی کے قیام کا مسئلہ زیر غور ہے۔

(۵) انجمن اساتذہ ٹریننگ کالج بلدہ بروز یکشنبہ ہفتہ وار جلسوں کے پروگرام پر عمل کرتے ہوئے مدرسین زیر تربیت کو بتایا گیا کہ طلبہ کے اِستفادہ کے لئے کس قسم کے آلات اور نمونے مدرسین اپنے ہاتھ سے تیار کرسکتے ہیں۔

(۶) انجمن اساتذہ سٹی کالج ٭ ۔ ذیلی کمیٹیاں تعلیم انگریزی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ اور مادری زبان سے متعلق غور کرنے اور جدید طریقۂ کار کے بارے میں مشورہ دینے کے لئے مقرر کی گئیں۔ ذہنی پیمائش اور جدید طریقہ امتحانات پر بھی غور کیا گیا۔

(۷) انجمن اساتذہ ورنگل کالج انتظامی کمیٹی کے تین جلسے اور دو جلسہ عام ہوئے۔ ۳۶ ذیلی کمیٹیوں نے جو مختلف مضامین کے لئے تشکیل دیگئی تھیں، سال زیر بحث بھی تفصیلی کام انجام دیا۔

مدرسین کا تفریحی کلب، کتب خانہ اور دار المطالعہ بہت مقبول ہیں اور انجمن کی مصروفیات میں انکو بڑا دخل ہے

(۸) انجمن اساتذہ کالج گلبرگہ انجمن کے دونوں شعبے نصابی اور زائد نصابی اپنا اپنا کام تشفی بخش طریقے پر انجام دیتے رہے۔ ٹیچرس کلب کی حاضری بہت امید افزا رہے۔ انجمن نے پور فنڈ بھی قائم کیا ہے۔

(۹) انجمن اساتذہ کالج اورنگ آباد سیاسی تحریکات کا اثر انجمن پر بھی پڑا مگر اسی زمانہ میں انجمن کا سالانہ جلسہ منعقد کر کے ذیلی کمیٹی مقرر کی گئی اور سرپرستوں کا تعاون حاصل کرنے سے معمولی حالات جلد عود کر آئے۔ ذیلی کمیٹی تعلیم انگریزی، سال زیر بحث اپنا کام کرتی رہی۔ رسالہ " نورس " اور ہفتہ وار بلیٹن علی حالہ جاری ہیں۔ مولوی محمد یعقوب صاحب قلیل مدت میں بالغوں کو تعلیم دینے کے تجربے کرتے رہے۔

(۱۰) انجمن اساتذہ ہائی اسکول پربھنی گھاٹ عام جلسے دو مرتبہ ہوئے جن میں تواعد کی نظر ثانی کیگئی۔ انتظامی کمیٹی کے ۴ جلسے ہوئے چار عنوانات پر بحث و مباحثہ کیا گیا اور دو مرتبہ سوشل کا انتظام بھی عمل میں آیا۔

(۱۱) انجمن اساتذہ صوبہ ورنگل انتظامی کمیٹی کے ۸ جلسے ہوئے۔ سہ ماہی رسالہ "ویلیج ٹیچر" نے اپنی زندگی کے ۵ سال ختم کرلئے۔ تلنگی کا اضافہ کر کے اب سالے کو دوزبانی کر دیا گیا ہے۔

کانفرنس کے ضمن میں نمائش تعلیمی مظاہرہ کشاف مشاعرے اور ڈرامے کا انتظام بھی رہا۔ اردو اور انگریزی تقریری مقابلے انجمن کی سرپرستی میں منعقد کئے گئے

(۱۲) انجمن ہائے معلماۃ۔ مہتممہ صاحبہ مدارس نسوان بلدہ کی مرسلہ رپورٹ سے واضح ہے کہ مستقر بلدہ ورنگل۔ گلبرگہ۔ رائچور و اورنگ آباد پانچ مقامات پر انجمن ہائے معلمات کی کارگذاری بدوران سال زیر رپورٹ حسب ذیل رہی :-

(الف) انجمن معلماۃ بلدہ ۔ اِس انجمن کی چھ شاخیں ہیں۔ جن میں ماہانہ جلسے مقررہ پروگرام کے بموجب اُصول و طریقۂ تعلیم کے متعلق ہوتے رہے۔

ڈالٹن پلین (منصوبی طریقہ تعلیم) پر تجربات کئے جا رہے ہیں۔ سالانہ جلسہ کی صدارت لیڈی ٹاسکر صاحبہ نے فرمائی۔ مولوی سید علی اکبر صاحب نے مدارس ثانویہ کے نصاب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور مولوی محمد جعفر صاحب انسپکٹر ڈرائنگ نے جدید آرٹ کورس کی تصریح فرمائی۔

(ب) انجمن معلمات ورنگل۔ ماہانہ جلسوں کے علاوہ سالانہ کانفرنس منعقد کی گئی۔ پروگرام میں بطور خاص ورزش جسمانی کھیل بیسک انگلش کے متعلق مظاہرہ کیا گیا۔ اور تلنگی و اُردو میں نمونہ کے اسباق ہوئے۔ نمائش کا انعقاد بھی عمل میں آیا۔

(ج) انجمن معلمات گلبرگہ۔ اس انجمن کی سالانہ کانفرنس بہ سبب تبدیل معتمد نہ ہو سکی۔

(د) انجمن معلمات رائچور۔ انجمن اساتذہ ضلع رائچور نے اپنی سالانہ کانفرنس کے موقع پر معلمات کے لئے خصوصی اجلاس کا انتظام کیا جس میں معلمات نے خاص دلچسپی لی۔ اس موقع پر انجمن معلمات ضلع رائچور کا بھی قیام عمل میں آیا۔ ضلع رائچور کے تمام مدارس نسوان کی معلمات اس انجمن کی رکن ہوگئی ہیں۔

(ہ) انجمن معلمات اورنگ آباد۔ یہ انجمن آبان ۱۳۴۷ف میں قائم ہوئی۔ قیام کے موقع پر مس جے نندی صاحبہ نے انجمن کے اغراض و مقاصد اور اس کی ضرورت پر تقریر کی۔ دوران سال ۱۳۴۶ف انجمن کے ۶ جلسے ہوئے۔ مدارس فوقانیہ سے ملحق دارالاقامہ کے قیام پر بحث و مباحثہ ہوا نیز مدارس نسوان میں موسیقی کی تعلیم، ابتدائی جبری تعلیم اور تعلیم بالغان پر تقاریر ہوئیں اور بیسک انگلش پر بھی نمونہ کے سبق کا انتظام کیا گیا۔

کانفرنس کے ضمن میں نمائش تعلیمی کا انتظام کیا گیا ہے۔ جس میں اکثر مدارس نے نمایاں حصہ لے کر اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔

حسابات انجمن

(آمدنی)

	روپیہ	آنہ	پائی
میزان پیش آوردہ	۲۹۷	۷	۰
فیس الحاق۔	۱۴۷	۰	۰
میزان	۴۴۴	۷	۰

(خرچ)

	روپیہ	آنہ	پائی
ٹکٹ	۱۲	۴	۴
صادر	۱۰	۵	۰
الونس	۵۸	۰	۰
طباعت	۱۲	۴	۰
متفرق اخراجات	۲	۳	۴
بقایا پیش آوردہ (نقد)	۳۴۹	۶	۴
میزان	۴۴۴	۷	۰

مولوی باقر محی الدین صاحب لکچرار کامرس نے ازراہ عنایت انجمن کے حسابات کی تنقیح فرمائی۔

آخر میں میں اراکین استقبالیہ کمیٹی کا بصمیم قلب شکر گذار ہوں کہ بڑی زحمت گوارا کرکے کانفرنس کے انتظامات فرمائے۔

رُوئداد تیسری سالانہ کانفرنس

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی

بابت ۴۹ ف

مرتبہ مولوی سعید الدین خاں حسن حقانی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ صدر مدرس وسطانیہ رسیڈنسی

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تیسری سالانہ کانفرنس جو امسال بتواریخ ۲۹ و ۳۰ بہمن ۱۳۴۹ف (مطابق ۲ و ۳ جنوری ۱۹۴۰ء) زیر صدارت عالی جناب نواب مہدی یار جنگ ایم۔ اے (آکسن) صدر المہام تعلیمات و فینانس بمقام جوبلی ٹون ہال گلبرگہ شریف منعقد ہوئی تھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہہ پہلا موقع تھا کہ کانفرنس (دارالسلطنت کے باہر) ریاست آبد مدت کے ایک قدیم تاریخی شہر میں جواب بھی ایک صوبہ کا مستقر ہے اور جس کو مذہبی اعتقادات کے لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے منعقد ہوئی۔ اُس کی صدارت اُس قابل فخر و مایہ ناز اعلیٰ ہستی نے فرمائی جس کی عنایات و توجہات کی انجمن مرہون منت ہے اور جس نے دور دراز کا سفر طے کرکے یہاں بھی انجمن کی مصروفیات میں حصہ لے کر فاضلانہ رہبری فرمائی۔ یہہ بھی کانفرنس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو جوبلی ٹون ہال کی وہ مُبارک و مسعود عمارت نصیب ہوئی جو شہر کے قدیم باغ "محبوب گلشن" میں اپنے وسعت، سادگی، جدید وضع، خوبصورتی اور موزون فرنیچر و روشنی سے آراستہ رہنے کے باعث جاذب نظر بنی ہوئی ہے کانفرنس ہی کا پہلا اجتماع تھا جو اس عمارت میں ہوا اور جس میں حکام مقامی عہدہ داران سررشتہ تعلیمات معلمات و اساتذہ کافی تعداد میں شریک تھے۔ پردہ کا معقول انتظام تھا غرضکہ یہہ اجتماع اچھا خاصا دلکش تھا۔ عالی جناب نواب غوث یار جنگ بہادر صوبہ دار (صدر مجلس استقبالیہ کمیٹی) اور جناب مولوی محی الدین احمد

صاحب رضوی ایچ ۔سی ۔ایس اول تعلقدار ضلع ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے مقامی عہدہ داران تعلیمات کے ساتھ سرگرم تعاون عمل کیا اور اپنے خلوص و ایثار کا عملی ثبوت دیا ۔ یوں تو سال گذشتہ ہی اس کانفرنس کا انعقاد یہاں عمل میں آجاتا لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر ایسا ممکن نہ ہوسکا ۔ مولوی ذوالفقار علی صاحب حقانی اور رائے شمبھو پرشاد صاحب قابل ستایش ہیں جن کی انتھک کوششوں کی وجہ سے اب کی دفع کانفرنس گلبرگہ شریف میں منعقد ہوسکی ۔ استقبالیہ کمیٹی کی جانب سے مندوبین و شرکاء کانفرنس کی سہولت کے لئے مناسب انتظامات کئے گئے تھے ۔

انجمن مذکور کی کونسل کا پہلا اجلاس بروز دوشنبہ بتاریخ یکم جنوری ۱۹۴۰ عیسوی بوقت گیارہ ساعت زیر صدارت جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم ۔ اے (کنٹب) اسپیشل اسپکٹنگ افسر جوبلی ٹون ہال میں منعقد ہوا ۔ رسمی امور طے پانے کے بعد کانفرنس میں پیش شدنی تحریکات منظور کی گئیں اور سال حال کے عہدہ داران انجمن اور اراکین انتظامی کمیٹی کا انتخاب عمل میں آیا ۔

عالی جناب صدر المہام بہادر تعلیمات دہلی سے دوشنبہ کی رات کو فائز گلبرگہ ہوئے ۔ دوسرے روز صبح آٹھ بجے جناب ممدوح کا منجانب پبلک اسٹیشن پر پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور مسٹر کشن راؤ دیسکھہ نے اہالیان صوبہ کی جانب سے گلپوشی کی عزت حاصل کی ۔ گارڈ آف آنر کے معائنہ کے بعد جو اضلاع کے محفوظ و مخصوص جوانوں پر مشتمل تھا اور جو مولوی سید عبدالحی خاں صاحب مددگار مہتمم پولیس کے زیر نگرانی ترتیب دیا گیا تھا ، صاحب معز ذریعہ موٹر اسٹیشن سے راہی نارمل اسکول ہوئے ۔ جہاں نمائش تعلیمی ترتیب دی گئی تھی ۔ نمائش گاہ کے بیرونی حصہ کو جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا ۔ منتظمین اور عہدہ داران تعلیمات نے عالی جناب صدر المہام بہادر کا استقبال کیا اور اسکوٹ کے گارڈ آف آنر نے سلامی دی ۔ بعد معائنہ گارڈ آف آنر ممدوح الشان نے بہ نفس نفیس نمائش کی رسم افتتاح ادا فرمائی ۔ اکثر نمائشی اشیا تعلیمی نقطہ نظر سے مفید تھیں ، جن کی ترتیب مس جے نندی اور مس ڈورانندی کے

زیر نگرانی سلیقہ سے انجام پائی تھی۔ جناب مولوی محی الدین احمد صاحب رضوی ایچ۔ سی۔ ایس اول تعلقدار ضلع و معتمد نمائش کمیٹی نے نمائش کے انتظامات میں سرگرم حصہ لیا۔

افتتاحی اجلاس جلسہ کا آغاز جناب صدر کی گلپوشی سے ہوا جس کے بعد نواب غوث یار جنگ بہادر صدر استقبالیہ کمیٹی نے ایک پُر مغز خطبہ سنایا جو من وعن قارئین کے استفادہ کے لئے کہیں اور شائع کیا گیا ہے۔ آپ کی یہ استدعا کہ والدین کا تعاون اور عوام کی تائید حاصل کی جائے خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

مولوی محمد علی صاحب بلگرامی نائب معتمد عمومی انجمن اساتذہ کل حیدرآباد کی رپورٹ کے بعد عالی جناب نواب صدر المہام بہادر تعلیمات نے اُردو میں اپنا بصیرت افروز خطبہ سنایا۔ خطبہ شروع کرنے سے قبل آپ نے ارشاد فرمایا کہ دہلی میں جہاں آپنے اُردو کانفرنس کی صدارت فرمائی تھی ایک خط مہاتما گاندھی کا فارسی رسم الخط میں لکھا ہوا اور دوسرا سرتیج بہادر کا اسی رسم الخط میں وصول ہوا تھا۔ اس لئے یہہ نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت ابد مدت میں جہاں ایک جامعہ ہے اور جس کا ذریعہ تعلیم قومی زبان اُردو ہے، انگریزی زبان میں خطبہ دیا جائے۔

یہہ عالمانہ اور محققانہ خطبہ جو انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا اسی اشاعت میں کسی اور جگہ زینت رسالہ ہے۔ جو اپنے اختصار اور حکومت کی تعلیمی پالیسی اور بنیادی انگریزی کے معانی و مقاصد کی نمایاں تفسیر کی وجہ سے بڑی خوبیوں کا حامل ہے۔

اس کے بعد حسب ذیل دو تحریکات پیش ہوئیں۔ اراکین نے مباحثہ میں سرگرم حصہ لیا اور بغلبہ آراء یہہ منظور ہوئیں۔

تحریکات (۱) کسی دوسرے سررشتہ میں ملازمین قسم اعلیٰ ایسے چھوٹے چھوٹے مواضعات میں مامور نہیں ہوتے جیسا کہ سررشتہ تعلیمات کے مدرسین، جن میں کمی تنخواہ کی وجہ سے یہ استعداد یا قابلیت نہیں ہوتی کہ اپنی اولاد کو کسی

بڑے مقام پر بھیج کر تعلیم دلاسکیں۔ لہذا اس کانفرنس کی رائے میں مناسب ہوگا کہ ملک سرکار عالی میں "تعلیم اولاد ملازمین سررشتہ تعلیمات" کے نام سے ایک فنڈ کے قیام کا انتظام کیا جائے نیز یتیم و نادار پسماندگان ملازمین سررشتہ تعلیمات کے تعلیمی وظائف و امداد وغیرہ کا انتظام مثل دیگر سررشتہ جات مانند پولیس ریلوے وغیرہ کے اسی فنڈ سے کیا جائے تو مناسب ہے۔ اس فنڈ کے تفصیلی قواعد وضوابط بعد منظوری تحریک ہذا منجانب سررشتہ مرتب کئے جا سکتے ہیں۔

محرک:۔ مولوی آغا محمد احسن صاحب مہتمم تعلیمات ضلع گلبرگہ شریف۔

موئد:۔ مولوی شیخ ابوالحسن صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ ورنگل۔

(۲) کانفرنس ہذا سفارش کرتی ہے کہ مثل دیگر بیمہ کمپنیوں کے حیدرآباد اسٹیٹ لائف انشورنس بھی اختیاری مدتی پالیسیاں اجرا کرے۔ یہ پالیسیاں مع منافعہ و بلا منافعہ ہر دو قسم کی ہونی چاہئیں اور ان کی وضعات کا عمل ذریعہ برآورد ماہواری ہوا کرے۔

محرک:۔ مولوی احمد رضا صاحب واسطی مہتمم تعلیمات ضلع بیڑ۔

موئد:۔ مولوی شمس الحسن صاحب زبیری صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ حیلی پورہ اورنگ آباد۔

ازاں بعد مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ نے "بیسک انگلش" پر ایک مقالہ سنایا۔ آپ نے نفس مضمون پر بحث فرماتے ہوئے اس کے مقاصد و مطالب کو واضح کیا اور ان فوائد پر روشنی ڈالی جو اس کو نارمل انگلش، کے بجائے ابتدائی مدارج میں رائج کرنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اعتراف کیا کہ وہ ابتداً بیسک کے سخت مخالف تھے مگر اس نظامِ تعلیم کا گہرا مطالعہ کرنے اور مسٹر ہائرس کی جماعتوں میں شرکت کے بعد اس سے آپ کو گہری عقیدت مندی پیدا ہوگئی۔

بعد ازآں مولوی سید محمد اعظم صاحب پرنسپل سٹی کالج نے زبان اُردو جیسے تلفظ

الفاظ اور مذاحیہ انداز میں بعنوان "ضبط مدرسہ" ایک برجستہ تقریر فرمائی جو قارئین کے استفادہ کے لئے اشاعت ہذا میں شائع کی گئی ہے۔

اِس تقریر کے بعد اجلاس کاملہ بوقت بارہ ساعت نہار ختم ہوا۔

اجلاس دوم

ذیلی کمیٹی تعلیم ثانوی

دو بجے کانفرنس کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پرنسپل ورنگل کالج نے اس ذیلی کمیٹی کی صدارت فرمائی۔ صاحب موصوف اُس ذیلی کمیٹی کے بھی صدر نشین تھے جس نے ثانوی تعلیم پر ایک رپورٹ مرتب کی تھی۔ مسٹر پی۔ اے۔ سبارائو ایم۔ اے۔ یل۔ ٹی۔ مہتمم ٹیچرز ٹرینگ اسکول ورنگل اس کمیٹی کے معتمد تھے۔ جناب صدر کی رائے زنی اور تمہیدی جملوں کے بعد معتمد صاحب نے ایک بسیط رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ رپورٹ میں طلبہ کو ان کی مادری زبان میں کافی طور پر تیار ہونے کے بعد جماعت پنجم سے انگریزی کی تعلیم شروع کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اساتذہ کے نام درج رجسٹر کرنے اور ایک تعلیمی دارالتحقیقات کی تشکیل کے لئے بھی رائے دی گئی ہے، مختلف مضامین تعلیم کے تعیّن اور اسکیم اسباق اور اشارات اسباق پر بھی اس میں زور دیا گیا ہے۔ نیز عہدہ دار معائنہ کنندہ کا اُن مدارس میں جہاں وہ معائنہ کے لئے جاتے ہیں اس پر توجہ کرنا کہ اِن باتوں پر کس طرح عمل کیا جاتا ہے ضروری بتلایا گیا ہے۔

چونکہ ایوان کا عام رجحان رپورٹ پر غور و خوض کرنے کا نہیں تھا بلکہ اس کو سال آئندہ تک ملتوی کرنے کا پایا جاتا تھا اس لئے جناب ناظم صاحب تعلیمات کی جانب سے اس نوعیت کی تحریک ہوئی جو بالاتفاق منظور ہوئی۔ بعد کی بحث و تمحیص کے دوران میں اس بات کو واضح کیا گیا کہ عوام کی توجہ سررشتہ کی اس اسکیم پر مرتکز کرائی جائے جس کو سررشتہ نے اس سال نافذ کیا ہے۔ اور یہ کہ اس اسکیم میں جو جو بھی دقتیں ہوں اُن کا بغور مطالعہ کیا جائے قبل اس کے کہ اسکو بدل دینے کا خیال

پیدا ہو۔

ازاں بعد مولوی آفتاب حسن صاحب انسپکٹر سائنس نے بہ زبان اُردو مدارس وسطانیہ کے جدید نصاب سائنس پر تقریر فرماتے ہوئے نصاب کے نمایاں خدوخال کی توضیح کی اور کمرۂ سائنس نمائش گاہ اور باغیچہ کی ضرورت بتائی اور طلبہ کے عملی کام پر زور دیا۔

جلسہ کے برخاست ہونے سے پیشتر مسٹر ایف۔ سی۔ سیتھو مادھو راؤ بی۔ یس۔ سی؛ بی۔ ٹی مددگار نارمل اسکول گلبرگہ نے جماعت ششم کو بیسک انگلش پر ایک سبق دیا۔

اناث کی ذیلی کمیٹی کا انعقاد اس کمیٹی کے ساتھ ساتھ بمقام لیڈیز کلب زیر صدارت مس جے۔ نندی عمل میں آیا۔ تعلیم ریاضی پر مس موصوف نے ایک بصیرت افروز مضمون پڑھا۔

شام کے پانچ بجے اسکاوٹس نے اپنے کرتب کا ایک دلچسپ مظاہرہ کیا جس سے حاضرین محظوظ ہوئے۔ اسی روز سات بجے ٹاؤن ہال میں ایسے فلم دکھائے گئے جو تعلیمی نقطہ نظر سے مفید اور پُراز معلومات تھے۔ حاضرین کی ایک کثیر تعداد نے اس سے استفادہ کیا۔

اجلاس سوم

ذیلی کمیٹی تحتانی تعلیم بتاریخ ۳ جنوری ۱۹۴۲ء روز چہارشنبہ نو ساعت صبح ایک ذیلی جلسہ بصدارت مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی۔ اے؛ ال۔ ٹی مہتمم تعلیمات صوبہ ورنگل بعنوان "تحتانی تعلیم" کالج ہال میں منعقد ہوا مولوی احمد اللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات ورنگل نے رپورٹ سنائی

ذیلی کمیٹی اعادی نصاب اسی وقت ایک اور جلسہ بصدارت جناب مولوی محمد عثمان صاحب بی۔ اے؛ ٹی۔ ڈی (لندن) مہتمم تعلیمات

صوبہ اورنگ آباد بعنوان " اعادی نصاب" ٹون ہال میں منعقد ہوا۔ جس میں مسٹر جی۔ یس پرکاش راؤ ایم۔ اے؛ ال۔ ٹی معتمد کمیٹی نے انگریزی میں رپورٹ پڑھی۔ اس کا خلاصہ حسب ایمائے صدر مرزا ضیاء الدین بیگ صاحب بی۔ اے؛ بی۔ ٹی ناظر مدارس بلدہ نے بزبان اردو بیان کیا۔ حاضرین نے اس بات کی تائید کی کہ اساتذہ صاحبان کے لئے اعادی نصاب (رفرشر کورس) کا آغاز کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک مقرر صاحب نے یہہ تجویز پیش فرمائی کہ صدر مدرس صاحبان مدارس فوقانیہ نیز مہتمم و صدر مہتمم صاحبان کے لئے بھی اس کی تکمیل لازمی قرار دی جائے معتمد صاحب نے جواب دیا کہ بیرون ملک جاکر مختلف نظام تعلیم کے مطالعہ کا موقع ان کے لئے بھی ہے۔ صاحب موصوف نے یہہ بھی واضح فرمایا کہ جملہ مسلمہ مدارس کے اساتذہ صاحبان بھی اس نصاب سے مستفید ہوسکیں گے اور اگر اس اسکیم سے تمام اساتذہ صاحبان متمتع ہوں تو فوراً ان ٹرینڈ اساتذہ کا داخلہ مدارس میں موقوف ہو جائے گا۔ آپ نے ایک ایسی اسکیم مرتب کرنے کی سفارش فرمائی جس کی وجہ سے تمام غیر تربیت یافتہ اساتذہ جو سلک ملازمت میں ہیں چار پانچ سال کی مدت کے اندر ہی اندر ٹرینڈ ہوسکیں۔

اس کے فوراً بعد ایک اور ذیلی جلسہ بصدارت مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ بعنوان " معذور طلبہ کی تعلیم" منعقد ہوا۔ مولوی توقیر احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ کور و کرو گنگ نے بزبان اُردو ایک پر از معلومات تقریر فرمائی اور اس طرح یہہ صبح کا اجلاس بارہ بجے اختتام کو پہونچا۔

اختتامی اجلاس زیر صدارت عالیجناب نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم۔ اے۔ (آکسن) صدر المہام تعلیمات و فینانس بتاریخ مذکور (۲ تا ۵) ساعت شام منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد کافی تھی تقسیم انعامات کے بعد مسٹر راما نجا چاری بی۔ اے؛ بی۔ ٹی معتمد نمائش کمیٹی نے اپنی رپورٹ پڑھی اور اس بات کی طرف صحیح طور پر اشارہ فرمایا کہ نمائش کو ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک لازمی

جزو ہونا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے عالی جناب صدرالمہام بہادر تعلیمات کی (۱۹۲۸) کی اس تجویز کا ذکر فرمایا جس میں آپ نے کانفرنس اور نمائش کو لازمی طور پر ایک ہی عمارت میں منعقد کرنے کے لئے ہدایت فرمائی تھی۔ من بعد مختلف ذیلی کمیٹیوں کے معتمدین نے اپنی اپنی رپورٹیں جو ذیلی جلسوں میں پیش ہوئی تھیں سنائیں۔

اس کے بعد جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم۔اے (کنٹب) اسپیشل انسپکٹنگ افسر نے ایک پُر لطف اور بصیرت افروز تقریر بعنوان "معائنہ" فرمائی جو اسی اشاعت میں کسی اور جگہ شائع کی گئی ہے۔

جناب مولوی سید علی اکبر صاحب کی تقریر کے بعد حسب ذیل تحریک پیش اور بعلیہ آرا منظور ہوئیں۔

تحریکات اس کانفرنس کی رائے میں مثل سررشتہ طبابت ایک تعلیمی فلمون کی ٹورنگ سینما کار کا انتظام کیا جائے اور وہ ممالک محروسہ کے مختلف اضلاع کے مدارس کا دورہ کرے۔

محرک:۔ مسٹر کیشولو بی۔اے؛ بی۔ٹی صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ کریم نگر۔

موئد:۔ مسٹر پرکاش راؤ ایم۔اے۔ال۔ٹی اول مددگار مدرسہ فوقانیہ انگریزی چادر گھاٹ۔

اس تحریک کے پیش کرنے میں کافی وقت صرف ہوگیا تھا اور مزید تقریر کا موقع نہیں رہا تھا اس لئے جناب ناظم صاحب نے اس خیال سے کہ صدر کانفرنس کی تقریر کے لئے کافی وقت ملے کوئی تقریر نہیں فرمائی بلکہ آپ نے صرف اس اعلان پر اکتفا فرمایا کہ مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی۔اے، ال ٹی صدر مہتمم تعلیمات کی دعوت کی بنا پر کانفرنس سال آئندہ ورنگل میں منعقد ہوگی۔

اختتامی تقریر صدر کانفرنس اختتام پر جناب صدر نے منتظمین کانفرنس کو مبارک باد دیتے ہوئے کانفرنس کی کامیابی پر اظہار طمانیت فرمایا اور خصوصیت سے جناب صوبہ دار صاحب کا شکریہ ادا فرمایا

جن کی انتھک مساعی جمیلہ کی وجہ سے کانفرنس کامیاب ہوسکی۔

نمائش تعلیمی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ نمائش چھوٹے پیمانے پر منعقد کی گئی اور اس کا معیار بھی اتنا بلند اور اچھا نہ تھا جیسا کہ حیدرآباد میں ہوا کرتا تھا۔ تاہم جدید اسکیم تعلیمی میں ڈرائنگ اور دستکاری کی اہمیت بتاتے ہوئے آپ نے توقع ظاہر فرمائی کہ سال آئندہ نمائش اعلیٰ پیمانہ پر منعقد کی جائے گی۔

ناخواندگی کو کم کرنے اور جہالت کو دور کرنے کے متعلق آپ نے دو تجاویز پیش فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ تحتانی تعلیم عام کی جائے دوسرے یہ کہ بالغوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جدید اسکیم کے تحت جماعت پنجم کو مقبول عام بنانے کے متعلق انتہائی کوشش کرنے کے لئے توجہ دلائی۔

جناب مولوی سید علی اکبر صاحب کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ معائنہ کے دو خاص مقاصد ہوتے۔ (۱) مدرسہ کو ہدایت دینا (۲) ضروریات مدرسہ کی نسبت عہدہ داران بالا کو توجہ دلانا۔ اچھے معائنہ کنندگان کی نسبت ارشاد ہوا کہ وہ عیب جو نکتہ چین نہیں ہوتے، امتحانات کے بوجھ میں اضافہ نہیں کرتے بلکہ اپنی ہمدردی سے اساتذہ میں اچھا کام کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اگر اساتذہ کا کوئی اچھا مشورہ ہو تو اس کو خندہ پیشانی سے قبول کرلیں کیونکہ کسی طریقہ کی اثر آفرینی محض اس کے سودمند ہونے پر منحصر ہے۔

اعادی نصاب کو ناگزیر بتلاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ نارمل اسکولز میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ جدید رحجانات سے عاری ہوتی ہے۔ علاوہ بریں اساتذہ کی ایک کثیر تعداد جو ٹرینڈ ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔

کتب خانہ کی اہمیّت کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ نظامت تعلیمات میں ایک ایسا مُنظّم کتب خانہ ہونا چاہیئے، جس میں تعلیم سے متعلقہ ایسی جدید کتب ہوں جو اساتذہ معائنہ کنندگان اور دوسرے عہدہ داروں کے لئے مفید و کارآمد ہوں۔

آخر میں فاضل صدر نے فرمایا کہ یوں تو میری خدمات ہمیشہ آپ کے لئے وقف ہیں۔ لیکن مناسب ہو گا کہ آئندہ ایسے حضرات کا صدارت کے لئے انتخاب کیا جائے، جن کا تعلق سررشتہ تعلیمات سے نہ ہو۔ نیز تعلیم کی توسیع اور رائے عامہ کی تربیت کے لئے مستقر صوبہ پر کانفرنسوں کا انعقاد عمل میں لایا جائے۔

شکریہ اس کے بعد جناب مولوی ذوالفقار علی صاحب حقانی بی۔اے بی۔ٹی پرنسپل کالج گلبرگہ نے تالیوں کی گونج میں صدر عالی قدر کا شکریہ ادا فرمایا اور جناب صدر نے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی کے لئے نعرہ ہائے تحسین تجویز فرماتے ہوئے کانفرنس کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

عصرانہ اس کے بعد مندوبین کانفرنس، مہمان اور اساتذہ صاحبان پرتکلف عصرانہ میں مصروف ہوئے جو دارالبلد کے قریب کلب میں ترتیب دیا گیا تھا۔

معائنہ مدارس

از

جناب مولوی سید علی اکبر ایم۔اے، (کنٹب) اسپیشل انسپکٹنگ فسر تعلیمات و معتمد مجلس تعلیم ثانوی

معائنہ کی ضرورت

جن عہدہ داروں کو مدارس کے معائنہ کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، ان کا کام یہہ ہوتا ہے کہ وہ مدارس جاکر اُن کی ضروریات معلوم کریں اور ان کو پورا کرنے کے لئے مناسب کارروائی کریں۔ نیز اُن مدارس کی تعلیمی حالت اور نظم و نسق کا اندازہ کر کے اصلاح کے لئے ضروری مشورہ دیں۔ جہاں تک کہ مدرسہ کی تعلیمی حالت اور نظم و نسق کا تعلق ہے، یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر صدر مدرس لائق اور فرض شناس ہے تو پھر معائنہ کی کیا ضرورت ہے۔ معائنہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ چونکہ مہتمم یا صدر مہتمم تعلیمات کو متعدد مدارس کا معائنہ کرنا پڑتا ہے؛ وہ ان کے کام میں ربط پیدا کرسکتا ہے اور ایک مدرسہ میں جو تعلیمی تجربہ کامیاب ثابت ہوتا ہے اس کا علم دوسرے مدارس کو کراسکتا ہے۔ اس طرح وہ نئے خیالات اور نئی تحریکات کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیمی معیار کو برقرار رکھنے اور اساتذہ کی ترقی اور تبادلہ وغیرہ کے مسائل کے تصفیہ کے لئے معائنہ ضروری ہے۔

انسپکٹر مدارس میں کیا صفات ہونی چاہئیں

معائنہ کرنے والے عہدہ دار کو جو وسیع اقتدار حاصل ہے وہ اس کے ماتحتیں اور خود مدارس کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ مدرسین کی قسمت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور جس طرح وہ مدارس کو بنا سکتا ہے اسی طرح ان کو بگاڑ بھی سکتا ہے۔ اگر اس کی مرضی قانون کے برابر نہ بھی ہو تو صدر مدرس اور مدرسین اس کی مرضی کو قانون کے برابر سمجھتے ہیں جس معائنہ

یہہ تقریر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تیسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر بمقام گلبرکہ کی گئی۔

کرنے والے عہدہ دار کو اپنے اختیارات کا بھرا ہوتا ہے اس کا اخلاقی اثر مدارس اور ماتحتین پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ لہذا سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ معائنہ کرنے والے عہدہ دار کی حیثیت ایک مشیر کی ہو نہ کہ ایک حاکم کی۔ دوسرے مشورہ دینے کی اس میں صلاحیت بھی ہونی چاہئے۔ جو فرائض اس کے تفویض ہیں ان کے لحاظ سے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی قابلیت اعلیٰ اور اس کا کلچر وسیع ہو۔ اس میں شک نہیں کہ کوئی معائنہ کرنے والا عہدہ دار نصاب کے جملہ مضامین میں ماہر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی بنا پر سررشتہ تعلیمات میں علٰحدہ علٰحدہ انسپکٹر سائنس۔ انسپکٹر ڈرائنگ و میانوول ٹریننگ اور انسپکٹر ورزش جسمانی مقرر کئے گئے ہیں۔ لیکن ہر مضمون کے لئے علٰحدہ انسپکٹر مقرر کرنا ممکن ہے اور نہ مناسب۔ اس لئے ہر مہتمم تعلیمات کا جملہ مضامین نصاب سے اس قدر واقف ہونا ضروری ہے کہ وہ اندازہ کر سکے کہ تعلیم ٹھیک ہو رہی ہے یا نہیں اور آیا نصاب مقررہ کی پابندی کی جارہی ہے یا نہیں۔ معائنہ کرنے والے عہدہ دار کا ایک بڑا فرض یہ بھی ہے کہ وہ مدرسین کے طرز تعلیم کی جانچ کرے۔ اس لئے مہتمی تعلیمات پر ایسے اشخاص کا تقرر ضروری ہے جن کو پڑھانے کا تجربہ ہوا ور جو فن تعلیم میں ماہر ہوں؛ ان کا مطالعہ وسیع اور انہیں جدید طریقوں سے واقف ہونا چاہئے۔ اکثر مہتمان تعلیمات کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ان کو دفتری کام اتنا کرنا پڑتا ہے کہ مطالعہ کے لئے وہ وقت نہیں نکال سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ مہتمان مدارس پر دفتری کام کا بار بہت زیادہ ہے اور اس کو کم کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم میری رائے میں اگر کسی مہتمم تعلیمات کو تعلیم سے حقیقی دلچسپی ہو تو وہ تھوڑا بہت وقت تعلیمی کتابوں اور رسالوں کے پڑھنے کے لئے نکال سکتا ہے۔ مہتمم تعلیمات میں تخیل کا مادّہ بھی ہونا چاہئے۔ اسکو لکیر کا فقیر نہیں ہونا چاہئے۔ جو صدر مُدرسین نئے تجربے کریں ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور مقامی حالات اور ضروریات کے لحاظ سے مقررہ قاعدوں کے خلاف عمل کرنے کی اجازت دینی چاہئے۔ نکتہ چینی ضروری ہے۔ لیکن محض نکتہ چینی کافی نہیں ہے۔ مثلاً کسی مُدرس کے متعلق یہ

کہہ دینا کہ اس کا طریقہ تعلیم نا قابل اطمینان ہے، درست نہیں۔ مہتمم کو یہ بھی بتانا چاہیئے کہ اس میں کیا نقص ہے اور اس کی اصلاح وہ کس طرح کر سکتا ہے۔ معائنہ کے وقت مہتمم کا طرز عمل دوستانہ اور اس میں مزاج کا مادّہ (Senes of Humour) بھی ہونا چاہیئے۔

۱۹۲۷ء میں جب میں امپیریل ایجوکیشن کانفرنس میں شرکت کے لئے جناب مولوی محمد حسین صاحب جعفری کے ہمراہ گیا تھا، مجھے انگلستان کے مہتمان مدارس کے معائنہ کا طریقہ دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ میں بورڈ آف ایجوکیشن کے ایک انسپکٹر کے ہمراہ چند مدارس کو گیا۔ میں دو تین باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ پہلے تو یہ کہ اسٹاف کی موزونیت اور صدر مدرس کی شخصیت کی وجہ سے انسپکٹر کا کام بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو وہ چھان بین اور دررسری نہیں کرنی پڑتی جو ہندوستان کے مہتمان تعلیمات کو کرنی پڑتی ہے اور اس کو تعمیری کام کرنے کا پورا موقع ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسپکٹر اور صدر مدرسین کے باہمی تعلقات بالکل برابری کے ہوتے ہیں۔ نہ تو انسپکٹر اپنے کو افسر بالا دست اور نہ صدر مدرس اپنے کو ماتحت سمجھتا ہے۔

معائنہ اور امتحان معائنہ کرنے والے عہدہ داروں کے فرائض کی صراحت سررشتہ تعلیمات کے کوڈ میں کی گئی ہے۔ میں اپنی تقریر میں کوڈ کے صرف چند اہم دفعات کی جانب آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا۔ کوڈ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مدارس کی تنقیح کے دو اہم اجزا ہیں یعنے معائنہ اور امتحان۔ ایک مدت تک معائنہ اور امتحان میں کوئی تمیز نہیں کی جاتی تھی اور عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ معائنہ کرنے والے عہدہ داروں کا کام بس یہی ہے کہ وہ بچوں کا امتحان لیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں مدرسہ عالیہ کے طبقہ تحتانیہ میں تعلیم پاتا تھا، مسٹر ایڈورڈز جو اس وقت بلدہ کے صدر مہتمم تھے ہمارا سالانہ امتحان لینے ہر تعلیمی سال کے آخر میں آیا کرتے تھے۔ اونچی جماعت میں ترقی کا انحصار صدر مہتمم کے امتحان کے نتیجہ پر موقوف ہوتا تھا۔ اب تک بڑودہ کے مدارس پرائمری میں یہ طریقہ جاری ہے۔ محض طلبہ کا

امتحان سے کہ ہم کسی مدرسہ کی حالت اطمینان بخش ہونے یا نہ ہونے کے متعلق رائے قائم نہیں کر سکتے۔ طلبہ کا امتحان صرف اِس حد تک لینا چاہئے کہ مدرسہ کی تعلیم کے معیار کے متعلق ہم کوئی عام رائے قائم کر سکیں۔ امتحان کے ساتھ معائنہ نہایت ضروری ہے۔ معائنہ میں ایسے اہم امور جیسے کہ مکان کی موزونیت۔ فرنیچر و آلات تعلیمی، دفتر مدرسہ۔ کتب خانہ۔ جماعتوں کی ترتیب و تنظیم۔ نظام الاوقات۔ ڈسپلن۔ اسٹاف کی موزونیت۔ مدرسین کا طرز تعلیم۔ طلبہ کی صحت جسمانی۔ تعلیم صفائی تعلیم جسمانی۔ میدانی کھیل اور دیگر زائد از نصاب مصروفیات۔ صدر مدرس اور مددگاروں میں تعاون اور مدرسہ سے والدین کا تعاون۔ شامل ہیں۔ ان امور کی تشریح اور توضیح کی جائے تو میری تقریر بہت طول طویل ہو جائے گی۔ البتہ چند اہم باتوں مثلاً ڈسپلن۔ اسٹاف۔ طرز تعلیم اور زائد از نصاب مصروفیات پر طریقہ معائنہ کے ضمن میں میں اپنے خیالات عرض کروں گا۔

طریقہ معائنہ جو اشخاص کے دراست سے نظارت میں منتقل ہوتے ہیں۔ ان کو عموماً پڑھانے کا بہت شوق ہوتا ہے چنانچہ جب وہ کسی مدرسہ کے معائنہ کے لئے جاتے ہیں تو وہ طلبہ کا امتحان لینے اور جن سوالات کا وہ جواب نہ دے سکیں ان کو سمجھانے میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ دوسرے اہم امور کی تنقیح کے لئے ان کے پاس وقت باقی نہیں رہتا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نظام کالج سے اس صوبہ کی صدر مہتمی پر منتقل ہوا تو مدارس کے معائنہ کے وقت مجھے بھی اُن مضامین میں سبق دینے کا شوق تھا جن میں مجھے دلچسپی تھی۔ معائنہ کرنے والا افسر محض مدرسین کی رہبری کے لئے نمونہ کا سبق دے سکتا ہے۔ قلت وقت کے باعث راست طلبہ کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ بعض مہتمم صاحبان اور ناظر صاحبان کے معائنہ کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ نیچے کی جماعت سے شروع کر کے سلسلہ سے ہر ایک جماعت میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور سوالات کے ذریعہ سے مختلف مضامین میں طلبہ کا زبانی اور تحریری امتحان لیتے ہیں اور حسب ضرورت مدرسین متعلقہ کو

طلب کر کے اُن سے درس بھی دلواتے ہیں۔ اس طریقہ سے مدرسہ کے تعلیمی معیار کا ممکن ہے اندازہ لگایا جا سکے۔ لیکن نہ تو طلبہ کے ڈسپلن اور نہ مدرسین کے طرزِ تعلیم کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ بہ حیثیت صدر مہتمم کئی سال کے تجربہ کے بعد میں نے معائنہ کا جو طریقہ اپنی حد تک مفید پایا، اس کو میں بیان کئے دیتا ہوں کسی مدرسہ کے معائنہ سے پہلے اس کی کتاب الرائے اور خصوصاً سابقہ رپورٹ معائنہ کو پڑھ کر مدرسہ کے حالات معلوم کر لینا چاہیئے تاکہ معائنہ کے وقت وہ امور انسپکٹر کے پیش نظر رہیں، جن کی تنقیح خاص طور پر ضروری ہے۔ اور رپورٹ معائنہ میں وہ پچھلے معائنوں کی رپورٹوں سے تسلسل اور ربط قائم کر سکے، جو نہایت ضروری ہے۔ اگر سابقہ رپورٹ آپ ہی کی لکھی ہوئی ہو تو معائنہ سے پہلے اس کے پڑھنے سے آپ کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ افتتاح مدرسہ سے چند منٹ پیشتر مدرسہ پہنچ کر عمارت۔ فرنیچر اور آلات تعلیمی کا معائنہ کیا جائے اور ضروریات مدرسہ کے متعلق صدر مدرس سے تبادلہ خیالات کیا جائے۔ اس کے بعد ٹائم ٹیبل کی تنقیح کی جائے اور پھر اُس کی مدد سے اپنے معائنہ کا پروگرام تیار کیا جائے اور اس میں نوٹ کیا جائے کہ ہر پیریڈ میں کن جماعتوں کا معائنہ کیا جائے گا اور کن مضامین میں یہ ممکن نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ ہر جماعت کی جانچ جملہ مضامین میں کی جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ سب مدرسین کا کام دیکھا جائے۔ ٹائم ٹیبل کے لحاظ سے پروگرام تیار کرنے میں دو بڑے فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ معائنہ سے مدرسہ کے کام میں حرج کم ہو گا اور دوسرے یہ کہ جس قدر وقت مہتمم کے پاس معائنہ کے لئے ہے اُس سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے گا۔ جس سے اس کو مدرسہ کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے اور اصلاح کے لئے مفید مشورہ دینے میں سہولت ہو گی۔

اسمبلی کے بعد جب طلبہ اپنی اپنی جماعتوں میں چلے جائیں صدر مدرس کے ہمراہ مہتمم جماعتوں کا ایک چکر لگائے۔ پہلے سے مدرسین کو تاکید کر دی جائے کہ

وہ اپنا کام جس طرح روزانہ انجام دیتے ہیں اُسی طرح انجام دیں۔ تمام جماعتوں کا گشت لگانے اور عمارت کی موزونیت اور صفائی اور فرنیچر۔ ڈسپلن نیز طلبہ کی صفائی کے متعلق عام رائے قائم کر لینے کے بعد مہتمم اپنے ٹائم ٹیبل کے مُطابق معائنہ شروع کرے۔

ہر جماعت میں حسب ذیل امور کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے۔

(۱) مدرسین متعلقہ کا طرز تعلیم اور ان کے اشارات اور اسباق کا اسکیم۔

(۲) جماعت کی تعلیمی حالت (۳) طلبہ کا تحریری کام (۴) جماعت کا ڈسپلن۔

مدرسین کے طرز تعلیم کی جانچ کرنے کا بہترین طریقہ یہہ ہے کہ مہتمم تعلیمات ورانڈے میں کھڑا ہو کر کمرہ جماعت کے دریچہ یا دروازہ میں سے دیکھے کہ کس طرح تعلیم دی جارہی ہے۔ اس کے بعد جماعت میں داخل ہو کر پہلے اُسی دن کے سبق پر طلبہ سے سوالات کئے جائیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ سبق کے ذہن نشین کرانے میں مدرس کو کس حد تک کامیابی ہوئی ہے اور تاریخ معائنہ تک جتنا مضمون پڑھایا گیا ہے اس حد تک وہ طلبہ کے ذہن نشین ہوا ہے یا نہیں۔ پچھلے اسباق پر بھی سوالات کئے جائیں یہہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ پروگرام تعلیم کے لحاظ سے نصاب کا جس قدر حصہ ختم ہونا چاہیئے ختم ہوا ہے یا نہیں. طلبہ سے جو سوالات کئے جائیں وہ ایسے ہوں کہ اوسط قابلیت کے لڑکے بھی جواب دے سکیں۔ اور ان کا تعلق محض حافظہ سے نہیں بلکہ سمجھ سے بھی ہو تاکہ معلوم ہو سکے کہ مدرس متعلقہ نے طلبہ کو غور و فکر کرنے کی تربیت بھی دی ہے یا نہیں۔ سوال کرتے وقت مہتمم کا طرز عمل ایسا ہونا چاہیئے کہ طلبہ مرعوب نہ ہو جائیں۔ بعض مضامین مثلاً ریاضی۔ انگریزی اور دیگر السنہ میں کمپوزیشن کی حد تک طلبہ سے تحریری جوابات حاصل کرنا ضروری ہے۔ سوالات ایسے ہوں کہ ایک طرف طلبہ کی استعداد معلوم ہوسکے اور دوسری طرف وہ جلد سے جلد جواب دے سکیں۔ طلبہ جب تحریری کام میں مصروف رہتے ہیں اس وقت معائنہ کرنے والے افسر کو اُن کے ہوم ورک کی کاپیوں کو دیکھنے کا اچھا موقع ملتا ہے۔

ان کاپیوں کے دیکھنے سے مُدرسین متعلقہ کے کام کا اندازہ کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ کتب خانہ سے طلبہ کس حد تک استفادہ کرتے ہیں اور ان کو مطالعہ کی ترغیب اور تحریض دلانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔

عام طور پر ہمارے مدارس میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ تعلیم کو عملی زندگی سے مربوط کرنے کی بہت کم کوشش کی جاتی ہے۔ مہتمم مدارس کے فرائض میں ایک اہم فرض یہ ہے کہ وہ مقامی حالات سے واقفیت پیدا کر کے اپنے وسیع تجربہ اور معلومات کی بنا پر اس بارے میں صدر مدرسین کو مفید مشورہ دے۔ مثلاً اس کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ مختلف مضامین مثلاً نیچر اسٹڈی۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ ڈرائنگ اور حساب کی تعلیم میں طلبہ کے ماحول کا لحاظ کیا جاتا ہے یا نہیں۔ نیچر اسٹڈی کے جو اسباق جماعت کے کمرے میں دئے جاتے ہیں ان کو باغبانی سے کس حد تک مربوط کیا جاتا ہے۔ ڈرائنگ کی تعلیم میں کس حد تک باغ مدرسہ سے کام لیا جاتا ہے۔ تعلیمی سیاحت کے ذریعہ تاریخ۔ جغرافیہ اور نیچر اسٹڈی کی تعلیم کے لئے مدرسہ کے باہر جو مواقع ہیں اُن سے استفادہ کیا جاتا ہے یا نہیں اس کے ساتھ مہتمم تعلیمات کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مختلف جماعتوں میں ایک ہی مضمون پڑھانے والے مدرسین میں اتحاد عمل ہے یا نہیں نیز مختلف مضامین میں ارتباط پیدا کرنے کی کس حد تک کوشش کی جاتی ہے۔ بالاتر جماعت میں طلبہ کو کس اصول کے تحت ترقی دی جاتی ہے نیز تحتانیہ جماعتوں میں کس حد تک تضییع اور جمود ہے اور اس کے وجوہ کیا ہیں۔

طلبہ کی صحت جسمانی اور تعلیم صفائی کے متعلق بھی مہتمم تعلیمات مفید مشورہ دے سکتا ہے۔ ایک اور امر جس کی جانب اس کو خاص توجہ مبذول کرنا چاہیئے مدرسہ کا ڈسپلن ہے۔ دو تین روز کے معائنہ میں مدرسہ کے ڈسپلن کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ عموماً معائنہ کے وقت مدرسین سے زیادہ طلبہ پر رعب طاری رہتا ہے۔ وہ نہایت خاموش رہتے ہیں اور نہ صرف مہتمم مدارس بلکہ اپنے اساتذہ کے ساتھ بڑے

ادب سے پیش آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مدارس کے معائنہ کی رپورٹوں میں ڈسپلن کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہوتی اچانک معائنہ کے موقع پر ڈسپلن کی حالت معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ لیکن اگر پہلے سے مدرسہ کو معائنہ کی اطلاع بھی دی گئی ہو تو تجربہ کار مہتمم تعلیمات کے پاس ڈسپلن کا اندازہ کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ جماعت بدلتے وقت یا وقفہ میں طلبہ کا طرزِ عمل کیسا رہتا ہے جواب دیتے وقت وہ کس طرح کھڑے ہوتے ہیں اور جواب دینے یا نہ دے سکنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں یا وقت واحد میں متعدد لڑکے کھڑے ہوتے ہیں نیز تحریری کام کرتے وقت ایک دوسرے کی مدد لینے کی تو کوشش نہیں کرتے۔ مدرسہ کے رجسٹر اعلان اور طلبہ کی کاپیوں سے بھی ڈسپلن کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ شام کو کھیل کے میدان پر ڈسپلن کا اندازہ کرنے کا مزید موقع ملتا ہے۔

طلبہ کو عملی زندگی کے لئے تیار کرنے اور ان کے کردار کی تعمیر میں میدانی کھیلوں اور دیگر زائد از نصاب مصروفیات مثلاً انجمن مباحثہ اور اسکاوٹنگ کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے آپ سب حضرات واقف ہیں۔ جو زائد از نصاب مصروفیات کسی مدرسہ میں رائج ہیں، اُن کی اصلاح اور ترقی کے متعلق مشورہ دینے کے علاوہ مہتمم تعلیمات کو چاہیئے کہ یہ غور کرے کہ مقامی حالات کے لحاظ سے کوئی اور ایسی زائد از نصاب مصروفیات ہیں جن کا انتظام مدرسہ میں ممکن ہے۔

کسی مدرسہ کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر صدر مدرس کی شخصیت اور عملہ مدرسین کی موزونیت اور فرض شناسی پر ہوتا ہے اور مہتمم تعلیمات کا اہم ترین فریضہ بھی یہی ہے کہ وہ مدرسین کی کارگذاری کی جانچ کرکے اصلاح کے لئے ان کو مشورہ دے اور اگر اسٹاف موزون نہ ہو تو اس میں ردوبدل کے لئے فوری کارروائی کرے سب سے پہلے تو اس کو یہ اطمینان کرلینا چاہیئے کہ صدر مدرس بلحاظ شخصیت اور قابلیت اپنی خدمت کا اہل ہے یا نہیں۔ صدارت کے لئے اس کی موزونیت کے متعلق رائے قائم کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اس کا طرزِ عمل

مدرسین طلبہ اور طلبہ کے اولیاء کے ساتھ کیسا ہے۔ آیا مدرسین اور طلبہ پر اس کا اخلاقی اثر اچھا ہے یا نہیں اور وہ مدرسین کا تعاون کس حد تک حاصل کرتا ہے اور طرز تعلیم۔ ڈسپلن اور دیگر امور میں وہ اپنے مددگاروں کی کس حد تک رہبری کرتا ہے۔ فن تعلیم میں صدر مدرس کی مہارت معلوم کرنے کا ایک طریقہ تو یہہ ہے کہ اس کو اپنی جماعت میں درس دیتے ہوئے دیکھا جائے اور دوسرا طریقہ یہہ ہے کہ جن مدرسین کا طرز تعلیم مہتمم کے معائنہ میں نا قابل اطمینان پایا جائے ان کے متعلق صدر مدرس سے دریافت کیا جائے کہ اس کی رائے میں ان مدرسین کے طرز تعلیم میں کیا نقائص ہیں۔ رجسٹر داو وسند کتب کی تنقیح سے پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ صدر مدرس اور دیگر مدرسین اپنے مفوضہ مضامین اور فن تعلیم میں اپنی قابلیت کو بڑھانے کے لئے کس حد تک کوشش کر رہے ہیں۔ اور کام میں دلچسپی کا پتہ رجسٹر حاضری مدرسین کی تنقیح سے بھی چلایا جاسکتا ہے۔ میری رائے میں جو مدرسین ہر سال محض استحقاق کی بنا پر پورے پندرہ دن کی رخصت اتفاقی سے استفادہ کرتے ہیں وہ عموماً فرض شناس نہیں ہوتے۔ مدرسین کو ہدایات دینے کے لئے مدارس میں عموماً جو رجسٹر رکھا جاتا ہے اس سے نہ صرف صدر مدرس بلکہ مددگاروں کی کارگذاری کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

طریق تعلیم کے متعلق اختلاف رائے بھی ہو سکتا ہے۔ یہہ ضروری نہیں ہے کہ جو طریقہ تعلیم مہتمم تعلیمات مفید سمجھتا ہے وہی مفید ہو۔ اسی بنا پر کوڈ میں ہدایت دی گئی ہے کہ طریقہ ہائے تعلیم کے متعلق اظہار رائے میں احتیاط سے کام لیا جائے اور ان طریقوں کے متعلق ان کے نتائج کی روشنی میں رائے قائم کی جائے۔ تعلیم دینے میں جدت و آزادی فکر سے کام لینے والا مدرس اور عام طور پر مسلمہ طریق ہائے تعلیم کی پابندی کرنے والا مدرس دونوں اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی یکساں حوصلہ افزائی کی جائے۔ ایک اور نہایت ہی ضروری اور مفید ہدایت جو کوڈ میں دی گئی ہے، یہہ ہے کہ معائنہ کے دوران میں عہدہ داران معائنہ کنندہ

اس طرح پر کام کریں کہ ان کا طرز عمل مدرسین کے لئے ایک نمونہ کا کام دے۔ وہ مدرسین اور طلبہ کے احساسات اور جذبات کا اُتنا ہی خیال رکھیں جتنا اپنے وقار کا۔ بعض مہتمم صاحبان کا طرز عمل ایسا ہوتا ہے کہ ان کے معائنہ کی خبر سُن کر نہ صرف مدرسین بلکہ طلبہ میں تھرتھری پیدا ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے بعض ایسے بھی مہتمماں ہیں جن کی آمد کے مُدرسین اور طلبہ مشتاق رہتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان کے ایک مدرسہ کا واقعہ ہے کہ مہتمم کے معائنہ کے بعد ایک جماعت کے طلبہ کو معائنہ پر مضمون لکھنے کے لئے کہا گیا تو ایک لڑکے نے لکھا کہ مجھے انسپکٹر صاحب بہت پسند ہیں کیوں کہ جو بھی جواب دیا جائے اس پر وہ خوش ہو جاتے ہیں خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔

صدر مدرس کے کام پر کسی اور کے روبرو اور مددگاروں کے کام پر بجز صدر مدرس کے اور کسی کے سامنے نکتہ چینی نہ کی جائے۔ کسی جماعت کے معائنہ کے بعد ہی اگر مدرس متعلقہ کو کسی نقص کی جانب توجہ دلانا مقصود ہو تو تھوڑی دیر کے لئے جماعت کے باہر طلب کرکے اس سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔ مہتمم کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ نکتہ چینی کرے بلکہ جو مدرسین اچھا کام کریں ان کی حوصلہ افزائی بھی کرے۔ چونکہ مہتمم کی رائے پر مدرسین کی ترقی، تنزل اور تبادلہ کا انحصار ہوتا ہے اس لئے ان کے کام کے متعلق رائے قائم کرنے میں مہتمم کو کبھی عجلت نہیں کرنی چاہیئے۔ صدر مدرس کو روزانہ اپنے مددگاروں کا کام دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے اور وہ اُن سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی رائے کو ہمیشہ وقعت دینی چاہیئے اور مدرسین کے حالات صدر مدرس سے دریافت کرنے کے بعد اُن کے متعلق مہتمم کو اپنی رائے قائم کرنی چاہیئے۔

دوران معائنہ جو باتیں نوٹ کی جاتی ہیں اُن سب کا رپورٹ معائنہ میں اظہار ممکن ہے اور نہ ضروری۔ علاوہ بریں اکثر اوقات معائنہ کے بعد فوراً رپورٹ لکھنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اس لئے ختم معائنہ پر مدرسین کو جمع کرکے ایسے امور کے

متعلق جن کا تعلق صرف صدر مدرس ہی سے نہیں ہے بلکہ عام طور پر سب مدرسین سے ہے بالمشافہہ ضروری ہدایات دینا مفید ہوتا ہے۔ اس کانفرنس میں مُدرسین کو اپنی شکایات کے اظہار کا موقعہ بھی دینا چاہئیے۔ مُدرسین سے اس طرح تبادلہ خیالات کرنے کے بعد مدرسہ کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں مہتمم تعلیمات کو بڑی مدد ملتی ہے۔

تفصیلی معائنہ کے لئے بہترین زمانہ اوائل آبان سے اوائل بہمن اور وسط اسفندار سے اوائل اردی بہشت تک ہے۔ آغاز سال تعلیمی پر معائنہ کیا جائے تو تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا البتہ یہہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مدرسہ کی ضروریات کیا ہیں اور اس کا نظم ونسق کیسا ہے۔ سال تعلیمی کا آخر زمانہ معائنہ کے لئے اس لئے مفید نہیں ہے کہ اس وقت طلبہ مقررہ کورس ختم کرکے سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ معائنہ دو قسم کا ہوتا ہے اچانک اور تفصیلی۔ اچانک معائنہ زیادہ دلچسپ ہوتا ہے اور بعض مدارس کے لئے یہہ ضروری بھی ہے تفصیلی معائنہ کے لئے کوڈ کے لحاظ سے کم ازکم دو ہفتہ قبل تاریخ معائنہ کی اطلاع دی جانی چاہئیے۔ اگر کوئی مہتمم اپنے معائنہ سے کوئی فائدہ بھی نہ پہنچا سکے تو معائنہ کے لئے جو تیاری کی جاتی ہے وہ مدرسہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوتی ہے لیکن مہتمم کو چاہئیے کہ صدر مدرسین کو معائنہ کے موقع پر نمائشی کاموں سے روکے۔ معائنہ کے بعد مہتمان تعلیمات کو پھولوں کے ہار پہنانے کی رسم تو اب عموماً موقوف ہوگئی ہے۔ لیکن اب بھی اکثر مدارس میں اسکوٹس کے گارڈ آف آنر کا انتظام کیا جاتا ہے اور مدرسہ کی پہاٹک پر خوش آمدید اور (wel come) بلکہ (wel come) لکھ کر سرخ کپڑا لگایا جاتا ہے۔

آج کل ہندوستان میں مہتمان مدارس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہہ ہے کہ جیسا کہ کل میرے محترم دوست مولوی سید محمد اعظم صاحب نے ڈسپلن پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا ملک میں جو سیاسی بے چینی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اس کا اثر مدارس پر پڑ رہا ہے اور مدارس کے ڈسپلن کا مسئلہ بہت اہم ہوگیا ہے۔

مہتمان مدارس کا فرض صرف یہی نہیں ہے کہ جب کبھی کسی مدرسہ کی فضا مکدّر ہو جائے تو تحقیقات کر کے خاطیوں کے لئے سزا تجویز کریں بلکہ ان کا یہ فرض ہے کہ مُدرسین دوسرے سررشتہ جات خصُوصاً سررشتہ مال کے عہدہ داروں و نیز رعایا کا تعاون حاصل کر کے ایسے تدابیر اختیار کریں کہ مدارس سیاسی اور فرقہ وارانہ تحریکات کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں۔ اس میں کامیابی اُسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ وہ خود اپنا توازن قائم رکھیں اور ان کا طرز عمل بالکل غیر جانب دارانہ ہو۔ مہتمان کی ذمہ داریوں میں اضافہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حالات میں تبدیلی کے ساتھ ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں میں نئی نئی تعلیمی اسکیمیں نافذ کی جارہی ہیں اور نئے نئے تعلیمی تجربے کئے جارہے ہیں۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں پرائمری تعلیم اور ثانوی تعلیم کی اسکیمات کی کامیابی کا بہت کچھ انحصار مہتمان پر ہے۔ نصاب بالکل بدل گیا ہے۔ پرائمری تعلیم کی حد تک جماعت پنجم بالکل ایک نیا تجربہ ہے اور ثانوی تعلیم کے نصاب میں بعض مضامین امتحانی اور بعض غیر امتحانی رکھے گئے ہیں۔ صرف معائنہ کے ذریعہ اس امر کی نگرانی کی جاسکتی ہے کہ غیر امتحانی مضامین کی جانب مدارس میں کافی توجہ کی جاتی ہے یا نہیں طبقہ ادنیٰ ثانوی میں بعض اہم مضامین مثلاً ابتدائی سائنس۔ ڈرائنگ۔ باغبانی اور مینول ٹریننگ غیر امتحانی ہیں۔ اگر ان مضامین سے غفلت برتی گئی تو جدید اسکیم کا حقیقی مقصد فوت ہو جائے گا۔

بہرحال مہتمم تعلیمات کے فرائض نہایت نازک ہیں لیکن ان فرائض میں سب سے زیادہ مشکل اور اہم کام معائنہ مدارس کا ہے۔ تین گھنٹہ کے معائنہ میں جو جسمانی اور دماغی بار ہوتا ہے وہ چھ گھنٹہ کے دفتری اور انتظامی کام میں نہیں ہوتا۔ لیکن جو مہتمان اپنے فرائض کو حقیقی دلچسپی سے انجام دیتے ہیں اور جن کو اپنے ملک کے نونہالوں سے سچی ہمدردی ہوتی ہے، وہ اس بار کو محسوس نہیں کرتے اور اپنے کام کو اس قسم کے جذبہ سے انجام دیتے ہیں جیسا کہ ایک مشنری اپنے کام کو انجام دیتا ہے۔

ضبط مدرسہ*

اقتباس

از

تقریر جناب مولوی سید محمد اعظم صاحب ایم۔ اے (کنٹب) پرنسپل سٹی کالج بلدہ

صدر عالی قدر خواتین و حضرات!

میرے ذمہ جس عنوان پر تقریر کرنا طے ہوا ہے وہ یعنی "ضبط مدرسہ" بادی النظر میں ایک آسان پیش پا اُفتادہ سا مضمون معلوم ہوتا ہے لیکن غور کیا جائے تو ضبط مدرسہ کے خیال سے ذہن میں اس کے مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں اور ہم سوچنے لگتے ہیں کہ ضبط کے ان مختلف پہلوؤں میں کس کو اہمیت دی جائے۔ الغرض نئے نئے خیالات جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اُن کے پیش نظر ہم پھر یہہ غور کرنے لگتے ہیں کہ ان کو مختلف حالات میں کیوں کر برقرار رکھا جائے۔

ضبط مدرسہ کے متعلق عام نظریوں سے اصول تعلیم کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور یہہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اساتذہ کی اس کانفرنس میں مدرس صاحبان کے روبرو جو ضبط مدرسہ سے متعلق تعلیمی نظریوں سے واقف ہیں یہہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اصولی اور عملی طور پر مدرسہ میں ضبط کیونکر قائم رکھنا چاہیئے۔

ضبط مدرسہ کی جانچ کا ایک عملی طریقہ

اس موقع پر میں ضبط مدرسہ سے متعلق اولاً چند ایسی عام باتیں بتلانا چاہتا ہوں جو میرے زمانۂ طالب علمی کے ذاتی تجربات پر مبنی ہیں۔ اس قسم کے واقعات آپ حضرات کو بھی پیش آچکے ہوں گے۔

آپ اس خیال سے متعجب نہ ہوں کہ زمانہ طالب علمی کے تجربوں سے بحیثیت صدر مدرسہ یا مدرس کیا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم اپنے ابتدائی

---

* یہہ تقریر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تیسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر بمقام گلبرگہ کی گئی۔

مدارج تعلیمی پر غور کریں اور اس کو ذہن میں لانے کی کوشش کریں کہ بحیثیت طالب علم ہماری ابتدائی تعلیم کس مدرسہ میں ہوئی، وہاں کا ماحول تعلیمی کیسا تھا اور عام فضا کیا تھی؛ اُس مدرسہ کے اساتذہ صاحبان کن اصول پر تعلیم دیا کرتے تھے اور ان تمام باتوں کے ذہنی اعادہ کے بعد اس امر کا محاسبہ کریں کہ اُس مدرسہ کے متعلق ہمارے عام تاثرات اِس وقت خوشگوار ہیں یا پریشان کن۔ آیا ہم کو اِن تاثرات پر فخر و ناز ہے یا اُن کو ہم اپنی زندگی کا ایک تلخ تجربہ سمجھتے ہیں۔ الغرض اس طرح اگر ہم اپنے دَورِ طالب علمی پر ایک نظر باز پسیں ڈال کر یہہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ بحیثیت طالب علم ہم کس طریقۂ عمل کو اچھا سمجھتے تھے اور کس کو بُرا تو بحیثیت صدر مدرسہ یا مدرس ہم کو اپنے طالب علموں کے رجحانات طبعی کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور انہی رجحانات کا صحیح احساس قیام ضبط کا ایک کامیاب گُر ہے۔

دَورِ طالب علمی کے متعلق میرے ذاتی تاثرات۔ میرے تاثرات خود اپنے مدرسہ کے متعلق جہاں میری ابتدائی تعلیم ہوئی کچھ اچھے نہیں ہیں۔ اس مدرسہ کے دو واقعات میرے لئے ہمیشہ پریشان کن رہے اور میں یہہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ آخر اس مدرسہ میں مفہوم ضبط کیا تھا۔ اس مدرسہ میں طلبہ کو دہمکا اور ڈرا کر مرعوب کیا جاتا تھا۔ صدر مدرس صاحب کی مرعوب کن ہستی فی الواقعی "شیر ببر" سے کم نہ تھی۔ صاحب موصوف پڑہاتے کم تھے اور ڈراتے بہت۔ اُن کا طریقہ یہہ تھا کہ ہر روز مدرسہ کے صدر دروازہ پر بید لے کر کھڑے ہو جاتے تھے اور مجال نہ تھی کہ کوئی لڑکا اُن کے سامنے سے تو کجا دس بیس گز قریب سے بھی دوڑتا ہوا گذر جائے۔ گویا مدرسہ میں بچوں کا بھاگنا دوڑنا ایک گناہ کبیرہ تھا۔ ذرا غور کیجئے اس طرح بچوں کو مرعوب رکھنا کس حد تک صحیح معنوں میں ضبط کہلایا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ تعلیم جغرافیہ کے لئے صدر مدرس صاحب کے کمرے سے نقشہ لانے کے لئے مدرس صاحب نے مجھے جماعت سے بھیجا۔ اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے

کہ مُدرس صاحب جماعت تعلیم جغرافیہ کے دوران میں نقشہ کا کوئی استعمال نہیں کرتے تھے۔ مدرسہ کی کُل کائنات چند فرسودہ نقشے تھے جو کمرہ اجلاس صدر مدرس صاحب میں محفوظ رہتے۔ ان کی طلبی کا منشار بجز اس کے کچھ نہ ہوتا کہ لانے والے طالب علم کو آئینِ مدرسہ کی پابندی میں دھیمی رفتار سے آنے جانے اور نقشہ لانے میں دس منٹ صرف ہو جائیں اور یہہ وقت مدرس صاحب جماعت طلبہ کو زبانی دھمکیوں سے مرعوب کرنے میں اپنے دماغ پر کسی بار کے برداشت کئے بغیر بسہولت بسر کرسکیں۔ الغرض میں نقشہ لانے گیا۔ کچھ طبعی عجلت کچھ یہہ خیال کہ نقشہ جلد مل جائے تو تعلیم شروع ہو۔ میں نے سلامت روی کی چال اختیار کرنے کے بجائے دوڑنا شروع کیا۔ جناب صدر مدرس صاحب حسب دستور "شیر ببر" کی صورت بید لئے کھڑے تھے۔ میرے اس بے محل دوڑ نے پر اُن کو حسب عادت غصہ آگیا اور انھوں نے اپنی بید کو نہایت زور سے گردش دی۔ میں اُس کی زد سے بچنے یا یوں کہئے کہ جان بچانے ایسا بھاگا کہ گھر آکر ہی دم لیا اور پھر سخت اصرار اور ترغیب کے باوجود چار روز تک ڈر کے مارے مدرسہ کا رُخ نہ کرسکا۔

ابتدائی ہیبت کے مدت العمر اثر کا ایک دلچسپ تجربہ۔
اس مدرسہ کا دوسرا ایک عجیب تجربہ بھی میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ آپ بھی سُن لیجئے اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ زمانہ طفولیت میں جو بے ضرورت ہیبت ناک تاثرات طلبہ کے دلوں پر قائم کئے جاتے ہیں ان کے کیسے دیرپا اثرات ہوتے ہیں۔

مدرسہ چھوڑنے کے سالہا سال بعد ملازمت کے ابتدائی زمانہ میں بحیثیت مددگار ناظم تعلیمات مجھے ایک غیر رسمی معائنہ کے لئے اپنے قدیم مدرسہ جانے کا اتفاق ہوا۔ یقین مانئے کہ جونہی میں نے مدرسہ میں قدم رکھا قدیم ہیبت ناک تصورات تازہ ہو گئے۔ الغرض ڈرتا ہوا مدرسہ پہنچا۔ ضروری کاموں سے فراغت پاکر واپس جانے لگا تو عربی فارسی کے قدیم "مولوی صاحب" نظر پڑے۔ ان کو دیکھ کر میں

مبہوت سارہ گیا۔ وجہ یہہ تھی کہ "مولوی صاحب" کی ایک خاص دلخراش ادا جس کے ہم بارہا تختۂ مشق بن چکے تھے معاً یاد آگئی اور میں بے اختیار لرزہ براندام ہو گیا۔ "مولوی صاحب" کے سزا دینے کا عجیب طریقہ تھا۔ حضرت کے ڈیسک میں نوکیلے کنکریوں کا ایک اسٹاک رہتا تھا۔ جہاں کسی لڑکے پر عتاب آیا ایک کنکری کان کی لولکی میں چبھا دی گئی۔ نتیجہ یہہ ہوتا کہ میزان و منشعب کی گردانوں کی سرگردانی ایک طرف اور "مولوی صاحب" کی اس چپکی لیکن چبھتی سزا کی اذیت دوسری طرف۔ نتیجہ یہہ ہوا کہ عربی کو ہم نے اس طرح خیرباد کہا کہ پھر آج تک اس کی تکمیل نہ کرسکے۔

انہیں تاثرات کی تلخی نے مجھے اس پر بھی آمادہ نہ کیا کہ اپنے اس قدیم مدرسہ کی صدارت قبول کرتا جو مجھے پیش کی گئی تھی۔ آپ کے سامنے میں نے یہہ دلچسپ تاثرات اس لئے دُہرائے کہ آپ کو اندازہ ہو کہ مدرسہ کی ایسی ہی زیادتیوں کے باعث ہمارے طلبہ میں مدرسہ سے محبت کرنے اور اس پر فخر و ناز کرنے کا جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

خورد سال طلبہ کے احساسات کی پرورش میں معلماۃ کی اہمیت

دیکھا گیا ہے کہ مدارس نسوان میں طالباۃ کو اپنے مدرسہ اور استانیوں سے اُنس بمقابلہ مدارس ذکور کے طلبہ کے زیادہ ہوتا ہے۔ وجہ یہہ ہے کہ استانیاں شفیق ماں کی حیثیت سے کام کرتی ہیں اور اُن کی تعلیم کا دارو مدار محبت و خلوص پر ہوتا ہے۔ اسی باعث مغربی ممالک کے مدارس میں کم سن طلبہ کی تعلیم بھی معلماۃ کے ذمہ کی جاتی ہے۔ نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ ان شفیق اُستانیوں کے مشفقانہ و مادرانہ حسن سلوک سے طلبہ میں خود اعتمادی کا ایسا مستحکم جذبہ پرورش پاتا ہے کہ جامعات میں شرکت کے بعد انہیں کسی مصنوعی ضبط کے ذریعہ پابند کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے دیکھا گیا ہے کہ مغربی جامعات میں ضبط یا ڈسپلن کا نام ہی طلبہ کے آگے نہیں لیا جاتا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اور تمثیل پولینڈ

ہندوستانیوں میں بحیثیت قوم ضبط کا فقدان ہے۔ اسی باعث ہم میں ایسی بات پیدا نہیں ہوتی کہ ہم کوئی قابل فخر کام کریں۔ چنانچہ حال ہی میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ پولینڈ ایسے ملک کو جہاں قوم میں کامل ضبط تھا جرمنی نے کس آسانی کے ساتھ ختم کر دیا۔ اگر ہندوستان پر خدانخواستہ ایسی کوئی مصیبت آپڑے تو ڈسپلن نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا ملک موجودہ حالت سے بھی گیا گزرا ہوگا۔

ہندوستان میں فقدان ضبط کے اسباب...

افسوس ہے کہ ہندوستان میں بیس یا تیس سال قبل طلبہ کو غیر آئینی وغیر تعلیمی تحریکات کی طرف لگایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ ہماری موجودہ نسل میں تعلیم کے ساتھ ساتھ خاطر خواہ ضبط کا مادّہ ہی نہیں پیدا ہو سکا۔ یورپین ممالک کے طلبائے مدارس کسی آئینی وغیر آئینی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے۔ کوئی لیڈر وہاں کم سن طلبہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے۔ اور پیروؤں کی تعداد بڑہانے کے لئے پندرہ سولہ سالہ نوجوان طلبہ کو معاون نہیں بنایا جاتا۔ بیرون ملک کی اس غلط روش کا اثر دو ایک سال سے ہماری ریاست میں بھی رونما ہوا اور یہاں بھی یہہ فضا طاری ہوئی کہ خود غرض اصحاب خواہ وہ کسی فرقے کے ہوں کم سن طلبہ کو بہکا کر اُن سے اپنے ناجائز اغراضِ سیاسی کی تکمیل کروانے کے درپئے ہوئے۔

سیاسی تحریکات میں طلبائے مدرسہ کی شرکت کے خطرناک نتائج۔

اگر مدرسہ کے طلبہ کو مدرسین اور والدین سیاسی مذموم فضائے سے الگ نہ رکھیں تو خطرہ ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں نہ گھر کے کام کے لائق رہیں گی اور نہ ملک و مالک کی خدمت کے قابل۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا دو ایک سال سے ہمارے ملک میں جو مختلف قسم کے ہیجانات پیدا ہوئے اُن میں سال گذشتہ نہایت افسوس ناک انتشار بپا ہوا جس سے مختلف اسکول اور کالج متاثر ہوئے۔ لیکن چونکہ اس ریاست ابد مدت میں حکومت کا واحد نصب العین یہہ رہا ہے کہ

تمام باشندگان ملک کو بلا امتیاز مذہب و ملت جائز حقوق دئے جائیں۔اس لئے اپنی اس پالیسی کی بدولت حکومت و سررشتہ نے ان انتشاری تحریکات کا ازالہ کیا۔لیکن ہم کو مطمئن نہ بیٹھنا چاہئیے اور طلبہ کو صحیح راستہ پر قائم رکھنے کے لئے اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ بہ حیثیت کارکنان تعلیمی ہم اپنے اپنے مدارس میں کامل رواداری سے کام لیں اور اس کا کبھی بھی خیال نہ کریں کہ متعلم کا تعلق کس مذہب و ملت سے ہے۔کیونکہ ایسی تنگ نظری سے طلبہ اور اُن کے اولیاء کو مدرسین پر اعتماد نہیں رہتا۔نتیجتاً پبلک و اساتذہ میں عدم اعتمادی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے مضر اثرات بالآخر ضبط مدرسہ پر مترتب ہوتے ہیں۔

سیاسی تحریکات میں مُدرسین کی شرکت کے مضر اثرات

مدرسین اگر سیاسی تحریکات میں حصہ لینے لگیں تو مدرسہ میں ضبط قائم رہ سکیگا اور نہ طلبہ میں۔اور طلبہ میں عدم ضبط کی یہہ کیفیت پیدا کرکے مدرسین بالواسطہ پوری قوم کا ضبط بگاڑ دیں گے۔کیونکہ سرچشمہ کی گندگی تمام ذخیرہ آب کو گندہ کردیتی ہے۔پس مدرسین کو بطور خاص اس کا لحاظ رکھنا چاہئیے کہ ہر قسم کی سیاسی و شورشی تحریکات سے خود الگ رہ کر طلبہ کو بھی اُن سے محفوظ رکھیں تاکہ آج جو نسل اُن کی اس بے لاگ روش سے پابند ضبط بنے کل کو وہی نمو پاکر ضبط پسند قوم کہلاسکے۔

ضبط شکن طلبہ کے ساتھ تدارک اور ان کی اصلاح

کالج کے طلبہ چُونکہ ذی شعور ہوتے ہیں اس لئے بصورت ضبط شکنی اُن کے ساتھ معمولی طریقہ پر تدارک نہیں کیا جاسکتا۔بخلاف اس کے مدرسہ کے طلبہ جو اپنے فعل کے خود ذمہ دار نہیں بلکہ دوسروں کے زیر اثر غلط روش اختیار کرتے ہیں اُن کو اس مسموم فضا سے حسب موقع مناسب تدابیر کے ذریعہ محفوظ رکھا جائے اور اُن کے دلوں میں ابتداء ہی سے یہہ خیال پیدا کیا جائے کہ یہہ ملک کسی خاص فرقہ کا نہیں۔حضرت اقدس و اعلیٰ کے فرامین مُبارک سے صاف واضح ہو

کہ اس ریاست ابدمدت کے فرمانرواکی پالیسی یہہ ہے کہ حاکم کا مذہب حکومت میں کبھی بھی دخیل نہیں ہوا کرتا۔ ہمیں یہہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر انسان کا مذہب اُس کے اور اُس کے خالق کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ عام کاروبارِ دُنیوی کو خالق و مخلوق کے اس واسطہ سے کوئی تعلق نہیں۔

قیام ضبط کے متعلق چند اشارات

(۱) قبل از وقت مشکلات کا خیر مقدم نہ کیا جائے۔

مدارس کے حالیہ دَورِ انتشار میں مجھ سے سٹی کالج کے متعلق اکثر دریافت کیا گیا کہ یہاں ہڑتالیں نسبتاً کم کیوں ہوتی ہیں؟ میرا جواب یہہ ہے کہ معمولی واقعات کو بے ضرورت اہمیّت دے کر ہم اپنے توازن کو خراب نہیں کرتے۔ ہماری کوشش یہہ رہی ہے کہ اختلال کے خفیف واقعات کو ہڑتال کی صورت میں قبل از وقت جاری نہ ہونے دیا جائے۔ اس طریقۂ عمل کے تحت جو اصول کارفرما ہے وہ یہہ ہے کہ اگر صدر مدرس کو معلوم ہو جائے کہ بیرونی سموم فضا کا خفیف سا اثر مدرسہ پر ہونے والا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس اشتعالی کیفیت کو اپنے دَور میں خود گزر جانے دے۔ اکثر صورتوں میں تھوڑے سے تامّل کے ساتھ یہہ کیفیت خود ہی زائل ہو جاتی ہے۔ اگر تھوڑا سا انتظار نہ کر کے اس کو رفع کرنے کا غلط اقدام کیا جائے تو وہی شدید صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ بالعموم یہی ہوتا ہے کہ اکثر مدارس کے اساتذہ عالمِ غیض و غضب میں قبل از وقت بے ضرورت پیش بندی کر کے کام خراب کرتے ہیں۔ لازماً نتائج خلافِ توقع بُرے ہو جاتے ہیں لہذا:

> "قیامِ ڈسپلن کا گُر جو ہم سب کے پیش نظر رہنا چاہئے یہہ ہے کہ عام حالات کے تحت معمولی اختلال سے ڈسپلن یعنی ضبط متاثر نہیں ہوتا۔ ایسے موقعہ پر مصلحت آمیز صرف نظر ہی رفع شر کا کا موثر طریقہ ہے۔"

غیر معمولی و سنگین واقعات کے زیر اثر اگر ڈسپلن یعنی ضبط کے متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو انسدادی تدابیر پر باحتیاط غور کر کے اُن کو

مضبوطی کے ساتھ بروقت جاری کیا جائے۔ قبل از وقت کوئی کارروائی نہ کی جائے۔"

(۲) انفرادی تدابیر کے نفاذ میں طلبہ کی انفرادی ذہنیت کو پیش نظر رکھا جائے۔

قیام ڈسپلن کا دوسرا گُر یہہ ہے کہ ضبط شکن طلبہ کے ساتھ تدارک کرنے میں ان کی انفرادی ذہنیت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ کمزور ذہنیت کے طلبہ کے مقابلہ میں ایسے طلبہ کو اہمیت دی جائے جو ہر تحریک میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اور جن میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے کہ دوسرے طلبہ کو اپنا آلۂ کار بنائیں۔ ایسے طلبہ اپنے رجحانات کے اعتبار سے انتہا پسند ہوتے ہیں۔ اُن کے یہہ رجحانات برائی کے طرف مائل ہوں تو قابل مدرس اپنے تجربہ کارانہ طریقۂ عمل سے شر انگیزی کے شدید رجحانات کو امن پسندی کی جانب اس خوبی سے منعطف کرسکتا ہے کہ ضبط مدرسہ کے یہی برباد کن عناصر مدرسہ کے سنوارنے میں اور کمزور ذہنیت والے منحرف طلبہ کو راہ راست پر لانے میں مدرس کے دست راست بن جاتے ہیں۔ اور جن کو باغی سمجھا جاتا تھا وہ حسن عمل سے حامی و وفادار ہو جاتے ہیں۔ الغرض،

"ضرورت ہے کہ طلبائے مدرسہ کے منجملہ اُن نمایاں ہستیوں کے رجحان طبع کو بغور اور بہ احتیاط سدھار کر راہ راست پر لگایا جائے اور ان کو اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش انتہائی خلوص محبت اور ایمانداری سے کی جائے۔"

قیام ضبط کے ضمن میں ہمارا مطمح نظر کیا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف باپ ہی کی ایک ہستی ایسی ہے جو چاہتی ہے کہ اُس کی اولاد اُس سے زیادہ لائق اور اُس سے زیادہ بلند مرتبہ ہو۔ اُستاد کا درجہ کسی طرح باپ سے کم نہیں۔ لہذا ہر مدرس کو چاہئے کہ وہ اُس کی کوشش کرے کہ جو نسل کہ ہمارے زیر تربیت ہے اس کی پرداخت ایسی ہو کہ وہ آگے چل کر ہم سے بہتر زندگی بسر کرے اور ملک و مالک کی بہتر خدمت انجام دے۔ اساتذہ کی برادری

میں بلا امتیاز مذہب و ملت یہی ایک جذبۂ تربیت کارفرما رہے تو عام حالات کے تحت ہم کو قیام ضبط میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

ملک و مالک کی خدمت ہمارا واحد نصب العین ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ ہم سب کوشش کریں گے کہ موجودہ تعلیمی فضاء کو جو ابھی تکدّر سے پاک ہوئی ہے آئندہ بھی بے لوث خالص علمی ماحول قرار دیں۔ اور اپنے طلبہ کے دلوں میں باہمی محبت و رواداری اور اپنے مالک مجازی کے غیر متزلزل وفاداری کا ایسا عمیق جذبہ پیدا کریں کہ مستقبل کے تبدل پذیر حالات میں بھی مسموم اثرات سے یہ نوجوان نسل نہ صرف مصئون و مامون رہے بلکہ اپنے محبوب فرمانروا کی اطاعت کیشی کو اپنا واحد نصب العین قرار دے اور ملک کو مضر تحریکات سے محفوظ رکھنے میں تن من سے ساعی رہ کر اپنے مالک حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ پر جان نثاری کے لئے ہر آن آمادہ رہے۔

شذرات

کانفرنس اساتذہ صوبہ میدک اساتذہ صوبۂ میدک کی چوتھی سالانہ کانفرنس ۱۶، ۱۷ اور ۱۸ بہمن ۱۳۴۹ف کو بمقام سنگاریڈی منعقد ہوئی۔ مختلف کمیٹیوں نے زیر ہدایت عالیجناب مولوی فیض الدین صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبۂ میدک اپنے فرائض کو بخوبی انجام دیا۔ ضروری انتظامات مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب مہتمم ضلع میدک اور مولوی واحد علی صاحب ناظر کے زیر نگرانی انجام پائے۔

کانفرنس کے ساتھ صوبہ کا ٹورنمنٹ بھی ہوا دلچسپ اور موزوں تعلیمی نمائش بھی کی گئی۔

عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات نے ستائش فرماتے ہوئے نمائش کا افتتاح فرمایا۔ دست کاری، سوزن کاری اور کروشیا وغیرہ کا کام نمائش کی ممتاز خصوصیات سے تھا۔ مسز ذوالفقار علی خاں صاحب کا کام نہایت مقبول ہوا۔ اشیائے نمائش کی آمدنی کا ایک حصہ مدارس نسوان کی امداد کے لئے مقرر ہوا۔

۱۶ بہمن ۱۳۴۹ف صبح دس بجے سے بصدارت عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات تلاوت قرآن مجید و پراتھنا کے بعد اجلاس شروع ہوئے۔ جناب مولوی محمد فیض الدین صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک نے خطبہ استقبالیہ سنایا۔

خطبہ کے ابتدائی حصہ میں عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات کی مفید تنظیم اور احسانات بیان کئے گئے۔ اور صاحب موصوف کی صوبۂ میدک کی بالراست سرپرستی فخریہ انداز میں بیان کی گئی۔ جناب صدر مہتمم صاحب نے جملہ عہدہ داران مقامی و سررشتہ تعلیمات اور تمام مدرسین کا خیر مقدم فرمایا۔ اور انجمن اساتذہ کی تعلیمی جدوجہد ذیلی انجمنوں کی مصروفیات ٹورنمنٹ و کانفرنس صوبہ میدک کی چار سالہ تاریخ مختصراً بیان فرمائی۔ اس کے

بعد مولوی عبدالقدیر صاحب معتمد انجمن اساتذہ صوبہ میدک نے اپنی رپورٹ جس میں سال گذشتہ کے جلسہ کی روئداد ذیلی انجمنوں کے نمونہ کے اسباق اور علمی مباحث اور سال تمام کے حسابات کا ذکر تھا سنائی۔

اجلاس اول کا آغاز عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات کی فاضلانہ تقریر صدارت سے ہوا جس کا اقتباس روئداد کے ختم پر دیا جارہا ہے۔

اجلاس دوم دو بجے سے شروع ہوا۔ ایک جانب تاریخ وحساب کے نمونہ کے کامیاب اسباق مرتبہ مولوی محمد اسمٰعیل شریف صاحب صدر مدرسہ وسطانیہ کلواکرتی و مولوی سعید بن علی صاحب مددگار وسطانیہ جوگی پیٹھ بصدارت مولوی سید ساجد علی صاحب مہتمم تعلیمات محبوب نگر ہوئے۔

دوسرے جانب بصدارت جناب مولوی علاء الدین صاحب مہتمم تعلیمات ضلع نلگنڈہ بنیادی انگریزی پر تقریر معہ سبق نمونہ ہوئے۔ مولوی خیرات علی صاحب مددگار مدرسۂ فوقانیہ نظام آباد نے بنیادی انگریزی کے اصول۔ ریسرچ کے فوائد اور طریقۂ تعلیم پر پُرمغز تقریر بزبان انگریزی فرمائی۔ جناب صدر نے فرمایا کہ صاحب موصوف کی تقریر مسٹر مائرس کی تقریر کی سچی نقل ہے۔

۱۷ امر بہمن ۱۳۴۹ف صبح ۹ ½ بجے سے میقات ثالث کا اجلاس بصدارت جناب مولوی فیض الدین صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک شروع ہوا۔ فاضل صدر کی تمہیدی تقریر کے بعد مسٹر مانک راؤ ناشر انجمن اتحادی و نمائندہ انجمن ترکِ مُسکّرات نے ترک مسکرات پر موثر تقریر فرمائی اور سررشتہ تعلیمات سے اس کام میں اعانت کی درخواست کی۔

اس کے بعد مولوی ابو صالح صاحب مددگار وسطانیہ سداسیو پیٹھ و معتمد سب کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں مدارس تحتانیہ کی توفیر تعداد و اصلاح حاضری کے وسائل بیان فرمائے۔ کمیٹی نے ترویج تعلیم بالغان۔ مدرسین کی وطن سے قربت اور ادبی کتب میں متفرق معلومات کے اندراج کی سفارش کی۔

اس کے بعد مولوی سید غلام قادر صاحب صدر مدرسہ وسطانیہ سنگاریڈی نے زائد از نصاب مصروفیات کے متعلق اپنی طویل رپورٹ سنائی۔ باجازت جناب صدر حسب ذیل تحریکات پیش و منظور ہوئیں اور طے پایا کہ ان کو سجکٹ کمیٹی صدر کانفرنس اساتذہ سرکار عالی میں پیش کیا جائے۔

(۱) مدرسین مدارس تحتانیہ کے لئے مدارس وسطانیہ پر فزیکل ایجوکیشن و تعلیم ڈرائنگ کا انتظام کیا جائے۔(۲) جملہ مدارس ضلع میں پروگرام تعلیم یکساں ہو۔ انجمن اساتذہ ضلع عنوانات متعلقہ مطالعۂ قدرت سائنس و دستی مشاغل مقرر کرے۔(۳) غریب مدرسین کی پس ماندہ اولاد کے لئے مدرسین باہمی چندہ سے وظائف فنڈ قائم کریں۔(۴) مدرسین۔ معلمات و ملازمین سررشتہ تعلیم کے بچوں کی فیس بلا شرط معاف کی جائے۔

آخری اجلاس ۸ اربہمن ۴۹ ف بجے ۲ بصدارت عالی جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ میدک منعقد ہوا۔ اس میں ملک کے مایۂ ناز پروفیسروں نے تقاریر فرمائیں۔ پہلے عالی جناب مولوی میر احمد علی خاں صاحب ایم۔ اے، ایم۔ ایڈ بیرسٹرایٹ لا پروفیسر ٹریننگ کالج بلدہ نے تاریخ کی تعلیم کو عملیات زندگی سے وابستہ کرنے پر زور دیا۔ اس کے بعد عالی جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے حیدرآباد کی جدید ادبی خدمات پر اپنا مقالہ پڑھا۔ اس میں عہد قطب شاہی و آصف جاہی کے علمی کارناموں۔ حضرت آصف جاہ اول ناصر جنگ شہید مظفر جنگ و صلابت جنگ کی علمی و ادبی دلچسپیوں اور پھر نواب نظام علی خاں کے زمانہ میں دکن میں شعرا و ادبائے دہلی کی آمد کا مفصل ذکر تھا۔ و نیز نواب افضل الدولہ بہادر اور حضرت غفراں مکان علیہ الرحمتہ کے عہد میں ارسطو جاہ و راجہ چندولعل جیسے علمار و فضلار کی ادبی دلچسپیاں نواب وقارالامرابہادر کی زیر سرپرستی سید علی بلگرامی اور شبلی نعمانی کے علمی و ادبی فیوض بیان کئے گئے۔ آخر میں عہد عثمانی کے زرّین کارنامے و جامعہ عثمانیہ کے برکات بشرح و بسط بیان کئے گئے۔

کانفرنس کا اختتام عالی جناب مولوی محمد فیض الدین صاحب صدر مہتمم تعلیمات

صوبہ میدک کی تقریر پر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مدرسین ہدایات عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات کو شمع راہ بنائیں۔ آپ نے معززین کی تقاریر اور سبق دہندہ مدرسین کے اسباق پر تنقید و تبصرہ اور جملہ حاضرین کانفرنس کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے اختتام کا اعلان فرمایا۔
سب کے آخر میں کانفرنس کے بانی جناب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب مہتمم تعلیمات ضلع میدک نے عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات و جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ میدک اور جملہ حاضرین کا نام بہ نام شکریہ ادا فرمایا۔ اور حضرت ظل سبحانی و خانوادہ آصفی کی دعائے عمر و اقبال و ترقی جاہ و جلال پر کانفرنس برخاست ہوئی۔

تقریر عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات بموقع افتتاح کانفرنس صوبہ میدک منعقدہ سنگاریڈی۔

حضرات! دنیا میں بعض لوگ ایسے خوش نصیب اور عقلمند ہوتے ہیں کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور اپنی کمزوریوں اور نقائص یا عیوب پر نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اُن کی اصلاح کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو خود اپنے عیوب معلوم نہیں کرسکتے تو دوسروں کی رہنمائی پر ممنون ہوتے اور اپنی اصلاح پر کمربستہ ہوجاتے ہیں اور بعض ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ نہ تو اپنی کمزوریوں کا احساس کرتے اور نہ دوسروں کی رہنمائی پسند کرتے ہیں بلکہ دوسروں کی بُرائیاں معلوم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔
حضرات! تو کیا ہم مدرسین کو اپنی زندگی پر تنقیحی نظر ڈال کر اپنی خامیوں کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ہم نے کوئی ایسی کوشش کی تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ ہمارے نقائص ہم کو اپنے پیشہ میں کامیاب نہیں ہونے دے رہے ہیں۔ کوئی شخص دنیا میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی روحانی، جسمانی، دماغی، اور مالی حالت اعتدال پر نہ ہو اور سب پیشوں سے زیادہ پیشۂ مدرسی میں ان چاروں حالتوں کا درست اور اعتدال پر رہنا ضروری ہے کیوں کہ جب تک مدرس خود ایک مکمل روحانی بتلانہ ہو وہ نادان۔ کمزور اور کم سن انسانوں کی اصلاح نہیں کرسکے گا۔
ہماری جسمانی صحت پر ہماری شخصیت، وجاہت اور عمدہ کارکردگی کا انحصار ہے

پس روحانی اصلاح کے ساتھ جسمانی اصلاح بھی ہوتی رہے تاکہ ہم کارزار ہستی میں کامیاب ہوسکیں۔ دماغی صحت کا دارومدار زیادہ تر جسمانی صحت پر ہے۔ اگر اس میں کوئی سُقم پایا جاتا ہے تو وہ نتیجہ ہوتا ہے ہماری بے اعتدالیوں کا۔ پس ہمیں اپنے معاملات اور معاشرت میں سادگی، بے تکلفی اور عقل وفہم سے کام لینا چاہیئے تاکہ ہمارا اضطراب مبدل بہ سکون ہوسکے۔

مدرسین کی معاشی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں بیچارہ مدرس ہی کم تنخواہ یاب ہے لیکن متمدنہ ممالک میں زن وشو باغبانی، ومرغبانی اور گھریلو دستکاریوں سے کافی آمدنی کے ذرائع پیدا کرلیتے ہیں اگر ہمارے ملک کے مدرسین بھی اس طریقہ پر کاربند ہوں تا اپنی زندگی کو خوش حال بناسکیں گے۔

آخر پر شفٹ سسٹم اور مخلوط تعلیم کی نسبت غلط فہمیوں کو دور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کائنات میں ہم نے کسی جنس کو اپنے ہم جنس کا خون بہاتے نہیں دیکھا لیکن حضرت انسان باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے قتل وخوں ریزی کو بالکل معمولی بات سمجھتے ہیں۔ آپ نے مدرسین کو خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ ایسی فضاء سے ہمیشہ دور رہیں اور طلبہ میں اس قسم کی ذہنیت پیدا نہ ہونے کی سعی فرمائیں۔

روئداد جلسہ تعلیمی واسپورٹس مدارس مکاراج پیٹھ وماسائی پیٹھ۔ بتاریخ ۲۹ ہر اسفندار ۴۹ ف زیر صدارت جناب مولوی غلام رسول صاحب جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ ہر دو مدارس کے طلبہ نے اُردو وتلنگی میں تعصب، محنت ومطالعہ پر تقریریں کیں اور حاضرین سے خراج تحسین حاصل کیا تقاریر کے بعد ہر دو مدارس کے مابین اسپورٹس ہوئے اور انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔

جلسہ اولیاء طلبہ مدرسہ وسطانیہ مکتھل بتاریخ ۲۹، ۳۰ ہر اسفندار ۴۹ ف زیر صدارت جناب دوم تعلقدار صاحب یوم والدین منایا گیا۔ جناب صدر اور اولیائے طلبہ نے نمونہ کے اسباق سے بہت دلچسپی ظاہر کی۔ رات میں ایک ڈرامہ "بچوں کا انصاف" اسٹیج کیا گیا۔ دوسرے روز بعد اسپورٹس جلسہ کا آغاز کیا گیا۔ صدر مدرسہ نے رپورٹ پڑھی اور مددگار صاحبان نے اردو اور تلنگی میں اولیائے

طلبہ کو مخاطب کیا۔ ہمارے ملک کی تعلیمی رفتار اور فیوض و برکات عہد عثمانی پر مقالات پڑھے گئے۔ بعد نماز مغرب کیمپ فائر کیا گیا اور حاضرین کی چائے پان سے تواضع کی گئی۔

روئداد کانفرنس اساتذہ ضلع نظام آباد بابتہ دی ۴۹ف سنہ کانفرنس کا انعقاد بمدرسہ وسطانیہ تعلقہ کاماریڈی بتواریخ ۱۱و۱۲ اردی ۴۹ف سنہ ہوا تقریباً ڈھائی سو اساتذہ شریک کانفرنس تھے۔ مولوی سید علی اکبر صاحب ایم۔اے کنٹب انسپکٹنگ افیسر تعلیمات نے صدارت فرمائی۔ معتمد صاحب انجمن نے سالانہ رپورٹ سنائی۔ مولوی غوث محی الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ لنگم پیٹھ نے دور افتادہ مدارس میں طلبہ کے واسطے فراہمی ادویہ کے لئے تحریک پیش کی جو بغلبہ آرا منظور ہوئی۔ مولوی سعید صاحب بی۔اے۔ڈپ۔ایڈ صدر مدرس وسطانیہ کاماریڈی نے تحریک کی کہ باغبانی کی خرابی کی ذمہ داری صدر مدرسین مدارس پر عائد کی جانی چاہیئے جو بغلبہ آرا منظور ہوئی۔ مولوی عبدالمتین صاحب بی۔اے۔ڈپ ایڈ ناظر مدارس نے بعنوان "ہمارے مدرسین، مدارس، نصاب کی حقیقت" اس کی عوام میں مقبولیت اور مدرس کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے تقریر کی۔ مسٹر بالیا مددگار مدرسہ وسطانیہ کاماریڈی نے طلبہ کی دیر قیامی اور اس کے وجوہ پر تقریر کی۔ مولوی خیرات علی صاحب زیدی نے بیسک انگلش پر تقریر کی اور اس کی خوبیوں کو اجاگر کیا۔ مولوی فیاض الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ بانسواڑہ نے تحریک پیش کی کہ رعایا سے ممکنہ حد تک اور مدرسین سے بحساب فی روپیہ ایک پائی چندہ وصول کر کے نادار طلبہ کی امداد کی جائے۔ مسٹر کنٹیا مددگار مدرسہ تحتانیہ راماریڈی نے تلنگی اور اردو درسی کتابوں پر بحث کرتے ہوئے مطلوبہ مضامین کی صراحت کی۔ مسٹر ڈی سی جیٹرجی صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ نے بعنوان "موجودہ مسموم فضا اور مدارس کی ذمہ داریاں" تقریر کی اور اساتذہ کو طلبہ کے لئے اتفاق و اتحاد کا نمونہ پیش کرنے پر زور دیا۔ مولوی محمد جمال الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ ابراہیم پٹن نے اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ دیہی مدارس کی ترقی دیہی ادھار پر مبنی ہے۔ اکرم النسا بیگم صاحبہ صدر معلمہ اردو نسوان کاماریڈی نے تقریر کی کہ مدارس اناث کا نصاب بلحاظ ضروریات زندگی جداگانہ ہونا چاہیئے۔ مولوی حسین خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ یہلا نگنے اشاعت تعلیم بالغاں پر ایک مضمون پڑھا۔

صدر نشین صاحب نے اجلاس دوم کے اختتام پر انجمن کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس سے اساتذہ میں پیشہ مدرسی سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور ٹرینڈ مدرسین کو جدید مسائل تعلیمی سے باخبر ہونے اور ان ٹرینڈ مدرسین کو ٹرینڈ مدرسین کے تجربات سے استفادہ کرنے کے مواقع ہدست ہوتے ہیں۔ پھر کانفرنس کے لئے محدود پروگرام اور ایک ہی مضمون کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت بتلائی اور طریقہ تعلیم پر خاص توجہ کرنے کا مشورہ دیا اور قلت گنجائش کے مدنظر سررشتہ کے لئے ادویہ کی فراہمی کو ایک مشکل کام بتایا البتہ دیہی طلبہ میں صفائی کی عادت ڈالی جائے اور حفظ صحت کے اُصول سمجھائے جائیں اور متعدی امراض میں جو طلبہ مبتلا ہوں اُن کو مدرسہ آنے سے روکا جائے اور طلبہ کے والدین سے تعاون عمل کرتے ہوئے ناکافی اور ناموزون غذا کے متعلق ضروری تدابیر اختیار کی جائیں کیونکہ اس کا طلبہ کی صحت پر گہرا اثر پڑتا ہے طلبہ کی دیر قیامی پر جو کچھ کہا گیا تھا اس کو دلچسپ بتایا پھر فرمایا کہ تعداد طلبہ میں تو اضافہ ہو رہا ہے مگر خواندہ اشخاص کے اعداد و شمار میں اضافہ نہیں ہو رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ طلبہ کو مدرسہ چھوڑنے کے بعد پڑھنے لکھنے سے کسی طرح کا مس نہیں رہتا۔ اس کا انسداد مقامی اور سفری کتب خانوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے پھر تعلیم بالغان پر زور دیا۔ نصاب کے متعلق فرمایا کہ تعلیم کی اصلی غایت دماغی تربیت ہے جس کے لئے نصاب مرتب کیا گیا ہے پس مدرسین اپنے سبق کو دلچسپ بنائیں اور ماحول سے اپنی تعلیم کو مربوط کریں طلبہ کو زائد از نصاب مصروفیات میں منہمک رکھتے ہوئے موجودہ مسموم فضا سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اس خصوص میں اولیاء طلبہ سے تعاون عمل بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد کارپردازانِ انجمن و شرکاء انجمن کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے تقریر ختم فرمائی۔

اجلاس سوم بصدارت مولوی محمدؐ عبدالرشید صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی مہتمم تعلیمات منعقد ہوا۔ مولوی عبدالحلیم صاحب نے تاریخ پر اور مولوی خیرات علی صاحب مددگار رفیق شعبہ نے میک انگلش پر سبق دیا۔ اسباق پر اساتذہ کے باہمی تبادلہ خیالات کے بعد کانفرنس کا یہ اجلاس ختم ہوا۔

ادارتی مقالہ

تیسری سالانہ کانفرنس انجمن اساتذۂ کل حیدرآباد

امسال انجمن کی تیسری سالانہ کانفرنس، ایک قدیم تاریخی شہر اور سلاطین بہمنیہ کے پائے تخت گلبرگہ میں منعقد ہوئی جو چند خصوصیات کی حامل ہے۔ یہہ پہلا موقع تھا کہ کانفرنس کا اجلاس بجائے شہر حیدرآباد کے مستقر صوبہ پر منعقد کیا گیا۔ بلاشبہ یہہ مبارک اقدام تھا۔

دوسری قابل ذکر خصوصیت یہہ تھی کہ کانفرنس کا خطبۂ استقبالیہ پہلی مرتبہ ایک غیر سررشتہ کی ممتاز ہستی نے دیا جو اپنی اعمالی حیثیت کے باوجود اس فن میں گہری نظر اور ذوق طلب رکھتا ہے۔ نواب غوث یار جنگ بہادر صوبہ دار گلبرگہ نے اس خطبہ میں بجا طور پر اولیاء کے اشتراک عمل، پبلک کے جمود، تعلیمی فنڈ کے قیام اور غیر خالصہ علاقوں میں توسیع تعلیم کے ذرائع پر روشنی ڈالی اور زور دیا ہے۔

تیسری قابل ذکر خصوصیت یہہ تھی کہ اس کانفرنس کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم۔ اے۔ آکسن صدر المہام فینانس اور تعلیمات جیسی مایۂ فخر و ناز ہستی نے فرمائی جس کی مربیانہ توجہات اور نوازشات کی انجمن رہین منت ہے اور جس نے علمی اور تعلیمی ذوق ورثہ میں پایا ہے۔ یہہ عالمانہ خطبہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کا آئینہ دار اور بیک انگریزی کے معانی و مقاصد کی تفسیر اور تعلیمی حقائق کے لحاظ سے بصیرت افروز ہے۔ ممدوح الشان کو جب کبھی پبلک مواقع پر اظہار خیال کا موقع ملا، تو مدرسین کی رہبری کسی ایسے مسئلہ کی جانب فرمائی جس کے مطالعہ کی شدید ضرورت تھی یا یہہ کہنا بجا ہوگا کہ ہم مدرسین نے اس مسئلہ کو فراموش کر رکھا تھا۔ ویسے متعدد رپورٹیں کانفرنس کے ضمن میں مرتب ہو چکی ہیں اور تعلیم بالغان کا چرچا بھی ہے! مگر اب تک نفسیات بالغان پر کوئی رپورٹ مرتب نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس مرتبہ

بضمن تعلیم بالغان ممدوح الشان نے اس کے مطالعہ کا قیمتی مشورہ دیا ہے۔ یقین ہے کہ انجمن اساتذہ آئندہ کسی کانفرنس کے لئے اس موضوع پر ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گی۔ ایک اور امر جس کی جانب ممدوح نے اپنے خطبۂ صدارت میں توجہ دلائی، وہ ہمارا دُہرا نظام تعلیم ہے۔ یہہ ہماری دُکھتی ہوئی رگ ہے۔ چنانچہ جدید اسکیم کا ذکر کرتے ہوئے اس دوعملی کے بارے میں حسب ذیل ارشاد ہوا ہے۔

"یہاں ایک اور امر بھی غور طلب ہے اور یہہ ہمارے راستے میں تھوڑی دشواری پیدا کرنے کا موجب ہے۔ یہہ ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ کو بطور ایک متوازی نظام کے برقرار رکھنا ہے۔ ثانوی تعلیم کے دُہرے نظام کو چلانا بہت بڑا نقصان ہے میں ہمیشہ سے اس خیال کا موید رہا ہوں کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج ہونا چاہیئے تاکہ ہم اپنی پوری قوت اور توجہ اس پر مرکوز کرسکیں۔ جب تک نظام کالج کا الحاق جامعہ مدارس سے قائم ہے ہمیں دُہرے نظام تعلیم کا بار مجبوراً برداشت کرنا ہی پڑے گا۔"

کانفرنس کی چوتھی خصوصیت وہ گراں بہا ادب ہے، جو سال بسال رپورٹ کی صورت میں جمع ہوتا جارہا ہے۔ سال حال حسب ذیل کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں۔

(۱) معذور اطفال کی تعلیم (۲) تحتانی تعلیم (۳) ثانوی تعلیم (۴) اعادی نصاب اور (۵) تعلیم نسوان۔

ان ذیلی کمیٹیوں کی اکثر سفارشات قابل لحاظ اور نتائج تحقیق بصیرت افروز ہیں، جن سے رسالے کی آئندہ اشاعتوں میں استفادہ کیا جائے گا۔

آخر میں ہم کارکنان و منتظمین کانفرنس کو کانفرنس کی کامیابی پر دلی مبارکباد دیتے ہیں۔

It must be owned that in many schools the teaching of grammar and composition is still in a state of anarchy. Text books published on these subjects even at the present day have made no noticeable effort at following a simplified common terminology or at ceasing to be prosaic. Broadly speaking, for the entrance examination of any University, a candidate has to learn under 'Grammar' so called—analysis and parsing; and under 'composition'—transformation of sentences with special reference to direct and indirect narration, paraphrase, paragraph structure, punctuation, using certain current idioms in sentences and writing a precis, a letter or an essay. It will thus be seen that the requirements of the examination are by no means in conflict with, or in excess of, the demands of the language. Therefore, the study of grammar and composition, far from being arbitrary or unreal, must be a real study of the working of the human mind as expressed in language.

"The Junior English Composition" is a refreshing change from the common run of books on composition. It is human. The examples given contain valuable information on up-to-date topics and sparkle with humour. Even a mere reading of the illustrations and exercises is sure to widen a pupil's knowledge of men and things and make him wiser. Prof. Speight has anticipated in a remarkable degree the stumbling blocks of Indian students in learning English, by reason of his long and interesting experience of teaching and examining in India and the Far East. The book is extremely useful for the Junior Classes of our High Schools.

T. A. LINGAM.

address in Urdu. This was very much welcomed and appreciated by the audience. The Hon'ble the President had good reasons to break away from the tradition of reading the address in English, and we think it is time that Urdu was given its right place in all our social activities.

Three very interesting lectures were delivered at the Conference—one by Mr. Syed Mohammad Azam on 'Discipline', one by Mr. Syed Ali Akbar on 'School Inspection', and one by Mr. Ahmad Husain Khan on 'Basic English'. These lectures were of great practical value to teachers.

The exhibition organised in connection with the Conference was, we think, not up to mark nor in keeping with the dignity of the All-Hyderabad Teachers' Association. Both in quality and quantity the exhibits fell short of expectations. We hope that in future the standard set up by the previous exhibitions will not be allowed to fall.

The sectional meetings, the Scout display, the book-stalls. opened by the Oxford University Press and Messrs. MacMillan & Co., and finally the Social, added variety and interest to the conference, which, thanks to the untiring efforts of Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur and Messrs. Mohiuddin Ahmed Razvi, Zulfiquar Ali Haqqani and Rai Shambu Pershad, proved to be a great success.

Review

JUNIOR ENGLISH COMPOSITION

BY

E. E. Speight.

Publishers: **Messrs. Longmans Green & Co.,** **Price B. G. Rs. 1—4—0.**

Some years ago I had the pleasure of reviewing in these columns 'A High School Composition' by Prof. Speight of Osmania University. The Professor has since retired from service and the book which it is now my privilege to review is his latest literary effort from the cool heights of Ooty.

Editorial.

The Third All-Hyderabad Teachers' Conference.

The present issue is devoted exclusively to the proceedings of the Third Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association, which was held at Gulbarga in January last under the distinguished presidentship of the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, Member for Education and Finance. Gulbarga had the honour of being the first venue of the conference in a district centre since the formation of the All-Hyderabad Teachers' Association three years ago. It is in conformity with the avowed aims of the Association that it should hold its annual gatherings in important centres within the Dominions in order that teachers serving in schools situated in distant places might receive the benefits which such conferences usually confer.

Mr. Zulfiqar Ali Haqqani, Principal, Intermediate College, Gulbarga, and Rai Shambu Pershad, Divisional Inspector of Schools, Gulbarga, deserve congratulations on the excellent arrangements they made in connection with the conference. They received whole-hearted support from Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur, the Subedar, and Mr. Mohiuddin Ahmed Razvi, the First Talukdar. The valuable help which they both, especially Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur, gave contributed not a little to the success of the Conference.

In his capacity as Chairman of the Reception Committee, Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur read the welcome address, in which, among other things, he made an impassioned appeal to men of wealth and influence to take greater interest in educational matters, rightly pointing out that without their moral and material support any appreciable expansion of education was impossible.

In his illuminating presidential address, the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the President of the Conference, made pointed references to several educational problems. Contrary to established practice, he read the

intellects? In their class work books if they get a sum wrong they purposely rub it out and do it correctly. So the class-work books also soon become a collection of correct sums, and there is no record of the mistakes and the teacher has a very perfunctory knowledge of how the children are progressing. In this system no attention is given to corrections. Corrections are a very essential part of a mathematical subject. Through corrections a child teaches herself and many valuable lessons can be learnt from mistakes. Children should look through their working and find their mistake and then do their sum over again. When they get a sum wrong they should leave the incorrect sum intact, not rub it out but do it again with a heading of 'correction' on top. In conclusion, the following is my message to you:—

1. Remember that you are training the mind, so do not deal in abstractions that are not understood.

2. Remember that you are teaching not merely with the examination in view, but knowing what is taught is of practical use to the student in her daily life outside the classroom.

3. Remember that method and representation are fundamentals.

I will now deal with good and bad methods of teaching certain principles in arithmetic. In modern method, as far as possible, marginal working is eliminated. We are expected to do a sum in the most straight forward manner and in such a way that the reasoning is logically put down step by step.

mentally should be put down. The example should comprise processes of logical reasoning, each stage of which is intelligibly represented. *In military examinations the questions are supposed to be answered in the fewest words possible. The student must go straight to the point and state his case based on facts as briefly as possible. Each extra word means a loss of marks. That is what we want to train our children to do in arithmetic.* Statements must show intelligibly how the example has been reasoned out. They must be accurate at every step and yet *an unnecessary word or piece of working should be avoided.* I believe the following method is used in some of the schools:—The page is divided into two columns. In one the question and the answer is written out. The other half of the page is covered with a jumble of figures called working with no word of explanation. I think you will agree with me that this is a most undesirable way of representing a problem. Copying out the question is unnecessary and a waste of time. The children often make mistakes in spelling etc., and the answer arrived at in an obscure manner should not receive credit. Further, in the jumble of figures at the side the processes are unintelligible. It encourages laziness in the teacher because she looks only at the answer. It also may lead to dishonesty among the pupils who can easily copy down correct answers. Most schools allow their children two books for arithmetic, called fair and rough books. In class they work in pencil in their rough books. After sums have been corrected, for homework they copy the correct sums from their rough into their fair books. So the fair book is a collection of correct sums or rather it is supposed to be a collection of correct sums, but I am sure they make mistakes in copying although the answers may be right. Consider the useless labour, the same examples have been done twice. I believe these books are compiled in this way so that they may learn from them for examinations. Fancy learning off sums by heart! Does it not mean that they are losing sight of the principle underlying the sum, and that the examination paper is going to stimulate their memories and not their

their knowledge with the problem in question? They sit down with pencil and paper to calculate something they ought to be able to do mentally in a few seconds. It is the teacher's business to bring the problems of life into the classroom and make arithmetic realistic and practical. The examples set should not involve long calculation requiring more than the capacity of the average child, and they should also be chosen so as to excite intellectual effort. Variety and originality are essential. Each new example should present some fresh element on which thought may operate.

3. Method and representation of an example in arithmetic are fundamentals in the teaching of this subject. When a new principle is being taught, the teacher often goes to the board and after a brief explanation she does an example on the board and then she says to the class "now you do a few". This is not sufficient. The principle should first be taught where possible through the senses with concrete objects that can be handled as an experiment. Abstract explanations are very uninteresting and difficult for the child-mind to grasp but anything in the nature of an experiment immediately arrests and holds the attention and is not afterwards easily forgotten. Then the teacher should analyse the processes used from the start to the conclusion. Next she should set the class simple problems illustrating the principles and these should be done orally by the class. When the principle has been clearly understood the teacher should go to the board and do a more difficult example discussing with the children the best representation of the process. This brings us to method. Method in school work is of great importance. The best methods for the teaching of each principle should be chosen by the head of the mathematics department and carried on from class to class. There would be hopeless confusion if A taught a certain method in Standard III and B taught a totally different one for the same principle in Standard IV. A good method is quick, neat, clear, accurate at every step, concise but comprehensive. *No working that can be done*

Thirdly, we are teaching a subject of which the representation should read as harmoniously as an essay and yet be as clear and concise as a map.

Now let us consider each of these aims in turn.

The training of the mind.—We often forget that it is not our aim merely to teach our children how to perform accurately certain mathematical calculations so that they may pass in one of the compulsory subjects of most examinations. We are really training the mind; and mathematics properly taught provides an excellent discipline, especially in reasoning. It sharpens the intellect, making it more active and alert, and it leads to habits of concentration and application which influences a child's progress in all subjects. Although the faculty of reasoning attained through mathematical training may not directly help a child to reason in other subjects, yet a power is gained which can be applied in most operations and the mind becomes analytically critical in all its thought.

Mathematics is a form of an almost perfect deductive science in which every conclusion is deduced from evidence which can be examined. In ten years a lot can be achieved if we teach it on the right lines.

2. Secondly, we are equipping women to discharge in a capable way their affairs at home and as members of society. We are often too narrow in our conception of the subject and that is why we limit its sphere of action to the class-room. The mechanical solution of sums and problems worked according to certain known types soon becomes a monotonous, uninspiring drudgery.. The unimaginative child, good at figures, will do well to start with but will not get far, and those children who find calculations difficult will develop a complex that they just cannot do arithmetic and that it is no use trying. Both groups will grow up into women seriously handicapped in life. It is impossible to spend a single day of one's life without making some practical use of arithmetical knowledge, and how often people flounder and cannot link

Department to take immediate steps to give effect to our proposals so that in the summer of this very year we may see a number of Refresher Camps organised at different centres and work started in them in right earnest.

(Sd.)	1.	Mr. Sajjad Mirza	*Chairman.*
,,	2.	Mr. G. S. Prakash Rao	*Secretary.*
,,	3.	Miss J. Nundy	*Members.*
,,	4.	Mr. Mir Ahmed Ali Khan	
,,	5.	Dr. D. O. Shendarkar	
,,	6.	Mr. Syed Md. Ali Bilgrami	
,,	7.	Mr. Ziauddin Beg	

WOMEN'S POINT OF VIEW

* The Teaching of Arithmetic

BY

Miss M. Nundy,

Vice-Principal, Mahboobia Girls' School.

In this preliminary meeting it is my intention merely to outline certain general principles which we should keep before us all the time and on which as a basis we should build our work. Later we shall divide it up into groups and get down to details and actually study methods which carry out the principles I have suggested.

As teachers of arithmetic we should have a very clear conception of what we are aiming at. To me it seems that our aim is threefold:—

Firstly, we are training the mind.

Secondly, we are equipping women to discharge in a capable way their affairs at home and as members of society.

* A paper read at the Women's Sectional Meeting.

classes along with men, but separate arrangements for boarding and lodging at camp should be made for them. The Committee fully realise the difficulties with regard to the arranging of a camp exclusively for women teachers who observe 'purdah'. For such teachers classes will have to be organised in some centrally situated place where suitable arrangements could be made. Whatever the details regarding these arrangements, we must say that Refresher Courses for women teachers are even more important than for men. As matters stand, the generality of women teachers have less opportunities of refreshing their knowledge than men have; and in view of the increasing importance that we have learnt to attach to the education of girls it is imperative that we should organise Refresher Courses for women teachers on lines which are equally efficient with those on which we organise courses for men. The number of trained women teachers being very small, a certain number of untrained women teachers may also be admitted to these courses.

Conclusion.—We may be permitted to say in the end that the most essential thing that is required is not money so much as a realisation of the great benefit that results from Refresher Courses. If this condition is fulfilled, we are confident that funds will be forthcoming easily. We find that in various parts of India Refresher Courses have already begun to be organised and much useful work is being done. Will our State which has in recent times given the lead to the rest of India in several matters pertaining to education lag behind in this respect? We think not. And we hope that, especially in view of the introduction of the Reorganisation Scheme and the need for teachers to adjust themselves to the change in outlook as well as in the courses of study, Refresher Courses will be launched in a methodical manner before long at various centres in the Dominions and the fact of our being late in the field should make us redouble our efforts. We appeal to this Conference to take a keen interest in the matter of Refresher Courses and to the Educational

in the budget of each Training School for the utilisation of these savings for Refresher Courses.

Study circles.

Study circles should also form an important feature of Refresher Courses. Topics for discussion in study circles may be on these lines :—

(a) Recent developments in Educational theory and practice.

(b) Current problems such as diet plans, boarding houses, strength in schools, school buildings, furniture, playgrounds, games and so on.

(c) Controversial subjects such as, for instance, Co-education, Shift System, Compulsory Primary Education, School Hours, Revision of holidays, adoption of Roman script for all the Indian languages etc.

(d) The new re-organisation scheme and its implication

(e) The new subjects of the curriculum.

(f) Difficulties which teachers experience in the class-room, examinations and so on.

Issue of Certificates.

The Committee recommends that a written test should be held at the end of the course and a special entry made regarding the result of the test in a certificate to be issued to teachers at the end of the course. The certificate will contain entries regarding attendance of the teacher at the course, a general remark regarding the interest evinced by the teacher in the course and details regarding his qualifications, period of service, institution from which he was deputed to take the course and so on.

Refresher Courses for Women Teachers.—With regard to Refresher Courses for women teachers, the general lines of organisation have to follow the lines suggested for men. Women teachers who do not observe 'purdah' may attend

'lives and moves and has his being,' day in and day out. A camp like the one suggested will provide a refreshing atmosphere that is badly needed for a Refresher Course and no effort should be spared in carrying out this suggestion. It may cost a little but the good results which will flow from it will amply justify the expenditure. Most teachers who may ordinarily be reluctant to attend a refresher course will find a camp a great attraction.

The suggestion of the previous committee that Head Masters of High Schools, Inspectors of Schools and the teaching staff of Training Institutions should also be afforded facilities to visit efficient educational institutions outside the Dominions and to observe the different experiments that are being carried on there, has our full support, but it should be incumbent on them to submit reports which should be circulated.

Syllabuses.

5. With regard to the question of detailed syllabuses, the Committee is of the opinion that representatives of Head Masters of High Schools, and Inspectors of Schools and Superintendents of Training Schools should be asked to draw them up in consultation with the Principal, Osmania Training College. The syllabuses suggested by the previous Sub-Committee will be found helpful in the matter. Model lessons and discussions should figure largely in the programme of work.

Financial aspect.

Regarding the financial aspect of the problem we have nothing fresh to add to the recommendations of the previous Committee. Considering the immense benefit that accrues to teachers from these courses and the increase in efficiency that is bound to result in the methods of teaching at schools it is hoped that the Educational Department would find the necessary funds for the purpose. The Committee understands that the amount budgetted for teachers in Training Schools under 'Wazaifs' shows a balance every year owing to various causes. The Department may look into this source and make a provision

ing and that a teacher who attends the Refresher Course in a year will attend it again after five years. To begin with, we suggest a sort of five year plan whereby not only all grades of teachers in schools but also the subordinate Inspecting agency and Head Masters of Middle and Primary Schools will have to attend the course. Our suggestion is that a beginning should be made with Nazirs and Head Masters of Middle Schools in the first year at four centres, the three Normal Schools and the Training College. On a rough calculation there are about 50 Nazirs and 100 Head Masters of Middle Schools in the Dominions and it should be very easy to arrange courses for them at these four centres. In the second year more centres should be opened, perhaps at all District Head quarters. The Head Masters of all first class Primary Schools will attend the course this year. In the remaining three years all teachers of different grades should attend the course and the number of centres must be increased. Courses for graduate teachers will be arranged by the Osmania Training College while for other grades of teachers arrangements should be made at other centres. The Head Masters of Middle Schools and Nazirs who attend the course in the first year should be called upon to co-operate with the staffs of the Training Institutions in running the course at the various centres during these three years. Co-operation of other experienced officers and teachers will necessarily have to be enlisted in this work.

In selecting centres it is not always necessary to think of District Head Quarters and such other places only. Climate and interesting environment should be the guiding principles in the selection of centres.

Camps as centres.

The idea of organising a camp in healthy and picturesque surroundings for this purpose should, wherever possible, be worked out. It will be found to be a very interesting project and it will provide the teacher attending the course the much-needed change from the monotonous surroundings of a school room where he

examinations and showing an increase in the number of pupils at school at the end of the year, are signs of efficient discharge of duties. Firstly, there is no interest in study among the bulk of our teachers Secondly, there are not enough facilities for them to pursue their studies. Thirdly, opportunities are not provided for making them feel the need for refreshing the knowledge previously obtained by them. It is a great drawback in our educational organisation that no arrangements have so far been made for Refresher Courses. The Conferences that have now came to be held under the auspices of the Educational Department and the journals which are being published serve, no doubt, a useful purpose, but until a Refresher Course is started on proper lines, no such interest will be aroused among teachers as will keep alive in them a desire to refresh and to add to their stock of information.

Types of Courses and time for holding the courses (2 & 6.)

2. As regards the types of Refresher Courses the Committee suggests: (1) a course extending over a fortnight just before the summer vacation for Head Masters of Middle and Primary Schools and Nazirs and (2) a course extending over three weeks, the last 15 days of the summer vacation and a week after the re-opening of the schools after summer, for assistant teachers. Model lessons are not very necessary for those attending the 1st type of course. For teachers attending the second type of course lectures in theory and discussions can be held during the first fifteen days and model lessons can be given in the third week when schools will be reopened and boys will be available for the purpose.

Persons for whom the course is meant and centres.

3 & 4. With regard to persons for whom the course is meant, this committee has some modifications to suggest to the recommendation of the previous committee while adhering to the general principle enunciated by it, viz., that the course should be for teachers who have had previous train-

In addition to these recommendations, a comprehensive scheme of studies was also drawn up by the Sub-Committee for the various grades of teachers who would attend the Refresher Courses.

This report was sent by the Director of Public Instruction to the Principal, Osmania Training College, who, while expressing general agreement with it, suggested certain modifications and alterations as regards details.

In the light of this correspondence and other fresh materials which were made available to us we subjected the findings of the earlier committee to a *de novo* enquiry and considered the subject in its varied aspects under the following heads :—

1. The need for Refresher Courses.
2. Types of Refresher Courses.
3. Persons for whom they are meant.
4. Centre and Personnel.
5. Contents of the various types of courses.
6. Time of the year for holding the course.
7. Its financial aspects &
8. General recommendations.

The following are our conclusions :—

Need for Refresher Course.

1. As regards the need for refresher courses, we have not much to add to the recommendation of the earlier committee except to say, as the Principal, Osmania Training College states in his report to the Director of Public Instruction, that even in countries where teachers evince great interest in their profession and regularly read literature on Pedagogy and educational journals and contribute to such journals, the need for refresher courses is felt. Teachers are assembled at a centre at certain periods of time to listen to talks by educational experts and to discuss their difficulties with them. In our country there is something wrong with the atmosphere. It has come to be considered that producing good results in

The following is a summary of the recommendations of the Committee appointed by the Educational Officers' Conference in 1346 Fasli :—

1. There is need for a Refresher Course for teachers, so that they may refresh their minds at certain intervals and infuse them with fresh spirit and knowledge as this is of paramount importance to a teacher.

2. There are various types of Refresher Courses; but to begin with, the kind of Refresher Course which might be organised should take the form of an intensive course of training extending over a fortnight.

3. Persons for whom the course is meant would be mainly teachers who have been previously trained and who have worked in an educational institution for not less than five years. They should attend the course every five years. Others interested in education might also be permitted to attend the course. It is also desirable to give opportunities to teachers at Training institutions to visit similar institutions in and outside the Dominions. Similarly, Head Masters of High Schools and Inspectors of Schools should be given opportunities to refresh and extend their knowledge.

4. The Training Schools at the various Subah Head Quarters and the Training College at Balda would be the centres for this work which would be conducted by the heads of these institutions assisted by the members of their staffs.

5. The contents of the course will be in two parts, theoretical and practical. Emphasis should be laid on the practical side of the work.

6. Regarding the time of the year for holding the course there are three alternatives, the most suitable of these being the winter vacation with a week added to it.

7. Travelling and daily allowance to teachers attending the course and suitable remuneration to the teaching staff should be paid by the Education Department.

8. To make the course effective, outlines of lectures and notes of model lessons delivered should be given to teachers and a good deal of writing work should form an important feature of work done by the teachers taking the course.

9. Heads of Training Institutions should submit reports regarding the work done by individual teachers and offer suggestions at the end of each year's course for future guidance.

10. Similar courses with necessary modifications should be provided for women teachers also.

the children may make themselves useful members of society as early as possible.

10. The sub-normal children need comparatively greater individual attention; groups should however be formed so that class teaching is made possible.

11. Arrangements should be made for such practical work as will enable the children to make useful articles. They will thus be made to earn their livelihood in future, and the sale of the articles may lighten the burden of the school expenses to some extent.

12. Special vocational and industrial bias should be imparted to practical work in the final class. This will enable the children to earn their livelihood soon after they leave the school instead of their being a burden on society.

13. A guidance committee should be formed to advise on the future welfare of these children and to arrange for their employment.

Refresher Courses for Teachers.

Report of the Sub-Committee.

The Sub-Committee had before it the following materials :—

1. A report on Refresher Courses prepared for the Educational Officers' Conference which was held in Shehrewar 1346;

2. The correspondence on the subject between the Director of Public Instruction and the Principal of the Osmania Training College; &

3. The resolution adopted at the Hyderabad Teachers' Conference in 1340 Fasli.

Recommendations :—

(*a*) *The Deaf and the Blind.*

1. A bus should immediately be provided for the conveyance of students in the City.

2. A Boarding-House should be established to provide accommodation for the Deaf and the Blind from the Districts.

3. Though it is a matter for great satisfaction that a beginning has been made in the field of the education of the deaf and the blind, yet one small institution for a big State like ours is not enough.

4. The school started is a combined school for the deaf and the blind. But the Committee is of opinion that in view of the different requirements, there should be separate schools for the deaf and the blind.

5. As the public is not fully alive to the urgent need for the education of the deaf and the blind and often expresses its sympathy with these unfortunates on wrong lines, steps should be taken to educate public opinion on the right lines so that it might assert itself and result ultimately in changing their lot for the better.

(*b*) *The Feeble-Minded.*

6. Individual, group and performance tests should be prepared for the mental survey of all the children of school-going age in the Dominions.

7. Special schools should be opened for feeble-minded children.

8. As far as possible, all such schools should be residential institutions.

9. The course of study as well as the method of teaching in these special schools should be different from those in the schools for normal children. Only such subjects should be taught as are of great utilitarian value, so that

valuable lessons on the side of morality. Exhibitions like these should give an opportunity for teachers to understand the peculiar aptitudes of different students and of their possibilities and limitations. To achieve the above aim a comprehensive curriculum and classification of objects to suit the varied attainments and tastes of students, were prepared after careful thought and consideration, and circulated amongst all the schools of the Dominions. But the Exhibition is not so representative of the whole Dominions as the Conference is.

Further, in spite of the appreciation shown by the Judges and the visitors, the Committee feels it its duty to draw the attention of the Heads of the Institutions to the fact that prize-winning should not be their sole aim. They must develop the aptitudes of their students whose best individual efforts only should find a place in the Exhibition. The Committee appeals to the Inspecting Officers to pay particular attention to this aspect of the work in schools.

Finally, the Committee tenders its sincere and heartfelt thanks to Mr. S. Z. Haqqani and to Rai Shambu Pershad for their valuable and unstinted support.

Report of the Proceedings of the Sectional Meeting on the subject of Education of Defectives.

The report on the Education of the Defectives which was prepared under the presidentship of Dr. D. D. Shendarkar was read in Urdu at the Third Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association held at Gulburga on Wednesday 30th Beh. 49 F. Mr. Ahmed Hussain Khan, Divisional Inspector of Schools, Balda Division, was in the chair.

After a short discussion the following recommendations made by the Sub-Committee were unanimously adopted:—

Judges :—Mr. Ali Akbar, Mr. Md. Osman, Miss J. Nundy, Miss D. Nundy and Noorun Nisa Begam Saheba very kindly undertook the onerous task of judging the Exhibits and awarding the prizes.

Judges' Opinions and Remarks.—The Art work of Nutan Vidyalaya was highly appreciated by the Judges. The exhibits were prepared according to the classification. The Judges remarked that the teachers' work showed originality but that it should have been simpler.

They specially commended Mat and Nawar weaving, and expressed their gratification at the fact that a large number of small aided girls' schools had sent in their exhibits. The Committee feels grateful to the Judges for their labour of love.

Prizes Alloted in the Form of Certificates

Special Prizes	....	....	22
First Prizes	....	....	33
Second Prizes	....	....	23
Total Prizes	....	....	78

A special cup was awarded to each of the following :—

(1) Nutan Vidyalaya High School
(2) Chaderghat High School
(3) Raichur Girls' Middle School
(4) Shanti Sadan Girls' Middle School
(5) Mr. Mohammed Moinuddin of Gulbarga Teachers' Training School.

The Committee wishes to observe that the Educational Exhibition should not be treated as an adjunct to the conference but it should be treated as an essential part of it. As a matter of fact, equal importance must be attached to both. The object of such an Exhibition should be to promote friendly rivalry amongst students, rouse their imagination, provide an outlet to their constructive genius, cultivate their powers of observation and develop their artistic sense. It should also engender a spirit of corporate feeling, besides imparting

Report of the Exhibition Committee

BY

K. N. Ramanujachari, B. A., B. T.,
Secretary, Exhibition Committee.

The Educational Exhibition in connection with the third Annual Conference of The All-Hyderabad Teachers' Association was held at the Teachers' Training School Gulbarga. The Committee which organised this work was presided over by Mr. M. A. Razvi, H. C. S., First Taluqdar, who evinced a very keen interest in all its deliberations. It was fortunate in having as one of its members Miss J. Nundy, Inspectress of Schools, Balda, who guided and helped it at every stage of its work. Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the moving spirit of the Educational Department, performed the opening ceremony of the Exhibition.

No. of Schools that sent Exhibits:—

High Section	 8
Lower Secondary Section	 22
Upper Primary Section	 18
Lower Primary Section	 7
Teachers' Section	 23
Varieties of Exhibits	 25
Total No. of Exhibits	 676

Arrangement of the Exhibits.—

The majority of the exhibits were not received in time, nor were they classified according to instructions. The Committee was therefore put to great trouble in classifying and arranging them.

Miss D. Nundy, Superintendent of Madarasa Aliya, Primary Section, devoted much of her valuable time to classifying and arranging the exhibits of the Girls' Schools and lady teachers in such a way that in this section art beauty, and utility were set off to great advantage. The Committee cannot adequately thank her for her help.

Women Teachers' Association, Raichur.—During the annual conference of the District Teachers' Association Raichur special arrangements were made for women teachers. It was decided to start a Women Teachers' Association for the Raichur District. All the women teachers of the District have been enrolled as members.

Women Teachers' Association, Aurangabad.—This Association was formed in Aban 47 F. when Miss. J. Nundy spoke on the need for its formation and its advantages. Six meetings were held in 48 F. and discussions on subjects like attaching boarding houses to High Schools, music teaching in girls' schools, compulsory primary education and adult education took place. There was also a model lesson on Basic English.

Statements of Accounts of the All-Hyderabad Teachers' Association:—

INCOME.	Rs.	A.	P.	EXPENDITURE.	Rs.	A.	P.
Balance brought forward	297	7	0	Stamps	12	4	4
Affiliation fees ...	147	0	0	Stationery	10	5	0
				Allowances	58	0	0
				Printing	12	4	0
				Miscellaneous Expenses	2	3	4
				Balance carried forward	349	6	4
TOTAL ...	444	7	0	TOTAL ...	444	7	0

Mr. Baqar Mohiuddin, Commerce Lecturer, was kind enough to audit the accounts of the Association.

Conclusion.—In conclusion I must express my grateful thanks to the members of the Reception Committee for the trouble they have taken in organising this year's Conference.

K. B. AIYER,
General Secretary.

The Teachers' Recreation Club, the Library and the Reading Room are very popular and play an important role in the activities of the Association.

8. *Gulburga College Association.*—Both the sections of the Association severally controlling the curricular and the extra-curricular activities of the School carried on their work satisfactorily. The attendance at the Teachers' Club is very encouraging. The Association has started a poor fund.

9. *Aurangabad College.*—The political agitation affected adversely the activities of the Association, but the prompt formation of sub-committees to tackle the grave situation caused by strikes quickly restored normal conditions. The Sub-Committee on 'The Teaching of English' continued its work during the year under report and 'Now Ras', the Quarterly, was also continued. An interesting experiment in Adult Education was tried by Mr. Md. Yakub Khan.

10. *Chaderghat High School.*—The General Body met twice and the rules of the Association were revised. The Executive Committee met four times. Four subjects were taken up for discussion in the Sub-Committees and two socials were arranged.

Women Teachers' Association, Balda.—This Association has 6 branches. Monthly meetings were held at each branch according to a pre-arranged programme and methods of teaching were discussed. Experiments were made on the Dalton Plan and the Project Method. Lady Tasker presided over the Annual Conference. Mr. Syed Ali Akbar spoke on the syllabus of the Lower Secondary Schools and Mr. Syed Md. Jafer on the new Art Course.

Women Teachers' Association, Warangal.—The programme of the Annual Conference included, among other items, demonstrations in Physical training and games and a discussion on the teaching of Basic English. Model lessons on Telugu and Urdu were also given.

2. *Aurangabad Division.*—Circulating libraries for rural areas have been started by all the District Associations. The introduction of uniforms in schools and the publication of a quarterly journal for teachers are under the consideration of the Association. Women teachers took a keen interest in the programme of work set for Girls' Schools.

3. *Medak Division.*—The largely attended *Mushaira* held under the chairmanship of Dr. Abdul Hakeem and the Common Dinner for all members arranged on the occasion of the Annual Conference were the special features of the activities of the Association during the year.

4. *Gulburga Division.*—The Executive Committee met for five times. The control of Associations in the Middle Schools was transferred from the respective District Associ-tions to the Subah Association. A special lecture was arranged when Mr. Syed Ali Akbar addressed the members of the Association and clarified various issues arising out of the introduction of the new scheme. District Associations have started their own libraries. The starting of a Subah Association library, the publication of a teachers' journal and the formation of a co-operative society are under consideration.

5. *Teachers' Training College Association.*— This Association followed its routine of weekly meetings on Sundays and paid special attention to the question of teachers making their own appliances for class-room work.

6. *City College Association.*—Five Sub-Committees were formed to tackle the problem of teaching English, Science, Geography, History and the Mother-tongue respectively on up-to-date lines. They functioned throughout the year. Mental tests and new methods of Examination are also being considered.

7. *Warangal College Association.*—The General Body met twice and the Executive Committee thrice. There were 36 meetings of the Sub-Committees for the various subjects and they did intensive work during the year under report.

Secretary, in place of Mr. Khairat Ali in consequence of the latter's transfer to Jagtial.

The quarterly organ of the Association, "The Hyderabad Teacher", has continued its efficient service. Rev. F. C. Philip, who was away in England for over two years, has now come back and rejoined the Editorial Staff. Very few articles are received from the districts. I appeal to all members of the Association to take greater interest in this Journal and contribute useful articles.

Affiliated Associations and their work.—There are now 12 affiliated associations, the same as in the previous year. All the associations did very useful work. The Divisional Associations at Hyderabad, Aurangabad, Medak and Warangal held their own annual conferences and educational exhibitions. The branches of Subah Associations followed carefully the programme of work set by the Subah Associations. Topics connected with school work were discussed in all school associations and demonstration lessons on various subjects were also given.

1. *Balda Division.*—This Association has 13 branches with nearly 1,000 members. The Executive Committee met four times. A Sub-Committee for 'Primary Education in City Schools' functioned throughout the year and drew up a report. The discussions in the monthly meetings centred round some aspect or other of Primary Education. The Bureau of Extra-Curricular Activities held competitions in Gardening for all schools, in elocution for secondary school boys and in dialogues and recitation for primary school children. The Exhibition which was held along with the annual conference had many novel features. The Teachers' Club expanded its activities by opening a Tennis Court and arranging for socials and excursions. Tournaments in the various games for teachers were held. The library with a Reading Room and a Radio attached to it is becoming more and more popular.

Report of the General Secretary, All-Hyderabad Teachers' Association

for the Year 1348 Fasli (1938—39.)

It is my privilege to place before you the report of the work done by the All-Hyderabad Teachers' Association since the last annual conference. Thanks to the persistent endeavours of Messrs. Zulfiqar Ali Haqqani and Shambu Pershad and the ready and active co-operation of Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur, we have been enabled this year to hold our Conference for the first time at a Subah Head-Quarters, Gulburga.

Five Sub-Committees were formed to draw up reports on the following subjects :—

i. Secondary Education with Mr. Md. Hafizullah as Chairman and Mr. P. V. Subba Rao as Secretary

ii. Women's Education with Miss Jessie Nundy as Chairman and Mrs. Tahniat Akram as Secretary.

iii. Primary Education with Mr. Shaikh Abul Hasan as Chairman and Mr. Md. Ahmadulla as Secretary.

iv. Refresher Courses with Mr. Sajjad Mirza as Chairman and Mr. G. S. Prakash Rao as Secretary.

v. Education of Defective Children with Dr. D. D. Shendarkar as Chairman and Mr. Tauqir Ahmad as Secretary.

It will be remembered that reports on Secondary Education and Women's Education were presented at the last Conference. With a view to tackling the problems arising out of the introduction of the re-organisation scheme and the new Lower Secondary Syllabus it was found necessary to appoint committees for these sections again this year.

The reports of the above-mentioned five Committees will be placed before you during the 2nd and 3rd sittings.

During the year under report the Executive Committee met twice. Mr. Md. Ali Bilgrami was appointed Assistant

Before I conclude I would like to say a few words to those who sneer at a knowledge of English and who think that a working knowledge is enough for our purposes. I am afraid even responsible officers in their enthusiasm for Urdu or perhaps when trying to emphasise the importance of the mother tongue, have unconsciously encouraged the impression that the mother tongue is all that we have to learn and that a working knowledge of English is enough. The trouble is that this working knowledge is nowhere and by nobody properly defined. If working knowledge means what we see now possessed by the average product of our university, it is time we revised our notions. There is no absolute standard for this working knowledge. We need only a few words of English if we have merely to make ourselves understood at a railway station or a hotel. For business purposes, for university courses, we need a sound knowledge of the language and this can only be achieved if enough trouble is taken in the early stages of English teaching. People who believe in the soundness of Osmania University and are anxious to see its standards raised and wish that its pupils would form a reading habit and learn enough English to be able normally to draw upon the latest publications in English on the subjects in which they are interested and thus bring about a real cultural renaissance in Hyderabad, should hasten to improve the teaching of English and the simplest, shortest and the most scientific method for doing this in the early stages is the introduction of Basic in all schools.

---

time the Department set about at once to put this in order. Personally I am confident that Basic will come to our rescue and save us in future from seeing such linguistic horrors.

Though I am in favour of Basic, from this it must not be inferred that everything laid down by the Basic representative, has my support. In fact from this brief experience of Basic, I have come to the conclusion that the Model syllabus prepared by Mr. Myers needs modification and that the first four books need-not two years but 3 years-and that one level practice period of two years should be reduced from two to one year and that the last two years of the Middle section should be devoted to transition work. Again so far only one transition book has been brought out. The others leading on to Normal English should be brought out as early as possible. Lastly some solution should be found for reducing the cost of books.

There are certain administrative problems which the introduction of Basic in a few schools has created. These need tackling immediately. Boys coming from Primary Schools having learnt no Basic will create difficulties in the schools where Basic has been introduced. Hence the sooner the Primary Schools start teaching Basic, the easier it would be for Middle and High school headmasters. Otherwise they will have difficulties in the framing of time-tables.

Again training just the exact number of teachers required for teaching Basic is not enough. There should be a few in reserve, doing other work and ready to replace those doing the work in time of need, for example during illness etc.

Personally I am so convinced of the utility of Basic that I would plead for its introduction in all schools even including those where the medium of instruction is English in the lower classes. As it is, these schools employ the vernacular when teaching history and geography. Even where they don't, the difficulty could be got over by asking the Orthological Institute to get a few text books on Indian history, geography and mathematics in Basic.

Now this experiment has had a life of 6 months. Though it is too early to pronounce a final judgement on its success, there are certain things which are quite clear already. In schools where this experiment is being tried, in the Third and Fourth Classes I find a complete change of atmosphere. The listless attitude of the boys to an incomprehensible foreign tongue, has been changed into one of extreme liveliness and interest in the lessons. The boys seem to have a feeling of confidence and it is a pleasure to watch them keeping up a flow of conversation within the limited vocabulary they have so far learnt. Written work is far better than what one was accustomed to see in these classes. Even in the higher classes i. e. the first three forms, boys by concentrating on certain words and constructions, are able to express themselves with greater correctness than what they did six months ago. I have a sample of papers of the 4th standard boys of one of the schools. It is a pleasure to read these and these have not been selected as being the best. I have also with me two papers of the boys who failed in the third form. When I compare their answers of six months ago to what they write now after learning Basic, I find a tremendous difference.

I have also with me 4 bundles of papers of boys of the 9th Class of a big school in Hyderabad. The boys were asked to write a page on "Any interesting incident from their experience." The answers are full of horrible mistakes and I shall read out to you a few of these. There are mistakes of (*a*) Spelling (*b*) of wrong use of words (*c*) of bad grammatical constructions. Examples :— (1) a summer holidays (2) that was a first that I went there (3) ordered to a man for breakfast (4) though but (5) I was made an interesting journey (6) could heard (7) learning the bicycle (8) did not went (9) I was great astonished (10) elapse of 5 minutes (11) My friend being mischief (12) A pleasure incident, etc., etc. These again have not been taken from the worst papers. They are found in almost all papers, over a hundred in number. If after 7 years of English in a Government school, this is the result, it is

material devised by any other system. The books prepared by the various word counters have mostly a reading vocabulary and have no supplementary books, as their limited vocabularies are unsuitable for bringing out any but the simplest stories.

In the introductory stage four books of Basic containing 850 words are first taught and then a short period is devoted in giving drill and practice in the use of words and in grammatical constructions through one level reading. For this forty more books are available. The boys learn no new words. By constant repetition, the different grammatical constructions and the meanings of the 850 words, become so firmly fixed in the minds of the learners during this one level period that all chances of error are ruled out. At the same time this work is very interesting, as the learners read (for both knowledge and pleasure) books on different topics and thus form the reading habit.

Then the period of expansion begins. Here a fresh set of books, incorporating more and more words and such rules of grammar as were left out in the introductory stage and at the same time explaining the new words in Basic i. e. in words that are already known, are placed in the learners' hands. Thus the transition to normal English is made as smooth and as interesting as possible.

I know there are people who are opposed to Basic. My own reaction to it at first was not, putting it very mildly, very favourable; but after reading a few books about Basic, on Basic and in Basic, I found that honesty demanded that I should change my views when the objections that I felt had not much force in them. I am now convinced that as a first step for the teaching of English, this is the best and most scientific method that could have been devised. Whatever I might have felt was immaterial when the Department itself saw the possibilities of the system and introduced it as an experiment in 40 of its schools.

Again idioms, which are found in thousands in the English language, have been limited. These cannot be excluded without loss of force and 'naturalness', so the inventors of Basic have selected 250 of the simplest idioms which could be easily understood by those who know the 850 words.

As a result of these devices viz., simplification of vocabulary, of idiom, of grammar, one can talk on any subject and can write or translate any book in English that is as good as Normal English. In fact the Orthological Instititute has already translated hundreds of books on different subjects. There are stories in Basic. There are books on Science, on Art, on Economics, on Architecture and Philosophy. More are being translated. A man knowing basic can read any of these books with pleasure and understanding. I shall read out a small portion from the Basic version of Bernard Shaw's " Arms and the Man ":—

" The Man: Ah, true, dear madam; you're right every time. I am conscious how good you have been to me: to my last hour I will keep the memory of those three soft chocolates. It was a most unmilitary thing to do: but it was very, very sweet.

Raina (coldly): It is kind of you to say so. And now I will do a military thing. It is not possible for me to keep you here after what you have this minute said about the man to whom I am going to be married; but I will go outside the window and see if it is safe for you to get down into the street.". . . .

You will agree this does not sound queer.

Basic was invented first as an international language. But it soon became evident that its use as a first step in the learning of normal English was equally profitable. Having words that are mostly monosyllabic and at the same time having a large proportion of simple concrete words, it lends itself to the direct method of teaching more easily than any

Medical gives :

Medical man	—	Doctor
„ book	—	Treatise
„ knowledge	—	Medicine
„ Store	—	Pharmacy etc.

In this way the Basic inventors prepared a list of 850 words.

100 operations (18 verbs etc. 20 prepositions, a few conjunctions, adverbs etc.)
200 picturables
400 names
150 qualities, 100 of these being pairs of opposites.

Now these 850 simple words in which there are only 18 verbs, are so simple, so useful, cover so many other words and are so elastic that in combination they can dispense with thousands of words. One can express any idea that any educated man, who knows 25,000 words, is capable of expressing.

Language is not learnt by merely getting up a list of words. You have to combine them in sentences. This means learning a number of rules of grammar. Even this is simplified in Basic. You have only 18 verbs instead of 120 irregular verbs whose conjugation gives so much trouble to a foreigner.

Then again the use of 'shall' and 'will', which is a source of worry is simplified by doing away with 'shall' altogether. As there are fewer verbs the converting of direct speech into indirect is made easy. The generic 'the', as it is a source of trouble to the beginners is eliminated in the first step. Learning to use 'a' and 'the' correctly is itself a nuisance. But when 'the' is again used generically as in the sentence 'the horse is a very useful animal', it is a source of confusion to beginners. The same idea can be easily expressed by saying 'horses are the most useful animals'. Lastly the subjunctive is dispensed with.

We cannot say a 'bough' of knowledge, or a 'bough' of a bank. Hence 'branch' is a much wider term than 'bough'. Hence if the list has 'bough' and not 'branch' it cannot be a scientific one.

Further Basic words are key words *i. e.* they open doors to the largest possible number of meanings. Words like 'go' and 'in' are the most important key words because when combined they do the work of many verbs.

For example :—Go in	—	enter
Go against	—	attack
Go from	—	leave
Go from vision	—	disappear
Go into	—	examine
Go off with a lover	—	elope
Go to bed	—	retire
Go with	—	accompany

Or again

Put in	—	insert
Put off	—	postpone
Put out	—	extinguish
Put on	—	wear etc.

Thus a few simple verbs—to be exact 18—with the help of 20 prepositions, give us nearly 3000 common verbs. Combination is not limited to action words only. If we have 'child', 'play' and 'room' we do not need 'nursery'. Undershirt can be used for 'vest'. Collar buttons for 'stud'.

Again the Basic words are very elastic *i. e.* they can be stretched to do the utmost work, for example merchant and and trader, doctor and medical. 'Merchant' and 'doctor' might be more common than 'trade' and 'medical'. If we have the first two, they represent only two ideas but with the latter you can dispense with a number of other words. Trader gives trade, traded, trading.

the most simple words by this method of elimination. A few examples would make this clear. To go back to the words that I mentioned like 'noise', 'say,' and 'great', if we have "noise" we can do without words similar in meaning 'squeak', 'din,' 'clang' etc. Again a word like 'dog', for example when examined was found to express a fundamental concept; other words related to it for example 'bitch', puppy etc. could be dispensed with when we know that bitch is merely a female dog and a puppy is a young dog. If we have the word 'dog' we need not have the words 'bitch' and 'puppy' and the concept of the latter could be easily expressed by a female dog or a young dog. Man again is a fundamental word. If we have man, all words that are related to it—and there are more than a dozen—could be dispensed with:—

An inmate	....	(a man in a certain place).
An octogenerian		(a man of a certian age).
A dwarf	....	(a man of a certain size).
A friend	....	(a man regarded emotionally).
A beau	....	(a man causing certain mental reactions).
A soldier	....	(a man for certain use).
etc.,		

In practice not all words are thus eliminated. If the substitute phrase is very awkward, if the word is needed very often, if other useful words can be derived from it etc., they are kept.

Again the words selected are the most useful because they are the most inclusive in meaning. Suppose for example there are two words like branch or bough. Which one should be selected? Branch in addition to having the meaning of bough is useful in conveying other ideas.

e. g. A branch of knowledge
A " of a family
A " of a railway line
A " of a bank.

to (1). i. e. noise,—are squeak, din, clang, clatter, roar, racket, hubbub, boom and hiss.

to (2). i. e. great,—are big, large, huge, vast, tremendous, enormous, immense, terrific and gigantic.

to (3). i. e. say,—are tell, mention, inform, remark, declare, state, assert, announce and reply.

If selection is made on the basis of frequency more than one word from such groups will have to be taken and the list of common words becomes too lengthy. To avoid this, another basis for selection was adopted. In Basic literature it is called the Panoptic Conjugation. This is merely a big name and frightens one. It merely means "elimination at a glance". The inventors of Basic were anxious to select words on the principle of their "usefulness". They took up a dictionary containing for example the 25,000 most common words that an educated Englishman at the age of 20 plus knows. Now they set about selecting from amongst these those words which would do most work i. e. words in addition to expressing some ideas did the work of other words. These latter were eliminated. Here the genius of the English language also helped them. You know English is a composite sort of language. Till 1066 the language of the people was Anglo-Saxon and this language contained words for all the every day needs. Then came William the Conquerer with his French and the latter became the language of the upper classes, the court and the offices, and Anglo-Saxon became the language of the poorer classes. During the course of 300 years thousands of French words became assimilated to English and English as we know it came into being. Hence for most of the things we have not merely Anglo-Saxon words but French words as well. This explains its richness and at the same time the difficulty of learning it.

Now the Basic inventors after selecting a dictionary started examining each word and analysing its meanings and comparing it with words similar in meaning. They selected

readers whether these are Rapid Readers, Palmer's Readers or New Method Readers do not easily lend themselves to the direct method of teaching. Why this is so will become clear when it is remembered that these readers have been prepared on the word-counting system. To select the words, that an Englishman uses and find out how many times each word is used, they took a certain number of books, papers etc., which an educated Englishman uses and picked out the words that occurred the largest number of times and arranged them in a descending order. The word occuring the largest number of times was given the first place, and those occuring less number of times were placed lower down. Each of these educationists then selected a certain number.

Palmer	....	1000 words.
West	....	1400 ,,
Faucett	....	2500 ,,
Tipping	....	5000 ,,

They then prepared readers in which this selected vocabulary was introduced in a graded manner in the series of readers prepared by them. No two lists of words were exactly alike though they had many words in common. This was due to the fact that each one selected the most common words from the material of his own choice. From this it was hoped that the path of the Indian child learning English would be smoother. The advocates of Basic English say that, the system of word-counting is so defective that this object is not gained. It leads to a selection of 'Reading words' as opposed to speaking words. It includes uncommon words, and excludes very useful words. It selects a large number of synonyms, causing a lot of confusion to learners in the beginning.

As opposed to this, the Basic method of selection is what is called selection by elimination. English is a language rich in synonyms. There are as many as 15 to 20 words sometimes giving the same sort of meaning which to a beginner cause confusion. Take for example words, like Noise, Great and Say. Words having a similar meaning :

were devising a simpler form of English, so that English might acquire an International status. The most remarkable of these was C. K. Ogden, a professor at the Cambridge University, whose researches into the meaning of words led him to make certain discoveries. As a result of this he worked out with the collaboration of a number of professors and educationists what he called "Basic English". This Basic English is also taught in a graded form. It has also got a select vocabulary. Though it was at first invented with a view to supplant artificial International languages like the Esperanto, it now lays claim to be the best approach to Normal English *i. e.* it is now claimed for it that with its help a foreigner can learn English, more quickly, with greater ease and obtain a better knowledge of its vocabulary and grammar. How far are these claims justified? This is a question that you will yourself decide. I shall try to explain in brief what the Basic method is and how it differs from the methods or systems advocated by West, Palmer, Faucett and others.

Let us first take up the latter. English is a very rich language. It contains nearly 500,000 words. An average educated Englishman knows nearly 25,000 words. He has learnt these by the time he is 21. English is his mother tongue and he learns nearly 5,000 words before he joins any school. To him learning does not present the same difficulties as to an Indian boy who starts without any knowledge of English and who learns English for 6 to 8 periods a week only. For the rest of the time he is talking his own language. This means an English boy hears day and night nothing but English, whereas an Indian boy learns English from a teacher (who perhaps does not know much of English himself,) for a few hours a week. Obviously he cannot learn English properly. To offset against this to a certain extent, the Direct method of teaching is now employed. That is the teacher tries to produce an English atmosphere in the class during the English period. Even this does not help him, as the

official and international and cultural importance continued to have an important place in the syllabus.

From the time English education was introduced in India till very recently, the methods for the teaching of English were left to the whims and fancies of the teachers in charge of the subject, and those who controlled the policy, being either not interested in improving these or not being acquainted with better ones, allowed English for nearly a century to be taught in a hap-hazard manner, with the result that in most schools it was badly taught, and most Indian boys after spending years in learning it, could learn what was contemptuously termed 'Babu English'. Of course there were exceptions. Clever boys, who struggled through the blundering methods of the teachers and sons of richer parents, who could afford to have their education in special schools or could go over to England, learnt the language remarkably well. But these were the exceptions. The majority either learnt no English at all or learnt what was the laughing stock of English men and women.

During the last twenty years, attempts have been made by different educationists, mostly Englishmen, to improve this state of affairs and provide Indian children with better methods of learning the language. Most of these attempts have taken the form of a graded series of readers being brought out with a view to facilitate the learning of the English language. The most remarkable of these attempts was the one made by Dr. Michael West, Principal of the Training College at Dacca who brought out "New Method Readers" with a controlled vocabulary. There were others who did likewise. There were Palmer, Faucett, Hodges, Tipping. All these have selected a certain number of words—words considered to be most common and easy to learn and prepared readers in which the words selected by them were alone used.

Parallel with these attempts and quite independent of any of the educationists in India, educationists in England

outline of the essentials of Basic English and the reasons advanced by its inventors for claiming it to be the best approach for teaching normal English. After this, I shall give you my impressions of the experiment in the teaching of Basic with special reference to the schools in Hyderabad where Basic is being tried.

The British Government started teaching English to Indian boys roughly about 100 years ago. This foreign language monopolised the time of all Indian children who were lucky enough to have English schools near their homes or whose parents could afford to send them to places where these schools existed. The Indian school boy, with his flair for learning languages, found himself face to face with a strange tongue, having nothing in common with any of the languages he was familiar with. In spite of this, such was his industry and perseverance, he did manage to acquire a passable knowledge of the language. So great was the demand for people possessing this knowledge—it being so easy for such people to chalk out a career for themselves either in service or in the professions—that English schools acquired a dominant position in the educational system of the country. The local languages had not developed much, and the classical languages soon came to be despised. This state of affairs continued until the end of the 19th Century. With the growth of national feeling grew the desire for the improvement of Indian languages, so much so that soon people began to realise that this dominance of English was doing more harm than good. The Indian boy was being denationalised, his thinking powers were being neglected and he was growing up with a cramped mind, a slave to a foreign language, to the utter neglect of real education.

With the growth of public opinion in favour of Indian languages and the partial influence of Indians in the shaping of the educational policy of the land, Indian languages began to take their rightful place as media of instruction in the different provinces in India, though English on account of its

My services are always at your disposal, but it will be better if henceforward persons other than those directly connected with the Education Department are requested to preside over the Conferences. The idea of holding the Annual Conference at Subah headquarters is to be welcomed, as this will help to spread education and enlighten public opinion in the districts.

Mr. Zulfiqar Ali Haqqani then moved a vote of thanks. The Conference broke up at about 5 p. m., with three hearty cheers to His Exalted Highness the Nizam, the Hon'ble the Education Member and Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur.

A pleasing "social" awaited the delegates and guests at the Club close to the Town Hall.

Basic English[1]

BY

Ahmed Husain Khan, B. A.,

Divisional Inspector of Schools, Hyderabad-Deccan.

Mr. President, Ladies and Gentlemen :—

I hope I shall be pardoned for presuming to address you on a subject about which I cannot claim to know much and my acquaintance with which hardly dates back to a full year. If, in spite of this handicap, I have ventured to come forward it is to fill a gap. Mr. Myers, the Basic representative in India, had consented to give a talk at this Conference. As he could not be present, I have been asked to take his place. I know there are in this audience some who have heard Mr. Myers giving a brilliant exposition of Basic and there are others, i. e., teachers, who have been through the Basic course of teaching conducted by him. To both these classes of people what I am going to say might appear to be stale and uninteresting. However, I am not addressing these people so much as those in the audience who do not know what Basic is. In the short time at my disposal, I can merely give a bare

1. A paper read at the 3rd Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association.

Mover: Mr. Kesavulu, Headmaster, High School, Karimnagar.

Seconder: Mr. G. S. Prakash Rao, Vice-Principal, Chaderghat High School, Hyderabad-Dn.

The Director of Public Instruction then announced that the next Annual Conference would be held at Warangal on the invitation of Mr. Shaik Abul Hasan, Divisional Inspector of Schools of that Subah.

Concluding Remarks of the President.—In winding up the proceedings of the Conference, the Hon'ble the Education Member spoke to the following effect:—

It is a matter of great satisfaction that the Conference has come to a successful end. We are grateful to the Subedar Sahib for the great interest he has taken in the Conference activities. The members of the Reception Committee also deserve our thanks.

The Exhibition was on a small scale and not so good as the previous exhibitions held at Hyderabad. It is to be hoped that the next year's exhibition will be better, as the present tendency in education is to give a distinct bias to Art and Craft.

The two main factors in overcoming illiteracy are (1) how to secure universal primary education and (2) how to educate the adults. All efforts should be made to popularise Class V in the new scheme.

Mr. Ali Akbar has dealt with the Inspection of Schools. Its two main objects are (1) to give suggestions to the school and (2) to bring to the notice of the higher authorities the requirements of the school. Good Inspectors are not carping critics: they do not add to the burden of examinations but they encourage efficient teaching. Any useful suggestion from the teachers should be welcomed. After all, the efficiency of a method lies in its usefulness.

The Refresher Courses are indispensable. The training given in our Normal Schools is not up to date. Most of the teachers forget what they learn in the Training College. There should be Model Lessons in every Teachers' Conference. I am always willing to help in this matter.

In the Office of the Director of Public Instruction, there should be a well equipped and up to date library containing books on education for the use of teachers, Inspectors and other officers.

the students, or the headmaster in the presence of the other teachers. During the inspection the school work should be disturbed as little as possible. The responsibilities of inspectors in India have increased in recent times partly owing to the fact that the problem of discipline has become very acute and partly owing to the new schemes of education which are being devised to suit the changing times. As far as Hyderabad is concerned, the success of the new scheme for the re-organisation of education depends to a very large extent on efficient inspection. Under the new curriculum for the Lower Secondary Stage, the subjects to be studied by the pupils have been divided into examination and non-examination subjects. Unless the system of inspection is efficient, there is a fear of the non-examination subjects not receiving due attention.

Inspection work involves much physical and mental strain, but inspectors who have the welfare of the students at heart and who look upon their work as a mission do not feel the strain.

The subject on which the Special Inspecting Officer spoke is one of supreme importance to all those engaged in teaching work. The observations he made were the direct result of his ripe experience as an Inspecting Officer.

It will be remembered that at the First All-Hyderabad Teachers' Conference, the Hon'ble the Education Member took the opportunity of expressing his views on the Inspection of Schools. He deplored that some Inspectors did not keep in view the true aims of Inspection, with the result they were dreaded as man-eating tigers. He very justly pointed out that as the discipline of a school depended upon the prestige of the teachers, the Inspector should on no account criticise them in the presence of the students for defective teaching or neglect of duties.

After Mr. Ali Akbar's speech, the following resolution, the third and last, was moved and carried :—

III. "This Conference recommends that like the Medical Department the Education Department should arrange for a touring cinema car for the visual education of the children of rural parts in the various districts."

The Second Plenary Session.—The closing session commenced exactly at 2 O'clock, with the Hon'ble the Education Member in the Chair. After the distribution of prizes, Mr. Ramanuja Chari read the Report of the Exhibition Committee. He rightly pointed out that the Exhibition should not be an appendage of the Educational Conference but should form a part of it. It will be recalled that as early as in 1938 the Hon'ble the Education Member suggested that the Conference and the Exhibition must both be held in the same building. The secretaries of the various sub-committees then read out their reports giving an account of the discussions that took place in the sectional meetings. They were succeeded by Mr. Syed Ali Akbar who made a brilliant speech in Urdu on 'School Inspection', which was interspread with humorous anecdotes. The following is the gist of his speech :

The main business of an inspector of Schools is to see that a proper standard of instruction and discipline is maintained in the various schools under his charge and to convey new ideas from one school to another. In order that he may be able to discharge satisfactorily the important duties entrusted to him, it is necessary that he should be a man of wide knowledge and culture, well acquainted with the technique of teaching. He should also have imagination and encourage teachers to make new experiments. Criticism of wrong methods or defective work is necessary, but an Inspector should not confine himself to making criticism but should also give constructive suggestions. His general attitude towards the teachers and the pupils should be friendly and he should not be devoid of a sense of humour.

A distinction should be drawn between examination and inspection It is necessary to test the pupils in order to form an estimate of the general standard of their attainments in the various subjects, but at the same time the Inspector should form an opinion about such things as the methods of teaching followed by teachers, the suitability of school building and the staff, adequacy of furniture, teaching apparatus, the library, school time-table, and discipline, the physical condition of the boys, extra-curricular activities, relations between the headmaster and the assistants, and co-operation between the school and the parents. After studying the previous inspection reports and the school time-table, the Inspector should draw up a definite programme of the inspection work and then go round to the classes according to it. In each class he should, besides watching the teaching, examine the notes of lessons and the scheme of work prepared by teachers as well as the written work done by the boys. In no circumstances should he criticise the teacher in the presence of

The illuminating paper read by her at this meeting on 'The Teaching of Arithmetic' appears elsewhere in this issue.

There was a scout display at 5 p. m. when several interesting items were witnessed. At 7 p. m. there was a cinema show of Educational films at the Town Hall.

Wednesday 3rd January.—Between 9 and 11-30 a. m., there was a sectional meeting on Primary Education, conducted in Urdu, at the College Hall. Mr. Shaik Abul Hasan, Divisional Inspector of Schools, Warangal, presided and Mr. Md. Ahmedullah, District Inspector, Warangal, read the report.

At the same time, there was a sectional meeting on Refresher Courses in the Town Hall under the chairmanship of Mr. Mohamed Osman, Divisional Inspector of Schools, Aurangabad. Mr. G. S. Prakash Rao, Secretary of the Committee, read the report. The House agreed to the starting of Refresher Courses for teachers. One speaker suggested that Headmasters of High Schools and District and Divisional Inspectors also should be asked to attend the Refresher Courses. It was made clear by the Secretary that teachers employed in recognised schools also would be admitted to these courses.

It appears to me, however, that if the benefits of these courses are to be enjoyed by all teachers, the recruitment of untrained teachers should be forthwith stopped in all schools and a scheme formulated to get all the untrained teachers in service trained within a period of 4 or 5 years.

Soon after this there was a sectional meeting on the Education of Defective Children under the chairmanship of Mr. Ahmed Husain Khan. Mr. Tauqir Ahmed, Headmaster, Deaf and Dumb School, Hyderabad-Deccan, made an interesting speech in Urdu on the subject.

With this the morning sessions came to an end at 12 O'clock.

Sectional Meeting—2 to 4-30 p. m.

Mr. Md. Hafizullah, B. A., B. T., Principal, Warangal College, presided over this meeting. He was the Chairman of the Sub-Committee which drew up a report on "Secondary Education." Mr. P. V. Subba Rao, M.A., L.T., Superintendent, Teachers' Training School, Warangal, was its Secretary. After the Chairman's prefatory remarks about the report, the Secretary read it. It was a voluminous report in preparing which much valuable time and labour must have been spent. The suggestion to start the teaching of English in Class V after the pupils have had a good grounding in their mother tongue is quite sound both educationally and psychologically. The suggestions for the registration of teachers and the creation of a Bureau of Educational Research also deserve careful consideration. The report insists upon planning of the subjects of study, schemes of lessons and notes of lessons, and upon Inspecting Officers' making special reference to the way in which these things are done in the schools they inspect.

As the general sense of the House was for a postponement of the consideration of the report* till next year, a motion to that effect was brought forward by the Director of Public Instruction and was unanimously agreed to. In the course of the discussion that followed it was made abundantly clear that public attention should be focussed on the scheme introduced by the Department early this year, and the difficulties involved in that scheme should be studied before thinking of replacing it by another.

After this Mr. Aftab Hasan, Science Inspector, spoke in Urdu on the 'New Science Syllabus' for the Lower Secondary Schools, explaining the salient points of the syllabus and emphasising the need for a separate science room, a museum, a garden and the value of practical work by students.

The Women's Sectional meeting which was simultaneously held at the Ladies' Club was presided over by Miss M. Nundy.

---

*For want of space, we are holding over its publication till the next issue. *Editor-in-Chief.*

advantages of adopting the system in Indian schools as a preliminary step to normal English. He confessed that at first he was violently prejudiced against 'Basic' but that after having studied the system carefully and watched Mr. Myer's classes he had become an enthusiastic convert to it. The reference in the last paragraph to the standard of English in Osmania University deserves special attention.

This was succeeded by an extempore speech in Urdu by Mr. S. M. Azam, Principal, City College, on "School Discipline". The following is the purport of his speech :—

A generation ago discipline in schools was maintained through fear and by peculiar ways of chastising pupils. Such methods served to give a fair appearance of discipline but failed to create in the pupils a love of their Alma Mater and the desired esprit-de-corps. Educational ideas and ideals have since undergone a change, necessitating a changed outlook in the treatment of children.

Girls' Schools do not experience any special difficulty in maintaining discipline owing to the motherly treatment meted out to girls by the school mistresses. In Western countries the discipline in schools is of a high order and nobody talks about it. But the condition in India is rather deplorable. Many of our pupils are drawn from ill-disciplined families, and the political agitation in our country has aggravated our difficulty. In Europe political upheavals do not affect school or college life but in India self-seeking persons have been tampering with the loyalty of students and making the teachers' task very difficult. For about a year or so the situation in Hyderabad was very sad, but fortunately the tactful policy of the Government and the Department has restored order in our schools.

The extent of trouble usually depends upon how the situation is handled by the school authorities. Taking too serious a notice of an occasional lapse on the part of boys or apprehending a deep set plan in their acts of indiscretion tends to aggravate it. Indirect means of controlling unusual situations are more effective than direct ones. There should be impartial treatment of all classes of children and no communal colour should be given to any disturbance. Religious considerations should not weigh in matters of school administration. College students must be treated differently from school boys but both must be safeguarded from external influences by keeping them fully occupied with school activities.

With this the first plenary session concluded at 12 a. m.

they had a University with the national language of India as the medium of instruction. The English Address is published elsewhere in this issue. It is remarkable for its brevity and its clear exposition of the educational policy of Government and of the meaning and objects of Basic English.

After this, resolutions were taken up. The following two were moved and carried :—

I. "In no other department employees are posted in such large numbers in out-of-the-way stations as in the Educational Department and inasmuch as teachers are too poor to send their children to other places for education, this Conference recommends that a Teachers' Education Fund be started with a view to enable teachers employed in remote places to maintain their children in places where facilities for higher education exist and this fund should also be used for giving scholarships and aids to the poor children of deceased teachers as is done by the Police and Railway Departments and that rules and regulations be framed by the Department."

Mover: Mr. Aga Md. Ahsan, Inspector of Schools, Gulburga.

Seconder: Mr. Shaik Abdul Hasan, Divisional Inspector of Schools, Warangal.

II. "This Conference recommends that our State Life Insurance Company should arrange for the issue of endowment policies, with profits and without profits, for the benefit of Government employees, the premiums being collected from the monthly salary bills."

Mover: Mr. Ahmad Raza Wasty, Inspector of Schools, Bir.

Seconder: Mr. Shamsul Hasan Zuberi, Headmaster, Middle School, Chelipura.

Then Mr. Ahmed Husain Khan, Divisional Inspector of Schools, Hyderabad-Deccan, read a paper on "Basic English." He explained the aims and objects of Basic English and the

A meeting of the Council of the Association was held on Monday 1st January, at 11 a. m. at the Town Hall under the chairmanship of Mr. Syed Ali Akbar. At this meeting the resolutions to be moved at the Conference were decided upon and office-bearers for the year 1940 were elected.

The Hon'ble the Education Member arrived from Delhi on Monday night. A public reception was given him at the Railway Station the next morning at 8-30 a. m. On behalf of the public of the Subah, Mr. Kishen Rao Deshmuk garlanded him and a guard of honour was provided by the Special Reserve District Police under the direction of Mr. S. A. Hai Khan, Assistant Superintendent of Police. From the Railway Station the Hon'ble Member drove to the Normal School where he opened the Exhibition. From there he proceeded immediately to the Town Hall to perform its opening ceremony. The first plenary session of the Conference which commenced its sitting a few minutes after 9 a. m. was thus the first auspicious event to take place within its four walls.

The First Plenary Session.—This session opened with the garlanding of the President and the reading of the Welcome Address (in Urdu) by Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur. A synopsis in English of this suggestive address appears elsewhere. His plea for parental co-operation and public support deserves particular notice. The Annual Report of the General Secretary, which was in Urdu, was read by Mr. Bilgrami, one of the two Assistant Secretaries.

The Hon'ble the Education Member then read the Urdu translation of his Presidential Address. Before he did so, he observed that when he attended the Urdu Conference at Delhi, a letter was received at the Conference from Mahatma Gandhi written in the Persian script and another from Sir Tej Bahadur Sapru and that he felt it would be inconsistent for him to read his address in English (although he had written it in English) at a Conference in the Hyderabad State where

holidays are an interruption. Teachers should make their lives simple so that youngsters may imbibe love of goodness and simplicity which will render their lives easy. Young men nowadays entertain high opinions of themselves and look for wealthy brides, and girls too hanker after husbands getting large incomes. This is not a satisfactory state of affairs.

Teachers in national institutions work only for a subsistence allowance. Does their sacrifice take away from their greatness or add to it? Look at Dr. Zakir Husain, Chancellor of Jamae Millia, Delhi.

In conclusion, I thank you all for the patient hearing you have given me and I hope that you will generously overlook my shortcomings.

Proceedings of the Third Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association

BY

T. A. Lingam, B. A., L. T.

This year's Educational Conference which was held at the Jubilee Town Hall, Gulburga, on 2nd and 3rd January, under the distinguished presidentship of the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur has an importance of its own in that it was the first Conference of The All-Hyderabad Teachers' Association to be held at a Mofussil centre. As a matter of fact last year's Conference would have been held there but for some untoward circumstances. Mr. Zulfiqar Ali Haqqani and Mr. Shambu Pershad deserve much credit for their persistent efforts to hold the Conference at Gulburga, and thanks are also due to Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur, Subedar (Chairman of the Reception Committee) and Mr. Mohiuddin Ahmed Razvi, First Taluqdar, for their active and whole-hearted co-operation with the local Educational Officers.

Regarding Female Education the words of the Rt. Hon'ble Sir Akbar Hydari, President of our Executive Council, are in point:

" I feel very strongly that the kind of learning imparted to our girls in schools is not in accordance with the attainment of high ideals of Indian women. It contains no reference to the deeds and exploits of great Indian ladies of whom we are proud. Nor does this teaching give room to the spiritual beliefs of Indians or the domestic economy of the Indian home over which these girls are going to preside one day. The result is that Indian mothers, after receiving such an education, become the queens of the so-called dual household although their homes, by their very nature and reality, are Indian, which ought to be the treasure house of our real national characteristics".

The aim of female education should be to make girls good wives and capable mothers and also to enable them to earn their living, if circumstances should force them to do so. But in acquiring education they should not be motivated by the sole desire to become a teacher. Although the number of educated women in service is very small now, the day will soon arrive when their number will be sufficiently large to cause the same struggle as is witnessed today among the educated young men.

The question of co-education is as delicate and intricate as the question of purdah. The Education Department has, however, permitted co-education in certain village lower Primary schools wherein the ages of the male pupils do not exceed 12 years. The inspection of Girls' Schools should be conducted by trained and expert ladies, but every educated lady should be welcomed to every Girls' school as a 'Visitor'. This will be productive of much good.

The teacher's rank is next only to that of the parents. They should be devoted to their work, and not take a commercial view of their avocation. The long and numerous

individual aptitude and inclination of their pupils and divert them into useful vocational channels. Progress in industry is possible only when the doors of competition are open to outside capitalists and all facilities extended for the opening of factories, and conditions imposed upon them to take in a specified number of graduates every year and train them up at their own expense in the various industries.

Government offer good facilities for agriculture. The wealthy should invest their capital in such undertakings as these and thereby provide employment to graduates. Government have already done something for vocational education, which has, however, not become completely popular yet with the students. Hereditary trades should be encouraged and developed. Local artisans may be made to teach all children exceeding 12 years of age in village schools. Provision for this should be made in the Panchayat system under the proposed reforms. I tried this experiment and met with success. The Education Department, of course, gave me its support. There is good scope for absorbing a large number of the unemployed in the various professions.

Education should be three-fold—of the body, mind and heart, as has been recently pointed out by Dr. Syed Mahamud, the ex-Educational Minister of Bihar. This means, as has been explained by Dr. Tagore, a strong body, a pure mind, and a good heart. The Department has been doing good work in developing the body and it is the duty of the teachers to cultivate the pure mind and the kind heart in their pupils.

In olden days the society of the teacher had a profound influence on the students who bent their knees before him whatever their social rank was. That influence does not exist now. Today the master and the pupil are on free and easy terms. Much liberty is given to students and there is little respect or fear in them for their master.

efforts. Public support is sadly lacking in our State. As Diwan Bahadur S. E. Runganathan, Vice-Chancellor of Madras University, remarked in his Convocation Address to Osmania University Graduates this year, 'it should be a source of pride and patriotism for real lovers of education among the nobles and wealthy people of Hyderabad to come to the help of the University by their generous donations.'

'The child is the father of man,' and if today children are not made fit tomorrow they cannot become good parents. Effective steps should therefore be taken to make the child of today a better parent of tomorrow. Unless the non-Khalsa areas adopt the educational policy of the State, the educational organisation cannot become complete. Why should not the non-Khalsa areas share a portion of the expenditure on education? If the Darul-i-Qama tax had not been imposed, the Jagirdars' College would not have come into existence. Part at least of the responsibility of educating the people in the non-Khalsa areas rests with Government, and so it should tackle this question also.

The progress of education is not as great as it should have been. In his convocation address at Agra last year Sir Shah Sulaiman said, 'If there are unemployed educated people, there are more numerous uneducated unemployed. The remedy lies not in a restriction in the number of the educated but in a wide expansion of trade, industry and commerce'. In this year's convocation address at the same place, Mrs. Sarojini Naidu, the pride of our country, however, said 'you will be great nation-builders tomorrow, but I do not know what is in store for those who have taken the degree of M. A. and B. A. Your degrees carry no market value.' These are two apparently divergent views but we have to do our best in the circumstances.

No one can deny the superiority of knowledge over ignorance. But the educated should not all depend upon one source of employment. Teachers should study the

Welcome Address

BY

Nawab Ghouse Yar Jung Bahadur,

Chairman of the Reception Committee

(Extracts translated from Urdu)

LADIES AND GENTLEMEN,

On behalf of the people of this Subha I extend to you all my sincere and warm welcome. The fact that hundreds of persons have accepted membership of the Reception Committee without distinction of caste, profession or religion demonstrate their love of learning and interest in education.

We are greatly indebted to the distinguished President of this Conference and the members of the several Teachers' Associations for attending this Conference in spite of much personal inconvenience to themselves. This Conference would have been held here last year but for some unforeseen circumstances.

I am a layman and so I am attempting but a mutual exchange of ideas. If anything that I say is unacceptable to you, pray ignore it. The first two conferences were held at Hyderabad and the honour of inviting the Conference to a mofussil centre has first fallen upon us, the people of Gulbarga. I need not talk to you about the historic greatness of this place. This Jubilee Town Hall where we have met today owes its existence to the efforts of our able First Taluqdar, Mr. Mohiuddin Ahmed Razvi. A few minutes ago it was opened by our worthy President and this Conference is the first auspicious function to take place in it.

I shall leave it to educational experts to discuss the intricate problems connected with education and refer here only to a few of its general aspects. The responsibility for education cannot solely rest with the Government. People of wealth and influence should come forward to supplement its

mistresses will be available. The Department should push on the construction of the Women Teachers' Training School building at Hyderabad with the greatest possible speed.

A very useful step taken by the department recently has been to open a school for the blind and for deaf-mutes. Teachers were sent outside the State to be specially trained for this work.

In conclusion, I wish to impress upon teachers the necessity of taking seriously to training and of showing both interest and pride in their profession. Practising schools should be attached to all training institutions where this has not been done already, as the success of teaching depends largely on practice. At the same time the importance of theory should not be underrated. A useful book on Educational Psychology has been compiled in Urdu by Mr. Malik Sardar Ali of the Training College which I would advise all teachers to read. I have written a short introduction to that book showing the importance of educational psychology and giving a simple exposition of the Herbartian theory of Apperception for the benefit of teachers which I hope they will find useful.

The broad theory of education is epitomised in the wise saying of Pestalozzi: "Man develops the fundamental elements of his moral life—his love and faith—by the exercise of love and faith, just as those of his intellectual life—his thought and reflection—by the exercise of thought, and those of his practical or industrial life—the power of his organs and muscles—by the exercise of this power."

In these Dominions we have about 78,000 pupils learning English in about 200 secondary schools. Of these, this year for the first time, about 10,000 pupils in 40 secondary schools have been learning English in the "Basic" way. Before the work began Mr. Myers, who is the Special Representative for the Orthological Institute in India, conducted, at our invitation, a Vacation Course for the 120 teachers involved. The Vacation Course had two very important effects. In the first place it dispelled the fears and removed the misconceptions which so often bar the way to an important reform ; secondly it gave the teachers concerned an 'awareness' of their special problems, and an improved technique, from which they could not but benefit.

Since giving the course, Mr. Myers has kept in close touch with the 40 "Basic" schools through personal inspection, detailed Progress Reports which are submitted to him each week and the Advisory Bulletins which he has sent out from time to time. Reading through these Bulletins one is greatly impressed by their practical wisdom and sympathetic regard for the conditions under which we have to work, and I am certain they will make a lasting impression on the teachers to whom they are addressed. It is to be hoped that they will be continued and extended to other schools next year.

As regards Basic Urdu, Mr. Sajjad Mirza, proceeding on the same lines, has compiled a vocabulary of about 900 and odd essential words. Urdu offers less difficulty as its verbs do not present the same syntactical difficulty as the English verbs do. The real difficulty of Urdu is the Persian script, and Mr. Sajjad Mirza has made efforts with some success to simplify it for beginners.

With regard to the education of girls, the main difficulty is to obtain qualified women teachers for the district schools. Now that girls with middle or matriculation certificates are to be trained in our Normal Schools, I trust more qualified

vocabulary, why not let it be a well-selected one of the most useful words? I have known children being made to learn such words as "quagga," "dormouse," "limpet," "sunshade." These are not words which are much used in conversation, or which would help the beginner to get on very fast with the language. In a word they form a badly chosen group. This illustrates the importance of selecting properly the beginner's vocabulary. Basic English is the result of intensive research carried on over a period of ten years by men who have made a special study of the English tongue. It was discovered by a certain Mr. Ogden that in defining or paraphrasing various terms in the English dictionary, the same words occurred over and over again. They were "Basic" words in terms of which the meaning of all the other words in the language could be defined. To use a metaphor, they were the "highest common factor" of the language. They did not number more than 850. With eight hundred and fifty words, therefore, you could express most things. The verb is the life and soul of a sentence, and in English it is the part of speech which presents the greatest syntactical difficulty. Mr. Ogden chose about 16 verbs, and adding to this nucleus about 800 and odd of the most expressive words, made up a "Basic" vocabulary of 850 words. Incidentally, he simplified the syntax. In order to demonstrate the potentialities of this vocabulary, he had some standard works paraphrased into it. The utility of this vocabulary to the beginner is obvious. It carries him farthest and gives him the best service. Incidentally, it simplifies greatly the teaching of English to beginners and makes it at the same time more effective. This has been demonstrated to my satisfaction in several schools. It has given a new and tremendous impetus to the teaching of English in our schools and has aroused the interest alike of teachers and of pupils. It is needless to say that as the beginner goes on, he in time acquires all the other words which form the normal vocabulary. There is no intention of pinning anyone down to just 850 words.

different from those which have to be taken into account in teaching children, a special study should be made of the psychological side of the subject in our Training College and our Normal Schools. (2) The books taught should be somewhat different from the common school books. As regards this, a curriculum has been prepared by the Department specially adapted for adults. The duration of a course for adults should not be more than 2 years. (3) I suggest again as I did last year that each teacher should make it a point of teaching a certain number of illiterate adults, say, in his own home, or elsewhere. (4) School buildings could be utilised for night schools for adults. But the difficulty in this case is that both teachers and pupils are often too tired at night after their day's labour to be able to do any effective work. (5) Educational means other than the mere teaching of reading, writing and ciphering should be adopted as regards adults, such as lectures, wireless talks, magic-lantern slides, etc., so as to enlarge their spheres of interest and improve their culture. (6) The practice of the Education Department of giving a *sanad* to adults at the end of their course is not a bad one. But further encouragement might be given to adult literates by giving them menial employment in preference to illiterates. (7) Basic Urdu and Basic English are very suitable for adult education and should always be employed for that purpose. I hope all officers and teachers will do their best to assist in the crusade against illiteracy.

There is some misunderstanding regarding the meaning and objects of Basic English and Basic Urdu. It is not an attempt to cut down one's vocabulary to narrow and arbitrary limits as some people believe. On the contrary, "Basic" is an attempt to give the beginner, whether an adult or a child, a scientifically chosen vocabulary consisting of some of the most useful words in the language—words which will carry him farthest and serve him best. Even with the greatest efforts, no beginner can have a very large vocabulary at the very outset. If then he is obliged to start with a small

a Lower Secondary Examination at the end of class VIII and an Upper Secondary Examination at the end of class XI, while at the end of each of these stages bifurcation into vocational training will be possible. The ordinary degree course at the Osmania University is to be reduced to 3 years.

The syllabus now sanctioned for secondary schools, separately for boys and girls, is as good as that of any British Indian province. The whole of this reorganisation which is being rapidly pushed on, is to be completed in another 4 years. It is an achievement which reflects credit on the Director of Public Instruction, Mr. Syed Mohammad Husain Jafari, on Mr. Syed Ali Akbar, the energetic Secretary of the Board of Secondary Education who is one of our best experts, and on those members of the Board of Secondary Education who have taken the trouble and pains to work out the details.

There is, however, one matter which is likely to interpose difficulties in our way. It is the keeping up of the High School Leaving Examination as a parallel system. Having to work a dual system of secondary education is a grave handicap. I have always been in favour of having only one system on which we could concentrate all our energies. So long, however, as the Nizam College remains affiliated to the Madras University, we shall be saddled with this dual system.

An essential part of the campaign against illiteracy is adult education. This problem is absorbing the attention of people all over India. The Committee which was appointed by the All-Hyderabad Teachers' Association to go into this subject, has issued its report. It is an illuminating document and deserves to be read by all persons interested in this problem. I would like to express some of my own ideas on this important subject. (1) Teaching adults is on the whole easier than teaching children as they possess a riper intellect. But as the psychological considerations are in their case materially

But the question is not one of expansion alone—stagnation and wastage and consequent lapses into illiteracy must be prevented, and the instruction imparted in our primary schools improved and made more attractive. This is being attempted in the new scheme by adding a fifth primary class and by making its syllabus wider and more interesting. The medium of instruction at the primary stage is, of course, the mother-tongue. How interesting and useful the new syllabus is, will appear from the fact that it includes such subjects as the History of the Deccan written in simple style and free from bias of any kind. Civics are to be taught along with history. Then there are nature study, sanitation and hygiene, surveying and practical geometry and other such subjects in the curriculum. All these are subjects which are likely to be of use in rural reconstruction. The manual training includes picture making, design, colouring, modelling and certain simple crafts, for example, carding, spinning, gaiting or looming, primary weaving operations, carpet making, weaving coarse cloth (khadder), towels, handkerchiefs, silk, making material for clothing, basket and rope making, and the making of various articles like bags, pouches, etc., the making of trays, fruit baskets, wastepaper-baskets, bowl-shaped baskets, etc. And for girls the syllabus is suitably varied. It includes knitting, sewing, cooking, domestic economy and music, etc.

You will thus see that a distinct bias towards handicrafts is to be given. The whole course is such that at the end of the primary stage, the boy or girl who wishes to proceed no further, will receive sufficient mental and manual training to make a useful citizen; or the pupil may at the end of this stage, bifurcate into one of the institutions maintained by the Department of Technical and Vocational Education which trains for particular trades or callings.

Those proceeding to the secondary stage will do so after the 4th (Primary) class. Vocational bias is to be given throughout the secondary course and special efforts made to discover the pupils' talents and natural bent. There will be

conform to the departmental curriculum and to the recognised media of instruction.

Aided schools are those recognised schools which receive a grant from Government. The main conditions of such a grant are the attainment of a certain standard of efficiency which will be judged by the Inspector, and that the grant should not exceed half the working expenses of the school or the difference between the working expenses and the income of the school, whichever is less. There has been much misconception about Government's attitude towards private schools. I therefore hope what I have said will make matters clear.

The two main factors in the problem of overcoming illiteracy are how to secure universal primary education and how to educate the adults. I wish to say something on both these points.

Primary education in the State is already free. In order that it may be universal, the next step apparently is to make it compulsory. But this is easier said than done. To begin with, the cost would be prohibitive. This, I believe, is the chief obstacle also in British India. We have a draft bill for compulsory education ready. But owing to the war the present time is not opportune for introducing it in the legislature. Even if later on it were to become law, it would have to be applied piecemeal to small sections of the country. But even this could not be done without the people in those areas having to be heavily taxed to meet the cost. Education for which one has to pay by being heavily taxed, can hardly be called "free." Pending such time as we can reach the stage of compulsion, much leeway will have to be made up, and primary education expanded as far as possible on a voluntary basis; the immediate problem is to provide educational facilities for those who come forward willingly to be educated. The present scheme of expansion is an attempt to provide such facilities for as large a number as possible.

the Local Fund cess of 3 pies is to be devoted entirely to the construction of primary school buildings, and to their effective equipment, this will give an opportunity to the Local Fund bodies of showing their interest in education. Any expert advice necessary in these matters will be gladly given by the District and Divisional Inspectors.

As regards the Subedar Sahib's second point which refers to private educational funds, I may say that the Gulbarga Subha offers at least two notable instances of schools successfully maintained by private effort. They are the Nutan Vidyalaya at Gulbarga and the private High School at Raichur, both of which are well conducted. There are, besides, some girls' schools in the Subha which are maintained by private persons. The resources of Government are not unlimited and it is impossible for them to cope with the whole of the demand for secondary schools. The time has therefore come when the further expansion of secondary education will have to depend more and more on private effort.

In talking of private effort, I take the opportunity to remove some misconception which appears to exist in the public mind regarding the meaning of the terms "private school," "recognised school" and "aided school."

I may say that a private school is one which is not recognised by the Government. Such a school is free to choose its own courses of study as well as its own medium of instruction. There are no hindrances to the opening of such schools which may be of any grade. All that is necessary for the persons desirous of opening them is to give intimation of the fact to the educational officer concerned. This intimation is required solely for the sake of registration and for the purpose of compiling educational statistics. A private school in order to be so registered must contain at least 15 pupils.

"Recognition" implies admission of the pupils of a school to the departmental examinations. For this reason, an essential condition of recognition is that the school should

Dominions. But more especially is his rule famous for the benefits it has conferred on the poorest classes of his subjects: rural uplift, sanitation and medical aid, relief of indebtedness and well-organized measures for the alleviation of distress in times of scarcity, are among the many proofs of his endeavours for the betterment of his people. Not the least of these benefactions is primary education which during his reign has been made free in the State. It has lately received a great impetus through the additional grant he has graciously sanctioned of 7½ lakhs of rupees a year which will gradually be raised to 12½ lakhs in five years. The object of this grant is to expand primary education so as to secure that there should be at least one primary school in every village of one thousand or more inhabitants.

The Subedar Sahib in his address of welcome has quite rightly drawn attention to the duty of parents to co-operate with the school authorities in the education of their children, and also to the desirability for persons of wealth and opulence to contribute towards furthering the aims of education. As regards the first of these suggestions, I quite agree that parental co-operation is very necessary whereas at present the tendency is to leave everything to the teacher. Parents could help greatly by giving their children a good bringing up at home and also by taking an interest in their progress at school. It is the duty of all teachers and Inspecting Officers on their part to keep in touch with parents and to enlist their sympathy and interest. One good opportunity of parental co-operation will be afforded by the village school committees which will be set up under the new scheme of improvement and expansion of primary education. It will be incumbent on these committees to see that the pupils attend their schools regularly, and to do everything to prevent wastage and stagnation. Parents who may be members of these committees, will have ample opportunities of keeping themselves informed of their children's progress and of co-operating in many directions with the teachers. Moreover, as in future

Third Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association

Presidential Address

DELIVERED BY

Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, M. A. (Oxon.),

Hon'ble the Education Member, H. E. H. the Nizam's Govt.

I thank you sincerely for the warm welcome you have so kindly extended to me. The people of your Subha have always taken a keen interest in education, and the enthusiasm evinced by them on the present occasion is a fresh proof of the depth and sincerity of their feelings.

Gulbarga is a town of great historic traditions and contains fine monuments of the past. At one time it was the capital of the great Bahmani Kingdom whose rulers held sway over a wide expanse of country from one shore of the sea to the other. They were famous for their patronage of learning, and in their time Gulbarga formed one of the most important centres of enlightenment and culture in the whole of India. Moreover, the town has the unique honour of being the burial place of a holy Saint whose mausoleum both adorns and sanctifies the town. He was endowed with that true knowledge which proceeds from Divine grace and guidance. A town, therefore, with such noble traditions and holy Associations is a fit and worthy meeting place for a Conference which has for its object the advancement of learning.

I have spoken of the patronage extended to learning by the Bahmani Kings of old. By the grace of God we have today in His Exalted Highness the Nizam a Ruler who has not only revived the best traditions of the former kings of the Deccan, but has surpassed them in the beneficence of his deeds. As examples of this beneficence may be mentioned the great University that bears his name and the numerous works of public utility which are liberally scattered over his

The Hyderabad Teacher

CONTENTS

PAGE.

The Hyderabad Teacher

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief*. They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	14	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates.

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps.
Full page ...	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page ...	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page ...	3	0	0	1	12	0	1	6	0
Per line ...	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address .—

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

VOL. XIV No. 3

THE HYDERABAD TEACHER

JANUARY—MARCH 1940

Quarterly Magazine of the All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSSAIN JAFFRI, Esq, B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1940.

جلد ۱۴ شمارہ ۲

زیر سرپرستی جناب محمد سید حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

حیدرآباد ٹیچر

بابت آذر لغایتہ بہمن ۱۳۴۹ف

جلد ۱۴ شمارہ ۲

فہرست مضامین

۴

ابتدائی شہری مدارس میں مطالعہ قدرت اور حسنا کی تعلیم

از

مولوی سید عبدالحکیم صاحب ایم - ایس سی - ایل - ٹی مددگار دارالعلوم بلدیہ

تحتانی جماعتوں میں مطالعہ قدرت کی تعلیم کے مقاصد یہ ہیں کہ بچہ میں ابتدا ہی سے نباتی وحیوانی زندگی اور مناظر قدرت سے دلچسپی پیدا ہو جائے۔ شہر کی گنجان آبادی میں رہنے والے بچوں کے لئے جہاں مناظر قدرت کے مطالعہ کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں، اس قسم کی مصروفیات کی خاص ضرورت ہے۔ امریکہ روس وجاپان اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں اسی نباتاتی اور حیوانی زندگی سے شغف وانس رکھنے کے نتائج ہیں کہ آراضیات اور حیوانات سے زمانہ ماضی کے مقابلہ میں کئی کئی گنا فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ شہر کی تنگ اور تاریک گلیوں میں مناظر قدرت سے غیر مانوس رہتے رہتے طبیعت میں لطافت پاکیزگی اور جمالیاتی مذاق کا ایک بڑی حد تک خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر مختلف جسمانی اور ذہنی قوی پر اچھا نہیں پڑتا۔

مطالعہ قدرت کی تعلیم میں قوت مشاہدہ کی تربیت کے جتنے امکان موجود ہیں وہ کسی دوسرے مضمون میں نہیں ہیں۔ صغیر سنی سے جب کہ تمام قوی غیر پختہ اور لچک دار ہوتے ہیں صحیح مشاہدات کی عادت اور صحیح مشاہدات سے علم نباتات اور حیوانات کے متعلق ابتدائی آسان مسائل اخذ کرنا یقیناً نہ صرف آئندہ سائنس کی تعلیم کے لئے ضروری ہے بلکہ ہر شعبہ زندگی کے لئے نہایت مفید ہے۔ اس قسم کی ابتدائی تربیت سے سائنداں نے قوانین قدرت کو سمجھا۔ ان کو اپنا محکوم بنایا اور اُن سے اپنے عجیب وغریب کام لئے۔ بچوں کو فطرتاً چیزوں کے بنانے بگاڑنے اور آلات کے استعمال کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ وہ نہایت شوق سے مٹی کو پانی میں ملا کر چھوٹے چھوٹے گھر بناتے ہیں پھر اُن کو توڑ کر

خوش ہوتے ہیں۔ پرندوں اور جانوروں کو نہایت شوق سے پالتے ہیں۔ ان شوقوں کی تشفی کے لئے مشاہدہ قدرت کی تعلیم اگر صحیح طریقہ پر دی جائے تو نہایت کارآمد نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

ابتدائی شہری مدارس میں مطالعہ قدرت کی تعلیم صغیر جماعت کو شامل کر کے (۵) سال پر مشتمل ہے۔ ابتدائی (۳) سال کی تعلیم بڑی حد تک ایسے عام حیوانات، نباتات اور مظاہر قدرت سے متعلق ہوتی ہے جو بچہ کے اردگرد پائے جاتے ہیں۔ مثلاً گائے بکری۔ بلی۔ کتا۔ مرغی۔ کبوتر۔ آم۔ نارنگی۔ رات دن۔ چاند سورج۔ پانی مٹی وغیرہ۔ مذکورہ بالا اشیار کے متعلق اگر استاد نے زبانی یا کتاب کے ذریعہ معلومات بتادئے یا پڑھا دئے جیسا کہ اکثر مدارس میں مروجہ قاعدہ ہے تو مطالعہ قدرت کی تعلیم کا مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تعلیم سے بچہ کو فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ ہر مرتبہ جب استاد بچہ کو خود دریافت کرنے کی بجائے اس کو بتا دیتا ہے تو گویا اُس کے ذوق تجسس کی تشفی کا ایک موقع اُس کے لئے کم کر دیتا ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ بچوں کے لئے غور و فکر کا میدان کم ہو جاتا ہے اور اُن کے ذہنی قویٰ کو سست بناتا ہے۔ اُستاد کا صحیح طریقہ کار یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان جانوروں۔ پودوں یا مظاہر قدرت کے متعلق سوالات لکھا دے اور طلبہ خود مشاہدہ کر کے اُس کا جواب دریافت کریں۔ مطالعہ کے لئے بچوں کو کسی گہرے برتن میں پانی دیا جائے وہ اس میں مختلف چیزوں کو تیرا کر دیکھیں کون چیزیں تیرتی ہیں اور کون ڈوب جاتی ہیں وہ اپنے لٹو کو مختلف رنگوں سے رنگین اور اس کو چکر دے کر مشاہدہ کریں کہ ان رنگوں کی آمیزش کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ کسی شیشے کی صراحی کو پانی سے بھریں اور اس سے سورج کی روشنی گذار کر دیکھیں کہ روشنی کتنے مختلف رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کاغذ کے گول ٹکڑے۔ پروں اور غباروں کو ہوا میں اُڑا کر دیکھیں کہ وہ کس طرح اُڑتے ہیں۔

آخری دو سال کی تعلیم اگرچہ گذشتہ ۳ سال کی تعلیم سے بالکل مربوط ہو گی لیکن زیادہ واضح اور تفصیلی ہو گی یہ تعلیم بچہ کی بڑھتی ہوئی عمر اور تجربات کے لحاظ سے زیادہ

موزوں ہو۔بچوں کی ذمہ داری ان پودوں اور جانوروں سے متعلق زیادہ قطعی اور وسیع ہوگی جو مدرسہ میں اُن کے لئے رکھے جائیں مثلاً پھولوں کے گملوں کو صاف کرنا پھولوں کے گلدستے سجانا۔تخم ریزی کے لئے کیاریاں تیار کرنا۔تخم بونا نمودگی کے تجربات کو ترتیب دینا۔حوضوں کا پانی تبدیل کرنا۔مینڈک کے بچے اور مچھلیوں کو کھلانا۔جن ڈبوں میں تیتریوں اور دوسرے قسم کے کیڑوں کے بچے ہوں اُن کے لئے تازہ پتیوں کا انتظام کرنا۔اس منزل پر مختلف جانوروں اور پودوں میں جنس سے متعلق امتیازی فرق کو خاص طور پر پیش نظر رکھا جائے گا۔مثلاً خشکی اور آبی پرندوں کی بناوٹ میں کیا فرق ہوتا ہے۔اس خصوصی بناوٹ کی وجہ سے اُن کو اپنی زندگی بسر کرنے میں کیا سہولتیں ہیں۔مچھلی کس طرح پانی میں تیرتی ہے، کس طرح غوطہ لگاتی ہے۔کس طرح اوپر آتی ہے۔ہوائی جہاز کس طرح اوپر ہوا میں اُڑتا ہے، وہ اپنی پرواز میں کس پرندہ سے مشابہ ہے۔

نباتی زندگی کا مطالعہ بھی زیادہ سائنٹیفک اُصول کی تحت عمل میں آئے گا۔مثلاً موسمی پھول اور پھل والے پودے۔موسم کے لحاظ سے اُن پودوں کی موزونیت پودوں میں موسم کے لحاظ سے تبدیلیاں۔پتوں کا گرنا۔تازہ پتیوں کا آنا۔پودے کے مختلف حصوں کا فعل۔درختوں کو ہوا پانی اور روشنی کی ضرورت۔اس طرح وہ پودوں کی نشوونما اور اُن کی غور وپرداخت سے متعلق ابتدائی معلومات خود حاصل کریں گے۔یہی ابتدائی علمی دلچسپیاں رفتہ رفتہ ایک صاحب فکر اُستاد کے ذریعہ ایسی علمی ذوق میں تبدیل ہو جاتی ہیں جو طالب علم کو ایک محقق یا حکیم کے درجہ تک پہنچادیتی ہیں ۔

علم طبیعیات میں ان عام مظاہر قدرت کا مطالعہ کیا جائے گا جو بچہ آئے دن دیکھتا ہے لیکن اُن کے ابتدائی اصول سے لاعلم ہے۔مثلاً بھاپ کی طاقت۔چاند و ستاروں کی گردش۔شبنم۔بادل۔کہر۔ہوائیں و بارش اور اُن کے اثرات۔صابن کے بُلبلے اور اُن کے رنگ۔ابتدائی برقی اور مقناطیسی تجربات۔اس امر کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا ہوگا کہ طبیعیات کے ان اصولوں کو بچوں کے سامنے کلیات کی صورت میں بیان کرکے بعد میں مشاہدات نہ کرائے جائیں ورنہ یہ عمل گاڑی گھوڑے کے سامنے

باندھنے کا مصداق بن جائے گا۔ اس نوبت پر فرداً فرداً ہر طالب علم کے پاس ایک نوٹ بک ہوگی جس میں وہ اپنے مشاہدات کو درج کرے۔ جن اشیاء کا مشاہدہ کیا جائے ان کو ڈرائینگ اور دستی مشاغل کے ذریعہ بھی بنوایا جائے۔ مثلاً پودوں کا روشنی کی جانب جھکنا۔ جڑوں کا نیچے کی طرف پھیلاؤ۔ تاریک اور سایہ میں پیدا ہونے والے پودے۔ اور ان کا رنگ۔ پھولوں کی پنکھڑیاں کھلنا اور بند ہونا۔ شہد کی مکھیوں کا شہد کی تلاش میں پھولوں پر آکر بیٹھنا وغیرہ۔ چھوٹی اشیاء کی شکلیں مثلاً پھولوں کے چھوٹے چھوٹے کیڑے۔ تخم بڑے پیمانہ پر بتانا زیادہ مناسب ہوتا ہے

حساب کی تعلیم ابتدائی شہری مدارس میں حساب کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ بچوں میں شروع ہی سے صحیح استدلال کی ترتیب پیدا کی جائے۔ صحیح استدلال کی تربیت کے مواقع جتنے اس مضمون میں ہیں دوسرے مضامین میں نہیں ملتے۔ اس کے علاوہ اگر حساب کی تعلیم اس ابتدائی زمانہ میں صحیح طریقہ پر دی جائے تو بلاشبہ بچہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اگر وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ کوئی ناگزیر حالات کی تحت تحتانوی مدارج کے ختم کرنے کے بعد جاری نہ رکھ سکے تو آئندہ زندگی میں اپنے روزمرہ کے تجارتی یا دیگر کاروبار کو بہ آسانی انجام دے سکے۔

صغیر جماعت میں حساب کی تعلیم کا آغاز اعداد وشمار سے ہوتا ہے۔ لیکن (۵) یا (۶) برس کی عمر کے بچے کے لئے اعداد پر نظری اسباق بالکل بے معنی ہیں۔ اعداد کا صحیح مفہوم پیدا کرنے کے لئے مقرون چیزوں سے تعلیم دینا نہایت ضروری ہے۔ استاد کو چاہیئے کہ وہ اسباق الاشیاء کے ذریعہ اعداد کا مفہوم بچے کے دماغ میں اس طرح جمائے جس طرح بچہ لفظ بلی کا مفہوم اصلی بلی کو دیکھ کر پیدا کرتا ہے۔ مختلف اعداد کی تصاویر کے ذریعہ یہ مفہوم بہ آسانی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً (۳) سے مراد ہمیشہ کسی قسم کی تین چیزیں۔ تین بلیاں تین جہاز، تین مچھلیاں وغیرہ۔ اس طرح مختلف تین تصاویر بنا کر ہر ایک کے نیچے ۳ کا ہندسہ درج کر دیا جائے۔ نمونہ کے اسباق کے دوران میں اس مفہوم کو پیدا کرنے کے لئے ایک موقع پر ایک زیر تربیت استاد نے سبز زمین کے تختہ پر ایک درخت بنایا۔

اُس درخت کی شاخوں پر سوئیوں کے ذریعہ ایک ہی قسم کے خوبصورت پرندے کاغذ سے تراش کر آویزاں کئے۔ بعد میں ان پرندوں کی تعداد کم و بیش کر کے ایک دلچسپ کامیاب سبق دیا۔ اعداد کا یہ مفہوم اگر بچّہ کے سامنے بالکل قدرتی صورت میں پیش کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے مثلاً اُس کے دوست کا طول ۴ فٹ ہے۔ اُس کے پاس ۵ پیسے ہیں۔ اس کی کتابوں کا وزن ۲ سیر ہے وغیرہ۔

گنتی کے بعد ابتدائی چار بنیادی اُصول جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم سکھانے میں شروع ہی سے اس امر کا خیال رکھا جائے کہ بچہ میں ناقص عادتیں نہ پیدا ہوں۔ کیوں کہ حساب کے سوالات میں صحت اور روانی ایک بڑی حد تک عادت پر اور عادت مشق پر منحصر ہے۔

عادت غلط یا صحیح دونوں راستے اختیار کر سکتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض طلبہ اعلیٰ جماعتوں میں پہنچ جانے کے بعد بھی انگلیوں پر شمار کیا کرتے ہیں۔ یہ ناقص عادت ہمیشہ اس مضمون کی روانی اور تیزی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ ابتدا میں ا سے ۱۰ تک مختلف ہندسوں کو آپس میں جمع اور تفریق کرنے کی زبانی اور تحریری ذہنی مشق کرائی جائے کہ یہ حصہ تقریباً زبانی یاد ہو جائے۔ مثلاً ۲ + ۵ = ؟ ۷ + ۳ = ؟ ۲ + ؟ = ۱۰ ؟ + ۲ = ۱۰ وغیرہ ۱ سے ۱۰ تک کے اعداد کی جوڑ اور باقی صرف خالی خولی اعداد پر ہی مشتمل نہ ہو بلکہ اُن کو موزون عبارتی سوالات کی صورت میں بچوں کے سامنے پیش کیا جائے مثلاً احمدؔ ۹ روپیہ بازار لے کر گیا اُس میں سے ۴ روپیہ کا ایک قلم خریدا۔ احمدؔ کے پاس اب کیا باقی ہے؟ ایک گلاب کے پودے میں پہلے دن ۲ پھول اور دوسرے دن ۵ پھول نکلے۔ جملہ کتنے پھول نکلے۔ ا سے ۱۰ تک کے اعداد کی مشق ہو جانے کے بعد اعداد کو اول ۲۰ تک اور پھر ۳۰ تک اور اس طرح آہستہ آہستہ ۱۰۰ تک وسعت دینا چاہیئے۔ جب بچوں میں چھوٹے چھوٹے اعداد کے فرق کے ساتھ مسلسل ۱۰۰ تک جمع یا تفریق کرنا آجائے تو پہاڑوں کی ابتدا کی جائے۔ پہاڑوں کے جدول بچوں سے خود تیار کرانا چاہیئے۔ اور ان کی مشق مختلف طریقوں سے خوب کرائی جائے۔ پہاڑہ بنیاد ہے تمام حسابوں کی لہذا پہاڑوں کے یاد کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھنا چاہیئے۔ مروّجہ طریقہ بہت خشک اور بچوں کے لئے

حوصلہ افزا نہیں ہے۔ مختلف تصویروں اور عبارتی سوالات کے ذریعہ اس کو بھی دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔ جماعت کو گروہ واری تقسیم کر کے بلند آواز سے پہاڑے وقتاً فوقتاً یاد کرائے جائیں۔ پہاڑوں کو ۱۔۲۔۳۔ کے سلسلے سے یاد کرانا ضروری نہیں۔ زیادہ بہتر ہوگا کہ ابتدا میں ۲ و ۱۰ اور ۱۱ کے پہاڑے پھر ۳ اور ۴ اور ۵ کے اور آخر میں ۶، ۷، ۸ اور ۹ کے پہاڑے یاد کرائے جائیں۔ ۱۲، ۱۶، ۲۰ کے پہاڑے روزمرہ کی حسابی ضروریات کے لئے نہایت اہم ہیں۔ لہذا ان کو خاص طور پر یاد کرایا جائے۔

اس موقع پر اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ضرب اور تقسیم اور دوسرے قاعدوں کے طریقہ تعلیم کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے لیکن اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ان قاعدوں کی مروجہ تعلیم ایک بڑی حد تک میکانکی ہے۔ بڑی جماعتوں میں بھی پہنچ کر اکثر طلبہ یہ نہیں جانتے کہ ضرب کرنے میں پہلے عدد سے ضرب کرنے کے بعد دوسرے عدد سے ضرب کرتے وقت ایک جگہ چھوڑ کر کیوں لکھتے ہیں یا تقسیم میں ایک ایک عدد باری باری سے کیوں اتارتے ہیں۔ ان قاعدوں کی تعلیم میں میکانکی مشق کے ساتھ ہی ساتھ ذہنی تربیت بھی نہایت ضروری ہے۔ خالص میکانکی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کے ذہنی قویٰ بالکل بے حس ہو جاتے ہیں۔ ذیل کے ایک سوال اور اُس کے جواب سے جو جماعت ہشتم کے ایک طالب علم نے دیا اس بے حسی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عہ روپیہ ۱۵ر فی گز کے حساب سے ۱۵ گز کپڑے کی قیمت بتاؤ (زبانی)۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب ۳۰ روپیہ سے زیادہ ممکن نہیں۔ لیکن جواب ملا ۲۴۰ روپیہ۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں اس قسم کے جوابات اعلےٰ جماعتوں کے طلبہ سے بھی ملا کرتے ہیں اور یہ خالص میکانکی تربیت کا نتیجہ ہے۔

حساب یا کسی مضمون کی تعلیم میں اُستاد کو یہ فرض نہ کرنا چاہیئے کہ جو طریقہ اس نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں سیکھا تھا وہی سب سے آسان اور بہترین طریقہ ہے۔ مختلف طریقوں پر غور کرنے کے بعد اُسے اس نتیجہ پر پہنچنا چاہیئے کہ بچوں کے لئے ہر لحاظ سے مفید ترین طریقہ کیا ہوگا۔ مثلاً ضرب کرنے میں بجائے پہلی عدد کی ضرب کی آخری عدد سے ضرب شروع کی جائے تو ذہنی نقطہ نظر سے زیادہ بہتر ہوگا۔ اُستاد کو اس امر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے

کہ کسی جدید طریقہ پر پہنچنے کے لئے بچوں کی دلچسپی اور شوق کو ہر ممکنہ طریقہ پر اُبھارے ۔ شوق اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ سوالات کو ایسی حقیقی صورتوں میں پیش کرے جو بچہ کے معلومات کے حدود سے باہر نہ ہوں ۔ اس امر کی بھی سفارش کی جاتی ہے کہ جدید سبق کو ہمیشہ آلات یا اسباق الاشیاء کے ذریعہ بچوں کے سامنے پیش کیا جائے ۔ مثال کے طور پر کسور کی تعلیم میں سبق کی ابتدا اس طرح کی جاسکتی ہے ۔ ہم کس طرح اس رسّی کو ۸ برابر حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور اس طرح نہایت سادہ طریقہ سے دو چوتھائی یعنی نصف ۔ دو آٹھواں حصہ یعنی چوتھائی اور ایک تہائی اور ایک پانچواں حصہ کا مفہوم دیا جاسکتا ہے ۔

زبانی حساب

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مدرسہ میں زبانی سوالات پر بہت کم توجہ کی جاتی ہے ۔ حالانکہ روزمرہ کے تجارتی کاروبار میں زبانی حساب کی بہت ضرورت پیش آتی ہے ۔ بچے سینکڑوں اور ہزاروں روپیہ کا تحریری حساب کرتے رہتے ہیں لیکن معمولی سا سوال یعنے ۱½ روپیہ کا اسیر گھی ہے تو روپیہ میں کتنا گھی ملے گا بتانے میں پس و پیش کرتے ہیں ۔ زبانی سوالات تین قسم کے ہونے چاہیئے (۱) تمہیدی سوالات جن سے سبق کی ابتدا کی جائے (۲) اختتامی سوالات جن سے یہ معلوم ہو کہ طالب علم کس سبق کو کس حد تک سمجھا ہے ۔ ان اعادی سوالات کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ جو نصاب ختم ہو چکا ہے اُس کو وقتاً فوقتاً دہراتے رہنا چاہیئے تاکہ بچے اُس کو بھول نہ جائیں ہمارے مدارس میں اعادی سوالات کی جانب کوئی توجہ نہیں کی جاتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ایک سال میں جو پڑھتا ہے دوسرے سال بالکل بھول جاتا ہے ۔ زبانی سوالات کے دو طریقے ہونے چاہئیں اول تختہ سیاہ پر اختصار کے ساتھ موزون سوالات لکھ کر تمام جماعت کو مخاطب کرکے مختلف طلبہ سے جوابات طلب کئے جائیں (دوم) وقتاً فوقتاً لڑکوں کو ہدایت دی جائے کہ وہ اپنے جوابات کو کسی کاغذ پر لکھدیں ۔ اس طرح سے اُستاد کو یہ بھی معلوم ہوتا رہے گا کہ کون سے طلبہ جواب دینے سے قاصر رہے ۔

اصلاح

دوسرے تحریری کاموں کی طرح حساب کی بیاضات کی اصلاح نہایت ضروری ہے اگرچہ مقابلۃً دیگر ادبی مضامین کے حساب کے تحریری کام کی

اصلاح زیادہ آسان ہے لیکن اس میں صرف اتنا ہی دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ سوال صحیح ہے یا غلط۔ استاد کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ طالب علم کی غلطی کس قسم کی ہے حساب کے سوالات میں عموماً جو غلطیاں کی جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں (۱) ایسی غلطی جو غلط ضرب اور تقسیم کی وجہ سے ہوئی ہو لیکن سوال کا عمل اور استدلال صحیح ہو (۲) ایسی غلطی جو غلط استدلال اور غلط عمل کی وجہ سے ہوئی ہو (۳) ایسی غلطی جو سوال کے مفہوم کو صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہو۔ پہلے قسم کی غلطی بچوں سے خود صحیح کرالی جائے۔ لیکن سوال کو کسی صورت میں بھی غلط رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ دوسری و تیسری قسم کی غلطی اگر جماعت میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے کی ہو تو اُسے تختہ سیاہ پر سمجھا دینا چاہیئے۔ ورنہ فرداً فرداً سمجھانا چاہیئے۔

حساب کی کتاب کا انتخاب۔ جماعت کے لئے مناسب حساب کی کتاب کا انتخاب نہایت اہم ہے۔ اچھا اُستاد وہی ہے جو جماعت کی موزونیت اور ضرورت کے لحاظ سے مختلف کتابوں سے دلچسپ اور موزون سوالات کا ذخیرہ جمع کرے لیکن ٹکسٹ بک کا ہونا بھی ضروری ہے جماعت میں مختلف ذہنیت اور استعداد کے طلبہ ہوتے ہیں عموماً چند بہت ذہین اور چند بہت غبی ہوتے ہیں۔ لیکن ایک بڑی تعداد اوسط ذہن رکھنے والے طلبہ کی ہوتی ہے۔ بعض اوقات جماعت کے چند ذہین اور تیز طلبہ پوری جماعت کے لئے نقصان کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔ وہ سوالات کے حل کرنے کی رفتار اور اُن کا معیار اس قدر بلند کر دیتے ہیں کہ جماعت کے اوسط اور کمزور طلبہ پیچھے رہجاتے ہیں۔ اب اُستاد کے لئے جس دقت کا سامنا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ ذہین لڑکوں کا خیال رکھے تو باقی جماعت کا کام نہیں چلتا اور اگر دوسری طرف رخ کرے تو ذہین طلبہ خسارہ میں رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ٹکسٹ بک سے بہت مدد ملتی ہے۔ استاد جب دوسرے طلبہ کی طرف متوجہ ہو تو ذہین طلبہ کو ان کی موزونیت کے لحاظ سے کتاب سے سوالات حل کرنے کو دیدے۔ اور اس طرح تمام طلبہ مصروف ہو جاتے ہیں۔ نیز ہوم ورک میں بھی ان کتابوں سے بچوں کو میکانکی طرز کے سوالات دئے جا سکتے ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری زبان میں ابتدائی جماعتوں کے لئے

حساب کی کتابوں کا کوئی اچھا سلسلہ نہیں ہے اگر A way of Arithmetic کی طرح زبان انگریزی میں جو سلسلہ ہے اُسی طرز پر ہماری ضروریات کے لحاظ سے بھی کتابوں کا سلسلہ تیار کیا جائے تو نہایت مفید ہوتا۔ اس سلسلے میں حساب کے کام کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ زبانی۔ میکانکی اور ذہنی جماعت میں ان تینوں حصوں کو اس طرح ملا دیا جائے کہ زبانی اور تحریری دونوں کاموں میں صحت کے ساتھ ساتھ روانی بھی پیدا ہو۔ یہی صفات حساب میں حقیقی کامیابی کا معیار ہیں۔

صحت و ورزش جسمانی طلبہ*

از

مولوی سید محمد ہادی صاحب ایم۔ اے (کنٹب) آرگنائزنگ کمشنر بائز اسکوٹ

روم اور یونان نے تعلیم ورزش جسمانی کو نہایت اہمیت دی تھی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ملک کے افراد کو خاص کر ایسے افراد کو جو پہلے ہی سے توانا اور تیز تھے، زیادہ مضبوط اور چست بنائیں تاکہ وہ جنگ کے موقع پر کام آسکیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کمزور بچوں کو زندگی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کو مدِ نظر رکھ کر انھوں نے اس تعلیم کے اُصول کو تیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعلیم ایسے اشخاص کو جو بیماریوں کی وجہ یا پیدایش سے جسمانی نقائص میں مبتلا ہوتے تھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ جدید تعلیم ورزش جسمانی چونکہ انسان کو زندگی کی جدوجہد کے لئے تیار کرتی ہے اس لئے اس میں تمام افراد کے لئے رعایت رکھی گئی ہے۔ خواہ وہ توانا ہوں یا ناتواں تندرست ہوں یا جسمانی نقائص میں مبتلا، دماغی وجسمانی دونوں طاقتوں کو فروغ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے طاقت سے زیادہ صحت کو اہمیت دی گئی ہے جو فوجی اور غیر فوجی دونوں قسم کے اشخاص کے لئے ضروری ہے۔ جس طرح ایک

* مضمون جو سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ بلدہ بابت ۱۹۳۹ء میں پڑھا گیا۔

سپاہی کو اپنے متعدد فرائض کی انجام دہی کے لئے اپنی صحت کو درست رکھنے کے لئے ورزش و غذا وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی طرح ایک طالب علم کو اپنی پڑھائی میں کامیاب ہونے کے لئے اور ایک منشی یا عہدہ دار کو اپنے فرائض کو عمدگی سے انجام دینے اور ترقی دینے کے لئے صحت برقرار رکھنا لازمی ہے۔ کتنے طالب علم ہیں ایسے نظر آتے ہیں جو ہونہار ذہین اور محنتی ہیں لیکن صحت کی خرابی کے سبب اپنی دماغی قوتوں سے اس قدر فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جتنا کہ اُٹھانا چاہیئے۔ جسمانی قوت اور صحت دونوں جدا نہیں لیکن بعض طلبہ اپنی لاعلمی کے سبب ان میں فرق پیدا کرتے ہیں جس کا نتیجہ خود ان کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ مثلاً اپنے جسم کے پٹھوں کو مضبوط اور خوبصورت بنانے کی خاطر وہ ضرورت سے زیادہ ورزشیں کرتے ہیں انھیں اپنے مقصد میں کامیابی ضرور ہوتی ہے لیکن اس کا اثر ان کی عمر بڑھ جانے پر ان کی صحت پر خراب پڑتا ہے۔ لہذا صحت اور طاقت دونوں کی ترقی یکساں ہونی چاہیئے اور صرف اتنی اور ایسی ہی ورزش کی جانی چاہیئے جو تمام اعضاء کی ترقی کے لئے کافی ہو۔ جس طرح ورزش کا نہ کرنا انسان کی صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اسی طرح ضرورت سے زیادہ یا غیر موزون ورزش صحت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ ہندوستان میں کتنے ایسے ہونہار طلبہ ہوں گے جو صرف دماغی تعلیم کو اہمیت دیتے ہیں اور جسمانی تعلیم و صحت کی جانب التفات تک نہیں کرتے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان میں سے متعدد ایسے بھی ہوں گے جنھیں اپنی دماغی محنت کا صلہ پانا اس ایک غفلت کے سبب ہل نہ سکا ہو۔ یوں تو میں نے اپنے کئی دوستوں کی صحت، ورزش نہ کرنے کے سبب خراب ہوتے دیکھی ہے لیکن ایک دوست کی افسوس ناک وفات نے یہ ثابت کردیا کہ صرف دماغی قوتوں کی ترقی انسان کی صحت کو نہ صرف تباہ کرتی ہے بلکہ اس کی موت کا باعث بھی ہوتی ہے۔ میرے ایک حیدرآبادی دوست کیمبرج یونیورسٹی میں میرے ساتھ تعلیم پاتے تھے اور ہم دونوں ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے۔ مرحوم نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ چنانچہ چوبیس گھنٹوں میں سے کم از کم سولہ گھنٹے مطالعہ میں گزارتے تھے۔ انہوں نے پہلے دو سال کیمبرج یونیورسٹی کے امتحانات میں اول درجہ میں کامیابی حاصل کی میں انھیں جتایا کرتا تھا کہ وہ اپنا تمام وقت کرے میں

نہ گزاریں اور مذاقاً کہا کرتا تھا کہ "میاں ایک روز پڑھتے پڑھتے مرجاؤ گے کچھ تو ورزش کیا کرو" وہ میری بات کو ہنسی میں ٹال دیتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں کھانسی ہوئی لیکن انھوں نے اس کو معمولی کھانسی سمجھ کر پروا نہ کی ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ اس قدر بڑھ گئی کہ انھیں مجبوراً ڈاکٹر کے پاس رجوع ہونا پڑا جس نے امتحان کے بعد کہا کہ انھیں ٹی۔ بی۔ یعنی دق ہوگیا ہے اور ہدایت دی کہ وہ کھلی ہوا میں وقت گزاریں اور کسی سینیٹوریم کو چلے جائیں۔ مرحوم کو مجبوراً ایک سینیٹوریم بھیجا گیا جہاں انھوں نے ایک ماہ گزارا اور اس کے بعد انھیں ہندوستان بھیج دیا گیا۔ بمبئی پہنچنے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی اصول صحت و ورزش سے لاپروائی اور صرف دماغی قوتوں کو ترقی دینے کی خواہش نے نہ صرف ان کی جان لی بلکہ ملک و قوم کو ایک بڑا نقصان پہنچایا۔ اس لئے ایسے والدین جو اپنے بچوں کی دن رات دماغی محنت سے خوش ہوتے ہیں اور انھیں ورزش اور کھیل سے روکتے ہیں ان کے حق میں کوئی بھلائی نہیں کرتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو دماغی و جسمانی قوتوں کی ترقی میں توازن قائم رکھنے کے لئے کہیں اور نگرانی رکھیں بعض والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے لڑکے چونکہ ڈاکٹر یا بیرسٹر بننے والے ہیں لہذا انھیں اپنا تمام وقت پڑھائی میں صرف کرنا چاہئے کیونکہ اس قسم کے پیشہ ور اشخاص کے لئے جسمانی قوت کی ضرورت نہیں ہے۔ اصول تعلیم سے واقفیت رکھنے والے اشخاص کی ذہنیت بھی اس قسم کی پاکر مجھے نہایت تعجب ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک دوست سے ایک روز کہا کہ آپ کا لڑکا نہایت اچھا ٹینس کا کھلاڑی بن سکتا ہے آپ اس کو ہمارے کلب میں بھیجئے میں بخوشی اس کو کوچنگ دوں گا۔ تو فرمانے لگے کہ وہ ڈاکٹری پڑھ رہا ہے اس کو پڑھائی سے فرصت نہیں ملتی اور میں نہیں چاہتا کہ ٹینس اس کی پڑھائی میں حارج ہو۔ اس جواب سے مجھے یہ پتہ چلا کہ ایک ایسے بھی صاحب موجود ہیں جن کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کا لڑکا چوبیس گھنٹوں میں ڈیڑھ یا دو گھنٹے اپنی جسمانی صحت و طاقت کو ترقی دینے میں صرف کرے۔ جب تک ہمارے ملک میں یہ ذہنیت باقی رہے گی ہماری جسمانی حالت درست نہیں ہوسکتی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زندگی کی موجودہ جدوجہد میں ایک ڈاکٹر یا بیرسٹر کو اپنے پیشے

متعلقہ فرائض کو انجام دینے کے لئے اتنی ہی جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے جتنی کہ ایک سپاہی کو۔ عموماً جسمانی صحت کو انسان کے قویٰ سے جانچا جاتا ہے اور ان اثرات کو نظر انداز کیا جاتا ہے جو اخلاق اور صحت پر اچھی یا خراب صحت کی وجہ پڑتے ہیں۔ یہ ایک غلط طریقہ ہے۔ وہی انسان تندرست سمجھا جانا چاہیئے جس کے قویٰ اور دماغ دونوں نے کامل طور پر اور توازن کے ساتھ ترقی پائی ہو۔ جس میں برداشت کی طاقت اور کام کا شوق ہو۔ موجودہ تعلیم ورزش ان ہی اصول کے مطابق دی جاتی ہے اور اس کی تعلیم وہی اشخاص بہتر طریقہ پر دے سکتے ہیں جن کی لیاقت اچھی ہو اور جنھوں نے علمی اور اصولی تعلیم حاصل کی ہو۔ ایک زمانہ تھا کہ ورزش جسمانی سے مراد صرف جسمانی اعضاء کی ترقی سمجھی جاتی تھی اور اس لئے مدارس میں اس تعلیم کے لئے ایسے اشخاص مقرر کئے جاتے تھے جو فوجی وظیفہ یاب ہوتے تھے اور تھوڑی بہت ڈرل کرانا جانتے تھے لیکن اصول اور ذہنیت کے بدل جانے کی وجہ سے ایسے اشخاص کا طریقہ تعلیم بھی مفید نہیں رہا ہے۔ کیونکہ مدرسہ کے تمام طلبہ کو بلا لحاظ اُن کی عمر یا طاقت کے ایک ہی قسم کی ورزشیں کرانا یا صرف سینہ ابھارنے اور پٹھے بنانے کے طریقے بتانا اور طلبہ کو بلا چون وچرا سپاہیوں کی طرح احکام کی پابندی سکھانا جدید تعلیم کے اصولوں کے خلاف ہے۔ آج کل کے معلم جسمانی کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کو ایسی ورزشیں بتائے جو ان کی عمر اور طاقت کے مُطابق ہوں۔ ان کے جسمانی نقائص کو معلوم کرے اور ان کو مختلف ورزشوں کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے اسباق کو اس قدر دلچسپ بنائے کہ طلبہ خوشی اور توجہ سے اس میں حصہ لیں۔ اپنے جسم کو تندرست اور اخلاق کو درست رکھیں تاکہ وہ طلبہ کے لئے نمونہ بنیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے مدارس میں تربیت جسمانی صحیح اصول پر دی جارہی ہے اور ایسے معلموں کے سپرد ہے جو ان اوصاف کو اپنے میں رکھتے ہوں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ملے گا۔ اس لئے کہ مغربی ممالک کے مدارس میں تربیت جسمانی کا طریقہ جو تقریباً پچاس سال قبل تھا وہ ابھی تک یہاں رائج ہے۔ یعنی ہم نے اس تعلیم کو وظیفہ یاب فوجی سپاہیوں کے سپرد کر رکھا ہے جو اپنے فوجی طریقہ تعلیم سے تو بخوبی واقف

ہوتے ہیں لیکن جدید اصول سے بالکل لاعلم ہیں اور وہ جدید طریقے پر تعلیم دے بھی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ان میں بیشتر ناخواندہ ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہمارے دیگر اساتذہ اور والدین کی ذہنیت وہی ہے جو مغربی ممالک میں پچاس سال قبل تھی۔ ہم ابھی تک تربیت جسمانی کو دماغی تعلیم سے جدا سمجھ رہے ہیں اور لڑکے جو وقت اس کو حاصل کرنے میں گزارتے ہیں اس کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ ان لڑکوں کی قدر کی جاتی ہے جو کتاب کے کیڑے بنے رہتے ہیں۔ خواہ ان کے اس عمل سے ان کی صحت خراب ہی کیوں نہ رہتی ہو۔ معلم ورزش جسمانی کو دیگر اساتذہ کا رتبہ نہیں دیا جاتا ہے بلکہ وہ مدرسہ کا ایک داروغہ سمجھا جاتا ہے اور اس سے ایسے کام لئے جاتے ہیں جو ایک استاد کے شایاں شان نہیں ہوتے اس سلوک کا اثر طلبہ کے ضبط پر بھی نہایت برا پڑتا ہے کیونکہ ایسے معلم کی جو صدر مدرس و دیگر اساتذہ کی نظروں میں گرا ہوا ہو طلبہ بھی قدر نہیں کر سکتے اور نہ اس کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ درس کی حد تک طلبہ اس میں اس لئے دلچسپی نہیں لیتے کہ وہ دلچسپ نہیں ہوا کرتا۔ اور دلچسپ اس لئے نہیں ہوتا کہ مدرس اپنی کمزور علمی قابلیت کی وجہ سے کتب کا مطالعہ کرنے اور نئے نئے اسباق تیار کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور اکثر صرف ایک ہی قسم کی ورزشوں کو تمام سال ایک ہی جماعت سے بلا لحاظ عمر و قوت طلبہ کرایا کرتا ہے۔ چونکہ طلبہ دلچسپی اور شوق سے ورزشیں نہیں کرتے ہیں اس لئے ورزش سے جو جسمانی فوائد انھیں حاصل ہونے چاہئیں وہ حاصل نہیں ہوتے اور اس تعلیم کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ موجودہ حالت کو درست کرنے کی چند تدابیر میں نے کئی سال قبل گورنمنٹ میں پیش کی تھیں جن کو دہرانا بے محل نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ تدابیر عمل میں لائی جائیں تو ہمارے طلبہ کی تندرستی اور دماغی قوتوں میں ضرور ترقی ہوگی۔

سب سے پہلے یہ کہ جسمانی اور دماغی تعلیم کو جدا نہ سمجھا جائے بلکہ ہر دو کو مساوی اہمیت دی جائے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ جتنے گھنٹے دماغی تعلیم کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں اتنے ہی جسمانی تعلیم کے لئے بھی رکھے جائیں۔ بلکہ یہ ضرور سمجھا جائے کہ دماغی تعلیم کے ساتھ جسمانی تعلیم بھی ہر طالب علم کے لئے لازمی ہے جن اساتذہ کے سپرد یہ تعلیم کی جائے ان کا

وقار دوسرے اساتذہ سے کم نہ ہو اور ان کے ساتھ مساوی برتاؤ کیا جایا کرے۔ جسمانی معلم میں علمی لیاقت بھی اس طرح ہو جیسے دوسرے اساتذہ میں ہوا کرتی ہے تاکہ جب وہ سن رسیدہ ہو جائے تو اس کے سپرد دوسرے مضامین کی تعلیم کی جا سکے اور اس کی جگہ کوئی موزون اور نوجوان شخص لے۔ ٹریننگ اسکولز اور کالج میں تربیت جسمانی ایک اختیاری مضمون قرار دیا جائے تاکہ جنھیں اس مضمون سے ذوق ہو وہ اس کو اختیار کریں اور کامیابی کے بعد مدرسہ میں اس کی تعلیم دے سکیں۔ میں نے انگلستان کے اکثر مدارس میں دیکھا ہے کہ وہاں تعلیم جسمانی کے لئے خاص معلم مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ ایک کلاس ٹیچر ہی دوسرے مضامین کی طرح جسمانی تعلیم بھی دیا کرتا ہے۔ تقررات کے وقت جس طرح آج کل حسب ضرورت ریاضی، تاریخ وغیرہ کے جاننے والے اشخاص کو ترجیح دی جاتی ہے اگر تربیت جسمانی کے مضمون میں کامیاب شدہ اشخاص کا بھی تقرر ہوا کرے تو ایک عرصہ کے بعد ہمارے مدارس میں ایسے اشخاص کی کافی تعداد مہیا ہو جائے گی اور یہ ممکن ہو جائے گا کہ ہم بھی اس تعلیم کو کلاس ٹیچر ہی کے سپرد کر سکیں، جو میرے نزدیک ہر لحاظ سے بہتر طریقہ ہے۔ معلم جسمانی کی تنخواہ اور گریڈ وہی ہو جو دوسرے اساتذہ کا ان کی قابلیت کے مطابق ہوا کرتا ہے تاکہ یکسانیت قائم رہے اور ردّ و بدل میں دقت نہ پیش آئے۔ تربیت جسمانی کے لئے جو اوقات مقرر کئے جاتے ہیں وہ کسی لحاظ سے موزون نہیں۔ ایک طالب علم کا ہفتے میں دو بار پون گھنٹے کے لئے ورزش کرنا اس کی تندرستی کے لئے کافی نہیں۔ اگر اس کے بجائے ہفتے میں پانچ روز ہر جماعت کے لئے پندرہ منٹ ورزش جسمانی کی تعلیم رکھی جائے تو زیادہ سود مند ہوگا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کو کلاس ٹیچر کے سپرد کیا جائے۔

حضرات اب تک میں نے تعلیمی ورزش کی نسبت اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کئے اور اب تفریحی ورزش کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تفریحی ورزش سے مراد وہ تمام کھیل ہیں جو مدارس میں کھلائے جاتے ہیں اور جو طلبہ کے جسم کو توانا رکھنے اور ان کے اخلاق کو درست کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ تعلیمی ورزش کے ساتھ تفریحی ورزش کا جاری رکھنا ضروری ہے۔ کیوں کہ جسم کو کامل طور پر ترقی دینے کا دارومدار دونوں قسم کی

ورزشوں پر ہے۔ تفریحی ورزش سے جسم کے خاص خاص حصے ترقی پاتے ہیں اور دوسرے حصے اس سے محروم رہتے ہیں مثلاً فٹبال سے کھلاڑیوں کے جسم کے نچلے حصے مضبوط بنتے ہیں اور اوپر کے جسم کے حصے ویسے ہی رہ جاتے ہیں۔ پس تفریحی ورزش اگرچہ تندرستی اور اخلاق کی درستی کے لئے مفید ہے لیکن ان تمام ضروریات کو پورا نہیں کرتی جو بڑھتے ہوئے بچوں کے لئے لازمی ہیں۔ لہذا بعض صدر مدرس صاحبان کا یہ خیال کہ ان کے مدارس میں چونکہ کھیلوں کو اہمیت دی جاتی ہے اس لئے تعلیمی ورزش کو اہمیت نہیں دی جاتی درست نہیں۔ تفریحی ورزش کی حد تک ہمارے مدارس نے بہت کچھ ترقی کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے طلبہ کے کھیل کا معیار اگر برٹش انڈیا کے طلبہ کے معیار سے بہتر نہیں تو اس سے کسی صورت میں کم بھی نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارے مدارس کے لئے بازی گاہیں میسر نہیں ہیں جو کھیلوں کے معیار کو بڑھانے کے لئے ضروری ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے مدارس کے لئے عمدہ بازی گاہیں فراہم کردی جائیں تو ہمارے پاس ایسے ہونہار کھلاڑی موجود ہیں جن کا معیار اس قدر بلند کیا جاسکتا ہے کہ وہ نہ صرف ہندوستان کے بہترین کھلاڑی بنیں بلکہ یوروپی ممالک کے کھلاڑیوں سے مقابلہ کرسکیں۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ ہماری ریاست میں ایک بھی ایسی بازی گاہ نہیں جہاں بڑے بڑے مقابلے منعقد کئے جاسکیں۔ محکمۂ تعلیمات اس کی فراہمی کے لئے ایک عرصۂ دراز سے کوشاں ہے لیکن ابھی تک ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے لئے دیگر محکموں اور پبلک کے ایسے افراد کے تعاون کی ضرورت ہے جو موزون آراضی کے مالک ہیں اور ان کو فروخت کرنے کے لئے رضامند نہیں ہوتے یا حد سے زیادہ قیمت طلب کرتے ہیں۔ اگر ہمیں بازی گاہیں میسر آجائیں تو ہم آسانی کے ساتھ مختلف کھیلوں میں طلبہ کی کوچنگ کا انتظام کرسکتے ہیں۔ بڑے بڑے مقابلے مقرر کرسکتے ہیں تاکہ اعلیٰ کھلاڑیوں کے کھیل کو دیکھ کر ہمارے یہاں کے کم سن کھلاڑی اپنے معیار کو بڑھا سکیں۔ حضرات میرا یہ ایقان ہے کہ کھیل ہی کے ذریعے ہم اپنے طلبہ کی جسمانی اور اخلاقی خامیوں کو دور کرسکتے ہیں اور اُن میں ضبط پیدا کرسکتے ہیں۔ آج کل جو ضبط میں خرابی نظر آرہی ہے وہ بازی گاہوں کی

عدم موجودگی کا سبب ہے۔ شام میں اکثر طلبہ مدرسہ چھوڑ کر چائے خانے یا سینما گھر بسا تے ہیں۔ اور بجائے تفریحی کھیلوں میں اپنا وقت صرف کرنے کے سیاسیات یا فرقہ واری مسائل کو حل کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں جن کی نسبت وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ زیادہ چائے خوری اور سینما بینی ان کی صحت کو تباہ کر رہی ہے اور سیاسی گفتگو ان کی ذہنیت پر برا اثر ڈال رہی ہے۔ لہٰذا اگر ہم بازی گاہیں فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ایک بیش بہا قومی کام انجام دیں گے اور اپنی قوم کے ہونہار بچوں کو تباہی سے بچائیں گے۔

حضرات۔ اساتذہ، طلبہ کے لئے نمونہ ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر وہ بھی تفریحی ورزش کو اپنا مشغلہ بنائیں تو اس کے اثرات بہت مفید ہو سکتے ہیں۔ آج کل دیکھا یہ جا رہا ہے کہ اساتذہ نہ صرف خود اس میں حصہ نہیں لیتے بلکہ جو طلبہ کھیل کے شوقین ہوتے ہیں انھیں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ اگر صدر مدرس صاحبان اور دیگر اساتذہ اپنے مدارس کی ٹیموں کے کھیل دیکھنے تشریف لایا کریں تو طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوگی اور وہ اپنے معیار کو بڑھانے میں کوشاں ہوں گے۔ مگر ہمارے یہاں تو دعوتی کارڈ روانہ کئے جانے پر بھی تشریف آوری نہیں ہوتی جس سے کھلاڑی اور دیگر طلبہ یہ نتیجہ اخذ کرتے اور کر سکتے ہیں کہ تفریحی ورزش کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اور ان کی دلچسپی بھی کم ہو جاتی ہے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ ایسے مدارس جن کے صدر مدرس صاحبان اور اساتذہ کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے طلبہ کے کھیل دیکھنے آیا کرتے ہیں ان کا معیار بھی روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔ کیا یہ ایک قومی خدمت نہ ہوگی کہ آپ حضرات کھیلوں میں دلچسپی ظاہر فرما کر اپنے طلبہ کو مضر صحت اور خلاف اخلاق مشاغل سے بچائیں اور انھیں مفید مشاغل کی طرف راغب فرمائیں اس کا جواب آپ اپنے ضمیر سے پائیں گے۔

مدرسے والدین کا تعاون *

از

جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) ناظم تعلیمات ملک محروسۂ سرکار عالی

خواتین و حضرات! مجھے بڑی مسرت ہے کہ آج محکمۂ لاسلکی کی مہربانی اور ریڈیو کی حیرت انگیز ایجاد کی بدولت میں ایک ایسا فرض انجام دے رہا ہوں جس کی ہر اچھے معلم اور منتظم تعلیم کو فکر رہا کرتی ہے یعنی والدین اور سرپرستوں تک ایسی باتیں پہنچادی جائیں جو بچوں کی تعلیم اور تربیت سے متعلق ہوں اور ان کو ایسے امور کی طرف متوجہ کیا جائے جن کے بغیر مقاصد تعلیم حاصل نہیں ہو سکتے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے سننے والوں میں ایسی مائیں بھی ہوں گی جن کے بچے ہمارے مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔ اس لئے میں زیادہ صاف گوئی سے کام لوں گا کیوں کہ بچوں کی پہلی اور اصلی معلمہ ماں ہی ہے اور وہ جب تک خاص توجہ نہ کرے گی اس وقت تک کبھی بھی والدین کی حقیقی تمنائیں پوری نہ ہو سکیں گی۔ باپ کا زیادہ وقت کسب معاش اور دنیوی جھگڑوں میں گزرجاتا ہے، اس لئے ماں ہی ان فرائض کو کماحقہٗ پورا کر سکتی ہے۔

اس وقت میں سیدھے سادے الفاظ میں صرف ان چند امور کو پیش کر دینا چاہتا ہوں جو والدین اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہیں تاکہ وہ ان پر عمل کر کے مدرسین کا ہاتھ بٹائیں اور اپنی اولاد کو غلط راستہ اختیار کرنے سے بچا سکیں۔

بہتیرے گھرانوں میں صغیرسنی کی حد تک بچہ کھلونا بنا رہتا ہے اور جب کچھ حاصل کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ مدرسہ میں داخل کر دیا جاتا ہے اور اولیاء اپنے کو جملہ ذمہ داریوں سے سبکدوش سمجھنے لگتے ہیں گویا کہ بچہ مدرسین کے بالکل سپرد کر دیا گیا اور تربیت کے

---

* لاسلکی تقریر جو ۱۰ دی ۱۳۴۹ف کو نشرگاہ حیدرآباد سے نشر کی گئی۔

جملہ حقوق والدین نے منتقل کر کے اپنے سر سے بلا ٹال دی۔ یہ بات فراموش کر دی جاتی ہے کہ طالب علم اپنے دن کے (۲۴) گھنٹوں میں سے تقریباً (۶) گھنٹے روزانہ مدرسہ میں اور باقی ۱۸ گھنٹے مدرسہ سے باہر گھر کے اثرات کے تحت گزارتا ہے۔ چونکہ مدرسہ کے (۶) گھنٹے باقی ۱۸ گھنٹوں کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس لئے والدین کا کام ہے کہ وہ بچوں کے اوقات کی معقول نگرانی کریں۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ انسان جس قسم کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے ان کی عادتیں اور اطوار وہ بہت جلد سیکھ لیتا ہے نیز ہم نشینوں کے اثر سے اس قدر جلد متاثر ہوتا ہے کہ اس کا دل و دماغ اس کے عادات و خصائل اس کے جذبات و رجحانات سب اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

لڑکپن کا زمانہ اثر پذیری ہی کے لئے بنایا گیا ہے۔ لہذا اس زمانہ میں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ والدین بچوں کے دوست احباب اور ملنے جلنے والوں پر معقول نگرانی رکھیں اور برے لوگوں کی صحبت سے بچائیں۔ نیز گھر کے ملازمین کی صحبت اور ان کے عادات و خصائل سے بھی محفوظ رکھیں۔

لڑکپن کے اس دور میں پند و نصیحت سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے۔ مدرسین کے علاوہ اولیاء طلبہ کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنا اچھا نمونہ پیش کریں اور اپنے عمل سے ان کی رہنمائی کریں۔ ہم کو چاہیئے کہ سچائی کا سبق دینے کے لئے خود سرا پا سچائی بن جائیں۔ ایثار کا سبق دینے کے لئے اپنے مفاد کی قربانیاں کریں۔ محنت اور جانفشانی کا پتلا بن جائیں نیز علم و قوم اور وطن کے مفہوم کو سمجھائیں ورنہ ان کی غلط راہ روی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے بھی غلط راستہ اختیار کریں گے۔

بری صحبت سے کہیں زیادہ بدتر ایک اور چیز بھی ہے جس کو بچوں کے لئے ایک زبردست لعنت کہا جا سکتا ہے۔ جس کے اثرات نامعلوم طریقہ پر ان میں سرایت کرتے جا رہے ہیں اور ان کی تباہی کا باعث ہو رہے ہیں یعنی یہ سینما بینی کا شوق ہے۔ فی نفسہ یہ چیز بری نہیں مگر اس کا غلط استعمال زہر کا کام کر رہا ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں

ابھی تک ایسے بہت ہی کم فلم منظر عام پر آئے ہیں جو زندگی کے کسی شعبہ کا نمایاں اور تاباں رخ پیش کر سکیں۔ ابھی تک وہی گل وبلبل کے افسانے اور حسن وعشق کے قصے آلاپے جا رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حیاسوز منظر بھی پردہ پر آجاتے ہیں۔ لہٰذا ان میں بچوں کی شرکت ان کے نقش پذیر زمانے میں کسی طرح جائز نہیں۔ تعلیمی فلم کی تو سرے سے کمی ہے۔ یورپ اور دوسرے متمدن ممالک میں سینما ایکٹ موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے نوخیز طلبہ سینما ہال میں داخل نہیں ہوسکتے۔ حکومت کی جانب سے اس پر کافی نگرانی رکھی جاتی ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں سختی کے ساتھ دار وگیر ہوتی ہے جب کہ ہمارے ملک میں ابھی سینما سے متعلق قانون منظور نہیں ہوا ہے تو فطرتاً یہ ذمہ داری بچوں کے اولیاء اور سرپرستوں پر عائد ہوتی ہے۔ ان کو چاہئے کہ پہلے وہ فلم کے بارے میں اطمینان کریں اور اگر فلم اس قابل ہے کہ بچوں کے دیکھنے میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے تو پھر ان کو دیکھنے دیں۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ اس کی چاٹ نہ پڑنے پائے۔ گاہے ماہے کسی تعطیل کے دن تاریخی یا اخلاقی فلم کا دکھا دینا ان کی تفریح طبع کا باعث ہوسکتا ہے۔ بخلاف اس کے روز کا مشغلہ مدرسہ کے کاروبار پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سینما کے پہلے شو کا ایسا وقت ہوتا ہے کہ بچوں کو مطالعہ اور سبق کی تیاری کا موقع نہیں مل سکتا۔ دوسرے شو کا وقت اس سے بھی بدتر ہے۔ اس سے ان کی نیند خراب ہوتی ہے اور وہ دوسرے دن مدرسہ میں غائب دماغی کا ثبوت دیتے ہیں۔ نیز صحت بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ تعطیل کے دن کبھی کبھی ان کو سینما بینی کا موقع دیا جائے۔ اس کے ماسوا سینما ہال کی تعمیر بھی عموماً حفظ صحت کے اصول کے مطابق نہیں ہوتی اور نہ ان میں پنکھوں وغیرہ کا معقول انتظام ہوتا ہے عجب کیا کہ مسلسل دو تین گھنٹے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہال میں (جس میں ہر قسم کے لوگ مریض اور تندرست موجود ہوں) بیٹھنا بعض متعدی امراض کے پھیلانے کا باعث بھی ہوتا ہو۔ لہٰذا اس معاملہ میں والدین اور اولیاء کو بڑی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

طلبہ کے اخلاق کی نگرانی کے ساتھ ساتھ والدین پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعلیمی امور میں مدرسین کا ہاتھ بٹائیں۔ مدرسہ میں جو اسباق دئیے گئے ہیں وہ بچوں سے دریافت کریں اور ان کو گھر میں یاد کرنے کی تاکید کریں اور وقتاً فوقتاً سرسری طور پر جانچ کرلیں کہ پچھلا سبق انھیں یاد ہے یا نہیں اور اگلے سبق کی کہاں تک اُنھوں نے تیاری کرلی ہے۔ نیز مدرسہ کا ہوم ورک کیا ہے اور کہاں تک وہ کر سکتے ہیں معلوم کرکے ان کی رہبری کردینا ضروری ہے تاکہ سبق اور ہوم ورک تیار نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدرسہ نہ جانے کا کوئی حیلہ تراش نہ سکیں۔

اس کے علاوہ اکثر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بچے مدرسہ جانے کے لئے کتابیں لے کر گھر سے تو نکلتے ہیں مگر سبق اور ہوم ورک تیار نہ ہونے سے بجائے مدرسہ جانے کے اپنا وقت کہیں اور گذار کر شام کو گھر واپس ہوتے ہیں اور دوسرے دن اپنی غیر حاضری کا ایک افسانہ گڑھ کر مدرس کو سناتے ہیں۔

یہ بھی شکایت ہے کہ طلبہ تھوڑی دیر کے لئے حاضری دے کر مدرسہ سے چمپت ہوجاتے ہیں۔ گو مدرسہ بھی ان تمام اُمور کی نگرانی کرتا ہے مگر جب تک والدین اور اولیاء مدرسین سے گاہے ماہے ملاقات نہ کریں اور بچوں کی حاضری اور تعلیمی حالت کے متعلق معلومات حاصل نہ کریں معقول نگرانی ممکن نہیں۔

بچوں کے اوقات فرصت تعطیلوں وغیرہ میں سرگشت۔ خوش گپیوں اور آوارہ گردی کے لئے مختص نہ ہوں بلکہ اس کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔ کسی نہ کسی تفریحی اور صحت بخش مشغلہ کی فراہمی ضروری ہے۔ آوارہ گردی اور بے مقصد زندگی کے اثرات بچوں کے لئے سخت مضر ہیں۔

طلبہ کی جسمانی صحت کا جہاں تک تعلق ہے مدارس میں جو کچھ انتظام ہوسکتا ہے کیا جاتا ہے مگر اولیاء کے تعاون کے بغیر نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں ہوسکتے۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بغیر غذا کے ورزش مفید ہونے کے بجائے مضر پڑتی ہے عام طور پر ہماری غذائیں ایسی ہوتی ہیں کہ صرف ان کی مقدار سے پیٹ بھر لیا جاتا ہے

اور ان میں غذائیت یا توانائی بخشنے والے اجزا کی کمی ہوتی ہے۔ ہمیں گوشت پوست ہڈی اور پٹھوں کو تقویت دینے اور توانائی حاصل کرنے کے لئے مختلف غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف ایک ہی قسم کی غذا سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ مختلف غذاؤں سے۔ لہذا غذا میں رد و بدل اور تنوع ضروری ہے۔ بہترین غذا وہ ہے جو دودھ دہی ترکاری گوشت اور گیہوں نیز میووں پر مشتمل ہو۔ مگر ان میں سے بعض چیزیں غربا کو میسر نہیں آسکتیں۔ اس لئے ان کا بدل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ٹماٹے کا استعمال میوے کا بدل اور چنے اور مختلف پھلیوں کا استعمال گوشت کا بدل ہیں۔ موز اور پپئی سستے قسم کے میوے ہیں جو غربا کی دسترس سے باہر نہیں۔ غذا کے بارے میں ایک چیز اور پیش نظر رہے کہ وہ سادہ اور زود ہضم ہو۔ مرچ مسالے نہ ہوں یا برائے نام ہوں۔ غرض کہ غذا ایسی متوازن ہو کہ انسانی جسم کو تقویت بخشے اور موسم و حالات کے تابع ہو۔ طلبہ کے سرپرست اگر غذاؤں کے انتخاب میں ان امور کو پیش نظر نہ رکھیں اور مدرسہ کے ساتھ تعاون نہ کریں تو ورزش جسمانی کا بہتر سے بہتر انتظام بھی بجائے فائدہ رسانی کے طلبہ کی صحت کی خرابی کا باعث ہوگا۔

شہری مدارس کے طلبہ کے لئے تازہ اور کھلی ہوا میں رہنا ازبس ضروری ہے۔ مگر عوام اس معاملہ میں بڑی غلط فہمیوں کا شکار بنے ہوئے ہیں وہ کھلی اور تازہ ہوا سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے کو اوڑھے لپیٹے رکھتے اور بند کوٹھریوں میں سوتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ بچے کبھی تازہ ہوا سے محروم نہ کئے جائیں اور خاص کر سوتے وقت ہوا دار مقام میں سوئیں۔

بقاء صحت کے لئے نیند بھی لازمی جزو ہے۔ یہ نہ اتنی زیادہ ہو کہ سستی اور کاہلی پیدا کرے اور نہ اتنی کم کہ صحت پر برا اثر ڈالے۔ اس کا صحیح معیار یہ ہے کہ سو اٹھنے کے بعد دیکھا جائے کہ طبیعت ہشاش بشاش اور جوڑ و بند چست ہیں یا نہیں۔ عموماً ۸ گھنٹہ کی نیند طلبہ کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

لباس کی صفائی کا سوال بھی اہم ہے۔ اس کو زبردستی معاشی مسئلہ بنا لیا گیا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ لباس قیمتی ہو بلکہ ارزاں اور پاک و صاف ہو۔ قیمتی لباس اگر گندہ ہے تو ناقص ہے۔ غریب سے غریب شخص بھی بشرطیکہ کاہلی اس کی عادت نہ ہو اپنا لباس صاف ستھرا کرکے اور نہا دھو کر پہن سکتا ہے۔

جسمانی صفائی بقاء صحت کے لئے ضروری ہے۔ انسانی جسم باریک باریک سوراخ سے جن کو مسامات کہتے ہیں بھرا پڑا ہے۔ ان کی تعداد لکھو کھا ہے اور ان کے ذریعہ سے جسم انسانی کے ناقص اور خراب مادّے خارج ہوتے رہتے ہیں ساتھ ہی بیرونی گرد و غبار سے یہ مسامات بند بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر روزآنہ غسل کرکے جسم کو گرد وغبار سے پاک وصاف نہ رکھا جائے اور مسامات کھلے نہ رہیں تو انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ عموماً بچے غسل سے بھاگتے ہیں اولیاء کا کام ہے کہ بچوں کو شروع ہی سے غسل کا عادی بنائیں تاکہ وہ جلدی اور دیگر امراض سے محفوظ رہیں۔

گھر پر طلبہ کو ایک خاص پروگرام کے تحت کام کرنا چاہیئے ان کے پڑھنے لکھنے، سیر و تفریح، سونے جاگنے اور اپنے مذہب کے لحاظ سے فرائض مذہبی کے ادا کرنے کا کوئی نہ کوئی وقت مقرر ہونا چاہیئے۔ ان امور پر خاطر خواہ نگرانی سرپرست اور اولیاء ہی کر سکتے ہیں۔

بعض اوقات یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ خوش حال گھرانوں کے لڑکے پوری درسی کتب نہیں خریدتے۔ غور کا مقام ہے کہ تعلیم کے ایک بڑے ذریعہ یعنی درسی کتب سے محروم ہو کر طلبہ جماعت کی تعلیم سے کیا استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کی سیرت اور کردار کی آرائش زیور علم ہی سے ہو سکتی ہے لہٰذا نہ صرف درسی کتب بلکہ چھوٹی چھوٹی ان کے مذاق کی کتب کا فراہم کر دینا بھی ضروری ہے۔

لڑکپن کے زمانہ میں سب سے زیادہ مرغوب طبع کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ قصے اور کہانی کا شوق ہے۔ مناسب ہوگا کہ اٹھتے بیٹھتے والدین طلبہ کو مشاہیر اور اسلاف کے کارنامے سنائیں ان کو موزون کتابیں مطالعہ کے لئے دیں تاکہ ان کی سیرت سازی اور خصائل کی تشکیل ہو۔ اور بچپن ہی سے ان میں کتب بینی کا شوق پیدا ہو سکے۔

اس تنگ وقت میں مشتے نمونہ از خروارے چند اہم اور ضروری اُمور کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق محض اولیاء اور والدین سے ہے۔ بیسیوں چھوٹے چھوٹے اُمور ایسے رہ گئے ہیں جن کا ذکر اس صحبت میں نہ ہوسکا اور جو معمولی غور و فکر سے اولیاء طلبہ پر بخوبی منکشف ہو جائیں گے۔

اندنوں ایسے واقعات بھی پیش آرہے ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض غرض مند اشخاص نے طلبہ کو بہکا کر اپنے سیاسی یا سماجی اغراض کی تکمیل کے لئے اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے۔ یاد رکھئے کہ بچوں کے لئے تعلیم کا زمانہ سیاسی یا سماجی امور میں حصہ لینے کا نہیں ہوتا۔ اگر طلبہ سیاسی یا سماجی تحریک میں حصہ لینے کے خواہاں ہیں تو انہیں سخت محنت کر کے پہلے تحصیل علم سے فارغ ہو جانا چاہئے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بے ضبطی اور غلط راہ روی ان کی بربادی کا موجب نہ ہو۔ میں اولیائے طلبہ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی توجہ ادھر مبذول کریں۔ یہہ وقت نہیں ہے کہ تساہل سے کام لیا جائے ایسا نہ ہو کہ ان نونہالوں کی بربادی اور تباہی کے ذمہ دار خود والدین و سرپرست ہی قرار پائیں۔

مختصر یہ کہ بچوں کی نشو و نما میں گھر اور مدرسہ دونوں کو دخل ہے۔ جب تک دونوں ملکر حصہ نہ لیں اور باہمی تعاون نہ ہو یہہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ بچہ کی ذہنی نشو و نما اور سیرت و کردار کی تشکیل محض اوقات مدرسہ ہی میں نہیں ہوتی بلکہ بیداری کے ہر لمحہ میں ہوتی رہتی ہے۔ اگر گھر کا اثر مدرسہ کی تربیت میں معاون ہو تو تعلیم کے نتائج خاطر خواہ برآمد ہوں گے۔

رُوئداد سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ مستقر بلدہ

منعقدہ بتواریخ ۱۱ و ۱۲ ؍ دی ۱۳۴۹ف

مولوی سعید الدین خاں صاحب مرتبہ بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ

انجمن اساتذہ مستقر بلدہ کی بارہویں سالانہ کانفرنس کے اجلاس بتواریخ ۱۱ و ۱۲ ؍ دی ۱۳۴۹ف بمقام مدرسہ فوقانیہ نامپلی زیر صدارت عالیجناب مولوی احمد حسین صاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ حسب نظام العمل مقررہ منعقد ہوئے جو نہایت کامیاب رہے۔

حسب سابق کانفرنس کے ضمن میں تعلیمی نمائش بمقام میتھوڈسٹ بائز ہائی اسکول منعقد کی گئی تھی جس کا افتتاح بتاریخ ۱۰ ؍ دی ۱۳۴۹ف بوقت ۴½ ساعت شام جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم۔ اے (کنٹب) اسپیشل انسپکٹنگ آفیسر نے فرمایا اس موقع پر سررشتہ ہذا کے عہدہ داران و اساتذہ کی کافی تعداد موجود تھی مدارس تحتانیہ و ثانویہ امدادی و سرکار عالی کے علاوہ مدارس پست اقوام وغیرہ کا جو سامان وصول ہوا تھا۔ اس کو شعبہ داری طریقہ پر خوش اسلوبی سے رکھا گیا تھا۔

اجلاس اول

بتاریخ ۱۱ ؍ دی ۱۳۴۹ف روز پنجشنبہ بوقت ۹½ ساعت صبح زیر صدارت مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔ اے۔ میر مجلس انجمن اساتذہ مستقر بلدہ کانفرنس ہذا کا پہلا اجلاس مدرسہ فوقانیہ نام پلی کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ پنڈال کا وسیع حصہ عہدہ داران سررشتہ تعلیمات و اساتذہ کی کافی تعداد سے معمور تھا۔ اس موقع پر بزبان انگریزی صاحب صدر نے جو پُرمغز تقریر فرمائی وہ اساتذہ کے لئے مشعل راہ ہے۔

تقریر صدر کانفرنس:۔ خواتین وحضرات! مختلف درسگاہوں کے معائنہ کے دوران میں یہ دیکھا گیا کہ مدرس کا نقطہ نظر ہی تعلیم سے متعلق واضح نہ تھا۔ مقصد تعلیم کی تعریف یہ کی گئی کہ امتحانات میں بہتر نتائج برآمد کیے جائیں فی الحقیقت صرف اچھے نتائج کا برآمد کرنا مقصد تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم کا یہ مقصد ہے کہ طالب علم کو کشاکش حیات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے قابل بنایا جائے۔

تعلیم کا دوسرا پہلو جس کو اکثر فراموش کر دیا گیا ہے تربیت جسمانی ہے جس کا اہم مقصد یہ ہے کہ جماعتی کھیلوں کی وساطت سے رشک و مسابقت کی حقیقی اسپرٹ ابھاری جائے۔

اچھے کھلاڑیوں کی فراہمی اور ان کی غیر مستحقہ اعلیٰ جماعتوں میں ترقی کا جو ناپسندیدہ عمل درآمد متعدد مدارس میں چلا آرہا ہے مکروہ اور مضر طریقہ کار ہے کیوں کہ اس سے اس مقصد کی تکمیل کی طرف رہبری نہیں ہوتی۔

تیسری خامی جس کا پتہ چلا یہ ہے کہ بعض صدر مدرسین جن میں اخلاقی جرات اور پختگی عزم کی کچھ کمی سی ہوتی ہے سفارشوں کے زیر اثر اور ناکام طلبہ کے سرپرستوں کے موقتی عجز والحاح سے متاثر ہو کر نا قابل طلبہ کو ترقی دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی ترقیاں جو نا قابل طلبہ کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہوں تعلیم کے عقلی پہلو کے معیار کو گرا دیتی ہیں۔

چوتھی خرابی جو پائی گئی یہ ہے کہ طلبہ خانگی تعلیم کا انتظام رکھتے ہیں۔ جب حکومت کسی ادارہ کو نصاب مجوزہ کے مختلف مضامین کے لئے موزون اور لائق اساتذہ فراہم کرتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ طلبہ نسبتاً کم استعداد اور کم موزونیت رکھنے والے مدرسین سے درس لیا کریں۔ اس سے مدرسہ کی کارکردگی پر برا اثر پڑتا ہے۔ پس اس قبیح رواج کا استیصال ہونا چاہئے آخر پر مگر نہایت اہم بات جس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے وہ اخلاقی تعلیم ہے۔ حقیقت میں صرف مدرسہ کو طلبہ کے مکارم اخلاق کا کلیتہً ضامن و ذمہ دار نہیں گردانا جا سکتا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس خصوص میں والدین ستر فی صدی مدرسہ

بیس فیصدی اور ساتھی دس فیصدی کی حد تک ذمہ دار ہیں۔ مدرسہ کی بیس فیصدی ذمہ داری کے منجملہ معلم دینیات پر چھ فیصدی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ طلبہ لباس کی حد تک ایک نرالا مذاق رکھتے ہیں بعض طلبہ تو مدرسہ میں اسی ہیئت کذائی سے آتے ہیں کہ سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھی جاتی ہے اور بال باہر نکلے ہوئے پیشانی پر لہراتے رہتے ہیں۔ صدر مدرسین سے بطور خاص اُمید کی جاتی ہے کہ وہ دہلۂ اول میں اس کج روی کا تدارک کریں گے اور طلبہ کی اس عام روش کی اصلاح کرکے ان کو حدود اخلاق سے متجاوز اور ضوابط اخلاق سے منحرف ہونے سے باز رکھیں گے۔

ختم تقریر پر مولوی مرزا ضیاء الدین بیگ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی معتمد عمومی انجمن ہذا نے سالانہ رپورٹ بابتہ ۴۲ھ ف سنائی جس میں انجمن کی ذیلی شاخوں اور اراکین کی مصروفیات اور انتظامی کمیٹیوں۔ نمائش تعلیمی۔ کلب اساتذہ و کتب خانہ وغیرہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے بطور خاص جناب ناظم صاحب تعلیمات کی دلچسپیوں و ہمدردیوں کا جو انجمن ہذا سے متعلق ہیں اعادہ فرمایا اور ممدوح کی خدمت میں منجانب انجمن ہدیہ تشکر پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔

ازاں بعد مولوی سید محمد ہادی صاحب ایم۔ اے آرگنائزنگ کمشنر بائز اسکوٹ نے بزبان اُردو بعنوان "طلبائے مدارس کی صحت اور جسمانی تربیت" تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ روم اور یونان نے تعلیم ورزش جسمانی کو نہایت اہمیت دی تھی ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ملک کے افراد کو زیادہ مضبوط و چست بنائیں تاکہ وہ جنگ کے موقع پر کام آسکیں چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کمزور بچوں کو زندگی سے محروم کر دیا گیا۔ بنا بر ایں جدید تعلیم ورزش جسمانی میں توانا و ناتواں و بیمار و تندرست تمام افراد کے لئے رعایت رکھی گئی ہے۔ اور جسمانی و دماغی دونوں طاقتوں کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی ہے جس طرح ایک سپاہی کو اپنے مقصد و فرائض کی انجام دہی اور اپنی صحت کو درست رکھنے کے لئے ورزش اور غذا وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح ایک طالب علم کو کامیاب ہونے کے لئے ایک عہدہ دار کو اپنے فرائض عمدگی سے انجام دینے اور ترقی پانے کے لئے صحت کا برقرار

رکھنا لازمی ہے۔ جس طرح ورزش کا نہ کرنا نقصان دہ ہے اسی طرح غیر موزون ورزش سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور عدم التفات تعلیم جسمانی کی وجہ اندیشہ ہے کہ تعلیم دماغی سے استفادہ ہی حاصل نہ کیا جائے۔

تقاریر کے بعد حسب ذیل تحریکات پیش ہوئیں جو بعد مباحثہ بغلبہ آرا منظور ہوئیں۔

(الف) اس کانفرنس کی رائے ہے کہ تحتانی اور ثانوی مدارس کے تعطیلات میں یکسانیت ہونی چاہئے۔

(ب) سررشتہ تعلیمات کے جانب سے مستقر بلدہ کے چار مدارس میں امتحاناً دودھ کی فراہمی کا جو انتظام کیا گیا ہے اور طلبہ کے لئے ناکافی اور ناقص تغذیہ کے مسئلہ کو سلجھانے کی جو ابتدا کی گئی ہے۔ اس پر یہ کانفرنس اظہار اطمینان کرتی ہے۔ اور جملہ سرکاری مدارس میں اس طرح سربراہی کی مستدعی ہے۔

(ج) یہ کانفرنس مدرسہ کے مکمل تعلیمی دور میں حفاظت جان کے مسئلہ کو تعلیم کا ضروری جزء خیال کرتی ہے۔ اور ایک خاص کمیٹی کے قیام کی سفارش کرتی ہے۔ تاکہ بلدہ اور بڑے شہروں میں اس مسئلہ کی نسبت اقدامی تدابیر اختیار کرے۔

اجلاس دوم

۲½ بجے زیر صدارت مولوی عبدالستار صاحب سبحانی بی اے۔ یل۔ ٹی پرنسپل مدرسہ فوقانیہ دارالعلوم بلدہ کانفرنس کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ مولوی عبدالحکیم صاحب بی۔اے۔ایل۔ٹی نے شہری تحتانی تعلیم کی کمیٹی کی رپورٹ سنائی جو منظور کی گئی۔ مولوی غلام دستگیر صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی مددگار مدرسہ فوقانیہ نام پلی نے مباحث کا آغاز کرتے ہوئے اس امر زور دیا کہ بچے کا مذاق دریافت کیا جائے کہ آیا وہ ادبی ہے یا فنی اور اس معاملہ میں اولیائے طلبہ سے استمداد طلب کی جائے۔ مولوی مرزا محمود علی بیگ صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی۔صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ چنچل گوڑہ نے فرمایا کہ مدرسین کی عزت وتنخواہ وقار وترقی کا لحاظ رکھا جائے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہوسکے اور یہ

ملحوظ رہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں بچوں کی آئندہ زندگی کی بنیادیں ہوتی ہیں۔
مولوی سید نورالحسن صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی۔ڈپ۔ایڈ (گلاسگو) نے بھی مباحثہ میں
حصہ لیا اور مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔اے صدرنشین نے مباحث کا تذکرہ
فرما کر ان پر تبصرہ فرمایا۔

ذیلی کمیٹی کے اجلاس ختم ہونے پر مولوی سید محمد جعفر صاحب بی۔اے انسپکٹر
آف آرٹس اینڈ کرافٹس نے بزبان اُردو بعنوان "نقشہ کشی اور دستکاری کا جدید نصاب"
تقریر فرمائی۔ اور نمونہ جات کے ذریعہ اپنے مطلب کو واضح کرتے ہوئے موصوف
نے فرمایا کہ نصاب ڈرائنگ کے متعلق بعض اعتراضات کئے جا رہے ہیں جو درست
نہیں ہیں۔ ہر بچہ میں اس کا تھوڑا بہت ذوق ضرور پایا جاتا ہے۔ سابق میں ڈرائنگ کے لئے
جو طلباء انتخاب کئے جاتے تھے ان کا فی صد بہت کم پڑا کرتا تھا۔ لیکن اب اس کے برعکس
عمل کیا جا رہا ہے۔ بچہ کی تعلیم کے تین درجے ہوا کرتے ہیں۔ پس بلحاظ عمر نصاب تعلیم کی تقسیم
ہونی چاہئے اور مدرسین کی دلچسپی اور ہمدردی کے ساتھ طلبہ کی رہبری کرنی چاہئے۔ ختم تقریر
پر آپ نے ڈرائنگ کے وہ نمونے جو انگلستان اور مستقر بلدہ کے طلبہ نے بنائے تھے
پیش کئے۔

شام کو ۶ بجے سینٹ جارجز گرامر اسکول جمنازیم ہال میں مسٹر سلیم مرچنٹ نے تعلیمی
فلموں کا مظاہرہ کیا جس میں کاشت نیشکر، جراثیم دِق اور ہوا کا دباؤ اور ریشم کے کیڑوں کی
پرداخت وغیرہ کے متعلق دلچسپ معلومات پیش کیں حاضرین کی ایک کثیر تعداد نے
اس سے استفادہ کیا۔

اجلاس سوم

بتاریخ ۱۲ اردی ۱۳۴۹ف روز جمعہ نمونہ کے اسباق ہوئے۔ جناب مولوی محمد ابراہیم
صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ چوڑی بازار نے طلبائے طبقہ تحتانیہ کو نمک پر سبق دیا۔
مولوی عزیز اللہ درانی صاحب مددگار ماڈل پرائمری اسکول نے اعتراض فرمایا کہ نمک

حل کرنے کے بعد اس کو نکالنے کا طریقہ بھی بتلایا جاتا تو مناسب تھا۔

جناب مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و میر مجلس انجمن ہذا نے اظہار خیال فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سبق کا اعادہ کیا جارہا ہے۔ مولوی فیض محمد صاحب بی۔اے۔ڈپ۔ایڈ۔ مددگار مدرسہ فوقانیہ نامپلی بلدہ نے ہوا کے دباؤ پر طبقہ فوقانیہ میں نمونے کا سبق دیا جس کے لئے نمونہ جات وغیرہ تیار کئے گئے تھے۔ سبق پر از معلومات تھا جو کامیاب رہا۔

بے سِک کا مظاہرہ

(الف) مولوی سید جمال صاحب مددگار مدرسہ فوقانیہ دارالشفاء نے جماعت چہارم کے طلباء کو بیسک انگلش کا نہایت کامیاب طریقہ پر سبق دیا جس کے اختتام پر جناب مولوی احمد حسین خاں صاحب میر مجلس انجمن ہذا نے صاحب موصوف کو مبارکباد دی۔

(ب) مولوی محمد یعقوب خاں صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ اُردو شریف نے طبقہ تحتانیہ میں بیسک انگلش پر نمونے کا سبق دیا جس پر مولوی رکن صاحب نے اعتراض فرمایا کہ مدرس کا خندہ پیشانی سے کام کرنا ضروری ہے۔ عالیجناب مولوی احمد حسین خاں صاحب میر مجلس انجمن ہذا نے جواب ادا فرماتے ہوئے مولوی محمد یعقوب خاں صاحب کا شکریہ ادا فرمایا۔

طبقہ فوقانیہ میں ریاضی کی تعلیم بزبان اُردو کے متعلق جناب مولوی محمد علی صاحب بی۔اے۔ڈپ ایڈ مددگار مدرسہ فوقانیہ نامپلی نے مساحت پر سبق دیا نمونہ جات تیار کئے گئے تھے اور تیاری کافی تھی۔

جناب مولوی غلام دستگیر صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی مددگار مدرسہ فوقانیہ نامپلی نے جماعت ہفتم کو ڈائرکٹ اینڈ اِن ڈائرکٹ نریشن پر نمونے کا سبق دیا۔ اختتام سبق پر دو چار حضرات نے اعتراض فرمایا لیکن آخر میں عالی جناب احمد حسین خاں صاحب میر مجلس انجمن ہذا نے اعتراض کا جواب ادا فرماتے ہوئے سبق کو کامیاب بتایا۔

اجلاس آخر

بتاریخ ۱۲ ادسمبر ۱۹۴۹ف روز جمعہ ۲ بجے کانفرنس کا آخری اجلاس شروع ہوا۔ جناب کے بال سبرامونیم ایر صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی معتمد ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ بورڈ نے جدید تعلیمی اسکیم اور نصاب پر بزبان انگریزی مضمون پڑھا جس میں جدید تعلیمی سکیم کی کافی وضاحت فرمائی گئی تھی اِس کے بعد ریورنڈ ریف۔ سی فلپ وارڈن سنٹ جارج گرامر اسکول نے بزبان انگریزی بعنوان "مدرسہ عالم انقلاب میں" تقریر فرمائی جس میں حالات حاضر کے تحت مدرس کی مشکلات اور اس کے طرز عمل کی وضاحت کی اور زمانہ کی رفتار کے لحاظ سے طلبہ کی تعلیم و ترتیب کا خیال رکھنے پر زور دیا تاکہ وہ آئندہ اپنی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنا سکیں۔ اس کے بعد رپورٹ شہری تحتانی تعلیم باتفاق آرا منظور ہوئی اور کانفرنس سال آئندہ کے لئے مضمون "سائنس کی تعلیم" کا اعلان کیا گیا۔ آخر میں مولوی محمد جعفر صاحب صدر کمیٹی نمائش نے رپورٹ سنائی جس کے بعد نمائش تعلیمی، نظم خوانی، مکالمہ، انگریزی، اردو وغیرہ مقابلیں کے متعدد انعامات عالیجناب مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ و صدر نشین کانفرنس نے تقسیم فرمائے اور اپنی اختتامی تقریر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا فرمایا جنھوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا۔

رپورٹ ذیلی کمیٹی شہری تحتانی تعلیم *

(مرتبہ کمیٹی)

تمہید بچہ کی تعلیم مختلف قوتوں کے ارتباط کا نتیجہ ہے مثلاً خاندانی اثر، سماجی تنظیم، رواج، مذہب، قومی اسپرٹ وغیرہ، نہ کہ محض مدرسہ کی تعلیم کا نتیجہ۔ اس میں شک نہیں کہ مدرسہ بھی طلبہ کو بہتر شہری بنانے اور ان کو جسمانی، اخلاقی اور تمدنی حیثیتوں سے کارآمد بنانے میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ ایک خصوصی حیثیت کا حامل ہے۔

مغرب کے مدارس کنڈرگارٹن و نرسری اس کمی کی تلافی کے اصلاحی تدابیر مغربی ممالک میں قبل اس کے کہ بچہ تحتانی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرے اسے ایسی ابتدائی تربیت دی جاتی ہے جو تحتانی مدارس کی تعلیم کے لئے صحیح معنی میں اس کو تیار کرتی ہے۔ اولاً بچہ اچھی عادات، شخصی حفظ صحت کی متعدد طریقوں سے مکان پر ہی تربیت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ والدین خواندہ ہوتے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ وہ مدارس نرسری میں مزید تربیت غیر شعوری طریقہ پر حاصل کرتا ہے۔ بالآخر مدارس کنڈرگارٹن میں اس کی جبلتوں کی نشوونما کی جاتی ہے۔ اور اس کی کمزوریاں دور کی جاتی ہیں۔ ان اداروں میں اسے چند چیزوں سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خاص و صحیح طریقۂ عمل سیکھتا ہے مختصر یہ کہ اس کے کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔

متذکرہ حالات سے ہمارے گھروں کے ماحول اور بچوں کا مقابلہ کیا جائے تو بیّن فرق دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے یہاں اکثر و بیشتر والدین ناخواندہ ہیں اور مکان پر بچے کی زندگی قابل اطمینان نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہ ہم نے والدین کو بچوں کے متعلق شکایت کرتے سنا ہے کہ وہ گستاخ اور سرکش ہوتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان عادتوں کے تخم خود انہوں نے ہی بوئے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بچہ کی وقعت نہیں کی جاتی اور اس کے طبعی رحجانات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ غیر شعوری طور پر وہ محسوس کرنے لگتا ہے

---

* جو انجمن اساتذہ مستقر بلدہ کی کانفرنس ۱۹۴۷ء میں پیش کی گئی۔

کہ وہ ناکارہ ہے۔

ظاہر ہے کہ عموماً طلبہ ہمارے مدارس تحتانی میں غیر پسندیدہ عادات کو لئے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں خود پسندی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ اور بعض میں افسردگی اور اطاعت شعاری کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ اس طرح مدرسہ تحتانیہ کے مدرس کو اُس نوعیت کے طلبہ کی تعلیم دینے کو کہا جاتا ہے جن کی سیرت تشکیل پا چکی ہے۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ تحتانی مدارس بچّہ کی بُری عادتوں کے استیصال اور اُس کی خامیوں کو دور کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں۔ ان میں منفعت بخش اجتماعی زندگی اور قوتِ عمل کے لئے مواقع بہم پہنچانے سے ان مقاصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے ہمارے ملک میں بچہ اس وقت تحتانی مدرسہ میں شریک ہوتا ہے جب کہ اس کی عادتیں راسخ ہو جاتی ہیں اور بغیر گھر کی تربیت یا محلے کے ایسے بچوں کی صحبت جن سے وہ اکثر برسرپیکار رہ چکا ہے کوئی معقول ابتدائی تربیت اُسے حاصل نہیں ہوتی۔ پس ان اغراض کے حصول کے لئے یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ نرسری اور کنڈر گارٹن مدارس کی طرح ہمارے بچوں کو کسی نہ کسی قسم کی تربیت ضرور دی جانی چاہئے۔ ہم ذیل کی چند تجاویز پیش کرتے ہیں۔

(۱) محلے کے سربرآوردہ اور ذی اثر اشخاص کی کمیٹی اس محلہ کے طلبہ کی تعلیمی بہبودی کے لئے قائم کی جائے۔

(۲) کمیٹی رائے عامہ کی اصلاح کرے وقتاً فوقتاً مجالس منعقد کئے جائیں جہاں محلہ کے طلبہ کے والدین، اولیاء کو دعوت دی جائے۔

(۳) نرسری و کنڈر گارٹن کے مدارس کے اُصول پر بچوں کے مدارس کی تنظیم کی جائے اور اس پر کافی نگرانی رکھی جائے۔

(۴) جس طرح کہ محکمہ بلدیہ کی جانب سے چند محلوں میں انتظام کیا گیا ہے مزید بازی گاہ اور تفریح گاہ قائم کئے جائیں۔

متذکرہ تجاویز کسی طرح بھی اپنی جگہ پر مکمل نہیں ہیں یہ صرف غور و خوض کے لئے نمونتاً عنوان ہیں۔ بچوں کی بہبودی کے متعلق دیگر مناسب تجاویز کو بھی بخوشی قبول کیا جائے گا۔ ان تجاویز کے پیش کرنے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہم ان برائیوں کے مقابلہ کے لئے جو بچوں میں مناسب تعلیمی اداروں مثلاً نرسری و کنڈر گارٹن کے مدارس کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں مناسب تدابیر اختیار کریں۔

شہری تحتانی مدارس حال ہی میں چند دنوں سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ کوشش جاری ہے کہ تعلیم کو تجارب زندگی اور انسانی ضروریات اور بیرونی دنیا کے ساتھ مربوط کیا جائے۔

اپنے روشن خیال آقا، ولی نعمت کے زیر سایہ اور قابل حکام کی قیادت میں، حیدر آباد اپنے موجودہ تعلیمی نظام کے نقائص کو دور کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اور کافی غور و خوض کے بعد یہاں پر میکنزی اسکیم یا ریاست حیدر آباد کی تعلیمی تنظیم" کو رواج دیا گیا اس میں ثانوی نصاب کو یونیورسٹی کی تعلیم کے پہلے تین منزلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تینوں منازل اپنی حد تک مکمل ہیں اور ان میں پیشہ ورانہ رجحان ہے۔

اس جدید نصاب کے مدنظر شہری تحتانی مدارس کے صدر مدرس و اسٹاف کی ذمہ داریوں و فرائض میں معتدبہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ تحتانی منزل کے بعد ہی یہ تقسیم ہو جاتی ہے اس لئے بچوں کی صلاحیتوں، رجحانات، ضروریات، توقعات، خصوصیات کمزوریوں اور امکانات کے مطالعہ میں حزم و احتیاط سے کام لیا جائے۔ بچوں کا مستقبل ان کے ہاتھ میں ہے وہ ان کی قسمت کے بنانے والے ہیں۔

بچوں کے ناپسندیدہ عادات کے دفعیہ کا طریقہ۔ فی الوقت مدارس میں ایسے طلبہ شریک ہوتے ہیں جن کی عادات اور سیرت کی تشکیل ہو جاتی ہے۔ تحتانی مدارس کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صرف محکمہ کے مقررہ نصاب کی تکمیل پر اکتفانہ کرے بلکہ ان غیر پسندیدہ عادتوں اور ناروا طرز عمل کی بیخ کنی کرے جو بچہ میں جڑ پکڑ چکے ہیں۔ ایک پرانی مثل ہے کہ تعلیم سے تمثیل بہتر ہے۔

جو بچوں کی حد تک لفظ بہ لفظ پوری اُترتی ہے۔ کوئی مدرس طالب علم کو صفائی کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ تاوقتیکہ وہ خود انتہا درجہ کا صفائی پسند نہ ہو۔ اگر وہ خود کاہل ہو تو طلبہ کو محنتی نہیں بنا سکتا۔ مختصر یہ کہ مدرس غیر شعوری طور پر اپنے گفتار و کردار سے بچوں کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ ذیل میں بچوں کی ترقی و بہبودی کے متعلق چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں اگر بچہ کو کسی کارآمد مصروفیت میں منہمک رکھا جائے تو اس کی کئی بُری عادتیں رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گی۔

(۱) تعاون والدین:۔ بچے کی ترقی مکان اور مدرسہ کے ارتباط کے بغیر ممکن نہیں یہ ضرورت بالخصوص ان صورتوں میں اہم ہو جاتی ہے جہاں بچے کے عادات و کردار ناپسندیدہ ہو چکے ہوں۔ بچوں کے کئی مسائل حل ہو جائیں گے اگر اولیاء و مدرسین کے درمیان خلوص کے ساتھ تعاون عمل ہو۔ والدین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے بچے مدرسہ میں کیا کرتے ہیں اور گھر میں بچوں کے لئے انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ چونکہ ان کے اولیاء ناخواندہ ہیں اس لئے مدرسہ ہر ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور انھیں مدرسہ کی مختلف تقاریب میں مدعو کر کے انھیں حتیٰ الوسع فرائض اولیاء کے متعلق معلومات بہم پہونچائیں۔ بچوں کی چال چلن، قابلیت اور دیگر خامیوں کے متعلق مدرسہ کیا کر رہا ہے۔ اور انھیں کیا کرنا چاہیئے تبادلہ خیال کریں۔ صدر مدرسہ اس بات پر سختی سے کاربند رہے کہ طلبہ کی شرکت کے وقت جب تک ان کے ساتھ ان کے والد یا سرپرست نہ آئیں شرکت سے انکار کر دے۔ اور طلبہ کے اولیاء کے ذہن نشین کر دے کہ بچہ کی ترقی گھر اور مدرسہ کے تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔ بچہ کو مدرسہ جاتے وقت پیسے وغیرہ نہ دئے جائیں جیسے بعض اولیاء دیا کرتے ہیں۔ یہ طریقۂ عمل مفلس والدین کے بچوں پر برا اثر پیدا کرتا ہے کیونکہ جب وہ اپنے ساتھیوں کو مٹھائی وغیرہ کھاتے دیکھتے ہیں تو انھیں کتب چُرانے کی تحریص ہوتی ہے تاکہ انھیں بیچ کر کچھ رقم حاصل کریں اور اپنی اس ضرورت کو پورا کریں۔

(۲) بچوں کو مصروف رکھنے کا بہترین طریقہ اجتماعی کام ہے۔ اس نوعیت کے

کام تمام بچوں کو پسند ہوتے ہیں۔ یہاں مدرس کو ایک ایسا موقع ہاتھ آتا ہے جس میں بچہ کو تنظیم کار کے ساتھ آزادی بھی دی جا سکتی ہے۔ اسی کا دوسرا نام ضبط ہے۔ تمام زائد از نصاب مصروفیات دراصل اجتماعی کام ہیں۔ اس لئے اجتماعی کام تمام ضبط، اطاعت گذاری، وفاشعاری اور سیرت سازی کا واحد حل ہے۔ اور ان میں سیرت سازی ہی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

(۳) پابندی وقت:۔ بچوں کا وقت پر مدرسہ آنا نہایت ضروری ہے۔ اس امر میں والدین مدرسہ کی اگر وہ اپنی بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ کریں۔ تو بڑی مدد کر سکتے ہیں۔ ہم نے اکثر اولیاء کو یہ کہتے سنا ہے کہ "اگر مدرسہ کچھ دیر سے بھیجو تو چنداں مضائقہ نہیں بچہ کے لئے ایسا جملہ تباہ کن ہے جو مدرسہ اور اولیاء کے درمیان عدم تعاون کو ظاہر کرتا ہے۔ مدرس کا فرض بھی اسی طرح اہم ہے کہ وہ نہ صرف بروقت آئے بلکہ قبل از وقت آکر ایک اچھا نمونہ پیش کرے۔

(۴) بچوں میں مطالعہ کی عادت قائم کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ مضمون کو ازحد دلچسپ بنایا جائے۔ جب تک مدرس حقیقی دلچسپی اور جوش ظاہر نہ کرے یہ چیز حاصل نہیں کی جا سکتی۔

(۵) ہوم ورک ہلکا اور دلچسپ ہو اور طالب علم کے مذاق کے مطابق ہو۔ صرف یہی چیز بچہ میں کارکردگی کی رغبت پیدا کرے گی۔

(۶) ایسے بچوں کی اصلاح عادات کے لئے جو بدکردار ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کے عادی ہیں یا یوں ہی وقت ضائع کرتے ہیں متعلقہ محلوں میں رہنے والے مدرسین ان کی نگرانی اور رہنمائی کریں۔

(۷) چونکہ تحتانی مدارس کو شہری اور دیہی میں تقسیم کیا گیا ہے اس لئے ہم اس کو ضروری سمجھتے ہیں کہ ان طلبہ کے لئے جو شہری مدارس میں شرکت کے لئے مختلف مقامات سے آئیں سرکاری یا خانگی اقامت خانے قائم کئے جائیں تو ان کی سہولت کا باعث ہوگا۔ کیونکہ آج کل ان کی قلت ہے۔ جس کی وجہ سے غیر مقامی طلبہ کے سرپرستوں کو اپنی اولاد

کے لئے رہائش کا انتظام کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

صدر مدرس اور مددگاروں پر مزید ذمہ داریاں۔

صدر مدرس :- تنظیم جدید کے تحت بڑی ذمہ داریاں شہری مدارس کے صدر مدرسین پر عائد ہوتی ہیں کیوں کہ وہی اس بات کا تصفیہ کرنے کے مجاز سمجھے جاتے ہیں کہ آیا لڑکا تحتانی تعلیم ختم کرنے کے بعد ثانوی تعلیم حاصل کرسکتا ہے یا نہیں۔ بہ الفاظ دیگر وہی تصفیہ کرتا ہے کہ آیا طالب علم صنعتی رحجان رکھتا ہے یا ادبی۔ مختصر یہ کہ وہ اس کے رحجانات کا مطالعہ کریں اور اس کی صحیح رہنمائی کریں۔ اس لئے صدر مدرس کو ان تمام مضامین کا جاننا ضروری ہے جس کی مدرسہ میں تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ اچھا ضابط اور منتظم ہو۔ اس میں اپنے مددگاروں اور طلبہ کو قابو میں رکھنے اور ان کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت ہو۔ اس کو اپنے فرائض کا احساس ہونا چاہیئے۔ وہ خود کو اپنے مددگاروں سے برتر تصور نہ کرے بلکہ وہ اپنے اسٹاف و طلبہ سے میل جول رکھے۔ ان کی مشکلات کو معلوم کرے اور اپنی اعلی قابلیت کردار اور محنت سے ان کی رہبری کرے۔ وہ ہر طالب علم سے انفرادی طور پر واقف ہو اور ان کے مذاق و صلاحیتوں کا مطالعہ کرے۔

مدرس۔ وہ موزون، صاحب ضمیر اور قانع ہو۔ مدرس کا فرض ہے کہ ہر اہم معاملہ میں صدر سے مشورہ کرے۔ اس کو اپنے پیشہ سے دلچسپی ہونی چاہئے اور مدرسہ کی جملہ مصروفیات میں اسے انہماک اور دلچسپی ہو۔ فی الوقت شہری مدارس میں تین قسم کے مدرسین ہیں۔

(۱) چند عمر رسیدہ مدرسین جو کوئی سند نہیں رکھتے (۲) قدیم ٹرینڈ اساتذہ جن کو آئندہ ترقی کی کوئی اُمید نہیں جس کی وجہ سے وہ کام میں دلچسپی نہیں لیتے (۳) سند وار نڈ لیکن ان ٹرینڈ۔

ٹرینڈ اساتذہ کی تعداد پچاس فیصدی ہے سررشتہ دوسروں کی طرف متوجہ ہے۔ لیکن نارمل مدارس میں سالانہ جس قدر اساتذہ شریک کئے جاتے ہیں ان کی تعداد محدود ہے۔ اس لئے محکمہ ٹرینڈ مدرسین کی تعداد میں اضافہ کی طرف اور زیادہ توجہ کرے تو بہتر ہے

تقرر کے وقت مدرسہ کی ضروریات کے مدنظر صحیح انتخاب کیا جانا ضروری ہے۔

تحتانی مدرسین کو مختلف مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً بعض اوقات دو جماعتوں کو ایک مدرس وقت واحد میں تعلیم دیتا ہے۔ بعض مدرسوں میں نو جماعتیں اور صرف چھ مدرسین ہوتے ہیں۔ بچوں کی شرکت روز افزون ترقی پذیر ہے۔ مدرس کو بعض اوقات پورے ہفتہ میں ایک خالی ساعت نہیں ملتا۔ انھیں کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ انھیں ترقی کی کوئی توقع نہیں۔ صدر کا اصل کام عام نگرانی، ان مضامین کی طرف خاص توجہ، جہاں کمزوری نمایاں ہے یا اُن مددگاروں کی امداد ہے جن کے ذمہ زیادہ کام ہو لیکن اس کو بھی پورے ہفتہ میں ایک گھنٹہ فرصت کا نہیں ملتا اور ان امور کی طرف وہ توجہ نہیں کر سکتا۔ جدید نصاب کے تحت ان خامیوں کو حتی الامکان دور کیا جائے اور ان خدمتوں کو زیادہ مرغوب بنایا جائے چونکہ شہری ابتدائی مدارس کو زیادہ موزون اسٹاف کی ضرورت ہے اس لئے موجودہ اسٹاف کی چھان بین بھی ضروری ہے۔

جماعتیں۔ تنظیم مدرسہ کا دارومدار جماعتوں کی مناسب تحلیل اور تخصیص پر ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بیرونی اثرات اس قدر زبردست ہیں کہ صدر مدرس بے بس ہو جاتا ہے طالب علم کو ایک جماعت سے دوسری جماعت میں غیر مستحق طور پر ترقی دی جاتی ہے اور جب وہ اعلیٰ جماعت میں پہنچتا ہے تو اس کے لئے تعلیم بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ طالب علم آوارہ ہو جاتا ہے اور اس طرح اپنے مستقبل کو تاریک کر لیتا ہے۔

دوسری مروجہ برائی جس کی روک تھام ضروری ہے، یہ ہے کہ سال تمام شرکت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کو قطعاً مسدود کر دینا چاہئے ورنہ طلبہ کا تعلیمی معیار یکساں نہیں رہ سکتا جو تعلیم میں حرج کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے شرکت سال تعلیمی کے آغاز میں ہی جائز رکھی جائے۔

تحتانی طبقہ میں بیسک انگریزی (Basic English) کو رواج دیا جائے۔

مادری زبان کی تعلیم ایسی دلچسپ کہانیوں پر مبنی ہو جو روزمرہ واقعات زندگی سے متعلق ہوں، نہ کہ پریوں کی خیالی کہانیوں پر۔ تاریخ و جغرافیہ کی تعلیم عملی اور دلچسپ ہو۔ تاریخی یا جغرافی دلچسپی کے مقامات پر بچّوں کو تعلیمی تفریح کے لئے لے جائیں تاکہ ان کے معلومات میں اضافہ ہو۔ سائنس و ریاضی کی تعلیم عملی ہو اور روزانہ زندگی سے مربوط ہو۔

مدرسین دستکاری سے کوئی خانگی کام بجز مدرسہ کے کام کے نہ لیا جائے۔ فی الوقت حفظ صحت کی تعلیم نظری نقطہ نظر سے دی جاتی ہے اس کو زیادہ عملی بنایا جائے۔ بچّوں کو شخصی حفظ صحت کی تعلیم دی جائے۔ مدرس روزانہ ان کے کپڑے، ناخن، بال، دیکھا کرے حتیٰ کہ ان کے دل میں صفائی کا خیال جاگزیں ہو جائے۔ یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مدرس خود پاک و صاف ہو۔

آلات تعلیم آلات تعلیمی میں نصابی اور دوسری کتابیں شامل ہیں لیکن اس پر کوئی بحث نہیں کی جائے گی کیونکہ سررشتہ کی طرف سے کتابیں مقرر کردی گئی ہیں۔ تحتانی جماعتوں میں ہم دوسرے مفید آلات تعلیمی کے متعلق ذکر کریں گے۔ سررشتہ نے بھی ان کی اہمیت کے مدنظر ہر مدرسہ تحتانیہ کے لئے سالانہ دس روپیہ منظور کئے ہیں۔ اس امداد میں بشرط مطالبہ اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ بعض مدارس میں نقشے غیر متعلقہ پائے گئے۔ افسوس ہے کہ بعض مدرسین تعلیم میں نقشے، خاکے اور تصاویر کی اہمیت سے ناواقف ہیں۔ جس طرح نجار بغیر اپنے آلات کے کوئی کام نہیں کر سکتا اسی طرح مدرس بغیر آلات تعلیمی کے کوئی کام اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ آلات تعلیمی کو کس طرح مفید طور پر کام میں لایا جا سکتا ہے اُس کے متعلق ذیل میں واضح کیا جاتا ہے۔

زبانیں۔ پہلی تین جماعتوں میں قصہ گوئی لازمی ہے۔ مختلف قوموں کے مشاہیر کی انہیں فوٹو و تصاویر بتائی جائیں۔ دیگر تصاویر کے ذریعہ استخراجی طریقہ پر تعلیم دینا باعث سہولت ہوگا۔

حساب بال فریم عموماً ہر مدرسہ کو دیا جاتا ہے لیکن مدرس مضمون کو مختلف تصاویر مثلاً پرندوں، انڈوں اور انگور وغیرہ کی مدد سے زیادہ دلچسپ بنا سکتا ہے۔

تاریخ ۔ شہر کے انتظامات بلدیہ اور پولیس کے انتظامات کو واضح کرنے کے لیے حسب ذیل چیزوں سے مدد لی جاسکتی ہے مثلاً روشنی کے کھمبے، سڑک پر پولیس کے سپاہی کی تصاویر، سواریوں کے آمد ورفت کا انتظام وغیرہ۔ دوسرے طریقے بھی مدرس استعمال کرسکتا ہے مثلاً تاریخی نقشے، خاکے، مشہور قلعے، دکن کی عمارتیں۔ ماضی وحال کے حکمرانوں اور دوسرے مشہور اشخاص کی تصاویر تاریخ کی تعلیم میں جگہ پاسکتے ہیں۔ بغیر ان طریقوں کے تعلیم موثر نہیں ہوسکتی۔

جغرافیہ ۔ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم جغرافیہ میں عمدہ نقشوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔ جغرافیہ کے تمام تعریفات بچوں کے سامنے پلاسٹیسین (Plasticine) کے نمونے رکھ کر تفہیم کی جاسکتی ہے مثلاً سمندر، دریا، پہاڑ، جزیرہ، آبنائے، خاکنائے، ظاہر کرنے کے لئے نمونے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ پلاسٹیسین (Plasticine) چاک کھوپرے کے تیل اور موم سے بنتا ہے یہ عام طور پر مدرسہ میں استعمال کیا جائے۔ طلبہ ایسے چھوٹے نمونے خود تیار کریں۔

مطالعہ قدرت رنگین مناظر قدرت جانور، پودے، پھول وغیرہ سے بچوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ پرندوں کی عمدہ تصاویر آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہیں مثلاً تیرنے والے پرندے، ڈالیوں پر بیٹھنے والے پرندے اور شکاری پرندے وغیرہ۔ اس قسم کے نقشے بمبئی کی نیچرل آرٹس سوسائٹی نے تیار کئے ہیں۔

حفظ صحت شخصی حفظ صحت و متعدد امراض سے محفوظ رہنے کی اہمیت تصاویر کے ذریعہ واضح کی جاسکتی ہے مثلاً دو تصاویر ایسی پیش کی جائیں کہ ایک میں میلے کچیلے کپڑے پہنا ہوا ایک لڑکا خونچہ والے سے مٹھائی لے رہا ہے جس پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور دوسری ایسی تصویر جس میں صاف ستھرے کپڑے پہنا ہوا ایک بچہ حلوائی کی دوکان پر جہاں مٹھائیاں شیشہ کی الماری میں رکھی ہوئی ہیں خرید رہا ہے۔ پودوں، مچھلیوں اور انسانوں پر کس طرح تمباکو کے زہر نکوٹین کا اثر ہوتا ہے، مختلف تصاویر کے ذریعہ واضح کیا جاسکتا ہے۔

اخلاقیات اس مضمون کو بھی تصاویر کے ذریعہ واضح کیا جا سکتا ہے مثلاً ایک تصویر جس میں ایک اندھا آدمی راستہ ٹٹول رہا ہے اور ایک بچہ اُس کی مدد کر رہا ہے دکھائی جاسکتی ہے۔ ایک دوسری تصویر میں ایک پیاسے آدمی کو ایک بچہ پانی پلاتے ہوئے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

ہم کو ضرورت سے زیادہ تصاویر کے استعمال کے خلاف ہدایت کرنی بھی ضروری ہے۔ مدرس تصاویر کے استعمال میں اپنے اختیار تمیزی کو کام میں لائے اور طلبہ کی توجہ کو چند ضروری امور پر مرتکز کر کے تعلیم کو بیزاری سے دور کرے۔

سفارشات

(۱) بیک انگریزی تحتانی تعلیم میں آغاز کی جائے۔

(۲) ختم تعلیم تحتانی کے بعد مہتماں و ناظران مدارس کی امداد سے طلبہ کا انتخاب کیا جائے کہ وہ صنعتی تعلیم کے موزوں ہیں یا ادبی تعلیم کے لئے۔

(۳) والدین کا تعاون بچہ کی بہبودی کے لئے بہت ضروری ہے خاص کر جب کہ تنظیم جدید کا آغاز ہو رہا ہے۔

(۴) تحتانی مدارس کے مدرسین کی حالت کو بہتر بنایا جائے اور ان کی دقتوں کو دور کیا جائے۔

(۵) طبقہ تحتانیہ میں مضامین کی تعلیم عملی پہلو لئی ہوئی ہو اور تجارب زندگی کے ساتھ مربوط ہو۔ تصاویر کے لئے مضمون کی تفہیم کرائی جائے۔

ذیلی کمیٹی حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھی :-

جناب مولوی عبد الستار سبحانی بی۔ اے؛ ال۔ ٹی صدر۔ مولوی عبد الحکیم صاحب ایم ایس سی۔ ال۔ ٹی معتمد۔ مولوی نور الحسن صاحب بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ صدر فوقانیہ دار الشفا۔ ریورنڈ ہبر اور پال رکٹر آل سنٹیں اسکول۔ مس ڈی دیبر صدر معلمہ طبقہ ابتدائیہ آل سنٹیس اسکول۔ مولوی عماد الدین صاحب صدر مدرسہ تحتانیہ افضل گنج۔ مولوی محمد اکبر صاحب صدر مدرس تحتانیہ پہاڑی شریف۔ (اراکین)

شذرات

روئداد جلسہ سالانہ انجمن اساتذہ ضلع بیڑ ۲۶ و ۲۷ مردی ۱۳۴۹ف

انجمن اساتذہ ضلع بیڑ کے سالانہ جلسہ کا پہلا اجلاس بتاریخ ۲۶ مہردی ۱۳۴۹ف ۹ بجے زیر صدارت عالیجناب مولوی غلام دستگیر صاحب ناظم عدالت ضلع بیڑ منعقد ہوا جس میں علاوہ اساتذہ صاحبان کے اکثر عہدہ داراں و وکلاء صاحبان وغیرہم شریک تھے۔

جناب مہتمم صاحب و ناظر صاحب کی تحریک و تائید کے بعد عالیجناب ناظم صاحب عدالت بیڑ نے صدارت فرمائی اور مولوی بشیر الزماں خاں صاحب صدر مدرس مڈل بیڑ نے رپورٹ سنائی اور مولوی غلام طاہر صاحب صدر مدرس وسطانیہ گیورائی نے بیسک انگلش کے فوائد و طریقہ تعلیم پر فاضلانہ تقریر کی اور نمونہ کا سبق مولوی سلطان محی الدین صاحب مددگار مدرسہ مذکور نے بزبان انگریزی دیا۔ مقصد تعلیم پر مولوی ریاض الرحمن صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ آشٹی نے ایک بسیط تقریر فرمائی۔

دوسرا اجلاس اُسی روز ۲ بجے منعقد ہوا جناب مولوی وزیر الدین صاحب مددگار وسطانیہ گیورائی نے اپنا مضمون اردو کی ابتدائی تعلیم پر پڑھا نیز مختلف تیار کردہ تصاویر کے ذریعے مختلف تجربات کا اظہار فرمایا جن کی الٹ پھیر سے مختلف حروف بن جاتے تھے۔

زاں بعد مولوی سید حسین صاحب صدر مدرس تحتانیہ انوارہ مومن آباد نے سیتا پھل پر نہایت کامیاب اور دلچسپ نمونہ کا سبق دیا۔

تیسرا اجلاس بتاریخ ۲۷ مہردی ۱۳۴۹ف بوقت ۹ ساعت دن زیر صدارت عالیجناب مولوی احمد رضا صاحب مہتمم تعلیمات منعقد ہوا مسٹر رام چندر راؤ مددگار مدرسہ وسطانیہ آشٹی نے مرہٹی پر جماعت سوم کو سبق دیا جو نہایت کامیاب رہا۔

بعد ازاں مولوی غلام طاہر صاحب صدر مدرس وسطانیہ گیورائی نے حسب ذیل تحریکات پیش فرمائیں۔

(۱) حیدرآباد اسٹیٹ لائف انشورنس بھی مثل دیگر بیمہ کمپنیوں کے اختیاری پالیسی معہ منافعہ و بلا منافعہ اجرا کرے اور وضعات کا عمل برآور دماہواری میں ہوا کرے جس کی وضاحت جناب مہتمم صاحب تعلیمات نے بیان فرمائی۔ باتفاق آرا طے ہوا کہ صوبہ واری کانفرنس میں تحریک بالا پیش کی جائے۔

(۲) سررشتہ سے سفارش کی جائے کہ ایک ہی گریڈ کے قابل تحسین کارگذار و معمولی کارگذار میں بغرض امتیاز ایک ترغیبی گریڈ رکھا جائے جس سے علاوہ کارگذار مدرسین کی حوصلہ افزائی کے غیر کارگذار یا معمولی کارگذار مدرسین کو بھی ترغیب ہوگی اور یہ جائداد مشروطہ بہ امتحان نہیں بلکہ مختص بہ کارگذاری ہو اور بہ تائید مولوی سید بہاؤالدین صاحب صدر مدرس تحتانیہ ڈھونڈ پورہ باتفاق آرا تصفیہ پایا کہ صوبہ واری کانفرنس میں پیش کی جائے۔

روئداد ٹورنمنٹ ضلع نلگنڈہ بابت ۱۳۴۹ف

مورخہ ۱۱ دی ۱۳۴۹ف سے ضلع ٹورنمنٹ کا آغاز ہوا مدرسہ فوقانیہ کے وسیع میدان میں ایک عارضی پنڈال معہ متعدد وسیع ڈیروں کے اس طرح قائم کیا گیا تھا کہ ناظرین و خواتین علحدہ علحدہ کھیلوں کا بخوبی مشاہدہ کر سکتے تھے نیز بازی گاہ برقی قمقموں اور بیرقوں سے بقعہ نور بن کر ایک خاص کیفیت پیدا کر رہا تھا جس کا لطف شب کے وقت خاص طور پر دیدنی تھا۔

بتاریخ ۱۱ دی بوقت ۸ ساعت صبح جناب اول تعلقدار صاحب نے مقامی عہدہ داروں کے ہمراہ ٹورنمنٹ کا آغاز فرمایا پرچم آصفی کو سلامی دی گئی اور زیر قیادت مولوی غلام رسول صاحب فزیکل انسٹرکٹر مارچ پاسٹ ہوا جس میں فوقانیہ کا بیانڈ سامعہ نوازی کر رہا تھا پبلک کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔ ۱۳ و ۱۴ دی کی شب کو فوقانیہ نلگنڈہ و وسطانیہ بھونگیر کے اسکاوٹ ٹروپ کے مظاہرے بہت مقبول ہوئے۔

اچھی بازی گاہ اور عمدہ ماحول ہمیشہ میسر آنے کی وجہ سے فوقانیہ کی ٹیم کا معیار وسطانیہ سے بلند رہا اور فٹ بال، ہاکی، والی بال اور سرکش میں بھی بازی لے گئی۔

بروز فائنل اختتام پر معزز مہمانوں کی معہ تمام کھلاڑیوں کے پرتکلف ایٹ ہوم سے

تواضع کی گئی۔ اس روز شام کے وقت بہ تحریک جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات ضلع ہذا بصدارت عالیجناب اول تعلقدار صاحب تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہوا۔ اختتام پر جناب صدر نے پر مغز تقریر فرمائی اور سررشتہ تعلیمات سے اپنی دلچسپی کا اظہار فرمایا من بعد جناب مہتمم صاحب تعلیمات نے جناب صدر وجمیع شرکا رجلسہ کا شکریہ ادا فرمایا۔

اس ٹورنمنٹ کی تمام کامیابی کا سہرا میر مجلس ٹورنمنٹ عالیجناب مولوی علاؤالدین احمد صاحب ایم۔اے آکسن بیرسٹرایٹ لاو عالیجناب رائے ایکناتھ صاحب اول تعلقدار ضلع ہذا جناب صدر مدرس صاحب فوقانیہ نلگنڈہ وجناب تحصیلدار صاحب کے سر ہے۔

ٹورنمنٹ مدارس ضلع محبوب نگر بابت ۱۳۴۹ ف

مدارس ضلع محبوب نگر کے دوسرے ٹورنمنٹ کا آغاز بہ سرپرستی عالیجناب رائے برکت رائے صاحب اول تعلقدار محبوب نگر زیر صدارت جناب مولوی سید ساجد علی صاحب مہتمم تعلیمات ضلع محبوب نگر بہ تعاون سررشتہ جات مال، پولیس، طبابت وصفائی بتواریخ ۱۲، ۱۳، ۱۴ اردی ۱۳۴۹ف بہ بازی گاہ مدرسہ فوقانیہ ضلع محبوب نگر عمل میں آیا۔ ٹورنمنٹ کا افتتاح اولمپی اقرار سے کیا گیا۔ تمام ٹیموں نے بازی ورانہ سچے جذبات پر قائم رہنے کا وعدہ کیا۔ صدر ٹورنمنٹ نے سلامی لی۔ ٹیموں کے قیام کا بطور خاص انتظام کیا گیا تھا جس کے لئے دفتر صدر مہتمی تعلیمات سے (۱۷۵) روپیہ منظور فرمائے گئے تھے۔

یہ امر موجب مسرت ہے کہ بمقابلہ سال گذشتہ کھیلوں کے معیار میں خاصی ترقی ہوئی چنانچہ کئی کھیل برابر ہونے کی وجہ مکرر کھلائے گئے۔ وسطانیہ مدارس کو گیموں کے ترقی کے وسائل بہت کم ہیں تاہم حسب مشورہ جناب مولوی سید محمد ہادی صاحب ناظم بائنرا اسکوٹ اولاً بمدارس وسطانیہ ثانیاً منتخب مدارس وسطانیہ وفوقانیہ کو ما بلقتی دوہرے انعامات تقسیم کئے گئے۔ اور ناظم صاحب موصوف نے بھی اس مقصد کے لئے چار عدد چالنج کپ عنایت فرما کر حوصلا افزائی فرمائی۔ سال حال اس ٹورنمنٹ میں مقررہ کھیلوں کے علاوہ فٹ بال۔ ہاکی اور ٹینس کے شو میاچس بھی ہوئے۔ طلبہ کے علاوہ مدرسین نے بھی گرم جوشی سے حصہ لیا علاوہ بریں عالیجناب ٹی بالکشن صاحب مہتمم کوتوالی وظیفہ یاب اور

مولوی محمد علی صاحب گتہ دار ضعیف العمر جوان ہمت نے ثابت کر دکھایا کہ اسپورٹس میں عمر کا کوئی لحاظ نہیں ہو سکتا۔

(۱) فوقانیہ محبوب نگر (۲) وسطانیہ نارائن پیٹھ (۳) وسطانیہ مکتھل (۴) وسطانیہ کلوہ کرتی (۵) وسطانیہ مغلگدہ (۶) وسطانیہ فرخ نگر کی ٹیموں نے فٹ بال، ہاکی، والی بال رسہ کشی، شٹل ریلے ریس میں حصہ لیا۔

نمائش تعلیمی ضلع گلبرگہ شریف بابت ۱۳۴۹ف۔ کانفرنس اساتذہ کے ساتھ حسب سابق نمائش تعلیمی بھی بہ عمارت دار الاقامہ مدرسۂ وسطانیہ مومن پورہ منعقد ہوئی۔ جس میں اس سال بہت کم مدارس سے سامان وصول ہوا۔ جس میں سوائے مدرسۂ وسطانیہ مومن پورہ اور ضلع پیٹ کے کسی جگہ سے جدید نصاب کے تحت سامان وصول نہیں ہوا۔

(۸) انعامات درجہ اول حسب ذیل مدارس کے لئے مشخص کئے گئے۔

(۱) مدرسۂ وسطانیہ مومن پورہ (۵)

(۲) " " چینچولی (۲)

(۳) " تحتانیہ بہمنی پورہ (۱)

جشن سال نو بمدرسہ کلوا کرتی یکم آذر ۱۳۴۹ف زیر صدارت جناب مولوی عبد الرشید صاحب صدیقی منصف جشن سال نو منایا گیا۔ مستقر کے عہدہ دار، وکلا، معززین وغیرہ شریک تھے۔ پرچم آصفی کی سلامی کے بعد ماس ڈرل اور اسپورٹس کا مظاہرہ ہوا۔ اساتذہ صاحبان اور معزز مہمانوں میں جن میں منصف صاحب بھی شریک تھے) رسہ کشی کا مقابلہ رہا۔ بعد مغرب ورزشی کرتب اور مشعلوں کا کام ہوا۔ صدر مدرسہ نے جدید تعلیم کے اغراض و مقاصد پر تقریر کی۔ رات میں کیمپ فائر ہوا۔ اختتام جلسہ پر صدر جلسہ نے انعامات تقسیم فرمائے اور اپنی جانب سے دس روپیہ طلبہ کو شیرینی کے لئے مرحمت فرمائے۔

تعلیمی کانفرنس اساتذہ مدرسہ تحتانیہ قصبۂ تاسہ ضلع ناندیڑ بتاریخ ۲ آذر ۱۳۴۹ف سالانہ تعلیمی کانفرنس کا

انعقاد زیر صدارت عالیجناب مولوی محمد نعیم الدین صاحب تحصیلدار تعلقہ حد گاؤں عمل میں آیا۔ مقامی عہدے داراولیاء طلبہ اور دیگر معززین مقامی شریک جلسہ تھے۔ صدر مدرس کی تحریک و مولوی محمد علی صاحب مددگار معتمد جلسہ کی تائید پر مولوی محمد نعیم الدین صاحب نے کرسی صدارت کو قبول فرمایا۔

صدر مدرسہ نے رپورٹ انجمن اساتذہ سنائی مسٹر ایشونت راؤ مددگار مدرسہ نے جماعت صغیر کو حروف تہجی کی تعلیم پر و مولوی عبدالسلام صاحب مددگار مدرسہ نے جماعت سوم کو جمع مرکب پر نمونہ کا سبق دیا۔

صدر مدرسہ نے "تعلیم کے مقصد" مولوی محمد علی صاحب مددگار "موجودہ نصاب بہ مدارس تحتانیہ" اور مسٹر سرینواس راؤ مددگار "ورزش جسمانی" پر مدلل تقریریں فرمائیں۔ جناب مولوی محمد فیض الدین صاحب سب انسپکٹر آب کاری و جناب مولوی محمد علی خاں صاحب زمیندار تامسہ نے بھی تقاریر میں حصہ لیا۔ اختتام جلسہ پر جناب صدر نے تربیت اطفال پر پُراثر تقریر فرمائی۔ آخر میں صدر مدرسہ نے صدر جلسہ و حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ ۸ بجے شب کو برخاست ہوا۔

روئداد کانفرنس ضلع نلگنڈہ بابتہ ۱۳۴۹ف

کانفرنس ضلع نلگنڈہ بابتہ ۱۳۴۹ف کے اجلاس ۱۱ و ۱۲ ماہ دی ۱۳۴۹ف زیر صدارت جناب مولوی علاؤ الدین احمد صاحب ایم۔اے بیرسٹرایٹ لا مہتمم تعلیمات ضلع ہذا منعقد ہوئے۔ مہمانوں اور کھلاڑی طلبہ کے قیام و طعام سے متعلق ممکنہ سہولتیں بہم پہونچائی گئی تھیں مقامی مدارس کے اساتذہ صاحبان کے رضاکارانہ خدمات و باہمی تعاون سے شرکائے کانفرنس کو غیر معمولی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ کانفرنس کے نظام نامہ سے عیاں ہے کہ اساتذہ کے فنی و خصوصی مظاہروں کے ساتھ سررشتہ طبابت و امداد باہمی کے لکچروں کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ شرکائے کانفرنس نے غیر معمولی قیمتی معلومات سے استفادہ حاصل فرمایا۔

مولوی علاؤ الدین احمد صاحب مہتمم تعلیمات ضلع ہذا نے صدارت کانفرنس کو قبول فرماتے ہوئے حسب ذیل افتتاحیہ تقریر فرمائی۔

حضرات آپ جانتے ہیں کہ اس اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ آپ جن طریقوں کو استعمال فرماتے ہیں اور اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمایا کرتے ہیں ان کو آج یہاں اسٹیج پر پیش فرما کر اپنے تجربوں سے دوسروں کو استفادہ حاصل فرمانے کا موقع دیں۔

آپ حضرات کا تکالیف برداشت کر کے شرکت فرمانا باہمی تبادلہ خیالات سے اپنے مشکلات پر قابو پانا اور تجارب سفر سے بہرہ ور ہونا قابل قدر ہے۔

چونکہ علمی اسباق کا آغاز ہو رہا ہے اس لئے آپ حضرات ان سے استفادہ حاصل فرماتے ہوئے دوستانہ پیرایہ میں جامع اور مختصر تنقید فرما کر باہمی اظہار خیال فرما سکتے ہیں

علمی اسباق کے بعد جو بیسک انگلش، دستی مشاغل، جغرافیہ اور حساب پڑھے۔

حسب ذیل حضرات نے تقاریر میں حصہ لیا اور تحریکات پیش کیں۔

(۱) مولوی بدرالدین صاحب مدرس مدرسہ وسطانیہ مریال گوڑہ نے قیام مدارس شبینہ و بالغاں پر اپنا طویل مضمون سناتے ہوئے تجاویز ذیل کو پیش فرمایا۔

(۱) موجودہ مدرسین سے یہ عطائے امداد و وظائف تعلیم بالغاں کا کام لیا جائے۔

(۲) مادری زبان میں مخصوص اور صنعتی مقامات پر آزمائشی مدارس کھولے جائیں۔

(۳) کتب خانہ جات کو قائم کر کے پیشے اور ماحول کے لحاظ سے کتب فراہم کی جائیں۔

(۴) مدت تعلیم سہ سالہ اور نصاب ساتویں جماعت تک ہو۔

(۵) مقامی صنعت و حرفت کا احیاء اگر شریک نصاب رہے تو کچھ عرصہ بعد بلا دستگیری غیرے مدارس اپنا کام چالو رکھ سکتے ہیں۔

مولوی غلام محسن الدین صاحب مدرس فوقانیہ نے بلا معاوضہ تعلیم بالغاں وغیرہ میں حصہ لیتے ہوئے ایثار کو کام میں لانے کی ترمیم فرمائی جس کو جناب صدر نشین صاحب نے پسند اور منظور فرمایا۔

(۲) مولوی غلام دستگیر صاحب صدر مدرس تحتانیہ سمتان نارائن پور نے ٹریننگ کے اُصول سے مدارس کس حد تک مستفید ہو سکتے ہیں کے عنوان پر اپنا مضمون سناتے ہوئے

سابقہ اور حالیہ تعلیمی حالت کا تقابل فرمایا حالیہ طریقہ کو مفید ثابت فرمایا ۔ جناب صدر نشین صاحب نے علم کے ساتھ عمل کی ضرورت کا اظہار فرمایا ۔

(۳) مولوی احمد حسین صاحب صدر مدرس تحتانیہ جنگاؤں نے تنظیم دیہی پر اپنا مضمون سنایا ۔ اور صدر مدرس صاحب تحتانیہ ایٹور نے عملی کام کا اظہار فرمایا ۔

مولوی یوسف الدین صاحب مدرس مدرسہ لوکلفنڈ رگھوناتھ پلی نے تنظیم دیہی کا عملی ثبوت پیش فرماتے ہوئے انجمن کی حسب ذیل مختصر کارگذاری کا ذکر فرمایا ۔

(۱) راستے کشادہ کئے گئے (۲) رقم مالگذاری کے ساتھ کچھ رقم وصول کر کے ادویات فراہم کی گئی ہیں ۔ (۳) رضاکاروں کی جماعت خدمت خلق کے لئے قائم کی گئی (۴) پنچایتیں قائم کی گئیں (۵) چوہوں کو مارنے کی عملی تدبیر کی گئی (۶) غلّہ بطور چندہ فصلوں پر جمع کر کے غریب کاشتکاروں کو بطور قرض قلیل منافع پر دیا جاتا ہے (۷) آبادی میں چمن بنائے گئے ۔ (۸) عام دلچسپی کے لئے موسیقی کا انتظام کیا گیا (۹) مدرسہ تعلیم بالغاں قائم کیا گیا ہے جس کی تعداد اس وقت (۳۸) ہے ۔

جناب صدر نشین صاحب نے اس عملی کام کو بطور نمونہ پیش فرما کر ترغیب و تحریض کا پہلو اختیار فرمایا ۔

مسٹر نرسیا صدر تحتانیہ تنگڈپلی نے مدارس میں دلکشی پیدا کرنے کے ذرائع و وسائل پر مختصر مضمون سنایا جس میں اولیائے طلبہ کے ساتھ اتحاد و شرکت شادی و غمی اور تحریک دیہات سدہار سے دلچسپی و قیام انجمن امداد باہمی کا تذکرہ فرمایا جن کو جناب صدر نشین صاحب نے عملی جامہ پہنانے کی نسبت ارشاد فرمایا ۔

مولوی سید یعقوب خاں صاحب انسپکٹر امداد باہمی ضلع ہذا کا پراز معلومات مضمون قابل ذکر ہے ۔ صاحب موصوف نے فرمایا کہ سررشتہ تعلیمات و امداد باہمی میں قریبی تعلق ہے ۔ اور امداد باہمی سے متعلق مختلف جماعتوں اور انجمنوں کا ذکر فرمایا ۔

صدر نشین صاحب نے انسپکٹر صاحب کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے اساتذہ صاحبان کو امداد باہمی کے قیمتی اصول سے واقفیت حاصل کرنے کی جانب مائل فرمایا ۔

ٹھیک آٹھ بجے جناب اسسٹنٹ سرجن صاحب و سب اسسٹنٹ سرجن صاحب نے طلبہ کی عام بیماریاں اور ان کے انسداد کی تدابیر پر بذریعہ میجک لینٹرن تقریریں کیں جو نہایت مفید و پر از معلومات تھیں۔ اختتام پر جناب صدرنشیں صاحب نے بمقابل سال گذشتہ سال حال کی ترقی پذیر حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے اساتذہ صاحبان کو میدان عمل میں آنے کی نسبت مخاطب فرمایا۔ اور حاضرین کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے خدا حافظ کہا۔

کانفرنس انجمن اساتذہ ضلع بیدر شریف بابتہ ۱۳۴۹ف

انجمن اساتذہ ضلع بیدر شریف کی دوسری سالانہ کانفرنس بابت ۱۳۴۹ف بتواریخ ۱۱ر۱۲ر دی ۱۳۴۹ف نہایت تزک و احتشام سے زیر صدارت عالیجناب مولوی سید محمد جواد صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی مہتمم تعلیمات بیدر منعقد ہوئی۔

بتواریخ ۱۱ر دی ٹھیک ساڑھے ۹ بجے عالیجناب سید علی اصغر صاحب بلگرامی اول تعلقدار صاحب ضلع بیدر بمعیت عالیجناب مہتمم صاحب تعلیمات بیدر کانفرنس گاہ پر تشریف فرما ہوئے۔ سررشتہ دار صاحب تعلیمات و مسٹر سوناجی معتمد انجمن اساتذہ ضلع بیدر و اساتذہ صاحبان نے صدر دروازہ پر معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ اسکاؤٹ تحتانیہ نے سلامی دی۔ نمائش گاہ پر پہنچ کر عالیجناب اول تعلقدار صاحب نے ایک پرمغز اور نصیحت آمیز تقریر اہمیت مطالعہ و نمائش تعلیمی پر فرمائی اور بہ نفس نفیس نمائش کا افتتاح فرمایا۔

اجلاس اول کی کارروائی کا آغاز ۱۱ر دی ۱۳۴۹ف ٹھیک دس بجے دن ہوا۔ مولوی فخرالدین صاحب ناظر تعلیمات حلقہ بیدر نے تحریک صدارت فرمائی اور معتمد نے تائید۔ بنا بریں عالیجناب مولوی سید محمد جواد صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی مہتمم تعلیمات بیدر نے کرسی صدارت کو زینت بخشی۔ اور فرمایا کہ ہر نیک کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے ہونا چاہئے اس پر مولوی عبداللہ حسین صاحب نے جلسہ کا آغاز قرأت سے فرمایا۔

بعد ازیں طلبائے مدرسہ تحتانیہ بیدر نے خوش الحانی سے پرارتھنا بزبان مرہٹی پڑھی۔ پھر معتمد نے حسب الحکم جناب صدر رپورٹ سنائی اس میں برکات دور عثمانی و سررشتہ تعلیمات کی حالیہ ترقیوں اور انجمن کے سال تمام کے کام پر روشنی ڈالی گئی۔ رپورٹ مدرسین کو

ملک و مالک کا سچا خدمت گذار بنانے کی دعا پر ختم ہوئی۔ مولوی انوار حسین صاحب بی۔اے بی۔ٹی صدر مدرسہ وسطانیہ احمد پور نے حفظ صحت پر ایک مقالہ سنایا۔

مولوی قدرت اللہ خاں صاحب مددگار مدرسہ وسطانیہ اودگیر نے جماعت چہارم کو دستی مشاغل پر کامیاب نمونے کا سبق دیا۔ دوران سبق میں موسیقی بھی جاری رہی۔

میقات دوم مولوی محبوب خاں صاحب مدرس مدرسہ وسطانیہ احمد پور نے کنڈر گارٹن پر نہایت کامیاب مظاہرہ کیا بطور مثال ایک چیز پیش کی جاتی ہے صاحب موصوف نے ایک کمسن بچے کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کھڑا کر دیا پھر تختہ سیاہ پر ایک لفظ لکھا پیسا نو بجایا لڑکے نے وہ لفظ بتا دیا۔ بعض حاضرین نے بھی الفاظ لکھے مدرس صاحب نے پیانو بجایا اور لڑکے نے ان کو بتلا دیا حاضرین محو حیرت ہو گئے۔

مولوی فخر الدین صاحب ناظر تعلیمات حلقۂ بیدر نے دیہی مدارس میں کمی تعداد اور اس کے ارتفاع کی تدابیر پر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ معائنہ میں سب سے زیادہ خوش کرنے والی چیز تعداد ہے۔ مدرسین کو مقامی پارٹیوں میں شریک نہ ہونے اولیا کی غلط فہمیوں کو رفع کرنے اور محنت سے کام کرنے کی ہدایت کی جسمانی سزا کو بالکل ممنوع قرار دیا۔ بعض مدرسین نے مشکلات پیش کیں جن کا جواب دیا گیا۔

میقات سوم ۱۲؍ دی ۱۳۴۹ف دس تا بارہ ساعت مولوی انظار حسین صاحب بی۔اے بی۔ٹی صدر مدرسہ وسطانیہ کوہیر کی تقریر مبنی پر مسئلہ تعلیم و معاش سے تیسرے اجلاس کی ابتدا ہوئی۔ فاضل مقرر نے موجودہ صنعتی دور میں اقتصادی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے بچوں کی سیرت پر بزرگوں اور ماحول کے اثرات کی عمدگی سے وضاحت فرمائی اور فرمایا کہ پیشوں کا تعلق محض اقتصادی ہی نہیں بلکہ تمدنی اور اخلاقی ہوتا ہے کاروباری اخلاق کی زندگی کے شعبوں پر اثر اندازی کا مقابلہ یوروپی اقوام کی زندگیوں سے کیا۔ اور فرمایا کہ یوروپی ایجادوں کی سہولتوں اور ہندوستانی صنعتوں کے فقدان کی وجہ سے نوجوانوں اور بچوں کو اپنی قدرتی استعداد کے اظہار کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ تعلیمی نظام کی تبدیلی کی ضرورت پیش فرمائی تا کہ قوم حقیقی معنی میں تعلیم یافتہ ہو جائے اور اپنے میلان طبع کے مطابق آئندہ زندگی میں

پیشوں کے اختیار کرنے میں آزاد رہ سکے۔

مسٹر گنڈیرا ؤ مددگار مدرسہ تحتانیہ بیدر نے چہارم کو انگریزی میں نمونہ کا

مولوی قدرت اللہ خاں صاحب مددگار مدرسہ وسطانیہ اودگیر نے نئے الفاظ

اعتراض کیا مسٹر موصوف نے جواب دیا کہ اختتام سبق پر الفاظ لکھواتا

مولوی شبیر علی صاحب بی-اے-بی-ٹی صدر مدرسہ وسطانیہ او

جماعتوں کی ریاضی کی تعلیم پر ایک مبسوط و پر از معلومات مقالہ پڑھا-مدرسیر

اُٹھا سکتے ہیں -

میقات چہارم

۱۲ امر دی ۴۹ ف مولوی قمر الدین خاں صاحب مددگ

بیدر نے (Basic English) اور ا۲

پر ایک پر از معلومات مضمون پڑھا -

تحریکات

مولوی سید محمد صاحب صدر مدرسہ تحتانیہ مرکھل نے متعدد مصلح

اقوال کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ابتدائی تعلیم جبری

مولوی امیر الدین صاحب صدر مدرسہ تحتانیہ دہناسری اور اکثر اساتذہ ص

کی تائید کی -

مولوی عبد السلام صاحب صدر مدرسہ تحتانیہ بیدر نے تحریک ک

کو ثانوی مدارس کے مماثل تعطیلات موسمی ہونی چاہئے - مولوی امیر الدی

اکثر اساتذہ نے اس کی تائید کی -

مولوی تراب الدین صاحب صدر مدرسہ تحتانیہ گرجوارڈہ نے منا

کے لباس میں یکسانیت کی تحریک پیش کی مولوی سردار حسین صاحب

اور غلام علی صاحب صدر مدرسہ تحتانیہ کنجوارم نے مخالفت فرمائی - آ

طے پایا کہ نیوی بلیو رنگ کی شیروانی یا بند گلے کا کوٹ سفید شملہ سفید پاجا

جناب صدر نے فرمایا کہ یکسانیت لباس اتحاد کی اچھی صورت

فی زمانہ ضرورت ہے - مذہبی خیالات ہر مدرس اپنی حد تک رکھے اس

تمام حاضرین کانفرنس کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

کانفرنس انجمن اساتذہ ضلع محبوب نگر بتواریخ ۱۱ و ۱۲ امرداد ۱۳۴۹ ف کانفرنس تعلیمی منعقد ہوئی عالیجناب رائے برکت رائے صاحب اول تعلقدار ضلع نے صدارت قبول فرمائی تھی مگر عالی جناب صدر المہام بہادر مال کے دورہ کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے اور اپنا افتتاحی خطبہ روانہ فرمادیا۔ صاحب موصوف کے غیاب میں جناب مہتمم صاحب تعلیمات ضلع ہذا نے صدارت کی اور خطبہ پڑھ کر سنایا۔ جو روداد کے اختتام پر درج ہے۔

اس سال انجمن کے خاص خصوصیات یہ تھیں کہ عملی اسباق و مضامین کے حالیہ نصاب پر عمل کرنے کی غرض سے تجربہ کار مدرسین صاحبان منتخب کئے گئے تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ اس سے قبل جن اسباق اور مضامین کے طریقۂ تعلیم پر بہت کم غور کرنے کا موقع ملا ہے ان پر غور کیا جائے۔ مثلاً ڈرائنگ کا عملی سبق اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ حالیہ نصاب میں اس کا تعلیمی نظریہ بھی بدل گیا ہے پہلے مدرس خود اپنا نمونہ پیش کیا کرتے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب ڈرائنگ بچے کے تصورات حسن کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی نصاب کی روشنی میں اس عملی سبق پر کافی نکتہ چینی ہوئی جس سے ضلع کے جملہ مدرسین کو بہ وقت واحد اس کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔

مضمون نویسی کی تعلیم پر بھی ایک سبق مقرر تھا چونکہ مدارس میں اس کی تعلیم صحیح اصول سے نہیں ہوتی ہے۔ اور بعض مدارس میں اس کو اہمیت ہی نہیں دی جاتی۔ اس سبق سے بھی مختلف اصحاب کی نکتہ چینی کی روشنی میں اساتذہ صاحبان کی اچھی رہنمائی ہوئی۔ اسی طرح اول تلنگی میں حالیہ نصاب کے لحاظ سے بلا بالاشک شا کی تعلیم (دیکھو بولو) کے اصول پر جو مرتب ہوئی ہے۔ اس کے تشکلات پر غور کیا گیا۔

حالیہ نصاب میں جماعت دوم سے زبان زائد کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لئے دوم تلنگی کے بچوں کو اردو کے قاعدے پر ایک سبق طریق الصوت پر دلوایا گیا اس طریقہ تعلیم کو ذہن نشین کرنے کا یہ اچھا موقع تھا جماعت اول کی اخلاقیات کی تعلیم کا طریقہ

عموماً ناقص ہے اس سبق کے ذریعہ اس کا صحیح طریقہ بتایا گیا۔

مضامین پر بھی اس سال کانفرنس نے خاص توجہ کی۔ضروریات زمانہ کی روشنی میں جدید طریقہ تعلیم وتعلیم باغبانی واصلاح مدارس آزمائشی وپبلک کتب خانہ جات کا قیام وفراہمی طلبہ کے طریقوں اور تعلیم پست اقوام وتعلیم بالغاں پر تجربہ کار اساتذہ کے تجربوں موانعات ومشکلات پر غور کیا گیا۔ ابتدائی مدارس آزمائشی وامدادی کی ترقی وادنیٰ طبقوں کی تعلیم میں جو موانعات ومشکلات مقامی ذی اثر وشاطر اصحاب سے مدرس کو پیش آتی ہیں اُس کے انسداد اور مدرس کی قابلیت اور اس کی تنخواہ اور نصاب ضروریات ملکی ومقامی کے لحاظ پر ایک مفید مضمون جناب مولوی احمد حسین خانصاحب ناظر تعلیمات ایم۔اے۔بی۔ٹی نے سنایا۔ایک مفید اسکیم بھی پیش فرمائی۔

اسی طرح تعلیم پست اقوام وتعلیم بالغاں کے متعلق پست طبقوں کی ایک تو احساس کمتری دوسری افلاس یہ دونوں چیزوں سے یہ طبقہ جس قدر کش مکش حیات میں مبتلا ہے کہ ان کو ایک قدم آگے بڑھنے نہیں دیتا۔اعلیٰ طبقات اور ذی اثر حضرات کا ان کی ترقیوں اور حصول علم کے مزاحم ہوجانا مزید ان کے لئے تباہ کن ہے۔ باوجود ان سب مشکلات کے ضلع ہذا کے بعض مدرسین نے پست اقوام کی تعلیم کی جانب رجوع ہوکر جو مصیبتیں جھیلیں اور دوتین سال کی سعی اور پیہم استقلال سے مفید نتائج پیدا کئے وہ بیان فرمائے۔اس کے بعد ضلع ہذا سے چند تحریکات بھی منظور ہوئیں۔

(۱) جملہ مدارس میں پروگرام تعلیم کی یکسانیت حالیہ نصاب کی روشنی میں ہونا ضروری ہے۔

(۲) اساتذہ صاحبان ضلع ہذا کا سفید یونیفارم ہونا ضروری ہے۔

(۳) تحتانیہ میں ورزش جسمانی کے لئے اساتذہ کو ایک مرکز میں ٹریننگ دی جائے۔

(۴) جدید نصاب کے لحاظ سے نقشہ کشی وقصہ گوئی کا انتظام۔

(۵) تعلیم خطاطی ذریعہ نستعلیق کا بیاں۔

(۶) غریب مدرسین کی پسماندہ اولاد کی تعلیم کا انتظام ہو۔اس کے لئے مدرسین کی

تنخواہ سے مثل تعلیم فنڈ پولیس وضعات عمل میں لائی جائے ۔

اس کے بعد صدر کی ایک پُر مغز و پر اثر تقریر ہوئی اور شرکا و منتظمین و معتمدین و کارپردازان جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے شاہ ذی جاہ و خانوادۂ آصفی کی عمر و اقبال میں ترقی کی دعا کی گئی ۔ اس کے بعد فوٹو اور اٹ ہوم ہوا۔ اس طرح گوناگوں مصروفیات و کامیابی کے ساتھ یہ جلسہ ختم ہوا۔

اقتباس خطبۂ صدارت عالیجناب آرائے برکت رائے صاحب اول تعلقدار ضلع محبوب نگر بموقع انجمن اساتذہ ضلع محبوب نگر۔

عزیز مدرسین و حاضرین کرام!

(۱) اس مہتم بالشان جلسہ میں شرکت کی دعوت دہی پر میں آپ کا ممنون ہوں۔ معلّمین و مدرسین سے ملنے اور تبادلہ خیالات کرنے سے مسرور بھی ہوں۔ کیونکہ ان کو دیکھنے سے مجھے اپنے پیارے ملک و اہل ملک کی ترقی کا مادّی ثبوت مل رہا ہے۔

(۲) یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ صرف امرا اپنی تعیّشات کی تکمیل کی خاطر تعلیم حاصل کیا کریں بلکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ تعلیم ہر کس و ناکس کی تمدنی زندگی کا ایک جز و لاینفک بن گئی ہے لہذا تعلیم عوام کی اہمیت جتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اہل ملک بھی تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح جان چکے ہیں۔ باشندگان مواضعات میں بھی حصول تعلیم کا کافی شوق پیدا ہوگیا ہے مگر ہم ابھی اُن کے اس شوق کی کماحقہٗ تکمیل کرنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں ہم کو اطمینان قلب اس وقت نصیب ہوگا جبکہ بلالحاظِ عمر کوئی شخص کہیں ناخواندہ باقی نہ رہے ۔

(۳) فی زماننا یہ امر مسلّمہ ہے کہ بچہ ہی قوم ملک اور انسانیت کی ترقی کا ضامن ہے۔ پس ایسی قیمتی اور قابل قدر ہستی سے غفلت برتنی قوم و ملک سے غفلت برتنی ہے ۔ تمام متمدنہ ممالک میں بچوں کی فلاح کے لئے ہر طرح کی کوششیں جاری ہیں۔ نفسیاتی تحقیقات سے ظاہر ہوچکا ہے کہ پیدائش کے بعد سے پانچ سال تک کی عمر تعمیر سیرت کے لئے نہایت

اہم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ سیرت بہت کچھ اسی عمر میں بن جاتی ہے بقیہ عمر میں اس میں پختگی آتی رہتی ہے۔ اگر اس عمر میں تعمیر سیرت میں غفلت برتی گئی تو اندیشہ ہے کہ نیک اور مفید سیرت سازی کا موقع ہمیشہ کے لئے جاتا رہے۔ ہم ہندوستانی اس عمر کو اہم نہیں سمجھتے۔ والدین کا فرض ہے کہ اس پر توجہ کریں اس کے بعد کی عمر بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ مانٹ سوری کا قول ہے:- "We prepare with our methods the infancy of the humanity of our time"

حالیہ اٹلی اور قدیم اٹلی کا اگر مقابلہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ حالات کا یہ تغیر مانٹی سوری کے طریقۂ تعلیم کا مرہونِ منت ہے۔ آپ کی ذمہ داریاں بڑی ہیں۔ آپ قوم کو سنوارنے اور بگاڑنے والے ہیں بچوں کو آپ کی کامل خبر گیری کی احتیاج ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ ان کی دماغی جسمانی اخلاقی تعلیم و تربیت اس خوش اسلوبی اور ہمدردی سے کریں کہ وہ آئندہ زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب ہوں اور سوسائٹی کے ایک مفید رکن ثابت ہوں اپنی جسمانی مضبوطی سے حوادث زمانہ کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں۔ جب سے جناب سید محمد حسین صاحب جعفری نے عنان نظامت تعلیمات اپنے ہاتھوں میں لی ہے، سررشتہ ہذا دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ انتظامات تعلیم میں ان کی ہمہ گیر اور وسیع النظر تجاویز نے ایک مفید انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ عوام کی تعلیم کا خرچ اب تک مدلو کلفنڈ پر ڈالا جاتا تھا جو کما حقہٗ اس عظیم الشان کام سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا اب یہ بار خزانہ شاہی پر ڈالا گیا ہے۔ فی الحقیقت عوام کی تعلیم کا صحیح طریقہ یہی ہے۔

(۴) تعلیم بالغاں کی بھی شدید ضرورت ہے۔ بھلا غور تو کیجئے کہ جہاں صرف آٹھ فی صد اشخاص صرف معمولی نوشت و خواند جانیں اور بیانوے فی صد اشخاص اس قدر بھی خواندہ نہ ہوں تو اُس ملک کی جہالت کیسی بھیانک ہو گی۔ ایسا جاہل ملک کس طرح دوسرے متمدن ممالک کے دوش بدوش کھڑے ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ جاہل باشندگان مواضعات آسانی سے ہر شاطر و ہوشیار کا شکار بن جاتے ہیں۔

حکومت ان کی فلاح وبہبود کے لئے قوانین مرتب کرتی ادارہ جات اور درس گاہیں قائم کرتی ہے مگر یہ اُن سے خاطر خواہ مستفید نہیں ہو سکتے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ اپنی انسانیت سے بھی نابلد ہیں۔ آپ اصحاب کا یہ مقدس فریضہ ہے کہ ان بالغ العمر اشخاص کی تعلیم پر کافی توجہ کریں۔ اس کام میں آپ کو گوناگوں موانعات و مشکلات پیش آئیں گی۔ مگر استقلال اور دردمندی سے تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ دارالمطالعوں اور کتب خانوں کے قیام کے ساتھ ان کی تعلیم نتیجہ خیز ہو سکتی ہے لہذا آپ حضرات ہی بذات خود اس کام پر توجہ فرمائیں تو اچھا ہے۔ حفظ صحت، زراعت، تجارت، علاج مویشیاں، انجمن اتحادی وغیرہ سے متعلق، کتب ان میں رکھی جائیں تو بہتر ہے۔

(۵) اس ضلع میں پست اقوام تعلیم کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں کر رہی ہیں۔ اس کی وجوہ دو ہیں۔ اولاً احساس کمتری۔ افسوس ہے کہ اس احساس کو اونچی ذات والے مقویت دیتے اور ان میں جذبات ترقی پیدا ہونے نہیں دیتے۔ جس کی وجہ سے یہ اقوام سمجھتی ہیں کہ ان کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے اونچی ذات والوں کی غلامی لکھی ہے۔ دوم افلاس اس کی وجہ سے ان غریبوں کو دن بھر محنت و مزدوری کرنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ تعلیم کی طرف بمشکل توجہ کرتے ہیں اگر آپ اصحاب اس پر توجہ نہ کریں گے تو نہ ان کا احساس کمتری ہی رفع ہوگا نہ ان کو اپنی قدرتی صلاحیتوں سے واقف ہونے کا موقع ملے گا۔ اونچی ذات والوں میں اُن کی ترقی کے خلاف جو خیالات ہیں ان کو رفع کرنیکی کوشش کیجئے اور حتی الامکان تعلیم پست اقوام میں سعی فرمائے۔

اس ریاست آبد مدت میں آفتاب علم کی جو درخشانی ہے اور تعلیم پر جو اس قدر زرِ کثیر صرف کیا جارہا ہے وہ سب ہمارے آقائے ولی نعمت اعلیٰحضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی کی معارف پرور توجہ کا نتیجہ ہے۔ ہم سب کی دعا ہے کہ ہمارے سرکار ظل اللہ کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم رہے۔ اور شاہزادگان بلند اقبال و شاہزادیاں فرخندہ فال کو خدائے تعالیٰ عالی مراتب و درازی عمر عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

مصروفیات انجمن اساتذہ مدرسہ فوقانیہ ــــــ رائچور

سال زیر رپورٹ میں گیارہ جلسے ہوئے جن میں حسب ذیل عنوانات پر تقاریر کی گئیں اور مقالات پڑھے گئے۔ باغبانی کی اہمیت اور اس کی ترقی کے وسائل تعلیم باغبان، سیر و تفریح، ارتباط مضامین، تنظیم دیہی، طلبہ کی تربیت کی اہمیت، امتحانات کے حقیقی مقاصد، سبق کی تیاری کی اہمیت، ہوم ورک کے مقاصد وغیرہ۔

رپورٹ کانفرنس وٹورنمنٹ اساتذہ ضلع پربھنی بابتہ ۱۳۴۹ ف

بہ زیر اہتمام جناب مولوی مہدی حسن صاحب زبیری مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی بتواریخ ۲۶ و ۲۷ اردی ۱۳۴۹ ف اساتذہ ضلع پربھنی کی کانفرنس منعقد ہوئی اس مرتبہ فنی اور ادبی اعتبار سے قابل لحاظ تنوع پیدا کیا گیا تھا۔ اس موقع پر جناب مولوی سید محمد نواب صاحب بی۔ اے ایجوکیشنل آفیسر انجمن اتحاد باہمی کی تنظیم دیہی پر موثر تقریر ہوئی ۔

مولوی مسعود حسن خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی صدر مدرس وسطانیہ ہنگولی نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ تعلیم باغبان۔ دیہی مدرسین کی مشکلات اور ہم کو کیا کرنا چاہئے کے عنوانات پر مفید تقاریر ہوئیں۔ مسز سوشیلا بائی نے مدارس نسوان کی ورزش جسمانی کی بنسبت عوام کے معیوب خیالات کو رفع کرنے کے لئے تقریر فرمائی۔ ابتدائی حرف شناسی، اعداد نویسی و دیگر مضامین پر متعدد نمونہ کے اسباق دئے گئے۔ دیہاتی فانوس کا کامیاب مظاہرہ کیا گیا۔ صدر معز جلسہ نے نتائج اور تجربات پر مملو اختتامی تقریر فرمائی۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی و صاحبزادگان بلند اقبال و صاحبزادیاں ہمایوں فال کی دعائے ترقی عمر و اقبال پر جلسہ ختم ہوا۔

اس کانفرنس میں نمائش تعلیمی کا بھی انعقاد عمل میں آیا تھا جس کا افتتاح نواب ملک یار جنگ بہادر اول تعلقدار نے ناصحانہ و علم نواز تقریر سے فرمایا۔ شب میں ایک کامیاب مشاعرہ ہوا۔ نیز طلبہ کی کانفرنس کی طرف سے بھی تعلیم کی ضرورت پر پُرلطف مذاحیہ مشاعرہ ہوا۔

صاحب ضلع نے مسابقتی انعامات و تمغہ جات کامیاب طلبہ کو تقسیم فرمائے ترانۂ دکن کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔

روئداد دوسری سالانہ کانفرنس اساتذہ گلبرگہ شریف۔

انجمن اساتذہ کا دوسرا سالانہ جلسہ بہ صدارت جناب مولوی آغا محمد احسن صاحب مہتمم تعلیمات ضلع گلبرگہ شریف بہ عمارت کتب خانہ عام منعقد ہوا عالیجناب رائے شمبو پرشاد صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف نے عالمانہ و ناصحانہ تقریر سے اس کا افتتاح فرمایا۔ حمد و پرارتھنا کے بعد جناب مولوی عبدالرحیم صاحب ناظر تعلیمات نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ معتمد عمومی نے انجمن کی اصلاح سے متعلق رپورٹ پڑھی۔ صدر جلسہ نے مدرسین کے تحفظ حقوق کے متعلق اطمینان دلایا۔ نیز جملہ مضامین کے نصاب مقررہ کی اہمیت بتلائی کہ سلسلہ نصاب کی پابندی نہ کی جائے گی تو کوئی طالب علم اچھا شہری نہیں بن سکتا۔ اور بیان فرمایا کہ آلات تعلیمی اپنی مرضی کے موافق بچوں کی ذہنی حالات کے مناسبت سے مدرس خود تیار کرے۔ شفٹ سسٹم اشاعت تعلیم کا واحد طریقہ ہے۔ اس کے بعد معلین اور متعلین ڈسپلن اور شخصیت مدرس کے مفہوم پر مفید تقاریر ہوئیں

مستند منتخب مدرس صاحبان نے تحتانی جماعتوں کو حساب، جغرافیہ، تاریخ اور اسباق الاشیاء پر نمونہ کے اسباق دئے جو عام طور پر پسند کئے گئے آخر میں مولوی شیخ علی صاحب صدر مدرس نے "ہم سررشتہ کے اور سررشتہ ہمارا" مولوی قمر حسن صاحب صدر مدرس نے "تعلیم کا انحصار توجہ اور دلچسپی سے ہے" اور مولوی احمد بادشاہ صاحب صدر مدرس نے "مدرس کو اچھا بننے کی ضرورت" پر یکے بعد دیگرے مدلل اور مفید تقاریر فرمائیں۔ صدر نشین صاحب نے اختتامی تقریر میں کانفرنس کی کاروائیوں پر تبصرہ فرماتے ہوئے سال آئندہ کے لئے لائحہ عمل پیش کیا اور کچھ اصلاحات پیش فرمائیں جن سے مدرسین کی بہت کچھ رہنمائی ہوئی۔ ٹی پارٹی کے بعد کانفرنس کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہونچی۔

وسطانیہ و تحتانیہ

بمقام بیدر بتاریخ ۱۰/ دسے لغایتہ ۱۴/ دے ۱۳۴۹ف حسب سابق ٹورنمنٹ منعقد ہوا۔ آرائش۔ نمازپانی اور روشنی کا نہایت معقول انتظام تھا گیمس ٹورنمنٹ ضلع بیدر واسپورٹس نہایت دلچسپ تھے۔ فٹ بال۔ ہاکی والی بال اور رسہ کشی کے مقابلے ہوئے۔ مدارس تحتانیہ میں مدرسہ تحتانیہ بیدر کے طلباء نے اور مدارس فوقانیہ و وسطانیہ میں مدرسہ وسطانیہ کوہیر کے طلباء نے گیمس واسپورٹس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ چار نقرئی کپ (۴۹) نقرئی میڈلس۔ پانچ روپیہ ۸/ آنہ نقد انعام مختلف انعامات جیتنے والے کھلاڑیوں کو دئیے گئے۔ جلسہ تقسیم انعامات کے روز جملہ حاضرین کی فواکہات اور چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی۔ ہنود حضرات کے لئے عصرانہ کا علحدہ انتظام تھا۔

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی اول تعلقدار ضلع نے بہت دلچسپی لی اور ٹورنمنٹ کو کامیاب بنانے میں ممکنہ امداد فرمائی جس کی وجہ سے سال حال ٹورنمنٹ نہایت وسیع پیمانہ پر ہوا۔ دیگر مقامی عہدہ دار صاحبان و معززین نے بھی عملی حصہ لے کر ٹورنمنٹ کو کامیاب بنانے میں خاص حصہ لیا۔ جناب مولوی فضل حق خاں صاحب ناظم عدالت ضلع نے فائینل فٹ بال اور ہاکی کے میچوں میں خود ریفری کا کام انجام دیا۔ جناب مولوی سید محمد جواد صاحب مہتمم تعلیمات ضلع بیدر کی خاص توجہ سے سال حال ٹورنمنٹ نہایت کامیاب رہے جس میں ضلع کے تمام مدارس نے حصہ لیا اور اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا۔

ادارتی مقالہ

چند حقائق

جب سے مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی نے نظامت تعلیمات کی خدمت کا جائزہ لیا ہے اس رشتہ کی ہر جہتی فلاح و بہبود میں بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف و منہمک ہیں اور ملک کے گوشہ گوشہ میں عام بیداری کے آثار بھی نمایاں ہیں۔ سر رشتہ کی ترقیوں سے متعلق ہم رسالے کی پچھلی اشاعتوں میں پبلک کو روشناس کرتے رہے ہیں۔ اس اشاعت میں رپورٹ نظم و نسق سر رشتہ اور اس سے متعلقہ چند اعداد کے بارے میں قارئین کو توجہ دلائی جائے گی۔

رپورٹ سر رشتہ عام طور پر روکھی پھیکی اور غیر دلچسپ اعداد کا مجموعہ ہوا کرتی تھی۔ اس کی اشاعت میں اتنی دیر لگ جاتی تھی کہ باسی مواد اور پرانے اعداد سے جی اکتا جاتا تھا۔ مگر اب اس کی اشاعت میں ممکنہ عجلت سے کام لیا جا رہا ہے اور نئے روپ میں ۱۳۴۲ف کی رپورٹ ہمارے ہاتھ میں ہے، جو اعداد و شمار اور ان سے نتائج کے استخراج نیز تعلیمی حقائق کے استنباط وغیرہ کے لحاظ سے حقیقی ترقیوں کی آئینہ دار ہے۔ مختصر یہ کہ رپورٹ میں خاصی جاذبیت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ محکمۂ سرکار نے اپنی تنقید میں بایں الفاظ تبصرہ فرمایا ہے۔

"رپورٹ دلچسپ اور جامع اور چند امید افزا خصوصیات پر مشتمل ہے۔ یعنی بہرے گونگے اور اندھے لڑکوں کی تعلیم کا انتظام، خانہ بدوش اقوام کی تعلیم، اور اُن اقوام کی تعلیم جن کو اصطلاح عام میں (کوئی بہتر لفظ کے نہ ملنے سے) پست اقوام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اِن کے علاوہ باری وار طریقہ اور مدارس کے طلبہ سے ناقص تغذیہ کا ارتفاع بھی شامل ہیں"

علاوہ مذکورہ بالا خصوصیات کے ۱۳۴۲ف میں ثانوی تعلیم کی جدید اسکیم کو مکمل کر کے سرکار میں پیش کیا گیا اور تعلیم نسواں کی توسیع اور اصلاح کی جانب خاص توجہ کی گئی۔

چنانچہ مدارس نسواں اور طالبات زیر تعلیم کی تعداد میں علی الترتیب (۴۰) اور ۵۵ ء ۱ کا اضافہ ہوا۔ مہتمات مدارس نسواں کی جدید جائدادیں قائم کی گئیں اور جماعت ہشتم تک طالبات کے لئے ان کی مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا۔ سب سے زیادہ توجہ تحتانی تعلیم کی توسیع اور اصلاح کی طرف کی گئی۔

تحتانی تعلیم وہ بنیادی تعلیم ہے جس پر عام تعلیمی عمارت قائم کی جاتی ہے۔ لہذا بنیاد کا مستحکم ہونا لازمات سے ہے اور اسی طرح مصارف کے معاملہ میں بھی تحتانی تعلیم سب سے زیادہ اخراجات کی مستحق ہے۔ مگر معاملہ اس سے برعکس تھا یعنی ثانوی تعلیم پر زیادہ مصارف ہو رہے تھے اور تحتانی تعلیم پر کم۔ چنانچہ سرگراں اخراجات کو متوازن کرنے کی لگاتار کوشش جاری ہے۔ باری وار طریقہ کی ترویج سے مدارس کی کارکردگی میں اضافہ کی صورتیں اختیار کی گئیں۔ تحتانی تعلیم کو عام کرنے کی خاطر ملک کے طول و عرض میں مدارس کا ایک جال بچھا دینے کی تدابیر عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ ۱۳۴۲ف میں ہر قسم کے مدارس کی تعداد (۵۱۲۱) اور ان میں (۲۸۱۰۱۸) طلبہ زیر تعلیم تھے۔ پچھلے سال کے اعداد سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ (۲۶۳) مدارس اور (۱۳۲۵۰) طلبہ کا اضافہ ہوا۔ تعداد مدارس میں اضافہ تمام تر تحتانی منزل میں ہوا ہے جو معتد بہ اور قابل تعریف اس لحاظ سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی خاص رقم حکومت نے منظور نہیں کی تھی۔ بلکہ جناب ناظم صاحب نے موازنہ کا مطالعہ کرکے اُن رقموں کی جو ضائع جا رہی تھیں یا جن کا اسراف ہو رہا تھا بچت نکالی اور (۲۹۷) جدید مدرسے قائم کئے۔ چونکہ مزید بچت کی کوئی صورت باقی نہیں تھی۔ لہذا توسیع تحتانی تعلیم کا ایک پنجسالہ لائحہ عمل پیش فرمایا۔ جس کی رو سے سردست ہر ایک ہزار آبادی کے گاؤں میں ایک مدرسہ قائم ہو جائے گا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ ہذا جلد ۱۴ شمارہ (۱)

سرگراں اخراجات کو متوازن کرنے کی جد و جہد صرف اس حد تک محدود نہیں ہے بلکہ جبری تعلیم کا مسودہ بھی پیش ہو چکا ہے اور ناخواندگی کو دور کرنے کی پُرخلوص

کوشش جاری ہے جس کی رفتار یقین ہے کہ منظور شدہ رقموں سے استفادہ کے بعد تیز تر ہو جائے گی۔ اب تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔

تعلیم کی ذمہ داری تنہا حکومت پر عائد نہیں ہو سکتی ہے۔ یورپ کے ہر متمدن ملک میں حکومت کے ساتھ ساتھ پبلک کی دلچسپی بھی شامل حال ہے خانگی ادارے پورے احکام اور ضوابط کی پابندی کے ساتھ نہایت کامیابی سے چلائے جاتے اور حکومت کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ مخیر اصحاب اور صاحبان ثروت لاکھوں کے وارے تیار سے اور تعلیمی اوقاف سے دریغ نہیں کرتے جس کا نتیجہ ہے کہ بیسیوں ادارے رقمی پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو کر خاموشی کے ساتھ علمی مشاغل۔ سائنسی تحقیقات اور انکشاف میں مصروف ہیں۔ یورپی ممالک سے قطع نظر برطانوی ہند میں بھی تعلیم سے پبلک کی دلچپی کے آثار پیدا ہو چلے ہیں۔ مگر اس کا فقدان ہے تو ہماری ریاست میں۔

۱۳۴۷ف میں خواندہ طلبہ کی فی صد تعداد بلحاظ طلبائے قابل تعلیم (۷، ۱۸) اور اس سے بیشتر کے سال میں (۱، ۱۸) تھی بادی النظر میں یہ اعداد معنی خیز نہیں معلوم ہوتے مگر حد درجہ بصیرت افروز ہیں اور زبان حال سے ملک کی تعلیمی پستی کا نوحہ خواں ہیں۔ ایک سال میں جو اضافہ ہوا وہ صرف ۶، یا $\frac{۳}{۵}$ فی صد ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس رفتار سے ناخواندگی کو دور کرنے میں کم از کم سوا سو سال کی مدت درکار ہے گو ہماری حکومت تعلیم پر بڑی فیاضی کے ساتھ روپیہ صرف کر رہی لیکن باوجود اس کے خواندگی کے اعداد بہت گرے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اعداد میں وہ علاقے جو جاگیرات پائیگاہ اور سمستان کے نام سے موسوم ہیں شریک ہیں اگر ان کو خارج کیا جائے تو علاقہ دیوانی کا فی صد بہت بڑھ جائے گا تعلیمی اعتبار سے جاگیروں وغیرہ کی پستی اور زبوں حالی کا اندازہ اس لحاظ سے کیا جا سکتا ہے کہ منجملہ (۵۱۳۱) مدارس کے صرف (۱۰۸) یعنی (۲) فی صد مدارس جاگیروں میں واقع ہیں۔ حالانکہ جاگیروں کا رقبہ (۲۵) ہزار مربع میل یعنی ممالک محروسہ سرکار عالی کے رقبے کا ایک تہائی ہے اور مردم شماری (۳۰) لاکھ یا ریاست کی مردم شماری کا پانچواں حصہ ہے۔ اس حقیقت کو دوسرے

الفاظ میں اس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ہر (۱۷) مربع میل میں ایک مدرسہ ہے۔ بخلاف اس کے جاگیروں میں ہر (۲۳۱) مربع میل میں ایک مدرسہ واقع ہے۔ ایسی صورت میں خواندگی کے اعداد ہمیشہ گرے رہیں گے اور سررشتہ کی کارگذاری اور جد وجہد کا پورا پورا اندازہ نہ ہوگا، تاوقتیکہ جاگیروں میں تعلیم کا معقول انتظام نہ کیا جائے۔

ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے کثیر اخراجات درکار ہیں بلاشبہ سررشتہ کی جد وجہد بے حد مستحسن اور قابل مبارکباد ہے اور مستقبل قریب میں ہی اس جد وجہد کے عملی ثبوت بھی مل جائیں گے مگر اس جہاد عظیم کے لئے پبلک کی دلچسپی رؤسا اور والیان جاگیر، سمستان و پائیگاہ کی فیاضی متمول اور مخیر اصحاب کے عطئے اور تعلیمی اوقاف، غرض کہ ہر ممکنہ اعانت کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے اس لعنت کا ملک سے دور ہونا محال ہے۔

The Hyderabad Teacher

EDITORS' NOTICE.

Articles meant for publication in this Journal must be addressed to the *Editor-in-Chief.* They should be either typed or written legibly in ink and signed by the author giving in full his or her address. The *Editorial Staff* does not necessarily share the views expressed in the articles published, but it reserves to itself the right to make such alterations in the articles received as it may deem necessary and proper before publishing them, and also to withhold their publication without assigning reasons. Original articles containing practical suggestions bearing on topics of general or educational interest will be very much appreciated. When an article is not approved, it will be returned to the author provided it is accompanied by a stamped and addressed envelope. When it is approved, a complimentary copy of the issue in which it appears will be sent to the contributor.

MANAGER'S NOTICE.

Subscription Rates.

	For H. E. H. the Nizam's Dominions including postage.						For British India including postage.					
	Per annum.			Per copy.			Per annum.			Per copy.		
	O. S.			O. S.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps
English & Urdu Sections combined ...	3	0	0	0	12	0	3	0	0	0	12	0
English Section separately ...	2	0	0	0	8	0	2	0	0	0	8	0
Urdu Section separately ...	1	14	0	0	8	0	1	14	0	0	8	0

Members of any of the Teachers' Associations affiliated to The All-Hyderabad Teachers' Association may obtain back numbers of *The Hyderabad Teacher* at concession rates,

Advertisement Rates.

Space.	Whole Year.			Six Months.			Per Issue.		
	B. G.			B. G.			B. G.		
	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.	Rs.	As.	Ps.
Full page ...	12	0	0	6	0	0	4	0	0
Half page ...	6	0	0	3	8	0	2	0	0
Quarter page ...	3	0	0	1	12	0	1	0	0
Per line ...	0	10	0	0	8	0	0	6	0

Address :

D. P. I's. OFFICE,

HYDERABAD-DECCAN.

Review

A CONCISE MATRICULATION GRAMMAR AND COMPOSITION

BY

Prof. F. J. A. Harding, Osmania University

Publishers: **Oxford University Press.** **Price B. G. Rs 1—12—0.**

The book under review has been prepared for the special guidance of the H. S. L. C. and Osmania Matric students. It is an effort at dropping all unnecessary rules and definitions and at explaining sufficiently the few that are essential in simple, informal language. A comprehensive book on the subject would doubtless have been superfluous when the market is already flooded with so many books on grammar and composition. The book provides a number and variety of exercises to secure fixity of impressions and to afford practice in correct grammatical usage and modern idiomatic English, and also includes several test papers to suit the requirements of our school pupils. One feature of the book for which it deserves warm praise is its breaking away from the antiquated grammatical terminologies and following, in the main, the new terminologies recommended by the Joint Committee on Grammatical Terminology, of which Dr. Sonnenschein was the chairman.

T. A. LINGAM.

Osmania University Convocation Address.

In his Convocation Address to the graduates of last year, published elsewhere, Diwan Bahadur S. E. Runganadhan, Vice-Chancellor of Madras University, drew pointed attention to certain important aspects of discipline. While deploring the spirit of rash and unthinking opposition to authority among our students today, he emphasised the need for the school and college authorities to realise their responsibility in the matter of training the youth in intellectual and moral discipline. He also urged the need for the promotion of cordial relations between the Hindus and the Muslims and rightly remarked that a really civilised society demanded the spontaneous and willing subordination of personal ambitions to the common good, and that it was a nobler kind of patriotism to think in terms of our 'duties' as citizens rather than in terms of our 'rights' as such.

We fully endorse Diwan Bahadur Runganadhan's remarks and hope that all teachers, whether they belong to schools or colleges, will ponder over them and by establishing closer contact with their pupils, endeavour to inculcate in them the kind of spirit which he has so ably described and

*

urban and rural areas, the paucity of qualified women teachers is hampering the efforts of the Department in satisfying this demand.

In view of the lee-way to be made up in the field of Primary Education, the policy followed by the Department during the year as regards Secondary Education was to consolidate and improve the existing schools, and instead of adding to the number of Government Secondary Schools, which is a costly proposition, to encourage private agencies by offering liberal grants-in-aid to open new Secondary Schools wherever there is need for them. There is no doubt an insistent demand for the provision of additional facilities for Secondary Education, but it is neither necessary nor expedient to open new Secondary Schools to meet this demand. A more economical, and perhaps a more efficient, way of satisfying it would be to attach hostels to the existing schools, as suggested in the report. The scheme for the reorganisation of Secondary Education proposed by the Board of Secondary Education was submitted to Government for sanction and steps were taken to strengthen the teaching staffs of the various Government Secondary Schools out of the grant of Rs. 3 lacs sanctioned for the purpose by Government for the current triennium.

Other interesting features of the report are the sections dealing with the Shift System, feeding in schools, introduction of one-minute class drill in schools and the education of nomadic tribes.

The report gives a clear idea not only of the work done during the year but also of the policy of the Department and of its programme for the future. We take this opportunity of offering our hearty congratulations to Mr. Syed Mohamed Hussain Jaferi on the rapid progress which the Education Department has made in all its branches since he assumed the office of Director of Public Instruction and wish him success in all his schemes for further advancement of education in this State.

Report of the Education Department, His Exalted Highness the Nizam's Dominions for 1347 Fasli (1937-1938).

Elsewhere are published extracts from the report of the Education Department for 1347 Fasli. In their review on this report, Government have rightly observed: "The report is both interesting and comprehensive and embodies certain encouraging new features, such as those dealing with the provision that is being made for the education of the deaf, dumb and blind children; for the children belonging to the nomadic tribes and to what, for want of a better term, are commonly designated as the Depressed classes; for the eradication of malnutrition among school children and the shift system."

A striking feature of the report is the progress made in the field of Primary Education; there was an increase of 374 Primary Schools, the largest on record for any year since 1920. The Director deserves the greater credit for this expansion because it was brought about without any additional grant being sanctioned by Government for the purpose, the necessary funds having been found by the reduction of unnessary expenditure. In view of the imperative need for further expansion, the Department submitted to Government during the year a five year programme for the establishment of schools in all villages with a population of 1,000 and more, a proposal for the provision of more adequate educational facilities in Jagirs and a draft bill for the introduction of compulsory education in selected areas.

Another matter to which the Department gave special attention during the year was Girls' Education. Two important measures that were taken for the development of Girls' Education during the year were the permission given for the use of the mother tongue as the medium of instruction in the Lower Secondary Stage and the creation of two additional posts of Inspectresses. It is pointed out in the report that while the demand for Girls' education is increasing both in

in order to try it, but surely there is much to learn from it, and we ought to take what seems best and most usable. For we are all anxious to improve the quality of our teaching, that the children in our schools may be led out as quickly and efficiently as possible from backwardness and ignorance to a larger life and the ability to take their proper places in building the India of the future.

Editorial Notes.

His Exalted Highness the Nizam's Advice to the Staff and Students of Osmania University.

Elsewhere in this issue we have reproduced the speech made by His Exalted Highness on the occasion of the opening of the new building of the Arts College. Delivered in a sincere and vigorous tone, this eloquent speech made a deep impression on all those who had the privilege of listening to it. His Exalted Highness observed that like Urdu which was the medium of instruction in Osmania University and which was the common heritage of Hindus and Muslims, the architecture of the new building represented a blending of the art and culture of these two races and symbolised the close contact and friendly relations existing between them for centuries. If these basic ideals, which held these two great communities together in the past, were to guide us even now, it should still be easy to exorcise the demon of communalism which unfortunately mars the public life of India at the present moment.

His Exalted Highness exhorted the students to cultivate generous friendship, broad-mindedness and a chivalrous toleration of others, stating that it was far more important to strive to be a gentleman and a person of character than merely to aim at book-learning. His Exalted Highness also reminded the Staff of the University of their duty in fostering these ideals in their students. It is hoped that the golden advice given by His Exalted Highness will be taken to heart and loyally acted upon by all concerned.

7. Perhaps one of its greatest advantages is the encouragement of creative ability, so apt to be neglected or even throttled by the usual curriculum. This method puts a premium on creativity, while too often we have been content to have our students give back to us in the examination only the material we have previously given him in the class. There is no urge to original thinking. Even in handwork, pupils are too apt to be set to copying something instead of creating something of their own. It is not, I suppose, that we do not wish originality, but that our methods give no stimulus to it, and simply telling a child to create something original not only fails to stimulate, but is quite apt to drive all creative ideas from his mind.

Finally, let us not dismiss all this as having no immediate value for us. We cannot change a school system all in a day, and it is fortunate that we cannot, but there are ways we can begin gradually, and minimize the disadvantages of our present system.

We can perhaps arrange in our schedule for a "free period", which the children as a group may decide how to spend. Special emphasis should be placed on creative work and individual expression. Various experiences could be shared by the group. Then the children might write up their experiences, and the resulting compositions be made a basis for reading in the reading class. The project might gradually develop to co-ordinate and motivate more and more of the ordinary curricular subjects.

Or we can begin with simple projects like planning for some holiday celebration like Christmas or Deepavali, or for entertaining some visitor to the school. Others may find that a health project can be worked out, using at first only the free period, and gradually carrying over into other periods as the relationship with these subjects is seen and appreciated by the children. Projects to beautify the school building or grounds are also good. We need not take the whole method at once

ordination will be easier when each class has its own teacher, more difficult when teachers go from class to class for different subjects. This method involves not less but more work for the teacher and presupposes one who is full of ideas and enthusiasm.

However, the advantages may outweigh the disadvantages. We might list the advantages as follows :—

1. A project provides a definite, tangible motivation for learning. The student who is working on a shop or banking project has a real incentive to learn to compute costs, profit and loss, etc.

2. It trains the student in the initiative and sense of responsibility we are all desirous of inculcating. He is encouraged to make suggestions and the success or failure of the undertaking matters to him, and he feels a responsibility for it.

3. It gives opportunity for training in the practical solving of problems in life situations. In real life, we do not use reading at one time, nature study or arithmetic at another; our problem solving cuts across all lines of subject matter, and we use one skill or another as it seems most needed.

4. A group project is especially helpful in developing co-operation. It taxes the combined efforts of the class and teacher to accomplish the desired end. The teacher becomes an advisor and fellow-worker, rather than a dictator and master.

5. A project gives good training in perseverance if the teacher is careful, as she should be, to see that interest is not allowed to flag, that the work is always brought to a satisfactory completion, and that the child has the satisfaction of of viewing, using, and judging the finished work.

6. It develops judgment. The necessity of considering the pros and cons in selecting, planning and judging the project is valuable training.

always be sure to finish whatever we start. In the first place, a project should not be chosen simply as something to do, or even to gain the interest of the pupils. It should have definite educational value. We should be sure that the pupils will in the working of the project be acquiring information and skills not previously acquired and which they need at their present state of development. A project may be educationally valuable but not suited to the age or progress of a particular group of children.

The project must be adapted to the needs of the situation, one that will fit in with the plan of the school and the needs of the pupils. For instance, some projects would be more suitable for boys schools than for girls schools, and vice versa. Or a farm project which might be very valuable in a village school would not be possible in one of our crowded schools here in town, such as the one in Matwada.

Materials must be easily available, and when we have little money to work with, a project must sometimes be judged by its cost. We should be careful also lest a project take more time than it is worth educationally.

There are drawbacks to the project method, or problems in connection with it. I might indicate some. It is more difficult for many teachers to manage their classes and preserve discipline, especially if the class is working on individual projects. A teacher has many students to advise and the project that appeals to one student may not to another. Or if a group plans some project, still in its execution the teacher will have the task of seeing that each child is kept busy and interested and that some are not just idling and letting the others do the actual work.

There is also the difficulty of co-ordinating work from class to class and year to year, so that there will be both continuity and progression. We must always co-ordinate our efforts with the school organization as a whole. Such co-

The children's interest must be kept alive to finish the task. Otherwise it is educationally valueless or even harmful.

4. The fourth step, which should never be omitted, is that of judging the work and evaluating the results. Here there seems no question that student judgment is better than criticism by the teacher, for several reasons. It will mean more to the pupils; it does not damp their enthusiasm as teacher criticism does, but makes them eager to correct mistakes or make improvements at once; and it gives excellent training in a much-needed trait—self-criticism. People are inclined to judge their own work leniently or not at all. I have many times been amazed to have a pupil assure me he did well in an examination, only to find later as I looked over his paper that he had failed. We all of us need to take an objective attitude to our own work, and learn to see our mistakes and correct them as far as possible.

There are obvious difficulties in the way of a general use of the project method. But it has already been used successfully here in India for some years. Perhaps the most outstanding example is the school at Moga in the Punjab, where the whole school is run by this method. Children there have been found to compare very favourably in Government examinations with children who have followed only the prescribed curriculum taught in the usual manner. For most of us, who must adhere to the Government program or who are working in a school whose policies we cannot determine, such a program would be impossible. Yet perhaps we can arrange to carry out smaller projects within the present framework. Our own mission school has been working on a poultry project which has led to interests in a number of related projects such as simple building, (Building a chicken-house). Such projects should enliven the ordinary curricular subjects such as arithmetic and composition.

If we wish to engage in projects, we should be careful to evaluate suggested ones before starting them, as we must

according to the way it is worked out. That is, each child may have a small plot, or a class may work together on a larger one. In one school the children started on individual garden projects, then changed and decided to make their gardens a group project for more efficient results, having learned by experience what Indian cultivators so need to know, the disadvantages of small holdings and the benefits of consolidation. This garden project had ramifications in many lines of subject matter, as the children planned the size of their plots, the type of crop to be grown, the best methods of cultivation, the costs and profits or loss, etc.

One might divide a project into four steps, as follows:—

1. Purposing, or motivation. There is some difference of opinion as to whether a project should be initiated by the teacher or the student. I think, however, one can say that while occasionally the wise teacher may find ideas of value in pupil suggestions for projects, for the most part, if they are to be educationally valuable, projects need to be planned first by the teacher. A skilful teacher can so arrange her classroom materials that the idea for the project may seem to the pupils their own, and eventually, if a project is to be a project in any real sense of the word, it must actually become their idea and purpose.

2. The second step is to plan the project. If a project is a problem calling for solution, then the class will do well to spend adequate time planning for all the steps required in the solution of that problem-working it out in their heads and on paper as far as possible. This is not unlike ordinary classroom procedure, but much of our classroom work stops there, and it is at this point that a project differs from it.

3. This is the third step, namely executing with physcial materials the plans made. We do not merely plan the building of a house. We build it. Of course the teacher must make sure that the project is brought to completion.

children. May the apparent dullness and inattention of our pupils be due to the fact that they see no real use in the subjects we are endeavoring to teach them and have no real desire to learn them? Little children cannot visualize an aim of literacy some years ahead. To a little child to whom play is the normal method of expression, of what value must seem the laborious learning of అ ఆ, ఇ ఈ, etc., or even the first readers? Or the addition and substraction facts we wish him to master? In his mind, they have no relation to his real life, the life outside of school. Even handwork and nature study, which of late years have been added to the curriculum are foreign to his interests and understanding if they are as usual unrelated to the other subjects he is studying. Much of the paper work done in our schools seems to me to have little value except to teach the child the use of tools such as scissors, etc., and to make him more adept with his fingers, but those are not aims likely to appeal to a child of 7 or 8.

An attempt in the solution of the problem is the project method. There is difference of opinion among educators as to an exact definition, but Bossing's[1] is, I believe, an adequate one. "The project is a significant practical unit of activity of a problematic nature, planned and carried to completion by the student in a natural manner, and involving the use of physical materials to complete the unit of experience." Or, one might state it more simply as a problem which the child desires to solve and which has a practical solution calling for the use of various types of knowledge it is desirable the child should acquire. If that seems rather staggering, I think it can be made clear with a few concrete examples. There are really two main types of projects; the individual and the group. The making of a jacket, or a map, would be a project on which each child would work individually. Whereas the building of a model village would be a group project,—one for the whole class. A garden project may be individual or group

1. **Bossing: Progressive Methods of Teaching in Secondary Schools.**

The Women's Point of View

THE PROJECT METHOD [1]

BY

Mrs. N. H. Carman, B. A.

"Project method" is a term so common among educators today that it seems worthwhile for all of us to understand the method, and perhaps we shall be led to make some application of it in our own teaching. It is based on the idea that purposeful activities are the only ones which really lead to learning.

We all know what the ordinary school in India is apt to be like, what even our own classes are apt to be unless we keep continually on the alert. We know how slow some of the pupils are to learn, how little interest they show, how much "stagnation" there is in the first standard, how low a percentage of passes in the higher ones. Educators are troubled also by the relapse into illiteracy of many who once learned to read, but dropped out of school after the second or third standard. Some have wondered if part of the reason for this may not lie in our teaching methods. What is our aim in teaching? to teach reading? or writing? or arithmetic? or handwork?. It ought rather to be to teach the *child*. The child, his needs and possibilities should be at the centre of our thinking. Education means "leading out". It should be a leading out of the child from ignorance to wider interests, more worthwhile activities and greater vision and understanding. Whatever will do that best we should adopt as our method. But it must be a *leading* out, not a prodding or pushing, and much of our effort seems to be the latter.

All of us have noticed, I suppose that it is much easier to learn a thing when one desires the knowledge for a specific purpose. That is true of all of us, and especially perhaps of

---

1. A paper read recently at the Annual Conference of the Warangal Suba Teachers' Association.

all those who have worked in this connection and especially of the officers (Zain Yar Jung, Ali Raza and M. Jasper) who were charged with its construction. I also take this opportunity to express my hearty appreciation of the invaluable services rendered by the present President of my Council, Sir Akbar Hydari who has been continuously associated with the establishment and administration of this University.

In conclusion, I pray that the blessings of Providence be showered on this University so that it may flourish and prosper and so that my country may continue for years to come to derive the fullest advantage from it.

---

is the best-attribute of a University. I, therefore, hope that arrangements will be made for the residence of all the students and staff within the precincts of this University.

I will now say a few words in reply to the address presented by the students.

Your address has given me great pleasure and I appreciate your expressions of loyalty. In response to your request I gladly permit you to place my portrait in your Union. You should make the greatest use of your student days and try to derive the fullest advantage from the facilities provided for you. You have an efficient staff, fine and comfortable hostels, libraries full of books, laboratories replete with the latest scientific apparatus and extensive playfields. These facilities have been provided for your well-being and you must make full use of them. You will never get a like opportunity to do so later when you once enter the struggles of life that lie ahead.

You should prepare yourself not only for examinations but for overcoming the various obstacles which life brings in its wake. Remember that it is not an easy task to serve your country and your King for that requires ability and determination. Prepare yourself for these.

The greatest advantage of a residential University lies in its corporate life which inspires generous friendship, mutual contacts, broad-mindedness and a chivalrous toleration of others who are your companions. These are virtues of a gentleman and improve one's character without which mere knowledge gained becomes a useless effort. You must understand that the attainment of these virtues is far more important than any book-knowledge that you may acquire; and no one can deny that the aim of University education and of a collective life is principally to attain such virtues.

While expressing my pleasure at the construction of this College, I desire to express my appreciation of the services of

and Muslim races, their common heritage, spoken and understood generally throughout India. It is a matter of satisfaction that this University has given such an impetus to the progress of Urdu, enriching it with books on Eastern and Western learning, so that it is now an adequate medium for expressing the most abstruse ideas and for imparting higher education to people. Though Urdu is the medium of instruction and examination, the standard of this University is not lower than that of any Indian University where English is the medium.

I may observe in this connection that, like Urdu, the architecture of this building represents a blending of the Hindu and Muslim styles and the art and culture of both these races are reflected in the pillars, traceries and carvings on the doors and walls. Thus, this building symbolises the close contacts and the friendly relations subsisting for centuries between the various classes of my subjects as a result of which they have always been living and continue to live even now in harmony with each other.

I, therefore, deem it my duty and an expression of my love for my people to maintain those relations between them. The Osmania University should not only be the repository of Hyderabad's best traditions, a model of its high culture; it should also be an exemplar of broad-mindedness, mutual toleration and unity among the students, for in that ideal lies the well-being and the prosperity of this State.

I wish, therefore, to take this opportunity to impress on the officers and staff of this University the necessity of promoting harmonious relations between the staff and the students on the one side, and between students of different races and religions on the other. This duty devolves on them as part of their work. Further, as this is a residential University, the staff and the students should live together here so that mutual contacts may lead to the creation of a literary, moral and socially healthy atmosphere which

Among low places with a common gait.
That so Man's mind, not conquer'd by his clay
May sit above his fate,
Inhabiting the purpose of the stars
And trade with his Eternity.

Opening of the New Building of the Osmania University Arts College

Speech by His Exalted Highness the Nizam of Hyderabad and Berar.

His Exalted Highness the Nizam of Hyderabad & Bera graciously performed the opening ceremony of the Osmanu University Arts College building on Monday, 4th Decembe 1939. The following is the translation of His Exalte Highness's memorable reply to the addresses which wer presented to him on the occasion by the Students' Union an the Council of the Osmania University, respectively :—

I well remember having laid, four or five years ago, th foundation-stone of this building and I am thankful t Providence that on the foundations so laid this noble edific has now arisen, which in beauty of design, magnificence an splendour has not a rival in India. I regard the Osmani University as marking a great achievement of my period o rule, and this building will be a glorious monument of it It will remind future generations for centuries to come of th culture and the architectural taste of our times. The layin of its foundation-stone and its opening have, therefore, bee the cause of great pleasure to me.

The chief characterstic of this University is that it medium of instruction is Urdu, a language derived fron personal contacts and friendly relations between the Hind

men and women in the spread of knowledge among those who live round about you. Education is a field of service of vital importance for making India fit for a democratic system of Government. Constitutional self-government cannot become a reality until there grows up a well-informed public opinion among the masses. Let the spread of knowledge in the villages be an object of constant solicitude to you. You have an advantage over the graduates of other Universities in that your education has been in a language which the common man can understand, and you are specially fitted to carry the light of knowledge to those who sit in darkness. You have received an expensive education in this University not for your personal benefit but that through you the large number of those whom higher education cannot reach may be benefited and uplifted.

In view of the magnitude of the work which lies before us, it behoves us to think not so much of our right as of our duties as citizens. The great task of creating a united and prosperous nation is one which should appeal to your highest patriotism and call forth your best energies. You are aware that the greater part of Europe is plunged today in a ghastly war in order to resist aggression and to preserve freedom for both individuals and nations.

Value therefore the freedom that you have as a priceless possession and use it in the service of the community. And above all carry into life with you the spirit of the University, which is a home of learning and knows no distinction of creed or race or colour and which exists, to quote the words of an English poet, the late Lascelles Abercrombie—

to build exultingly
High, and yet more high,
The knowledgeable towers above base wars
And sinful surges reaching up to lay
Dishonouring hands upon your work, and drag
From their uprightness your desires to lag

Its great doctrine of duty is intented to cover every aspect of human life and its mysticism has developed a lofty conception of Ethics. It is, as some of its greatest modern leaders have pointed out and as is exemplified in the life of the Ruler of the State, a religion of peace, toleration and brotherhood. We look hopefully to the State of Hyderabad, therefore, to play an effective part in reconciling the interests of Hindu and Muslim in India and in promoting the unity and peaceful progress of the country.

Graduates of the year, let me offer you my hearty congratulations on the success you have achieved and wish each one of you a career of great usefulness to yourself and to your country. You will, I hope, by reason of the training and culture you have received at the University, bring to bear on the solution of the difficult problems which will face you a wide outlook and a balanced mind. Do not be carried away by mere catchwords, but exercise your independent judgment and discriminate between what is false and what is true. When appeals are made to your patriotism, you will be able to judge for yourselves whether the sentiment appealed to is of a worthy or an unworthy kind. Patriotism is a great and noble virtue, but it is an emotion which is capable of being exploited for unworthy ends and sordid purposes. You will have to see to it that you interpret your patriotism worthily and direct it along fruitful channels of service to your country.

I am glad that, thanks to the wise and progressive administration of the State, the problem of unemployment is not so serious in the Dominions as in other parts of India. Still, I would say to you that success in life depends to a large extent on yourselves. Be alert, resourceful and self-reliant and do the work that comes to your hand conscientiously and thoroughly. If you are keen and purposeful and adventurous you are bound to win through. Remember that there is vast scope for the patriotic energies of educated young

ends to the common good. While there is much talk of freedom and independence in the country, we find around us strong sectarian and religious animosities and unbridgeable social cleavages and mutual suspicion and distrust. Is there any hope of a change for the better ? I think there is. The hope lies with the youth of our country. It is they who should turn their gaze more towards the future than to the past. It is the tendency to hark back to the past that has been a fruitful source of antagonism and jealousy. While we should be grateful for our rich cultural heritage, from whatever source derived, and should preserve all that is best in it, it should be now our business to press forward and seek new ways of living and acting together, consistent with changed conditions, so that a stronger and more united and prosperous India might arise as a result of our common endeavours. All intolerance, exclusiveness and hatred are utterly detrimental to social and national solidarity and progress. There is here a great work of reconciliation for everyone to do, whatever his position in life may be. And we look particularly to the educated youth of the country with its idealism, its keen sense of enlightened citizenship and its breadth of outlook to undertake this vital task of promoting harmony and good-will among all sections of the community.

Towards the building up of this new India, Hyderabad as an influential centre of Muslim culture has a most effective contribution to make. As a great and enlightened Muslim State, she is peculiarly well-fitted to play a great part in the larger life of the country and to assist in promoting the unity and progress of the nation.

Of all Eastern civilisations, Islam has been historically the most closely in touch with Europe. It has shared with Europe the heritage of classical antiquity. On the other hand for more than twelve long centuries Islam has been in contact with Hinduism in India, affecting the thought and life of the people and in its own turn influenced by its environment.

disquietude, of rash and unthinking opposition to authority among young men in India today. I shall not go into the reasons for the prevalence of such a spirit; but I would fain hope that it is only a passing phase. Though the task of the Universities is, in regard to the training of character, made doubly difficult by such a situation, they cannot abandon their duty in this respect. They have to devise every possible means of training the rising generation by intellectual and moral discipline for the great social and political responsibilities which await them. I would at the same time appeal to the students to realise that discipline is more than obedience to a set of rules. It is a way of life. It is the result of a slow process of self-training which enables a man to become an integrated personality, able and willing to co-operate with others for the common good. The greatest need of our country today, as every one has regretfully to admit, is the promotion of harmony and good-will between the great Hindu and Muslim communities. May I say that the students of this University belonging as they do largely to these two communities could do a great deal in this direction by their example and influence? They live a common life here under ideal conditions. As students they are free from the controversies and acerbities of public life. They have come together for the pursuit of knowledge and learning, which have no communal or national barriers. They have in addition the advice and guidance of their teachers and wardens. If in these circumstances they do not acquire that sense of a larger fellowship which transcends communal and racial boundaries, learn tolerance and consideration for others and cultivate friendliness and good-will towards one another, then I am afraid that their training and education have not borne fruit. The chief characteristic of a really civilised society is the spontaneous and willing co-operation of its members in all that concerns the well-being of the community, for such co-operation implies self-discipline, a sensitiveness to the feelings and needs of others and a readiness to subordinate personal

Technology in the University. The Dominions have immense natural resources to be developed, and thanks to the financial genius of the Chancellor of the University, the State has ample revenue available for beneficial projects. I hope that it will be possible at no distant date to make provision in the University for technological studies specially suited to the requirements of the State. May I be permitted, in this connection, to make an appeal to the nobles and wealthy citizens of Hyderabad to assist the University with generous endowments? The University exists to render service of the highest value to the State and it should be a matter of patriotic pride on the part of those citizens who take a genuine interest in education to aid the work of the University by liberal benefactions. Such financial support from private individuals is a regular source of income for most Universities in Western countries. I trust the wealthy citizens of Hyderabad will set an example to the rest of India of private munificence towards the encouragement of University education in the State.

Provision has been made in this University for the residence in hostels of over 400 students of all communities. The social and corporate life of the students in these hostels should give them that training and discipline which would fit them for citizenship and enable them to fulfil worthily their responsibilities to society. They obtain not only in the formal studies of the University, but in the daily contact of their minds in hostels and in debating clubs and in their association for games and athletic exercises a training, largely their self-training, which strengthens and develops their character, and inculcates a spirit of give and take which is the bond of society. Students have to realise that discipline is not opposed to freedom but is complementary to it; that the final aim of all discipline is the development of self-control and that without such self-control and thoughtful self-direction, freedom would degenerate into licence. It is to be regretted that there is abroad a spirit of restlessness and

Research Institute which would deal scientifically with the literature and history of the past. Hyderabad possesses both State and private libraries containing priceless collections of rare manuscripts and books in Arabic and Persian. The University would be rendering a great service to Oriental learning by undertaking the task of collecting and editing such of those manuscripts as have great historical and literary value. Good work, I know, is being done in regard to Arabic manuscripts, but there seems to be scope for a great extension of research activity in the whole field of Arabic and Persian records.

It is gratifying to find that in this great and progressive State, due attention has been paid to the provision for technical education. The importance of technical and vocational education for the industrial development of the Dominions has been realised and a programme of expansion has been planned. One learns that the programme includes the establishment of post-primary industrial schools and vocational high schools and the expansion of the Osmania Technical College into a Polytechnic Institute. It is also stated that proposals for the establishment of a School of Arts and Crafts and of an Industrial Research Laboratory are under the consideration of His Exalted Highness's Government. In view of all these developments, I have no doubt that in due course, the system of technical education in the State will be made complete by the establishment of one or more branches of technology in the University, which are specially suited to the needs and conditions of the Dominions. A great deal of emphasis has been laid in recent years on the need for the introduction of technological studies in our Universities. In view, however, of the general lack of industrial enterprise in the country and the great cost involved in providing the equipment necessary for technological training, several of our Universities have refrained from undertaking such studies. Hyderabad, however, seems to possess all the facilities necessary for the establishment of a Faculty of

that the lead given by Hyderabad will be followed by other Universities when conditions are favourable.

One of the most commendable features of recent educational reform in India has been the recognition by the Universities that the extension of the domain of knowledge should be the highest goal of their effort. It is impossible to overestimate the importance and value of research both in the sphere of humanistic studies and in pure science. It advances our knowledge of the world of nature and of man, and vitalises the studies which give us that knowledge. I am glad that research is encouraged in this University by insistence on the submission of these for the higher Degrees. Though the establishment of Degrees to reward research is of importance, the first thing needed for the promotion of research is the organisation of proper training for research students. It is a matter of common experience that teaching which consists merely in the handing on of text-book information to students loses vitality and interest. It is therefore necessary not only that the teachers of the University should conduct research on their own lines, but that there should be organised training of students in the methods of research. This means that there should be adequate provision for Libraries and Laboratory equipment for systematic post-graduate work, and leisure for teachers so that they may have time to investigate and make additions to knowledge. It is in this way alone that the Universities can fulfil their high function of advancing knowledge and kindle among their students an enthusiasm for the disinterested pursuit of truth.

The Bureau of Translation of the University is doing magnificent work by translating books from English and other languages covering the whole range of University studies. It is thereby making a valuable contribution to the enrichment of Urdu literature and the wider diffusion of modern knowledge and culture.

Apart from the work of the Bureau, it would be an excellent thing if the University could establish a Central

"That in the opinion of this Conference the medium of instruction at different stages of education up to and including the Degree course should, as far as circumstances permit, be the mother tongue of the students.

But in view of the present condition in India, the medium of instruction in the High Schools should ordinarily be the mother tongue of the pupil, but where owing to the existence of pupils with different mother-tongues in the same school or for other special reasons it is not possible to do so, the medium of instruction should be English or any other modern Indian language.

That with a view to attaining this end, the Universities of India are requested to take steps for enriching the literature of the respective Indian languages.

That English should be a compulsory subject of study in the High School courses.

That modern Indian Languages and Eastern Classical Languages should be recognised as optional subjects for study in the High School and Intermediate and B. A. courses, and they should, as far as possible, be taught through the medium of the mother tongue or of any modern Indian language of an allied nature.

That modern Indian languages may be recognised gradually and as far as possible alternatively with English as media of instruction for the Intermediate and Degree courses excepting for English, and if necessary, for Science subjects.

That instruction and work in all research institutions should be through the medium of English except in such places where it is already being done through any of the Modern Indian languages for special reasons."

I consider that this resolution marks an important advance in educational thought in India. I have no doubt

systems of physical, intellectual and spiritual culture. In addition to its primary object to diffuse knowledge, it should aim at the moral training of students and give an impetus to research in all scientific subjects. The fundamental principle in the working of the University should be that Urdu should form the medium of higher education, but that a knowledge of English as a language should at the same time be deemed compulsory for all students." These words bring out in clear terms the view of His Exalted Highness that the future progress of India, with its old and highly developed civilisation. should be not only by the preservation and development of her indigenous culture but by the blending with it of the science and learning of the West.

It is needless for me to dwell on the great advantages of employing the major languages of the country as the media of instruction in higher education. They would help to make knowledge real to the student, would bridge the gulf between the educated few and the vast illiterate sections of the community and would give a great impetus to the development of modern Indian languages and to the diffusion of knowledge and culture. Unfortunately what has been so successfully attempted in the State of Hyderabad is not easy of achievement in other parts of India. There are almost insuperable difficulties in the way of replacing English immediately by the languages of the country. We have to remember that the language of public administration in many parts of the country is still largely English, that there are in certain cases several major languages spoken in the same area and that many of the Indian languages are yet not quite suited to serve as vehicles of modern thought. However, University authorities are giving their earnest attention to this question and are making every effort to encourage the development of Indian languages. You will be interested to learn that the Universities Conference, which met in Bombay early in March this year, discussed this problem and passed the following resolution :—

Osmania University Convocation Address For 1939

BY

Diwan Bahadur S. E. Runganadhan, M. A., L. T., I. E. S.,

Vice-Chancellor, University of Madras.

MR. CHANCELLOR, MR. VICE-CHANCELLOR, FELLOWS AND GRADUATES OF THE UNIVERSITY, LADIES AND GENTLEMEN,

I am deeply grateful to His Exalted Highness, the Patron of the Osmania University, for the honour he has done me in asking me to deliver the Convocation address to the new graduates of the University. It is my great privilege to convey on this occasion the cordial greetings of the Madras University to the distinguished Chancellor, the Vice-Chancellor and other authorities of the Osmania University. Hyderabad is unique in the field of higher education, in that in addition to its own University, which has now been in existence for over 20 years, it has permitted the continuance of the affiliation of the flourishing Nizam College to the University of Madras. This is evidence of the generous desire on the part of His Exalted Highness's Government to encourage, during this transitional period, both types of education, to meet the varied requirements of the youth of the Dominions.

The Chancellor of your University proposed a bold experiment in higher education when he recommended to His Exalted Highness the establishment of a University in which the medium of instruction should be Urdu, while English was to be retained as a compulsory subject of study. The purpose of this great foundation, to quote the notable words of the *firman* issued by His Exalted Highness, is that in it "the knowledge and culture of ancient and modern times may be blended so hormoniously as to remove the defects created by the present system of education and full advantage may be taken of all that is best in the ancient and modern



THE BOYS' DEPARTMENT WHERE MRS. ENGLISH BOUGHT JOHN'S WINTER CLOTHING *

Clothes : Clothing.

Uniform : Sailors, policemen, men in the army and so on have different sorts of special dress. These sorts of special dress are named "uniforms."

Wears : Verb. "Wear" = be dressed in.

Saves : Verb. "Save" = keep for future use.

Help with : A short way of saying "help in looking after."

Choose : Verb. Make a selection.

Trouble : Verb use, = be feeling troubled about.

Mend : Put into good order a thing which has a hole in it, is damaged, broken. (In the picture opposite you see Mrs. English "mending" some clothing. She is going to "mend" the stockings you see hanging from the table.)

As : While. This is a new sense of the word.

Worn : In a bad condition through long use. "Worn" clothing is thin in places, or has holes in it.

Too : "Too tall" = over-tall. Anne is so tall that the coat is not long enough now.

Ago : Before now, in the past. "Ago" is used after past time.

* Please See paragraph 1 on Page 88.

LETTER 5 : CLOTHING FOR THE CHILDREN



MR. AND MRS. ENGLISH AND JANET IN THE SITTING ROOM *

Dear Reader,

I am writing again instead of my husband. He wants me to tell you how I buy *clothes* for our younger children.

David, of course, has his sailor's **uniform,** which he **wears** most of the time, and he earns enough money himself to buy the other clothes he wants; in fact, he **saves** about a pound a month and sends it to us *to help with* the others. Janet likes to **choose** her clothes for herself, so we let her have ten pounds a year in addition to her scholarship money. So you see I do not need to *trouble* about the two older ones.

Every week, after the clothes have been washed, I **mend** anything that needs it. This Thursday evening, *as* I was doing some of the week's mending, my husband said, "A lot of these things are getting badly *worn.*" "Yes," I said, "and Anne is getting **too** tall for the winter overcoat we bought for her two years **ago** ; it will do for weekdays, but it is too short for her to wear on Sundays.

* Please See paragraph 1 on Page 88.

Mr. Chandavarkar is to be congratulated on his very estimable desire to weigh all the pros and cons on a subject like this. Unfortunately he has on the one hand ignored all the 'pros' and on the other dreaded cons which do not exist. If he had taken the trouble to read any of the literature on Basic English and its place in the teaching of English his doubts would have been cleared before he offered them for general consideration.

While I am on this subject I should like also to refer to the last paragraph of Mr. Zafar's article on "Basic Principles Applied," which appeared in the same issue. I do not know the "Bottoms" with whom he is evidently in touch, but I can assure him that as far as the Orthological Institute is concerned there has never at any time been any idea that any vernacular could be 'Basicised' merely by translating the Basic English words. Perhaps he has been misled by our chart of the Basic English words with the nearest vernacular equivalents. It should have been obvious that this is intended as a guide, for teachers and pupils, to Basic English, not to a Basic anything-else. See Pp. 90–91.

To illustrate what I mean by 'scientific' and 'controlled' expansion I have asked the Editor to reproduce two specimen pages from the first 'transition' book (From Basic to Wider English Book One). They are on pages 90 and 91. On page 90 you get the text with new (non-Basic) words printed in bold type and non-Basic derivations or expansions from Basic words in italics. On page 91 you get the notes on these new words and derivations. Each of these notes is in Basic English. That is, in all explanations and definitions only those words are used which the pupil has learnt in the first (Basic) part of his course and practised with in the "one-level" period.

Mr. Chandavarkar has apparently been confused by the fact that this year Basic has been started simultaneously in all classes from the 3rd to the 7th. Its introduction in the upper classes was to give the students in these classes an opportunity to prepare themselves for systematic expansion next year. Normally pupils in Class 7 who had followed the Basic course from Class 3 would already be in the expansion stage and so well able to cope with the ordinary sort of book in the class library.

What Mr. Chandavarkar has to say about translation is still more obviously misconceived. The two alternative courses which have been prescribed in Hyderabad this year are the *Oxford English Course* and the *Kohinoor Readers*. If you examine the first 850 words which they teach you will look in vain for words like 'vanity', 'pride', 'self-praise' and 'arrogance'. In fact there is no course in which these words would be introduced before the sixth or seventh year of study. Any course which introduced them in the first two years would rightly be condemned as badly graded.

No exponent of Basic has said that it will adequately serve all purposes. What we do say is that it will serve adequately to express all ideas, which is a different matter.

Schools, Mr. Sajjad Mirza made a careful survey of the existing condition of the Normal Schools. One of the measures which the Department proposes to adopt for raising the standard of training is to extend the period of training from one year to two years in the case of Matriculates and Middle-passed men.

"Second" Thoughts on Basic English

BY

Adolph Myers

Mr. Chandavarkar's article on Basic English in the July–September issue of the "Hyderabad Teacher" is obviously based on a misconception as to the nature and purpose of the system. This misconception has already been indicated in the brief but very pertinent Editorial Note on the article, which, in disclaiming responsibility for the views expressed, points out that "Basic English, as it is being tried at present in some of our schools, is intended as a first step to, and not as a substitute for, normal English." All I need do is to explain, amplify and illustrate this note.

Mr. Chandavarkar, for example, is worried about the plight of students who go on from school to college. What, he asks, will they do when they have to tackle authors like Shakespeare, Milton, Carlyle and Ruskin? He overlooks or ignores the fact that the pre-college school English course lasts eight years, of which only three, or at the most four, are devoted to Basic. In the second half of his course the student learns new (non-Basic) words all the time, and because the expansion of his vocabulary is so much more scientific and 'controlled' than that of the 'non-Basic' pupil, actually he will arrive at college with a much larger stock of words than the non-Basic pupil, and he will be much more fluent and accurate in his use of them.

affecting Girls' Education. The progress of Girls' Education will no doubt be further facilitated when the two additional posts of Inspectresses sanctioned during the year are filled up. It is necessary, however, to point out that financial stringency is making it difficult for the Department to carry out its plans for the extension and improvement of Girls' Education. There is an insistent demand for the establishment of Girls' Middle Schools with parallel classes in Urdu and the local Languages at some of the district headquarters, but the Department is unable to meet this demand, as the funds at its disposal are not sufficient even for improving the condition of the existing schools. The opening of Middle Schools at the above-mentioned places is not only necessary from the point of view of the development of Girls' Secondary Education, but also from that of the supply of qualified women teachers. It is therefore to be hoped that funds for this purpose will be made available in the next triennium.

Another vital need is the provision of suitable school buildings. It is hoped that the proposal for the conversion of the Local Fund Primary Schools into Shahi Schools will be sanctioned soon, so that the contribution now made by the Local Fund towards Primary Education may be available for the construction of buildings for Primary Schools. The new standard plans, which are much cheaper than the old ones, will also help to accelerate the rate of progress in the construction of buildings for Primary Schools. During the year under report, a programme for the provision of buildings for Secondary Schools was drawn up on the basis of the building grant of Rs. 3,00,000 sanctioned by Government for the present triennium. The Department requires a further grant of at least Rs. 20,00,000 for satisfying its immediate needs as regards Secondary School buildings and Primary School buildings situated in Muncipal areas.

Another question which engaged the special attention of the Department during the year under report was that of the training of teachers. In his capacity as Inspector of Training

VI and VII will be opened in Amardad 1348 Fasli and one class will be added every subsequent year until Class XI is opened in 1352 Fasli.

During the year under report, the energies of the Department were directed towards working out the details of the re-organisation scheme proposed by the Board of Secondary Education. On the academic side, the Committee appointed by the Board commenced the work of drawing up new syllabuses in the various subjects of study for the Lower Secondary Stage of instruction, while on the administrative side, after collecting the necessary data, the Department prepared elaborate statements for overhauling the teaching staffs of all the Government Secondary Schools with a view to adjusting them to the requirements of that part of the new scheme which concerns the Lower Secondary Stage.

The increased expenditure which the schemes for the reorganisation of the teaching staffs of the various Government Middle and High Schools will entail, will be met out of the recurring grant of Rs. 3,00,000 sanctioned for the current triennium. Out of the same grant, Aided Secondary Schools will be given increased grants-in-aid to enable them to introduce the new courses proposed by the Board of Secondary Education. The teaching staffs of all the High Schools will have to be further strengthened and improved and additional funds for this purpose will be necessary when the new scheme for the reconstruction of the educational system in the State becomes operative in the Higher Secondary Stage.

As regards Girls' Education, the aim of the Department during the year under report was to improve the condition of the existing schools rather than to add to their number. As has already been stated in Chapter V, Miss. J. Nundy, inspectress of Girls' Schools, did much useful work in this direction, while the Girls' Education Committee, presided over by Lady Hydari, gave the Department valuable help and advice in regard to the course of study for Girls' Schools and other matters

Of all the Committees appointed by the Department for preparing text-books in different subjects, the History Committee was the most active during the year under report. This Committee, which consist of representatives of the Education Department and Osmania University, was constituted in 1346 Fasli to compile History text-books for schools on lines suggested from time to time by the Right Hon'ble Sir Akbar Hydari, President of the Executive Council.

Conclusion.

It will be seen from the foregoing account that the year under report was one of all-round activity for the Education Department. To the extent to which the funds at the disposal of the Department permitted, every effort was made to carry out the three aims mentioned in the Annual Report for 1346 Fasli, viz., (*a*) the expansion of Primary Education, (*b*) the re-organisation of Secondary Education and (*c*) the expansion and improvement of Girls' Education. Steps were also taken to improve the efficiency of the Department in other directions.

Though, with the help of the savings effected in 1346 Fasli, the Department was able to open 397 new Primary Schools, there is still much leeway to be made up in the field of Primary Education, as has been explained in Chapter IV. It is hoped that, in view of the imperative need for reducing the volume of illiteracy in the State, Government will be pleased to make, at an early date, the necessary financial provision for the enforcement of the five-year programme of expansion prepared by the Department during the year under report.

When the new scheme for the reorganisation of Secondary Education becomes fully operative, it will bring about a change not only in school organisation but the mode and aim of instruction. The transition from the present to the new system of education has therefore necessarily to be gradual. Under the five-year programme suggested by the Board of Secondary Education for effecting this transition, Classes, V,

Buildings.

On construction and repairs to educational buildings, Rs. 1,84,088 and Rs. 93,855 respectively were spent during the year under report, as against Rs. 1,52,275 and Rs. 61,064 in the year 1346 Fasli.

The question of revising the existing standard plans for Secondary and Primary Schools, which are not only costly but also out-of-date, was taken up in 1346 Fasli. The Public Works Department prepared several type designs which were carefully considered by a Committee consisting of represent-tatives of the Education and Public Works Departments, with the Hon'ble the Education Member as Chairman. It is hoped that the new standard plans will soon be sanctioned by Government.

At the request of this Department, Mr. Paul, Special Engineer, Local Fund Department, was good enough to prepare new type designs for Primary Schools for 50, 75, 100, 150 and 200 pupils, respectively. These plans will be put into force as soon as Government sanction is received.

During the year under report, a circular was issued by the Head Office requiring the Headmasters to arrange to plant shady trees in the compound of every school. This would not only relieve the bleak appearance of the school buildings, but would make it possible for the pupils to do their drill exercises and play minor games under the shade. It is gratifying to note that, in compliance with these orders, in almost all the schools where facilities as regards water supply and a compound wall exist, mango and neem trees have already been planted.

Preparation of Text-books.

The work of compiling, printing and publishing text-books for schools continued during the year under report. The Sub-Committees concerned were busy with their duties.

Medical Inspection of Schools.—As in previous years, medical inspection of all the Government Secondary Schools was conducted by officers of the Medical Department. To make this inspection more fruitful, steps were taken during the year to bring about greater co-operation between the schools and the visiting doctors as well as to enlist the co-operation of the parents.

Feeding in Schools.—The medical inspection of several schools in the Dominions has revealed that more than 70 per cent of the pupils are under-fed and that malnutrition is mainly responsible for the ill-health prevailing amongst them. It has been found that the food of pupils, either insufficient in quantity or poor in quality, or both, defeats the object of compulsory games and physical training in schools. If physical education in schools is to have the desired effect, the evil of malnutrition should be attended to first. There is need for providing supplementary nourishment at schools at the midday interval to necessitous children who form the bulk of our school-going population. During the year under report, it was decided to make an experiment in this direction in a few selected schools in Balda. The Medical Department was consulted in the matter and a modest scheme was submitted to Government for provision of milk to children of two of the schools in Balda. Government were pleased to sanction Rs. 1,000/- for this scheme. If the experiment proves successful, it will gradually be extended to other schools as funds permit.

Education of Deaf, Dumb and Blind Children.

In view of the decision of Government to open a school for Deaf, Dumb and Blind children, during the year under report two teachers of Government schools were deputed to undergo training in the Deaf and Dumb School in Delhi and one teacher in Government service and one private candidate in the School for Blind children in Calcutta.

Scouting and Guiding.

In 1347 Fasli there were 181 Scout Troops with a strength of 5,327 Scouts, Rovers, Scouters, Cubs, etc., as against 154 Troops and 4,362 Scouts etc., in the previous year. The expenditure on scouting was Rs. 46,336, as against Rs. 46,956 in 1346 Fasli.

The number of Guides, Blue-birds, Rangers and Guiders, etc., at the close of the year was 3,169, as against 2,719 in the previous year.

Physical Education and Medical Inspection.

Physical Education is compulsory in all schools. The Board of Physical Education constituted in the previous year, continued to function satisfactorily.

During the year under report, the work of supervising Physical Education was transferred from the Organising Commissioner of Boy Scouts to the Principal, Government College of Physical Education. The designation of the former officer was changed to "Organising Commissioner of Boy Scouts and Chief Inspector of Games and Sports" and that of the latter to "Principal, Government College of Physical Education and Chief Inspector of Physical Education."

On the Director of Public Instruction's proposal, the Government College of Physical Education, which was formerly under the direct control of the Secretariat, was placed under the control of the Department.

On the proposal of Mr. F. Weber, Principal, College of Physical Education, a one-minute drill at the beginning of each period was introduced in all schools so as to provide a little relaxation to the pupils between their working periods.

With a view to introducing Indian games in schools, circular was issued to the Divisional and District Inspectors to collect data as regards local conditions. The material received so far has been sent to Mr. S. M. Hadi, Chief Inspector of Games and Sports, for scrutiny and suitable action.

vacancies, the aim of the Department being gradually to replace the vocational teachers by teachers qualified in Manual Training.

Adult Schools.

At the end of the year under report, there were 47 Adult Schools with 1,556 adults under instruction, the corresponding figures for 1346 Fasli being 40 and 1,447, respectively. The total expenditure on these schools during the year 1347 Fasli amounted to Rs. 8,524, as against Rs. 9,096 in the previous year.

During the year under report, the revised rules and regulations and the curriculum of Adult Schools to which reference was made in the report for 1346 Fasli, were sanctioned by Government. The curriculum is spread over a period of 1½ years with three definite stages of instruction.

Religious Schools.

At the end of the year 1347 Fasli, there were 21 Religious Schools in the Dominions with 1,274 scholars on the rolls, as against 20 schools, and 1,221 scholars in the previous year. The total expenditure on these schools during the year under report amounted to Rs. 48,621, as against Rs. 44,948 in the previous year.

The decrease in the number of schools and scholars is due to the fact that, in pursuance of the policy laid down by Government, viz., that, as far as possible, facilities should be given to the Depressed Class children to join the ordinary public schools, 2 Special Schools were amalgamated with ordinary Primary Schools, while 14 Aided and Unaided Schools were closed down during the year.

The total number of Depressed Class Schools at the end of the year 1347 Fasli was 87, as against 103 in 1346 F., while the number of pupils on rolls was 3,301, as against 4,017 in 1346 Fasli. The total expenditure on these schools amounted to Rs. 33,004, as against Rs. 30,927 in the previous year.

Need for cultivating Rural Outlook in Village Teachers.—As in other parts of India, there is need for bringing village schools in the State into greater harmony with rural life, so that the boys may not lose interest in their ancestral occupations, especially agriculture. Obviously, this object cannot be achieved unless the teachers themselves are rurally minded. During the year under report, instructions were therefore issued to the Superintendents of the Normal Schools for Men at Warangal, Gulburga and Aurangabad, drawing their attention to the need for creating a rural outlook in the teachers under training. There are special arrangements for gardening and agriculture in the Normal School at Warangal, but, unfortunately, it has not yet been possible to provide adequate facilities for such training in the other two Normal Schools as there is not enough open space in the rented buildings in which these schools are housed.

Industrial and Vocational Schools.

During the year under report, the Government Industrial Schools at Aurangabad and Nizamabad, the Osmania Industrial Schools at Nampalli and the Technical College were placed under the direct control of the newly-created Department of Vocational and Technical Education.

Besides these three Industrial Schools, there were other schools with 346 scholars where Special Vocational Training was given side by side with general education, as in previous years. There is also special provision for Vocational Education in the Victoria Memorial Orphanage. The total expenditure on these schools amounted to Rs. 18,047 in 1347 Fasli, as against Rs. 1,56,216 in 1346 Fasli.

In view of the decision of Government that henceforward vocational instruction proper should be imparted not in ordinary Secondary Schools but in separate Vocational Schools, the Department issued a circular to the Divisional Inspectors asking them to dispense with the services of such vocational teachers as were temporary and not to fill up the

under 10 years. This proposal received Government sanction and a circular was accordingly issued towards the close of the year under report.

Conveyance.—The question of replacing shikrams and bullock carts by motor buses was taken up by the Department, and negotiations were opened with the State Railway authorities. These negotiations are still in progress, and it is hoped that some settlement will be reached in this direction soon.

Sanction of two new posts of Inspectresses.—During the latter part of the year under report, Government were pleased to sanction my proposal for the creation of two new posts of Inspectresses for Girls' Schools—one for the Aurangabad Division and the other for the Medak Division. The question of filling up these two posts was under the consideration of Government at the end of the year.

Training Institutions.

The number of Training Institutions remained the same as in 1346 Fasli, i. e., 8, while the number of teachers under training was 272, as against 292 in the previous year.

The total expenditure on all training Institutions in 1347 Fasli amounted to Rs. 1,38,107, as against Rs. 1,79,368 in 1346 Fasli.

Formerly, a limited number of graduate and under-graduate teachers were selected and deputed for training on full pay. During the year under report it was decided that such teachers should take leave on half pay and undergo training.

Number of Trained and Untrained Teachers in Schools.—The total number of teachers in the Department during the year under review was 10,079, out of whom 3,788 teachers were trained and the remaining 6,291 were untrained. Of the latter, a large number is that of teachers working in Aided and Recognised Institutions.

so far been very encouraging. Under the Shift System, the teachers are able to give more individual attention to the pupils, with the consequence that not only has the teaching become more effective, but the standard of discipline has also improved. In virtue of the great economy of time made possible under this system, it has been specially welcomed by parents whose children are old enough to help them in their vocations. As regards children who are too young to assist their parents, while under the Shift System such children receive formal instruction only in one session, they are allowed, if their parents so desire, to attend school during the other session also, when they are engaged in interesting occupations, including hand-work and play, under the supervision of a teacher.

Girls' Schools.

Strength and Expenditure.—The total number of Girls' Schools in the Dominions during the year under report increased from 726 in the previous year to 766, while the number on rolls increased from 54,551 to 56,306; that is, an increase of 40 schools and 1,755 girls.

The total expenditure on Girls' Schools during the year amounted to Rs. 10,73,203, as against Rs. 9,91,689 in 1346 Fasli.

Medium of Instruction—During the year under report, Government were pleased to sanction the proposal of the Department for permitting the use of the mother-tongue as the medium of instruction up to the end of the Lower Secondary stage in all Girls' Secondary Schools.

Co-education.—As a result of the decision arrived at the Annual Conference of the Divisional and District Inspectors of Schools, which was held during the year under report under my chairmanship, a proposal was submitted to Government to the effect that girls under 8 years of age should be admitted to the Boys' Lower Primary Schools having Classes I and II and to such other Primary Schools as are located in places where there are no Girls' Schools and are attended by boys

cation should be borne out of Shahi Funds, the contribution from the Local Fund being set apart for such items of non-recurring expenditure as buildings and furniture. A formal proposal to this effect was submitted to Government during the year under report. When the proposal is sanctioned, the Department will be in a better position than it is now to satisfy the needs of Primary Education.

Improvement of Teaching Staffs.—Most of the Primary Schools are bilingual with parallel classes in Urdu and the local language. In order to make more adequate provision for the teaching of the local languages, steps were taken during the year under report to strengthen and improve the teaching staffs of the Primary Schools on the side of these languages.

Revision of the Curriculum.—At the beginning of the year under report, a Committee of the Senior Officers of the Department was appointed to revise the curriculum of Primary Schools. The Committee drew up a new curriculum which was discussed at two meetings which were held under my chairmanship and it was decided to bring it into force in 1348 Fasli after obtaining Government sanction.

Proposal for the Establishment of Schools in Jagir Areas.—A proposal regarding the opening of schools in Jagirs, Samasthans and Paigah areas was submitted during the year and it is still under the consideration of Government.

The Shift System.—Owing to the insufficiency of the teaching staffs in Primary Schools in rural areas and the inability of the Department, owing to lack of funds, to provide an adequate number of teachers, the Shift System was introduced in such schools as an experimental measure in 1346 Fasli. During the year under report, in order to give this system a fair trial, instructions regarding the lines on which it should be worked were issued from time to time and a special time-table was also prepared for the guidance of the Head-masters concerned. The results of the experiment have

Primary Education.

Strength and Expenditure.—During the year under report, there was an increase of 374 Primary Schools and 13,346 pupils. As mentioned in the Annual Report for 1346 Fasli, the Department effected a saving of more than a lac of rupees in that year after carefully scrutinising the budgets of the various districts and cutting down unnecessary expenditure. This amount was utilised during the year under report for opening 397 new Primary Schools.

The total number of Primary Schools of all types at the end of the year 1347 Fasli was 4,766, as against 4,392 schools in 1346 Fasli, while their enrolment was 295,341, as against 281,995 in the previous year. There was thus a net increase of 374 schools and 13,346 pupils. Some Unaided Primary Schools which had not been working satisfactorily were closed down during the year; otherwise the total increase in the number of Primary Schools would have been nearly 400.

The total expenditure on Primary Schools during the year amounted to Rs. 27,69,600, as against Rs. 26,70,736 in the previous year.

Five-year Programme.—During the year under report, the Department prepared and submitted to Government a five-year programme for the expansion of Primary Education. If this programme is approved and the necessary funds are made available, all villages with a population of 1,000 and above will be provided with a school each within a period of five years.

Bill for Compulsory Education.—Under orders from Government, the Department prepared and submitted a Draft Bill for the introduction of Compulsory Primary Education. This bill is under the consideration of Government.

Proposal to finance Primary Education from Shahi Funds.—In the report for the year 1346 Fasli it was suggested that the burden of recurring expenditure on Primary Edu-

State, popularly known as the Mackenzie Committee, was that a hostel should be attached to at least each Government High School. Accordingly, the Committee recommended a recurring grant of Rs. 51,000 per annum and a non-recurring grant of Rs. 62,000 for this purpose. These grants have not been sanctioned by Government as yet. At present, residential facilities exist only in about half a dozen Government High Schools. As soon as funds are available, arrangements will be made to open hostels in as many High Schools as possible. In the meantime, the question of revising the existing scale of the recurring and non-recurring expenditure on hostels, with a view to reducing the cost borne by Government, has been engaging the attention of the Department.

Board of Secondary Education.—During the year two meetings of the Board of Secondary Education were held under the presidentship of the Director of Public Instruction to consider the report of the Sub-Committee appointed by the Board in 1346 Fasli to suggest the steps to be taken for giving practical effect to the Mackenzie Scheme for the reorganisation of education. Proposals based on the report of the Sub-Committee were submitted to Government, and 19 Sub-Committees were formed to prepare new syllabuses in different subjects. The Girls' Education Committee, of which Lady Hydari is the President, also did very useful work in connection with the curriculum of Girls' Lower Secondary Schools.

Appointment of Science Inspector.—Science is taught as a compulsory subject in all Secondary Schools. In order to secure more efficient teaching of this subject in the Secondary Schools, the Department submitted a proposal to Government in 1346 Fasli for the appointment of a Science Inspector. Government were pleased to sanction this proposal and to appoint Mr. Aftab Hasan, M. Sc. (Alig.), B. Sc. (London), as Science Inspector in Azur 1347 Fasli.

It was stated in the report for 1346 Fasli that in a large number of Government High Schools the strength had increased to such an extent as to render effective personal supervision difficult, if not impossible, and that the Department was in consequence obliged to decide on the separation of the Primary Sections from such schools. The separation of the Primary Sections will be effected as soon as the new schemes for the reorganisation of the High Schools are sanctioned by Government.

In their review on the Report for 1344 Fasli, while inviting attention to the disproportionate expenditure on Secondary Education, as compared with that on Primary Education, Government observed that "the educational structure is somewhat top-heavy," and that, "the structure should be broad at the base and not at the apex and should taper to the top." In consonance with the policy laid down by Government, the Department has been endeavouring during the past two years to extend Primary Education as far as possible, while, in the realm of Secondary Education, it has been directing its efforts towards consolidating and improving the existing Secondary Schools. In view of the great leeway which has to be made up in the field of Primary Education, it is proposed that, instead of adding to the number of Government Secondary Schools already in existence, which is a costly proposition, encouragement be given to private agencies, by offering them fairly liberal grants-in-aid, to open new Secondary Schools wherever there is need for them. Accordingly, during the year under report one private High School and two private Middle Schools were accorded recognition as a first step towards making them Aided Institutions.

Hostels.—The need for attaching hostels to Government Secondary Schools, specially in the districts, with a view to offering facilities to pupils belonging to adjoining villages, has been felt for a long time. One of the proposals of the Committee for the Reorganisation of Education in the Hyderabad

Expenditure.

The total expenditure on Education (excluding Collegiate Education) amounted to Rs. 84,83,647, as against Rs. 84,79, 609 in 1346 Fasli.

Secondary Education.

High Schools.—There were at the end of the year 1347 Fasli 59 High Schools with 33,619 pupils, as against 56 High Schools and 32,117 pupils in 1346 Fasli. Thus there was an increase of 3 schools and 1,602 pupils. The total expenditure on High Schools rose from Rs. 17,93,735 in 1346 Fasli to Rs. 19,54,992 in 1347 Fasli. The increase is due mainly to the addition of 3 schools.

Middle Schools.—The number of Middle Schools increased from 134 in 1346 Fasli to 137 in 1347 Fasli, while their strength rose from 44,206 to 44,943, i. e., an increase of 3 schools and 737 pupils.

The total expenditure on Middle Schools amounted to Rs. 13,51,207, as against Rs. 12,99,359 in the previous year.

The total expenditure on all the Secondary Schools-High and Middle Schools—in 1347 Fasli was Rs. 33,06,199, as against Rs. 30,93,094 in 1346 Fasli.

Readjustment of Expenditure as between Secondary and Primary Education.—The drawbacks from which the Government Secondary Schools suffer were pointed out in the Report for 1346 Fasli, these being inadequacy of the teaching staffs, buildings and furniture. During the year under report, out of the recurring grant of Rs. 3 lacs sanctioned for the current triennium for the reorganisation of Secondary Education, steps were taken to prepare schemes for strengthening and improving the teaching staffs of all the Government Secondary Schools. But, as no savings accrued from the departmental budget for 1346 F., hardly any furniture could be supplied to the schools, nor could any appreciable progress be made as regards the construction of new school buildings and the improvement of the existing ones.

Extracts from the Annual Report of the Education Department for 1347 Fasli (1937-38.)

Strength and Percentage of Literacy.

Strength.—There was an increase of 363 schools and 13,250 pupils, the total number of schools of all types being 5,131, as against 4,768 in 1346, Fasli and the number of pupils 381,018, as against 367,768 in the previous year. In addition, there were in 1347 Fasli 889 Private Schools with 24,777 pupils, as against 872 schools and 24,837 pupils in the preceding year.

Percentage of Literacy.—The percentage of scholars under instruction to the population of school-going age was 18.7, as against 18.1 in 1346 Fasli, that of boys being 31.6 and that of girls 5.3. If the population of Jagirs, Samasthans and Paigahs were excluded in the calculation of the proportion of scholars under instruction in the State to the school-going population, the percentage of scholars under instruction in Diwani Ilaqa would of course be much higher.

How seriously the backward condition of education in Jagirs, Samasthans and Paigahs affects the percentage of scholars under instruction will be evident from the fact that out of the 5,131 schools, only 108 schools (that is 2.1 per cent. of the total number of schools) are situated in this area, although it comprises nearly 25,000 square miles, that is, nearly 1/3 of the total area of the Dominions, and its population is 3 millions or more than 1/5 of the total population. In other words, while in those parts of the Dominions for which the Department is directly responsible as far as education is concerned, there is one school for every 17 square miles, the areas covered by Jagirs, Samasthans and Paigahs have one school for every 231 square miles. Therefore, so long as better educational facilities are not provided in the Jagir areas, a true estimate of the efforts made by the Education Department to spread education in the Dominions as a whole cannot be formed.

programmes on their platforms. The Madras Provincial Physical Education Association is now the only Provincial organisation in India for Health and Physical Education, while the All-India Federation of Educational Associations provides for a Health and Physical Education section in its proceedings. Provincial Associations like the South India Teachers Union, the All-Bengal Teachers' Associations, etc., also take up the cause of health and physical education and contribute their quota to the solution of problems in Health and Physical Education.

The above is a brief narration of how health and physical education is making slow but sure progress. Much still needs to be done. For example,

1. Public health consciousness has to be widely awakened. There is some awakening, but it is not general, and the public are yet to be educated in matters concerning health and physical fitness.

2. A widely awakened public should see to it that the educational authorities give health education its due place in the curriculum, that they introduce effective health service and supervision, and that healthful living conditions exist in all schools.

Health Education in India is yet to come into its own. But as E. M. Sanders said at the 7th Biennial Conference of the World Federation of Educational Associations at Tokyo, "the spirit of the age sweeps through all alike and we see everywhere a movement towards the raising of the general standard of health throughout the people; the scope of our traditional sport and open air life is extended; special measures are taken for the education of girls; infant and child welfare assume the importance it deserves; the spirit of the school is changed so that co-operation replaces force; and above all science is taking its place as the guide of modern life."

The nature of work done in educational institutions is somewhat as follows :—

1. Teaching of Elementary Physiology and Hygiene.
2. Medical inspection where possible.
3. Physical Education.

The need of Health Education in educational institutions is yet to be recognised and consequently whatever health instruction or supervision is done, is very perfunctory and superficial in its nature.

Physical Education however has been receiving some attention since the Y. M. C. A. began to co-operate with the governments some twenty years age. The Y. M. C. A. College of Physical Education, Madras, has done pioneering work in this field and the Y.M.C.A. Physical Directors have rendered yeomen service. The Congress Governments have been active, and in Bombay and Central Provinces have set up Boards of Physical Education to advise Government in matters concerning play and recreation for the people. Bombay has also set up a College of Physical Education to train College graduates to be leaders of physical education in the province. Other Colleges of Physical Education are at Calcutta, Hyderabad, Lucknow and Lahore.

The physical education programme varies from Province to Province and State to State. The emphasis varies from formal physical training programme of Swedish drill and callisthenics to entirely indigenous programmes of Surya-namaskars, Dundhals, Bhaskis, etc. All, however, agree in providing team games to the students not only for the hygienic and exercise values, but also for their character values. Emphasis is slowly being placed on the right type of leadership so that the inherent values of natural physical activities may be fully realised.

Mention must be made of the Educational Associations which provide for discussion of health and physical education

In the narration of measures for effective health promotion, the prime place must be given to the Prohibition Acts all over the country where Congress Governments are in power. It is needless to go into raptures over this wise act of the peoples' government because the beneficial effects of abstinence from alcohol in any kind is well known. The Congress Governments are to be congratulated on their boldness in tackling this problem so speedily and successfully.

The Madras Public Health Act will take precedence over many other health promotion measures since this is the first piece of legislation for health in this country. The provisions are far-reaching, and the Act has been acclaimed by one and all as a just and wise measure long overdue.

The deep interest taken by Her Excellency the Marchioness of Linlithgow in the welfare of the people has borne fruit in the intensive campaign against Tuberculosis and the substantial donations to the Anti-tuberculosis Fund. Her interest in the Child and Maternity Welfare work has given a fillip to the movement which had, and even now has, the Indian Red Cross Society for its sponsor. The activities of the Red Cross Society in the interest of the health of the people are too well known to be repeated here. Suffice it to say that the Indian Red Cross Society does really play a noble part in the amelioration of suffering and distress all over the country.

As a direct result of the example set by his Excellency Lord Linlithgow, Viceroy of India, milk supply to children in elementary schools is rapidly receiving more and more attention. Where milk is not available, Calcium Lactate and such substitutes are supplied.

Other agencies which help to promote the health of the nation are the Scout Movement, the Junior Red Cross, Nursery Schools, New Era Schools (based on the principles and methods of New Education), the several All-India and Provincial Sports and Games Associations, etc. Each makes its own contribution to the building of a better and healthier India.

the teacher will often have to set the stage, to arrange material for the child's activity and to lead him from one experience to another, the child himself drawing inferences and finding out the results. This auto-education is very essential. Then alone will lessons in mathematics form in the child the habits of properly thinking out and solving his problems—in mathematics, in other subjects, and in out-of-the school life.

In subsequent articles in the succeeding numbers of this journal the subject under discussion will be carried further and an effort will be made to suggest the methods of teaching the different topics in the mathematics course.

Health Education in India

BY

Dr. G. F. Andrews, M. A., Ph. D., (Columbia),

Honorary Secretary, Health and Physical Education Branch, All-India Federation of Educational Association.

One accustomed to the rapid, intensive and organised progress in the western countries in matters concerning the health of the nation will find that the pace of progress in India is very slow—even as slow as that of the proverbial bullock cart. The vastness of the country which is nearly 3000 miles from the mighty Himalayas in the North to the verdant Cape Comorin in the South, and almost 2000 miles across in places, the prevailing traditions and superstitions in the 7,00,000 villages which contain nearly 90% of the population, the extreme poverty and ignorance, the heterogeneity in the British Provinces and the Indian States, are some of the factors to be reckoned with. The problems in health education are manifold, but the general awakening all over the country for a better and fitter nation has resulted in more being done in the past few years than ever before.

But a good teacher need not be afraid of this formidable array of methods. Let him remember only one principle—the Basic Principle—of learning mathematics, that the child's own experience must be the basis of all his mathematics. The foundations of the subject must be laid within the sense-experience (which is the same as observation) of the child, and later with the help of his several mental powers—imagination, memory, reflection, reasoning and judgment—let him build up his palace of mathematics according to the material placed at his disposal by that experience.

Mathematics for the child begins with numbers, including measures and the drawing and recognition of the chief Geometrical forms. They should be taught and learnt through direct observation and activities and driven home with numerous applications, well-versed in type, to the ordinary affairs of everyday life within the child's experience and recognition.

'Things before words' is the natural corollary from the basic principle mentioned above, and applied to numbers, measures and forms will mean the use of concrete things to demonstrate the same. Things and interesting activities (as in handwork, plays and games) will fix in the child names and ideas of numbers, measures and forms. Another stage will be reached when combinations (number combinations as $2+3$, 5-3, 2×2, $6\div3$, $\frac{1}{2}+\frac{1}{2}$ etc., measure combinations as 1 ft. 3 ins, Rs. 2-4 as. etc., and form combinations as in various charming patterns) are demonstrated and the child learns them in various activities.

In this way is the child started on the high-road to develop his mathematical knowledge and skill to any extent, in the years before him at school, through his own activity, observation and study. The teacher remains a quiet, sympathetic observant companion to help the child on in any difficulty which is encountered, and to explain to him new things when they come in the course of his progress. In the beginning

The Teaching of Mathematics in Schools—I.

BY

A. Aziz, B. A., B. T.,

Lecturer, Osmania Training College.

Of the many aims of instruction in schools, a very important one is to teach children how to think, i. e., to develop in them the habit of proper thought. This aim is more readily and more effectively achieved in the lessons of mathematics than in those of any other subject of the school curriculum. In fact mathematics has retained through the ages its very important status and its heavy contents in the curriculum of most of the countries mainly on account of this claim. Yet the subject in all its school branches—arithmetic, algebra and geometry—remains in most schools a source of great disappointment to pupils, teachers, headmasters, inspectors, examiners, parents, employers and in fact to all concerned alike. Leave alone the power of methodical thought which is the great claim just mentioned, even ordinary skill in the solution of the day's mathematical problems of life is a thing which we do not find in the majority of our pupils in schools.

Where lies the mistake? Many factors contribute to the failure. Those factors need not be mentioned here. If only the teacher were to reform his method and stick to his true objective other factors would then do little harm.

What is, then, the proper method of teaching mathematics in all its branches? Which of the scores of Methods named in the books on Method is the best? Analytical or Synthetical, Inductive or Deductive, Genetic, Heuristic, Socratic, Individual or Collective, Lecture, Laboratory or the Project Method, the Psychological or the Dogmatic? Our American fraternity keeps on adding to the list with each new experiment for which they seem to have a freedom without limit.

inspiration to a visitor. Here girls of all ranks of society enter and are trained in this work. The training is very practical and involves a great deal of work which delicately nurtured girls might well shrink from, but they all undertake it and enjoy it.

The school is situated in the heart of a slum area and children (ages 2 to 5) are taken care of all day while their mothers are at work, and are given back to them in the evening on their return. It has proved a great blessing and tends to keep children from the baneful influence of the streets, the only playground they have in some congested areas. The school has branches in other suburbs where the trained teachers are sent to organise the schools, and also a beautiful country home in Kent, where children are sent for a month at a time; it is probably the only time some of them even see green fields and trees, and the bracing change does them a world of good.

This is a genuine piece of social service and promises well for the future if the work can be expanded in other countries.

To encourage these activities, far more free periods are allowed than are usually found in school time tables but the boys are always to be found usefully employed in them. The whole purpose is to get interest and attention working in unison, and this is secured much better when a child is whole-hearted in a piece of work such as making a boat or an aeroplane.

Co-education.—A Cambridge Professor recently made the following striking statement:

"It would appear to some of us that of all the great revolutions of our time, the changed status of womanhood is the most far-reaching. To have overthrown the social, economic and religious subordination of half the race is an achievement far greater than to have won a war or invented an aeroplane".

These new schools, acting on Prof. Dewey's words "that the only way to prepare for social life is to engage in social life", have adopted co-education as a principle in their school life.

One of the major problems which all children have to face during adolescence and for the rest of their lives is the problem of their relationship to the opposite sex, and the authorities in these schools assert that it is best faced under conditions, devised in the light of educational considerations, in which friendly help and guidance is available.

They claim to have succeeded in this and that the boys and girls mix in a perfectly normal manner. They add that no harmful results have followed and that it is wholly beneficial.

Finally, I should like to say a word about Nursery Schools. The demand for this comparatively new type of school is striking, the problem being shortage of trained teachers, all of whom have to undergo a highly specialised course of training. The Margaret Macmillan Nursery School Training College with its school for children at Deptford is an

the formation of character. If this is so, it reveals how much remains to be done by the other formative influences which bear on the child and which it is the duty of the school or home to develop. The older schools in England have developed missions of their own in the slums or elsewhere to supply a practical outlook for the religious impulse, and such outlets should be encouraged by all schools. Mere instruction is not sufficient, the impulse to service must also be created.

Training in Public affairs.—At one school a whole room was given up to public affairs, a subject often totally neglected in our schools. This room was equipped with blue books, newspapers, charts, etc., some of the latter drawn up by the pupils themselves to illustrate current events. Some of these were very graphic and illuminating, and so also were some of the speeches of the boys on present day topics. Here one might mention the radio, which is of great help in this respect and is becoming quite an important factor in the educational process. All schools seem to have radio sets and, quite apart from news talks and topical events, set lessons for schools are given by experts, following a prescribed text book to which the lecturer refers from time to time. I listened to quite a number of lessons and was very much impressed with them. The radio opens up a wonderful vista of possibilities in education and especially facilitates language teaching, as the radio lecturers are experts in the particular language and its correct pronunciation.

Training for Leisure.—This is another aspect we find emphasised in the modern school, and so we find an increased emphasis on hobbies and extra-curricular activities. One school in fact had a very fine room wholly given up to hobbies and there the boys were free to do what they liked with expert advice, if desired. At another school I saw a fine 18 ft. boat built by the pupils and also large model aeroplanes. The latter seems to be a very popular hobby with school boys; they also have their own model aero clubs.

consider the general state of the school and things to be remedied. It is in fact a little democracy. Children do not even call their Master " Sir ", as the Head considers that true self-government is only possible when the relation between teacher and taught is one of equality. Some of the school's pupils have achieved eminence in after life, and though the school has come into much criticism for the freedom allowed, the Head claims that it has succeeded in its purpose of establishing the conception of freedom and liberty as the right basis for school life.

The other schools, while not so advanced in the amount of freedom given, nevertheless allow much more liberty of action than the older schools, and the attitude of the staffs towards the children is characterised more by consultation and discussion than by the assertion of authority. There are, however, restrictions on liberty of action ; e. g., if a child fails to attend one class of a course he has chosen, he is debarred from attending the next class, and this is an incentive to be regular. In these schools the curriculum is built round the subject rooms, each provided with a library. In fact one could almost say that the library is the centre round which the whole school gravitates, the Dalton plan or adaptations of it being the main method employed. It is claimed that this allows children to work at their own pace and also encourages pupils to help each other. This latter fact is important. The tendency in most schools is to stop pupils helping each other in class, thus inculcating selfishness and the competitive spirit which we are anxious to avoid.

This brings us to the ethical and religious side, which, of course, should be the main concern of all schools, whether new or old. These schools believe that this is developed not so much by talking about it, as by living it, and therefore aim at creating situations, both in and out of school, which will elicit responses from their pupils. In the statistics quoted by the Chief Inspector in his opening address, it was estimated that only 6% may be allowed to the definite religious instructor for

6. The co-education of boys and girls as a necessary preparation to help them make right adjustments in the world they must later live in.

We shall now proceed to illustrate the practical working out of these ideals by reference to certain schools as typical exponents of these ideas.

Summer Hill	—	Suffolk.
Bedale's School	—	Hampshire.
King Alfred School	—	Manor Wood, London.
Dartington Hall	—	South Devon.

The first school is most advanced in its application of the idea of liberty and freedom. The authorities claim that the child, if left free, will express itself in love and creative work; if suppressed, in destruction and hate. "Schools put this dynamic thing we call a child into desks and discipline and surround him with things that have no real interest for him, with the result that nine tenths of the effort expended is sheer waste of time. Because schools in general have been opposed to the real interests of a child, we have had to compel him by imposing a barbaric code of reward and punishment, thereby introducing the child to fear and hate."

The Head claims that their working hypothesis of trusting to the inherent goodness of children and allowing them freedom has justified itself, and that the children grow up good, clever, creative and social.

This school has a time-table, but children are not compelled to attend classes. If a child wants to learn, there are teachers who will instruct him. If he wants to play all day, he can do so. It is found that new boys often start with playing, but very soon they become regular attendants of the classes, as they soon get tired of doing nothing.

The pupils make their own laws and impose their own discipline, the whole school meeting every Saturday night to

a sufficient basis in training for citizenship, has to give place to a conception of citizenship in which the chief characteristics are fulness of life and ordered purpose. Take the much abused word *democracy* itself. Clearly, if the democratic idea is to prevail, people must learn it and education must teach it, and this means the schools must practise it. But the schools are largely autocratic. The very educational process has been conceived largely in autocratic terms. There is a kind of mass management, and this tends to forget the individual on whose rights and personality the democratic idea is based.

What can the schools do then, seeing that so many of these factors are still present in the schools themselves?

Realizing this anomaly, a number of new schools have come into being and, though some are still in the experimental stage, a number have gone beyond that and have by their continued existence and the demand for them, substantiated their claim to success.

The founders of most of these new schools assert that they are based on all that the modern sciences of sociology and psychology have made clear of recent years, and that only in this light can any education worthy of the name be undertaken and boys and girls be fitted for the world they will have to live in. The prospectus of one actually states that its aim is "to fit boys for the revolutionary world of tomorrow."

Some of these foundational truths are as follows :—

1. We should trust more to a child's instincts, which are naturally good.

2. The educational value of personal liberty and freedom.

3. Pupils should have a definite voice in school management as a training in the democratic ideal.

4. Training in Public affairs.

5. Far more free periods and leisure hours and a training in the right use of leisure.

Until recently the school on the whole has been a bulwark against social changes. This, of course, is understandable if we study the history of education itself. The original aim of the school was the training of youth in the culture of the group. Its business was to hand down to youth their elders' way of behaving, and this naturally tends to traditionalism and conservatism. In fact the powers that be have often seen in the school a chief means of perpetuating established opinions and institutions. This aspect will, of course, always have its place in any system of education and has in fact preserved many valuable and even necessary things, but in a world of change a new outlook is also necessary.

The older education has in effect pretended that the future will always be like the present. While progress was slow and each succeeding generation faced almost identically the same situation that its fathers faced, this conservatism in education more or less succeeded in adapting its pupils to the world they had to live in. But in an ever growing and changing world new methods and experiments are necessary. At the present moment we do not know what sort of a world we are to train our children for, and he would be a bold man who could prophesy the future in this respect. What particular ideology, for instance, in this war of ideologies, are we to adjust our children to? Yet this is our task as teachers. One famous educational professor even goes so far as to say that, as we do not know, we must train pupils to be able to adjust themselves to "change itself," and that we must develop a point of view that will take account of this fact of ever increasing change.

We certainly cannot pretend that the future will be like the present. For instance, in the world we hope for, the principle of co-operation should take the place of cut-throat competition; the principle of violence as the deciding factor of human affairs has to give place to one of conciliation and understanding, also the idea that masses of unrelated knowledge and the trick of passing examinations constitute

The School in a Changing World[1]

BY

Rev. F. C. Philip, M. A.,

Warden, St. George's Grammar School, Hyderabád-Dn.

In the great upheaval of life and thought caused by modern movements in the political and economic world—and now war, it is becoming increasingly manifest that the whole of English life is undergoing profound reconstruction on every side. In this light no subject is being so earnestly and seriously considered as education, in which there is noticeable a distinctly new viewpoint. This is manifested not only by new movements such as the New Education Fellowship and other societies, but also in the many new schools that have come into being of recent years to explore new possibilities in education.

In the changed mental and even moral world outlook, the old loyalties, political, social and religious, have no longer the old compelling force. This may at first sight seem to make for disintegration, but on the other hand, it may be the prelude to a new and better world order. If such a new world order is to emerge, education will have to play a big part in the task of creating and shaping it. As Dr. Cyril Norwood has aptly put it, "Education is a net through which all the successive generations have to pass and it is for us to use it." This has been well realised and acted upon in certain countries where the whole outlook of a generation has been changed by education, conscripted often for a wrong purpose it is true, but the fact remains and it witnesses to the tremendous latent power of education to change a whole nation's outlook. Dr. Montessori also asks why it is that only the war-loving nations have realized this, and says that the peace-loving nations have not correspondingly trained their children for peace.

---

1. **Address delivered at the Twelfth Annual Conference of the Hyderabad Teachers' Association held in November, 1939.**

CONTENTS.

Vol. XIV No. 2

THE HYDERABAD TEACHER

OCTOBER—DECEMBER 1939

Quarterly Magazine of the All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSAIN JAFFRI, Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1939.

جلد ۱۳ شمارہ ۴

زیر سرپرستی جناب محمد سید حسین صاحب جعفری بی۔ اے آئی۔ ای۔ ایس (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب) مدیر مسئول۔

عبد النور صدیقی بی۔ اے۔ بی ٹی (علیگ)

سعید الدین خاں بی۔ اے۔ ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ)

ملا فخر الحسن بی۔ اے۔ بی ٹی (علیگ)

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ خورداد لغایت امرداد ۱۳۴۸ف

فہرست مضامین

جلد (۱۳) شمارہ (۴)

کمرۂ جغرافیہ اور اس کا سازوسامان

از

مسٹر ایم۔ آر۔ سکھاریے۔ ایم۔اے۔ ٹی۔ڈی (کینٹب) پرنسپل گلگا پچی۔
آرٹس ہائی اسکول۔ بلگام۔

فن جغرافیہ کی اہمیت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جغرافیہ کی تعلیم کے لئے مدارس میں ایک علیحدہ مخصوص کمرہ کا انتظام کیا جائے۔ کمرۂ زیر بحث اپنے متعلقہ لوازمات کے ساتھ فن مذکور کی تعلیم کے لئے اس طرح لیس رہے کہ جو شخص کمرہ میں داخل ہو اس کو معاً یہ محسوس ہونے لگے کہ وہ مکمل جغرافی ماحول میں پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ سطور ذیل میں کمرۂ مذکور کے ضروری فرنیچر اور آلات تعلیمی کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(الف) فرنیچر

(۱) چونکہ طلبار کو فن ہذا کی تعلیم کے دوران میں جغرافی اشکال، نقشے، پہاڑ، دریا اور شہروں وغیرہ کے اندراج کے لئے خاکے یا کسی مخصوص ملک یا براعظم کے مختلف جغرافی امور سمجھنے کے لئے بیسیوں چیزیں محض پنسل سے یا رنگین کھینچنی پڑتی ہیں اس لئے طلبار کے لئے بجائے ڈھالو ڈسکوں کے مسطح میز اور کرسیاں دو دو کی قطاروں میں مہیا کی جائیں۔ ظاہر ہے کہ ڈھالو ڈسک ان اغراض کے لئے قطعی ناموزوں اور تکلیف دہ ثابت ہوں گے۔

(۲) استاد کے استعمال کے لئے ایک بڑا تختہ سیاہ مہیا کیا جائے جس پر وہ مختلف تشریحی اشکال کھینچ سکے۔ یا اپنے حسب ضرورت کسی خاص عنوان پر مبسوط نوٹ لکھ سکے۔ نہ صرف یہی بلکہ اس ایک تختہ سیاہ کے ساتھ ہی دوسرا بھی اس طرح چسپیدہ رہے کہ

اس کو نیچے یا اوپر کی طرف چڑھایا یا اتارا جا سکے۔ تاکہ مزید مواد کے لئے جگہ نکالنے کی غرض سے استاد کو پچھلا دیا ہوا سارا مواد میٹ دینا نہ پڑے۔ کیونکہ طلبار کے لئے استاد کی رفتار تحریر کے ساتھ ساتھ سارا مواد بہ عجلت قلمبند کرتے چلا جانا دشوار ہو جاتا ہے۔

(۳) استاد اور طلبار کے استعمال کے لئے ضروری نقشے اور اٹلسوں کی نگہداشت کے لئے ایک الماری مہیا کی جانی چاہئے۔ یا ایک ایسا اسٹانڈ مہیا کیا جائے جس کی دو استادہ چوبیں ہوں۔ اور جو تقریباً ۴ فٹ ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ اور ان ہر دو چوبوں پر خمیدہ اکوڑیاں ایک دوسرے کے متوازی نصب ہوں تاکہ ان پر لپیٹے ہوئے نقشے افقی رکھے جاسکیں۔

(۴) اس کے علاوہ ایک ایسا اسٹانڈ بھی رکھا جانا چاہئے جس پر کھلے ہوئے نقشے جب کہ اُستاد ان کو بہ وقت تدریس استعمال کرنا چاہے، آویزاں کر سکے۔ اس اسٹانڈ کو "نقشہ نما" کا نام دیا جاسکتا ہے۔

(۵) ایک سفید پردہ یا سفید سطح دیوار بھی ہو جس پر جغرافی تصاویر کسی ظل انداز یا فانوس کے ذریعہ منعکس کی جاسکیں۔ اس کی اہمیت فی زماننا اس لئے زیادہ ہے کہ فانوسی تصویروں کے استعمال سے جغرافیہ کے طالب علموں کو بہت فائدہ پہونچتا ہے۔

(۶) کچھ صندوق نمائش بھی رکھے جائیں۔ جن میں مختلف جغرافی نمونے مثلاً سطح ارض کے طبعی ڈھانچے چوٹیوں گزرگاہوں۔ دہانوں۔ ارضیاتی نمونوں کے قالب۔ نیز ایسی ہی اور اشیار جو طلبار کی دسترس سے باہر ہوں رکھی جائیں۔

(۷) ایک الماری رکھی جائے۔ جس میں فضائی کام سے متعلق ضروری اشیار مثلاً آلات پیمائش وغیرہ یا حالات موسمی کے مطالعہ سے متعلقہ آلات مثلاً مقیاس الحرارت اور چارٹس وغیرہ محفوظ رکھے جائیں۔

(۸) ایک الماری اور بھی رکھی جائے جس میں فن جغرافیہ سے متعلق حوالہ کی امدادی کتب بھی ہوں اور نیز جغرافی عنوانات پر علیحدہ مستقل مباحث کا ادب بھی۔

(ب) آلات تعلیمی یا جغرافی مایحتاج

(۱) تدریس جغرافیہ کے لئے سب سے پہلی ضروری چیز مختلف نقشے ہیں۔ (جنھیں اصطلاح عام میں دیواری نقشے کہا جاتا ہے) مختلف براعظموں اور ممالک کے یہ نقشے مساوی الرقبہ ظلّ کے ہوں۔ نیز یہ نقشے اس نوعیت کے ہوں کہ نصابی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ ان میں دنیا کے دو یا زیادہ نقشے ہوں۔ جن میں دنیا کو نصف کروں کی صورت میں بہ شکل مسطح ظاہر کیا گیا ہو (جو علی العموم استعمال نہیں کئے جاتے) براعظموں اور ممالک کے مختلف اسباق مثلاً طبعی حال آب و ہوا۔ پیداوار۔ اور دوسرے طبعی عنوانات کے لئے جدا جدا نقشے رکھے جائیں۔ کسی براعظم یا ملک کے ان تمام طبقہ واری مسائل کو ایک ہی نقشے میں مخلوط کر کے پیش کرنا ایک دشوار امر ہے۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو ایسے نقشے سے بجز پریشانی اور درد سری کے نہ کسی چیز کے نمایاں طور پر نظر آنے کی توقع ہوسکتی ہے۔ اور نہ تحصیل کا مقصد پورا ہوسکتا ہے۔

(۲) تدریس جغرافیہ کی دوسری اہم ضرورت کرہ ہے۔ جو کسی سہارے سے آویزاں یا لٹکا ہوا ہونا چاہئے۔ نیز جہاں کہیں ضرورت ہو اس کو فوراً نصب بھی کیا جاسکے۔ یہ کرہ اتنا کافی بڑا ہو کہ دنیا کے مختلف حصص اور براعظموں کا ایک واضح تصور دلاسکے۔ اگر یہ کرہ ۱۸ انچ قطر کا ہو تو ضرورت کو کما حقہٗ پورا کرسکتا ہے۔ یہ بڑا کرہ صرف استاد ہی کے استعمال کے لئے مخصوص ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ایک دوسرا چھوٹا کرہ بھی رکھا جائے جس کا قطر ۱۲ انچ ہو اور جو آسانی سے منتقل ہوسکتا ہو۔ اس کو کرۂ میز کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کرہ کو استاد یا اس کی اجازت سے طالب علم استعمال کرے گا۔

(۳) جماعت میں بہ وقت تدریس طلباء کے استعمال کے لئے اٹلس کافی تعداد میں مہیا کئے جائیں۔ لیکن مناسب تو یہی ہے کہ طلباء خود اپنے ذاتی اٹلس ہی استعمال کریں۔ البتہ مخصوص اور قیمتی اٹلس جو طلباء فراہم نہیں کرسکتے مدرسہ کی جانب سے طلباء کے فوری

حوالہ جات کی تشریح کے لئے مہیا کئے جانے چاہئیں۔

(۴) بوقت ضرورت طلباء کو دکھلانے کے لئے مختلف ممالک کے جغرافی چارٹس جن میں مختلف عنوانات مثلاً صنعت۔ حیوانات اور نباتاتی زندگی وغیرہ کو واضح کیا گیا ہو۔ مہیا کئے جانے چاہئیں۔

(۵) دلچسپ جغرافی معلومات کی تصاویر بھی رکھی جائیں۔ مثلاً ہندوستان کے چوک و بازار کے مناظر۔ گنے کی کاشت۔ ہندوستان کے میلے اور عید وغیرہ کی تصویریں۔ یہ تصویریں ہمیشہ اس لئے نہ دکھلائی جاتی رہیں۔ کہ ان سے توجہ ہٹ جانے کا خطرہ لگا ہوا رہتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ماہرین اس خصوص میں مختلف الرائے ہیں۔

(٦) معائنہ ارضی و فضائی کے لئے تمام ضروری آلات مہیا رہنے چاہئیں۔ مثلاً معائنہ موسمی کے آلات۔ مقیاس الحرارت۔ ہوائی تپش پیما۔ زمینی تپش پیما (زمین میں نصب شدہ) اور دوسری وہ مختلف چیزیں جو جغرافیہ میں عملی کام کے لئے ضروری ہیں مہیا کی جائیں۔

(۷) احاطہ مدرسہ میں بارانی نتائج کے معائنوں کے لئے ایک مقیاس المطر بھی رکھا جائے۔

(۸) ایک البم رکھا جائے جس میں ایسی تصویریں چسپاں ہوں جو ممالک کے مختلف جغرافی دلچسپ مسائل کی توضیح کرتی ہوں۔ مثلاً روئی جمع کرنے کی تصاویر جب کہ ڈوڈے پک کر کھل چکے ہوں ایسی تصاویر طلباء کے لئے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فراہمی معلومات کا ایک کامیاب ذریعہ ہیں۔

(۹) سلائڈس کے لئے ایک عکس انداز بھی مہیا کیا جائے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ وہ سب چیزیں مقرون طور پر واضح ہونگی۔ جن کی توضیح کی استاد ان تھک کوشش کرتا رہتا ہے۔ ان کے ذریعہ دلچسپی پیدا ہو کر انتہائی توجہ قایم رہتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی حقیقتاً ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس طریقہ سے کم و بیش مستقل نقوش ہونہاروں کے اثر پذیر قلوب پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔

(۱۰) ان سب سے زیادہ اہم طلبار اور اساتذہ کے استعمال کے لئے جغرافی کتب کا ایک موزوں کتب خانہ ہے۔ یہ کتابیں عام حوالے کے لئے ہوں۔ جن میں ماہران فن نے مخصوص مضامین پر قلم اٹھایا ہو۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک کے جغرافیہ پر ضخیم یا مختصر کتب بھی مہیا ہوں۔ یہ کتابیں جغرافیہ کی متنوّع معلومات پر حاوی ہوں۔ اور مختلف طبقات وسن کے طلبار کے لئے موزوں ہوں۔ ان میں خشکی و تری کے سفروں کے تذکرے اور سیاحت نامے ہوں۔ نیز جہاں گشت اور سیاحوں کے سوانح حیات ہوں اور مختلف جغرافی دلچسپیوں کے قصوں کی کتابیں بھی ہوں۔ جن کے پڑھنے سے ہونہار طلبار اپنے متلاطم ذوق تجسس کو تشفی بخش طریقہ پر مطمئن کرسکیں اور اس طرح وہ اپنے جغرافی معلومات میں بالواسطہ توفیر کے باعث ہوں۔

(۱۱) سب سے آخری امر یہ کہ ایک علیحدہ کمرہ میں ایک دار المطالعہ بھی قایم کیا جائے۔ جہاں ایسے اخبارات و رسالے فراہم ہوں جن کے صفحات علی الخصوص جغرافی معلومات کی نشر و اشاعت کے لئے مخصوص ہوں۔

الغرض کمرۂ جغرافیہ کے بارے میں یہ ایک سرسری خاکہ ہے۔ جو اساتذہ اور مدارس کے لئے ایک اشاریہ کا کام دے گا۔ البتہ ہم نے جو کچھ اس موقع پر بیان کیا ہے اسے تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے۔

مترجمہ

لیاقت علی خاں

مدرسہ وسطانیہ شاہ علی بنڈہ

(از رسالۂ ایجوکیشنل انڈیا بابتہ ۱۹۳۶ء)

ایس۔پی۔سی۔اے اور مدارس

از

(خان صاحب شاپورجی او کرجی رکن تاحیات ایس۔پی۔سی۔اے حیدرآباد دکن)

حیدرآباد کی "انجمن انسداد بے رحمی بر جانوران" منجملہ اور امور کے یہ مقصد رکھتی ہے کہ انسان میں جو ساری مخلوق خدا میں اشرف ترین ہے جانوروں پر رحم کرنے کا احساس پیدا کرے۔ بالخصوص ان جانوروں پر جو بے زبان ہونے کے علاوہ انسان کے لئے بہت کار آمد ہیں بعض بوجھ اٹھانے والے جانور جیسے بیل گھوڑے اور اونٹ انسان کے بہت کام آتے ہیں ایک زرعی ملک کے لئے جیسا کہ ہندوستان ہے گائے بیل بہت مفید ہیں۔ اسی طریقہ سے گھوڑے اونٹ اور گدھے انسان کے مختلف کام آتے ہیں یہ ہمارا اہم فرض ہے کہ ان کے دانے چارے اور رہنے سہنے کا احسن طور پر خیال رکھیں۔ ایک انسان اسی وقت انسان ہوسکتا ہے جب کہ اپنے ہم جنسوں اور دوسری بے زبان مخلوق پر مہربان رہے۔ رحمدلی کے وصف کو مدرسہ کے بچوں کے جو مستقبل میں شہری بنیں گے ذہن نشین کرانا چاہیئے۔ اگر اساتذہ راست ایس۔پی۔سی۔اے کے کام میں ہاتھ بٹائیں تو انجمن کی اہم خدمت ہو گی۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ رحمدلی کسی ادق اخلاقی اصول جیسے "جان نہ لو" سے سکھائی جاتی ہے بلکہ راست طریقوں سے وہ جانوروں پر رحمدلی کے برتاؤ کے لئے سہولتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ پہلے ہم بعض ان افعال کی طرف اشارہ کرینگے جو بچوں سے عموماً سرزد ہوتے ہیں۔

اولاً بعض لڑکے غلیل سے چڑیوں کا شکار کرتے ہیں۔

ثانیاً محض دل لگی کے لئے گدھوں کو ستاتے ہیں۔ غریب گدھے جو دھوبی کے اس قدر کام آتے ہیں اور خاموشی سے بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ان کی دموں پر خالی

ٹین کے ڈبے باندھ کر پٹاخے چھوڑتے جاتے ہیں۔ یہ غریب جانور خوف ودہشت کے مارے ادھر اُدھر بھاگا بھاگا پھرتا ہے اور لڑکے اس کی اس کرب و بے چینی سے انتہائی حظ اٹھاتے ہیں۔ یہ کس قدر ظالمانہ دل لگی ہے۔

ثالثاً بعض لڑکے بھونرے پکڑتے ہیں اور دھاگے سے باندھ کر ان کو ہوا میں اُڑاتے ہیں جس سے قدرت کے اس حسین مخلوق کو غیر ضروری تکلیف پہنچتی ہے۔

رابعاً طوطے اور کوؤں کو پکڑنا بھی عام ہے۔

ان تمام کھیلوں میں ظلم کا عنصر ہے بچوں کو ان کے خلاف ہدایت دینی چاہئے اور انھیں روکنا چاہئے۔

مدرسہ کی درسی کتابوں میں کتے اور گھوڑے جیسے جانوروں کی وفاداری نمایاں کرتے ہوئے بعض قصے لکھے گئے ہیں ہر موقع سے رحمدلی پر عمل پیرا ہونے کے لئے فائدہ اٹھانا چاہئے اسی وجہ سے اساتذہ کو بھی مدرسہ میں بید کا استعمال کرنا چاہئے نہ اور کوئی جسمانی سزا دینی چاہئے "نیو ایجوکیشنل تھیوریز" (New Educational Theories) میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ انقیاد محبت کی مدد سے قائم کرنا چاہئے نہ کہ ظلم سے۔ وہ دن ہمیشہ کے لئے گئے جب کہ استاد کا ڈنڈا عام طور پر استعمال میں آتا تھا۔ جسمانی سزا اب بجا طور پر غیر ضروری سمجھی جارہی ہے۔ اور متمدن ممالک میں اس کی روک تھام کی جارہی ہے کیونکہ وہ ان کو ظالم بناتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مقامی ایس۔ پی۔ سی۔ اے ریاست کی ہر زبان میں مضامین لکھنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس سال جو مضمون تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے "مجھے جانوروں پر مہربان رہنے کے لئے کیا کرنا چاہئے" مضمون نگار طلبار کو انعامات بھی دئے جاتے ہیں۔ گذشتہ سال جو مضمون دیا گیا تھا وہ یہ تھا "گدھے کا حزنیہ" اساتذہ طلبا کو کبھی کبھی دوا خانہ علاج حیوانات، بنجا پول اور دودھ گھر لے جائیں جہاں وہ براہ راست دیکھ سکتے ہیں کہ جانوروں سے رحمدلی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اگر وہ جھٹکے کے ٹٹوؤں کے جسم پر زخم دیکھیں تو فوراً اس کا نمبر بلدیہ نوٹ کرلیں اور اپنے مدرسہ کے صدر کو اطلاع دیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ اساتذہ ایس۔پی سی۔اے کے کام میں سہولتیں بہم پہونچائیں گے اور اس کے حصول مقصد میں مدد دیں گے جب کبھی انجمن کے خاص فلم دکھائے جائیں یا پبلک لکچر ہوں وہ آئیں اور مستفید ہوں۔ بچوں کو "رحم کا انعام" "پیش کرنے کا خیال بھی توجہ کا مستحق ہے۔

شہری مدارس تحتانیہ کا مقصد تعلیم

از

جناب محمد اکبر صاحب۔ صدر مدرس مدر تحتانیہ پہاڑی شریف بلدہ

نوٹ:۔ مضمون زیر نظر کے ماخذ۔ حیدرآباد ٹیچر۔ المعلم۔ مدارس ہند میں ابتدائی تعلیم۔ ابتدائی تعلیم کی رام کہانی۔ نفسیات تعلیمی۔ رپورٹ تعلیمی سنہ ۱۵، ۱۸، ۱۹ء

تعین مقصد بچہ کی مخصوص جبلتیں اس بات کی مقتضی ہیں کہ اس کی تربیت عین قدرت کے مطابق ہو۔

اس لئے میں بچے کے میلانات کو ہی مقصد تعلیم قرار دوں گا۔ اگرچہ ذیلی مقاصد اور بھی ہوسکتے ہیں جن کا بہت کچھ اپنے اپنے ملکی ماحول پر منحصر ہے اور وہ صرف ذریعہ تعلیم ہوسکتے ہیں۔

ذریعہ تعلیم کو مقصد تعلیم قرار دینا ایک بڑی غلطی ہوگی۔

حالیہ نظام تعلیم کے مقاصد مروجہ تعلیم سے مدرسہ اور ماحول میں جو ایک زبردست خلیج حائل ہوتا جارہا ہے اُس کے اِندفاع اور آیندہ ضروریات

کے مقتضا کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے موجودہ مقاصد میں کچھ اضافہ کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری کوششیں یہاں ہی ختم ہو جائیں تو ہم کو پھر اُسی نا امیدی کا چہرہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ بچے ابتدائی معلومات کے ساتھ مدرسہ کو خیرباد کہیں گے اور چند دنوں میں جو کچھ شُد بد ہوئی تھی حرف غلط کی طرح فراموش کر دیں گے اور پہلے کی طرح جاہل کے جاہل رہ جائیں گے جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ایسے تعلیمی وسائل تلاش کرنے ہونگے جس کی وجہ عمدہ دماغ رائیگاں نہ جائیں۔ وہ اپنے لکھنے پڑھنے، حساب میں مدرسہ کی مہیا کی ہوئی استعداد کا استعمال مدرسہ چھوڑنے کی حالت میں بھی صحیح طور پر بخوبی کر سکیں۔ زمین کا بوجھ بننے کے بجائے ہر ممکن طور پر ان سے ذاتی سعی کے جوہر نمایاں رہیں۔ اور جو لوگ حقیقی تعلیم کے فائدوں سے نا آشنا ہیں طلباء مدرسہ کو تعلیم سے کماحقہ مستفید دیکھ کر انہیں اپنے بچوں کو شریک مدرسہ کرانے اور تعلیم سے استفادہ کرنے کی ترغیب ہو۔ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ اب بچوں کے قویٰ کی تربیت قانون قدرت کے موافق (خواہ فطری ہو یا وضعی) ایسی ہو کہ وہ آیندہ زندگی میں اپنے قویٰ کا صحیح استعمال ہر قسم کے انسانی مشاغل میں بہ وجہ احسن کر سکیں اور بڑی حد تک مدرسہ اور ماحول میں مطابقت پیدا ہو جائے۔

(۱) ہمارے طلبہ نہ صرف بہتر شہری بلکہ ملک اور قوم کے مفید ارکان بن جائیں۔

(۲) ان میں باہمی تعاون۔ ہمدردی۔ خود اعتمادی بڑھے۔

(۳) ان کا یہ ایقان رہے کہ دنیا میں دیانت دار محنتی آدمی سے بڑھ کر کوئی بڑا اور شریف نہیں۔

(۴) ملک و مالک کے وفادار اور قوم کے سچے بہادر سپاہی رہیں۔

(۵) اپنے ماحول سے نفرت کرنے کے بجائے خلوص اور محبت سے اسی ماحول میں رہ کر اس کے گوناگوں شعبوں کی اصلاح کر سکیں۔

کیا موجودہ نظام تعلیم ان خصوصیات کا حامل نہیں؟۔ ہمارا موجودہ نظام بڑی

حد تک اپنے مقصد میں مکتفی ہے۔ البتہ اضافی مقاصد کے حصول کی رہبری کے لیئے نظر ثانی اور ایسی موزوں ترتیب کی ضرورت ہے کہ ماحول کی عام زندگی سے گہرا واسطہ ہو جائے۔

یہ میرا اپنا خیال ہے کہ اگر ہمارا طریق تعلیم صحیح رہے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہمارے مدارس باوجود گوناگوں تعلیمی مشاغل اور زائد از نصاب مصروفیات کے آج تک ان کے برکات سے محروم ہیں۔ جبکہ اسی نظام تعلیم کے بدولت دوسرے ممالک شاہ راہ ترقی پر گامزن ہیں۔

ضرور اس میں کوئی ایسی کمی ہے جس کی تلافی نصاب سے زیادہ طریق تعلیم سے ممکن ہے۔ کیونکہ تعلیم کا مقصد پڑھانا نہیں بلکہ بچوں کو یاد کرنے کا صحیح طریقہ بتلانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو اپنے دماغ اور اعصاب کے استعمال کا حق حاصل ہو اس پر دوسرے کا تصرف کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

ہمارا بچے کے دماغ اور اعصاب کا خود استعمال کرنا جسے تصرف بیجا کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا ہماری طریق تعلیم کا نمایاں نقص ہے۔

بچوں کے میکانی رجحان کی تربیت

وہ زمانہ گیا جبکہ تعلیم علم کی خاطر حاصل کی جاتی تھی آج ہر صف تعلیم میں معاشیات کا پہلو نمایاں ہے۔ گو یہ مسلمہ ہے کہ طبقۂ تحتانیہ کی حد تک کسی پیشہ کی تعلیم ماہرانہ طور پر ہرگز نہ دی جانی چاہیئے۔ مگر یہاں ہر ایسی تعلیم کا مقصد صرف ان کے قویٰ کی ایسی صحیح تربیت ہے کہ وہ ہر قسم کی محنت کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھیں اور اس کے وقار کو سمجھیں۔ تاآنکہ جامعی تعلیم کے باوجود بھی ان کو اس خیال سے مسرت ہو کہ انھوں نے جو کچھ تعلیم پائی ہے اُس کی وجہ سے ان کو غیر تعلیم یافتہ لوگوں پر ایک طرح کی فوقیت حاصل ہے۔

سررشتہ تعلیم نے طبقۂ تحتانیہ میں فنی یا زراعتی عملی تعلیم کے ساتھ دست کاری۔ ڈرائینگ۔ نیچر اسٹڈی۔ باغبانی جیسے مشاغل کی عام تعلیم اسی طرح دیے جانے کی

اجازت بھی دی ہے جس سے بچوں میں پیشوں کی طرف میلان پیدا ہو۔ اس لحاظ سے تو اب ہمیں بچوں کے میکانی رجحان کو پہلے سے زیادہ پالنا پوسنا پڑے گا۔ اور ان کے صحیح مشاہدہ اور تجربہ کی قوتوں کی پرورش بڑی عمر میں نہیں بلکہ ابتدا ہی سے کرنی ہوگی۔

اس منزل میں اس قسم کی درس و تدریس کے جاری کرنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں وہ صرف فطرت اطفال کے صحیح مطالعہ کی کمی کی بدولت ہیں۔

اب اس کے اجرا میں ہمیں اس بات کا خطرہ ہی نہیں ہونا چاہئے کہ بچے لکھنے پڑھنے اور حساب میں بے بہرہ رہیں گے جو اس طریقہ کا مقصد اعظم ہے۔ ان فطری مظاہر کے مطالعہ میں ان کو مجبوراً پڑھنے لکھنے۔ اور حساب کی کافی مشق ہو جائے گی جن کی انھیں ہر قدم پر شدید ضرورت ہوگی۔

رہا ان مشاغل کا باقاعدہ طور پر جاری ہونا بہت کچھ حالات اور مناسب طریق تعلیم کا محتاج ہے صرف ارادہ شرط ہے عمل کی راہیں خود بخود نکل آئیں گی۔

آج کا بچہ جو کل شہری ہوگا اس کو بھی ہماری طرح زندگی سے کشمکش رہے گی۔ مگر اس کی زندگی ہماری زندگی سے بہت مختلف ہوگی اس وقت اس کا تعلیم یافتہ کہلانا محض حافظے کی تربیت پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ وہی کہلائے گا جو کام کر سکے اور اپنے برتے پر سوچ سکے اور بین الاقوامی حیثیت حاصل کر سکے۔

اسی معیار پر۔ انگلستان۔ فرانس۔ امریکہ۔ جرمنی۔ جدید روس میں تحتانی تعلیم کی بنیادیں استوار کی جارہی ہیں۔ اگرچہ ان ممالک کا ماحول ہمارے ماحول سے بالکل جداگانہ حیثیت کا ہے۔ مگر تحتانی تعلیم کے مقاصد میں زیادہ گہری مغائرت نہیں۔

اس توضیح کے بعد آپ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ ہم نے ابتدائی تعلیم میں آیندہ کی ضرورتوں کا کوئی لحاظ نہ رکھ کر آنے والی نسلوں کی

زندگیوں کا خون کیا۔

حصول مقاصد کے ذرائع۔

(۱) تعلیم کے کسی مقبول طریقے کو بچے کے فطری لگاؤ اور سوسائٹی کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر رواج دیا جائے۔

(۲) بچپن کا زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہے ان کی تعلیم بطور کھیل کود قصہ۔ کہانی۔ تمثیل کے ذریعہ ہونی چاہئے۔

(۳) پہلے بچہ ہر چیز کو بہت قریب سے دیکھے۔ دوسرے اس کے بارے میں کتابیں پڑھے اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے سوالات کے حل میں استاد مدد کرے۔ چونکہ بچے ہر بات کو بطور خود سمجھنے کے شائق ہوتے ہیں اس لئے ان کے پورے حواس کی قوتوں کو اس طرح مصروف عمل رکھا جائے کہ ان میں صحیح مشاہدہ کرنے کی عادت راسخ ہو جائے۔

(۴) مدرسہ کا ماحول نفاست اور حسن کا نمونہ ہو۔ تاکہ طلبا میں نفاست اور حسن کا مذاق پیدا ہو۔

(۵) مدرسہ میں ان کی عمر کے لحاظ سے ایسے تفریحی سامان مہیا ہوں جو اسی ماحول سے علاقہ رکھنے والے ہوں جس میں مدرسہ واقع ہے۔

(۶) عام صحت اور جسمانی تربیت کی طرف خاص توجہ منعطف کی جائے۔

(۷) مدرسہ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت باغ ہو جس میں ایسے پھولوں پھلوں والے درخت لگائے جائیں جہاں بچوں کو زیر سما صاف ستھری ہوا میں قدرت کے مشاہدہ کا موقع ملے اور مدرسہ ایک کشش کا مرکز بن جائے۔

(۸) جغرافیہ ریاضی۔ نیچر اسٹڈی کے لئے عمدہ عمدہ نمونے تیار کرے تاکہ طلبا میں دلچسپی پیدا ہو۔

(۹) ڈرائینگ دستی مشاغل کے نمونہ جات کی نمائش ہونی چاہئے تاکہ ہوشیار طلباء کی ہمت افزائی اور دوسروں کی ترغیب کا باعث ہو۔

(۱۰) طلبار اور مدرسین تعطیلات میں تقریباً کسی قریب کے تاریخی مقام یا باغ کھیت یا کارخانہ چلے جائیں۔ اس خصوص میں اتنی احتیاط ضرور پیش خاطر رہے کہ قبل از قبل مقصد تفریح کا تعین کرلیا جائے۔ اور طلبار کو اپنے مشاہدات کا اظہار کا موقع دیا جائے۔

(۱۱) معلومات عام کی تعلیم میں ماحول کی معلومات زیادہ قابل لحاظ رہے مثلاً قدرتی۔ وضعی نظام ملک۔ آب وہوا۔ پیداوار۔ صنعت و حرفت۔ کارخانہ جات۔ درآمد و برآمد تقاریب وتہوار اور مشاہیر ملک کے خاص حالات۔ قوموں کا تہذیب وتمدن وغیرہ جن سے بچوں میں غور و فکر کے ساتھ ارادہ میں قوت اور عمل میں جان پیدا ہو جائے۔

(۱۲) راہ روی سے متعلق ضروری معلومات عملی طور پر بہم پہونچائی جائے۔ جس کی اہمیت میں دن بہ دن اضافہ ہی کی امید ہے۔

(۱۳) مشاغل تعلیمی میں سے کسی ایک شغل کو مذکورہ مقاصد کا مرکز قرار دیکر اگر نظام الاوقات تعلیم کا علاقہ قایم کرنے میں مدرسین وطلبار کی ہمدردی حاصل رہے تو بہت سی مشکلیں خود بخود آسان ہوجائیں گی۔

(۱۴) اپنی مدد اور اپنی عزت آپ کرنے کے صحیح طریقے نمونہ اور مثال کے ذریعہ سکھائے جائیں۔

(۱۵) لکھنے پڑھنے۔ حساب کی مشق میں اس طرح پختگی پیدا کی جائے کہ طلبار کو عام زندگی میں ان کی ضرورت کا احساس قوی تر ہو جائے۔

غرض ماہرین تعلیم کے اِن آزمودہ طریقہ ہائے تعلیم سے جو بھی موزوں اور مناسب حال معلوم ہو تقریباً عمل کیا جاسکتا ہے آیندہ ہمارا کام خود ہمارا اُستاد بن جائے گا۔
وما توفیقی إلّا باللّٰہ۔

مدارس نسواں میں تعلیم پکوان کی ترویج

از

جناب حسن علی صاحب ناظر مدارس ضلع نلگنڈہ

اغراض و مقاصد مغربی ممالک میں پکوان کا فریضہ طبقہ اناث کے سپرد نہیں لیکن پھر بھی ان ممالک میں طالبات کو مکمل بنانے کے لئے اس فن کی تعلیم ان پر لازم قرار دی گئی ہے برخلاف اس کے مشرقی ممالک میں یہ فریضہ بالکلیہ طبقہ نسواں سے متعلق ہے اس کے باوجود عام پستی کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت میں بھی بے اعتنائی برتی جارہی ہے جس کی وجہ سے لڑکیوں کو ازدواجی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً وہ کسی تقریب کے موقع پر روزمرہ کھانوں کو بہ کفایت خوش ذائقہ نہ تو خود پکا سکتی ہیں نہ پکوا سکتی ہیں۔ اور نہ ان کے اخراجات کا صحیح موازنہ کرسکتی ہیں جس سے ان کی فضول خرچی اور بدسلیقگی ظاہر ہوتی ہے اور لڑکی شوہر اور اس کے خاندان کی عام ناپسندیدگی کا شکار ہوجاتی ہے۔ اس کے سدباب کے لئے طبقہ اناث کے نصاب میں اس فن کو شریک کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پروگرام چونکہ مدارس تحتانیہ میں اول و دوم کی طالبات نہایت ہی کم عمر ہوتی ہیں ان کو مستثنیٰ کرکے جماعت ہائے سوم و چہارم کے لئے بطور نمونہ پروگرام ترتیب دے کر منسلک کردیا گیا ہے۔ فن دان معلمات بلحاظ فن یا مقامی حالات کے تحت ضروری ترمیم یا تبدیلی بھی کرسکتی ہیں۔ پروگرام متذکرہ میں ہر جماعت کے لئے ہر ماہ تین اقسام کے پکوان یعنی کھانے۔ سالن اور میٹھے مقرر کئے گئے ہیں۔ جماعت سوم کے لئے سستے آسان اور جماعت چہارم کے لئے

نسبتاً قیمتی، لذیذ اور مشکل ہیں۔ ہر ماہ کے دونوں جماعتوں کے مجموعی پکوان جو شریک پروگرام ہیں کسی معمولی تقریب یا روزمرہ استعمال کے لئے قریب قریب مکمل ہیں۔ اگر معمولی خرابی ظاہر ہو رہی ہو تو اس کے وجوہ یہ ہیں کہ ہر جماعت کی فیس مقررہ (جس کے متعلق آگے وضاحت کی جائے گی) ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ جن مہینوں میں اسلامی عیدیں یا تقریبیں واقع ہوتی ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پکوان کی ترتیب مندرجہ پروگرام میں موسموں کی موزونیت اس وجہ سے نظر انداز کی گئی ہے کہ بعض اشیاء کی فراہمی بلحاظ موزونیت موسم گراں پڑتی ہے جس کو موازنہ مقررہ برداشت نہ کر سکے گا۔ دونوں جماعتوں کا مجموعی نصاب اتنا ہے کہ اس کی تکمیل پر لڑکی آئندہ کسی رہنمائی کے بغیر اپنا یہ فریضہ ٹھیک طور پر انجام دے سکے گی۔

فیس اس فن کی نظری تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم بھی نہایت ضروری ہے جس کے لئے جماعت سوم میں فی طالبہ ۳ آنہ اور جماعت چہارم میں فی طالبہ ۴ آنہ اور فی معلمہ ۸ آنہ فیس وصول ہو تو ہر جماعت کے چار چار طالبات کے گروپ کرکے ہر ایک گروپ ماہواری تین پکوان یعنی کھانا۔ سالن و میٹھا عملاً ایک مرتبہ تیار کر سکے گا۔ اور ہر گروپ کی ہر چیز تیار شدہ اس قدر ہوگی کہ پانچ آدمیوں کو کافی ہو سکے اگر طالبات کے ورثاء کی معاشی حالت فیس کو المضاعف کرنے کی اجازت دے تو پروگرام ماہواری کے عملی سبق ہر ماہ دو مرتبہ ہو سکیں گے۔ جماعت سوم کے ہر گروپ کے تینوں پکوان پر تقریباً ۱۳۔ آنے (وصول شدہ از طالبات ۱۲۔ آنے از فیس معلمات یک آنہ) صرف ہوں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴ آنہ کھانا ۴ آنہ سالن ۵ آنہ میٹھا اور اسی طرح جماعت چہارم کے ہر گروپ پر تقریباً یکروپیہ ۸ آنہ (وصول شدہ از طالبات یکروپیہ از معلمات ۸ آنہ) صرف ہونگے۔ اس جماعت کے ہر ماہ کے تینوں پکوان سے ایک قیمتی اور بقیہ دو سستے مقرر ہیں۔ قیمتی پر ایک روپیہ ایک آنہ صرف کیا جا سکتا ہے بقیہ دو پر ۷ آنہ حسب صوابدید خرچ کئے جا سکتے ہیں۔ مچھلی کا سالن پوریاں وغیرہ جن مہینوں میں اس جماعت کے لئے

مقرر ہیں ان میں یہ بھی قیمتی بہ ظاہر اس وجہ سے معلوم ہو رہے ہیں کہ ان میں بھی گھی کا صرفہ ہو گا اس کے بجائے اس کی تکمیل بہ حدود موازنہ تیل سے بھی ہو سکے گی۔

یہاں پر یہ امر بہت وضاحت طلب ہے کہ اگر فیس ۳ آنہ ۴ آنہ ۸ آنہ متذکرہ وصول ہونے پر طالبات و معلماۃ ایک دفعہ اور المضاعف ہونے پر ہر مہینہ دو مرتبہ کھانا بھی کھا سکیں گی۔ یعنی تحصیل علم کے ساتھ شکم پری بھی ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے فیس کی ادائی دشوار نہ معلوم ہوگی۔ معلمات پر فیس کی ادائی اس وجہ سے بھی لازم کر دی گئی ہے کہ طالبات سے وصول شدہ فیس ناکافی ہوگی۔ اگر کسی جماعت کے کسی عملی سبق کے دن چار چار طالبات کے گروپ بنانے پر ایک دو یا تین طالبات رہ جاتی ہوں تو ان کے لئے مزید گروپ نہ بنایا جائے بلکہ ایسی فاضل تعداد کو دیگر گروپوں پر منقسم کر دیا جائے۔ اس طرح سے ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ فیس کی بچت ہوگی جو ۱۳ آنہ یا ایک روپیہ ۸ آنہ مقررہ اکائی میں حسب ضرورت زیادتی کے لئے کام آسکے گی یا دیگر ضروریات پر صرف کی جا سکتی ہے۔ جو طالبات بالکل نادار ہیں وہ بھی اسی طرح فیس دہندہ گروپوں پر منقسم ہو کر عملی تعلیم حاصل کریں گی۔ لیکن انھیں خورد و نوش کی اجازت نہ ملے گی۔ ہر گروپ کا تیار شدہ ایک ایک شخص کا فاضل کھانا معلمات۔ خادمات اور ایسے فیس دہندہ طالبات کے لئے کفایت کر سکے گا جو مکمل گروپ نہ بننے کی وجہ سے دیگر گروپوں پر منقسم ہو چکی ہیں۔

نظام الاوقات مدرسہ مدرسہ کے روزانہ سات پیریڈس ہوں تو جماعت سوم یا چہارم کے جملہ ہفتہ وار (۴۲) پیریڈ ہوں گے۔ جن کی تقسیم اس مضمون کو بھی شامل کرتے ہوئے حسب ذیل مناسب معلوم ہوتی ہے۔

زبان اول ۸۔ زبان دوم ۳۔ حساب ۵۔ دینیات عربی ۶۔ ڈرائنگ ۲ ڈرل ۳۔ معلومات ۲۔ سبق الاشیاء ۲۔ دستی مشاغل ۲۔ سوزن کاری ۲۔ پکوان ۳ (ہر مہینہ دو مرتبہ عملی پکوان کے لحاظ سے یہ تقسیم درست ہوگی) یعنی ہر دو ہفتوں میں پکوان کی نظری و عملی تعلیم کے لئے جملہ چھ پیریڈ ہوں گے جن میں سے پہلے تین پیریڈ میں علی الترتیب کھانے۔ سالن اور میٹھے کی نظری تعلیم ہوگی چوتھے پیریڈ میں نظری اسباق پر طالبات

اشارات اسباق نمونہ منسلکہ کے مطابق تیار کرلیں گی پانچویں پیریڈ میں تینوں پکوان کا عملی سبق ہوگا۔ مقامی بازار کے دن ساتواں پیریڈ اس کے لئے مختص ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ جماعت ہائے اول و دوم کو ایک پیریڈ قبل برخاست کر کے جملہ معلمات اس عملی کام کی نگرانی کے لئے مقرر ہوسکیں گی۔ اس طرح سے طالبات ڈیڑھ دو گھنٹے صرف کر کے تقریباً ایک یا ڈیڑھ بجے تک تینوں پکوان سے فارغ ہو کر تناول کرسکیں گی۔ چھٹا پیریڈ اسباق گذشتہ پر بلحاظ معیار و پروگرام جماعت حسابی سوالات مصرحہ نمونہ سبق کے مطابق حل کرانے کے لئے مختص رہے گا۔ بعض اوقات تعطیلات عام واقع ہونے سے ان مقررہ پیریڈ میں کمی ہو جائے گی۔ اگر ایسی صورت واقع ہورہی ہو تو اس موقع پر پروگرام مقررہ کی تکمیل کے لئے تین پیریڈ نظری تعلیم اور ایک عملی تعلیم کے لئے کافی متصور ہوگا۔ ہر عملی سبق کے موقع پر معززین یا مقامی عہدہ داران کی بیگمات سے کم از کم ایک کو مدعو کرنا ضروری ہے تاکہ بجٹ و پر سے متعلق حسابات کی جانچ کر کے پبلک کو مدرسہ کے کام پر اطمینان ہو سکے۔

دیگر مضامین سے ارتباط عام طور پر حساب کو خشک مضمون کہا جاتا ہے اور اس کی روزمرہ زندگی میں جو اہمیت ہے وہ معلوم نہیں کرائی جاتی اور سوالات بھی عموماً غیر مانوس و غیر ممالک کے ضروریات پر حاوی ہوتے ہیں بجائے اس کے اگر پکوان کے عملی سبق پر معیار جماعت کے مطابق حساب کے موزوں سوالات مرتب کر کے حل کرائے جائیں تو فن حساب کی اہمیت و ضرورت زیادہ واضح ہوجائے گی بطور نمونہ منسلکہ سبق پر چند سوالات درج ہیں۔ نظام الاوقات میں ریاضی کے لئے صرف پانچ پیریڈ دئے گئے ہیں، ایک پیریڈ کی کمی جو محسوس کی جارہی ہے اس کی اِس سے تلافی ہوسکے گی۔ عملی سبق میں جن جن برتنوں کو جیسے جیسے استعمال کیا جائے طالبات کو ان کا خاکہ بھی بنانا ہوگا۔ اس لحاظ سے اس فن میں ضمناً نقشہ کشی کی تعلیم بھی ہو جائے گی۔ عملی سبق میں مختلف اجناس۔ مچھلیوں اور مختلف دالوں کا طالبات کو مشاہدہ کرنا پڑے گا جو سبق الاشیاء کی تعلیم کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

ضروری برتن و دیگر لوازمات ہر گروپ اور پورے مدرسہ کے لئے جن برتنوں اور اشیاء کی ضرورت ہوگی ان کی بھی ایک فہرست منسلک کر دی گئی ہے اگر سررشتہ بوجہ عدم گنجائش فی الوقت ان کی فراہمی سے قاصر ہو تو ناظر صاحبان و مہتمم صاحبان اس کے اغراض و مقاصد مقامی معززین پر ظاہر فرما کر ان سے بطور عطیات حاصل کر کے مدارس کو مہیا کر سکیں گے۔ کم از کم مستقر اضلاع پر اس کے رواج کے امکانات ہیں۔

مجوزہ باورچی خانہ اس کے لئے بھی گراونڈ پلان کراس سکشن و ایلیویشن دیا گیا ہے۔ ہر گروپ کے لئے دو چولہے ہونگے اور ایک میز ایسی رہے گی جس کے نچلے حصہ میں اس کا مفوضہ سامان محفوظ کر دیا جائے گا۔

داد و ستد اشیاء مستقل و خام و دیگر ضروری رجسٹرات ابتدائی سال تعلیمی میں ہر گروپ کو اس کا ضروری مستقل و غیر مستقل سامان دے کر ختم سال پر واپس لے لیا جائے گا۔ دوران سال تعلیمی میں سامان مفوضہ کی کمی بیشی کی ذمہ داری بالکلیہ گروپ پر رہے گی۔ مدرسہ میں اس فن سے متعلق حسب ذیل رجسٹرات ہوں گے۔ ۱۔ رجسٹر سامان مستقل جس میں مستقل چیز کا نام، تعداد، حالت، قیمت اور فراہمی کی نوعیت درج رہے گی۔ ۲۔ غیر مستقل سامان کا رہے گا۔ اس میں بھی مندرجہ بالا ابواب ہوں گے۔ ۳۔ رجسٹر داد و ستد سامان بموجب نمونہ مروج رہے گا۔ ۴۔ کردی نقدی رہے گی جس میں ماہانہ عمل جمع از (تعداد طالبات) جماعت سوم از (تعداد طالبات) جماعت چہارم از (تعداد معلمات) مدرسہ ہو گا۔

مقدار رقم　　　　مقدار رقم　　　　مقدار رقم

اور صرفہ ہر دو ہفتہ وار یا ماہوار بحوالہ کردی خام تحریر ہو۔ ۵۔ رجسٹر کردی اشیاء خام ہو جس میں جمع کا عمل اس طرح ہو کہ ہر خام شئے کا نام مقدار نرخ و قیمت و نشان رسید چیک بک درج ہو۔ کسی تاریخ کی کردئی نقدی کا صرفہ اتنا ہی ہو جتنا کہ خام اشیاء کی کردی میں اس تاریخ کی مجموعی خام اشیاء کی قیمت جمع ہو اور خام اشیاء کا

صرفہ کردی میں بحوالہ مطلوبہ جات اجرا شدہ از گروپس تحریر ہو۔ طالبات اپنے پکوان سے متعلق خام اشیاء کے نام اور مقدار تحریر کر کے مطلوبہ جات تیار کریں گی۔ ۶۔ چکٹ بک رسائد۔ اس میں وہ رسائد چسپاں ہوں گے جن کے ذریعہ کردی خام میں اشیاء جمع ہوئی ہوں یا کردی نقدی کا صرفہ ہوا ہو۔ ۷۔ چکٹ بک مطلوبہ جات اس میں طالبات کے مطلوبہ جات بعد اجرائی بدرج قیمت چسپاں رہیں گے۔ ۸۔ ہر گروپ کے لئے ایک تختہ اس کے مقام پکوان پر آویزاں رہے گا جس میں اس کے پکوان کی خوبی یا خرابی یا ہدایات نگرانکار درج کردے گی جس سے گروپ اپنا آیندہ عملی سبق بہتر بنا سکے گا۔

[illegible]

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	〃	〃	〃	〃	〃
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]				

اشاراتِ سبق

نام جماعت　　　تاریخ　　　سبق　　　پھلکے
نام طالبہ　　　وقت

اشیاء گیہوں کا آٹا ایک سیر ۔ نمک ایک تولہ ۳ ماشہ ۔ لکڑی چار سیر
۲ آنہ ۸ پائی　　　پاؤ پائی　　　ایک آنہ

برتن وضروری لوازمات چھلنی ۔ سوپ ۔ توا ۔ گروا ۔ بیلن ۔ مشقاب ۔ دسترخوان تشتری ۔ رکابی ۔ چولہا ۔ پھکنی ۔ چمٹا ۔ لگن ۔ ایک ایک عدد ۔

پکوان عام برتنوں کو صاف ستھرے دھونے کے بعد آٹے کو چھلنی کرکے سوپ کی مدد سے آدھ پاؤ خشکی نکال کر تشتری میں رکھ لی گئی۔ لگن میں تھوڑا پانی ڈالکر نمک حل کر کے اس میں بقیہ آٹا پانی کے ساتھ گوندھ لیا گیا۔ اس پر انگلیوں سے گہرے نشانات بنا دیئے گئے ان پر کچھ پانی چھڑک کر رکابی ڈھانک کر تقریباً آدھ گھنٹہ رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد آدھی آدھی چھٹانک کے پیڑے بنائے گئے۔ گروے پر تھوڑی خشکی پھیلا کر پتلا بیل لیا گیا اس کے بعد توے پر جو چولہے پر کافی گرم ہو گیا تھا ڈالا گیا۔ تقریباً آدھ منٹ ایک رخ توے پر رہنے کے بعد اس کو الٹ دیا گیا۔ جب دونوں رخ اسی طرح کچھ پکنے کے بعد تھوڑی آگ چولہے سے باہر نکال کر اس پر اس کے دونوں رخ یکے بعد دیگرے اس حد تک سینک لیئے گئے کہ ان کا ہر رخ بادامی ہونے کے قریب ہو گیا اس موقع پر یہ کچھ پھول بھی جاتا ہے۔ اس کو دسترخوان میں لپیٹ کر مشقاب میں رکھ دیا گیا توے کو صاف کر کے اسی طرح بقیہ پھلکے تیار کر لئے گئے جملہ ۲۸ عدد پھلکے تیار ہوئے۔

قسم دیگر۔

چپاتی اگر آگ پر سینکنے کے بجائے صرف توے پر ہی کافی طور پر پکالیں تو اس کو چپاتی کہیں گے۔ بعض لوگ اُلٹے[1] توے پر بھی پکاتے ہیں۔

کافی ۔ پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہوئے۔

خواص ۔ زود ہضم۔ مقوی و معتدل۔

لاگت ۔ تین آنہ ۸ پائی۔

موزوں موسم ہر موسم میں ان کا استعمال مفید ہے لیکن موسم گرما میں پراٹھے یا روغنی روٹی کے بجائے ان کا استعمال بہت زیادہ مفید پڑتا ہے۔

نرخ مندرجہ سبق کے لحاظ سے

حسابی سوالات ۔ (۱) پچاس آدمیوں کو کافی ہونے کے لئے کس قدر اور کس قیمت کا آٹا خریدا جانا چاہئے

(۲) دو سیر تین پاؤ آٹے میں پھلکے مصرحہ سبق کتنے تیار ہو سکیں گے؟

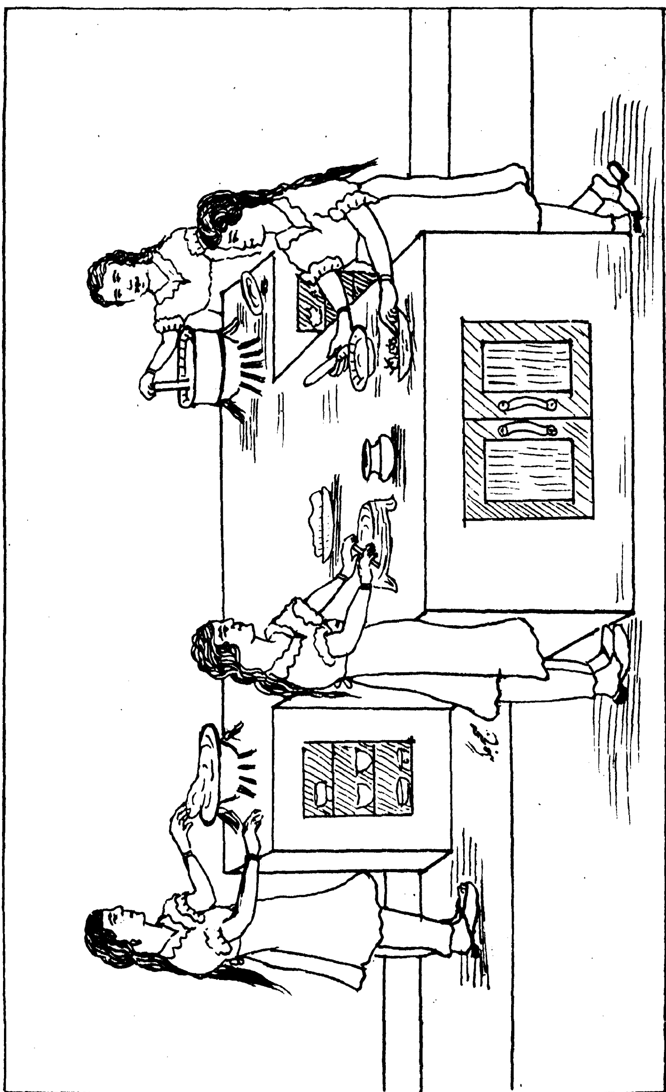
(۳) دو من دس سیر لکڑی کی کیا قیمت ہو گی؟

(۴) گیارہ روپیہ پانچ آنہ چار پائی لاگت سے کتنے پھلکے تیار ہونگے؟

(اس میں نمک کی قیمت شریک نہیں)

نوٹ ۔ گروپ کی ہر طالبہ سات سات پھلکے تیار کرے گی اور اشارات اسباق اس طرح تیار کریگی گویا کہ خود اسی نے پورا پکوان کیا۔ پکوان کی لاگت میں نمک کی قیمت نظرانداز اس وجہ سے کی گئی ہے کہ طالبات کسر سے واقف نہیں۔

[1] ۔ اگر توے کا اُبھرا ہوا رخ اوپر رہے تو دکن کی اصطلاح میں اسے اُلٹا توا کہتے ہیں مگر شمالی ہندوستان کے لوگ اسی کو سیدھا توا سمجھتے ہیں۔



فہرست سامان

ہر ایک گروپ سے متعلق ضروری سامان کی فہرست

نمبر شمار	نام شئے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴
۱	میز چوبی جس میں ضروری برتن محفوظ رکھنے کے لئے خانہ ہوں	۱	عـہ
۲	آہنی چولہا کلاں	۱	۴عہ/
۳	آہنی چولہا خورد	۱	عہ
۴	گردا معہ بیلن	ایک جوڑ	عہ
۵	توا	۱	۸/
۶	لگن مسی	۱	عہ
۷	مشقاب المیونیم	۱	۸/
۸	بگونا المیونیم معہ ڈھکن کلاں	۱	۸عہ/
۹	بگونا المیونیم معہ ڈھکن درمیانی	۱	عہ
۱۰	بگونا المونیم معہ ڈھکن خورد	۱	۱۲/
۱۱	رکابیاں المیونیم	۱	۴/
۱۲	تشتریاں المونیم	۲	۴/
۱۳	کٹورے المیونیم	۲	۸/
۱۴	کٹوریاں المیونیم	۲	۴/
۱۵	کفگیر	۱	۶/
۱۶	چھری	۱	عہ

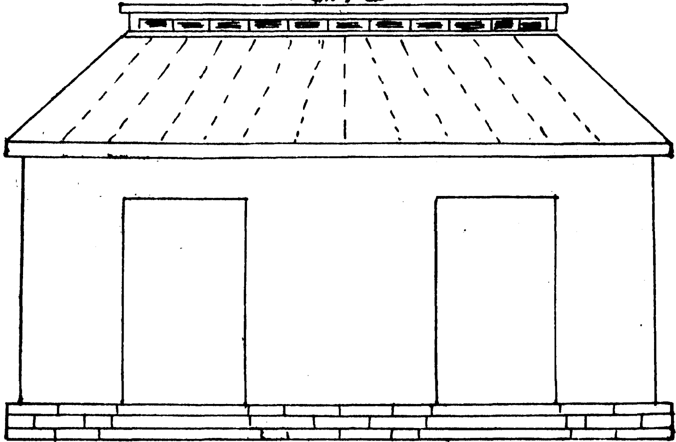
اگر جماعت سوم و چہارم میں ۵۰ طالبات ہوں تو انکے خورد و نوش و دیگر ضروریات کے لحاظ سے سامان کی فہرست

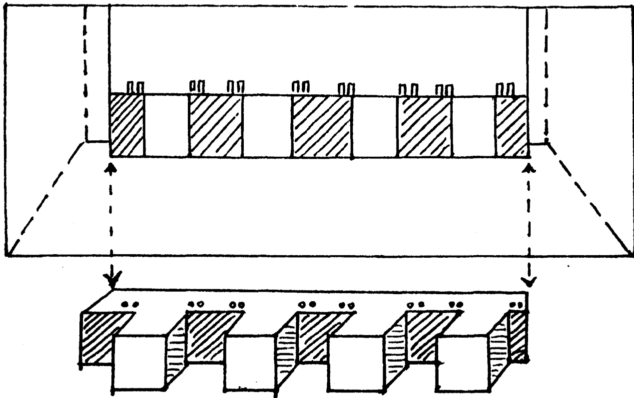
نمبر شمار	نام شئے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴
۱	الماریاں چوبی	۲	للعہ
۲	مشقاب المیونیم	۱۴	ےعہ
۳	رکابیاں المیونیم	۷ درجن	لعہ
۴	کٹورے کلاں المیونیم	۱½ درجن	ــــہے
۵	کٹورے درمیانی المیونیم	۱½ درجن	ـــے
۶	کٹورے خورد "	۱½ درجن	للعہ
۷	چمچے کلاں برائے مشقاب	۱۴	اعہ
۸	چمچے کلاں	۱½ درجن	عا/
۹	چمچے درمیانی	۱½ درجن	۱۲عہ/
۱۰	چمچے خورد	۱½ درجن	۸عہ/
۱۱	تشتریاں کلاں المیونیم	دو درجن	ـــے
۱۲	تشتریاں خورد "	تین درجن	ـــے
۱۳	شطرنجی کلاں	دو عدد	ـــہ
۱۴	چاندنیاں کلاں	دو عدد	ــــہے
۱۵	دسترخوان کلاں	دو عدد	للعہ
۱۶	ٹوٹی والے پیپے	دو عدد	لـے
۱۷	بیسن معہ اسٹانڈ	دو عدد	لـے

نمبر شمار	نام شے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴
۱۷	چمٹے	۲	۸ر
۱۸	پھکنی	۲	ار۴ہر
۱۹	سوپ	۱	ار
۲۰	ڈوئی	۳	ار۴ہر
۲۱	چمچہ خورد	۱	۲ر
۲۲	ٹوکری خورد	۱	۶ہر
۲۳	دسترخوان خورد	۱	۴ر
۲۴	دسترخوان دیگر	۱	۲ر
۲۵	گلاس المیونیم	۱	۵ر
	میزان		عیسہ ۱۱ر۳ہر

نمبر شمار	نام شے	تعداد	قیمت
۱	۲	۳	۴
۱۸	صابن دانیاں	دو عدد	۸ر
۱۹	توال	دو عدد	عہ ۸ر
۲۰	گلاس المیونیم	ایک درجن	صہ
۲۱	انڈے پھینٹنے کا آلہ	دو عدد	عاًصہ
۲۲	کیک کے سانچے	۴ درجن	سے
۲۳	بسکٹ کے سانچے	۴ درجن	عاًصہ
۲۴	آہنی کڑاہیاں	۳ عدد	سے
۲۵	دم داں	۴ عدد	للے
۲۶	مسل	۳ عدد	سے
۲۷	اکھلیاں	۳ عدد	سے
۲۸	سل بٹے	۲ عدد	عاًصہ
۲۹	سوپ	۴ عدد	۴ہر
۳۰	ٹوکریاں	۶ عدد	۴ر
۳۱	ٹوکرے	۶ عدد	۵ر
۳۲	چھلنیاں	۳ عدد	۹ر
۳۳	ہاون دستے	۲ عدد	عاًصہ
۳۴	پانی کے گھڑے	۱۲ عدد	۸ر
۳۵	صراحیاں	۶ عدد	۶ر
	میزان		مالعہ ۸ر

مدرسے کا باورچی خانہ





روئداد

مجلس تعلیم بالغان ملک سرکار عالی

جس کو

کل حیدرآباد تعلیمی کانفرنس کے لئے جو گلبرگہ[۱] میں ۲۲ اور ڈسمبر ۱۹۳۸ء کو منعقد ہوگی ایک ذیلی کمیٹی نے جو حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے تیار کیا ہے۔

صدر نشین	احمد حسین خاں
معتمد	سید نور الحسن
ارکان	(۱) عبدالستار سبحانی
	(۲) میر احمد علی خاں
	(۳) سالم بن سعید
	(۴) جی ییس پرکاش راؤ
	(۵) ٹی۔ اے۔ لنگم

۱۔ بعض ناگزیر اسباب سے کانفرنس مذکور گلبرگہ شریف میں منعقد نہ ہوسکی اور اس کے اجلاس بلدہ حیدرآباد میں بتاریخ یکم فروردی ۱۳۴۸ف ہوئے۔

روئداد ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان

(۱)

تقریر مولوی نور الحسن صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی۔ ڈپ ایڈ معتمد کمیٹی تعلیم بالغان

صدر محترم، خواتین وحضرات۔

بروز جمعہ مورخہ یکم فروری ۱۳۴۸ف انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی دوسری سالانہ کانفرنس کے میقات دوم میں ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان کی مبسوط رپورٹ میں (سید نور الحسن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ڈپ۔ ایڈ گلاس گو) صدر فوقانیہ دار الشفا و معتمد ذیلی کمیٹی) نے پڑھی۔ جلسہ ٹھیک دو بجے بصدارت جناب مولوی احمد حسین خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ شروع ہوا۔ سامعین نے نہایت سکون اور اطمینان سے تقریباً نصف گھنٹہ رپورٹ کے اہم اقتباسات سماعت فرمائے۔

بعد ازاں قابل صدر نے ایوان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو حضرات رپورٹ سے متعلق اپنے شکوک رفع کرنا چاہیں یا ترمیمات پیش فرمانا چاہیں تشریف لاسکتے ہیں۔ سب سے پہلے جناب مولوی ابو الحسن صاحب بی۔ اے، ال۔ ٹی صدر مہتمم تعلیمات ورنگل تشریف لائے موصوف نے چند ترمیمات پیش فرمائیں۔ مثلاً مدارس نسوان کے بجائے مدارس اُناث کہا جانا مناسب ہے۔ مذہبی تعلیم کا لفظ رپورٹ میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا اگر مذہبی تعلیم کے بجائے دینیات اور اخلاقیات کے لفظ استعمال کئے جائیں۔ انجمن امداد باہمی سے تعلیم بالغان میں مدد لی جائے۔ فی مدرسہ اخراجات کی اسکیل بجائے پندرہ ۱۵ روپیہ قطعی طور پر مقرر کرنے کے پندرہ ۱۵ روپیوں تک کہنا مناسب ہے۔

وقت کا تعین کر دیا جائے۔ یعنی یہ کہ مدارس بالغان شبینہ ہوں۔

صدر محترم نے نہایت موثر الفاظ میں جناب مولوی ابوالحسن صاحب کی تشفی فرمادی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مدارس نسوان اور مدارس اُناث دونوں الفاظ رائج ہیں مدارس نسوان کا لفظ سہل اور عام فہم ہے لہذا اس لفظ کے قائم رکھنے میں غالباً کوئی خاص قباحت نہیں۔ دوسری ترمیم یعنے مذہبی تعلیم کی جگہ دینیات و اخلاقیات کے الفاظ رکھے جاسکتے ہیں لہذا یہ ترمیم ایوان کے ایما سے منظور کی گئی۔

انجمن امداد باہمی سے تعلیم بالغان کی توسیع اور ترویج کے لئے مدد لینا ازبس ضروری ہے۔ لیکن اس کا ذکر چونکہ رپورٹ میں کیا جا چکا ہے لہذا یہ ترمیم خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

پندرہ (۱۵) روپیہ کی رقم کمیٹی نے نہایت غور و خوص کے بعد مقرر کی ہے۔ ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے "تک" کا لفظ بڑھانے کے یہ معنیٰ ہونگے کہ پانچ (۵) دس (۱۰) روپیوں کی قلیل رقم سے مدارس بالغان چلانے کی کوشش کی جائے جس سے بجائے فائدہ کے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

وقت کا تعین اس لئے نہیں کیا گیا کہ مختلف مقامات کے حالات کے لحاظ سے جس وقت بھی سہولت ہو تعلیم بالغان کے لئے دو گھنٹے دئے جائیں۔ وقت کا تعین معلم اور متعلمین کی صواب دید پر چھوڑنا مناسب ہے۔

اس کے بعد جناب مولوی شمس الدین صاحب تشریف لائے آپ نے مذہبی تعلیم کو تعلیم بالغان کے لئے نہ صرف ضروری سمجھا بلکہ یہ تحریک پیش فرمائی کہ تعلیم بالغان مذہبی تعلیم ہی کے ذریعہ دی جائے۔ اس تحریک کی کسی نے تائید نہیں کی۔

جناب مولوی سید علی اکبر صاحب نے سفارش نشان تین (۳) کے آخری جزو میں حسب ذیل الفاظ بڑھانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

جو مدارس بالغان خاص فرقہ کے لئے قائم ہوں ان میں بہ حصول اجازت

دینیات و اخلاقیات کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ رپورٹ میں صراحت کے ساتھ اس امر کا ذکر کیا گیا تھا لیکن طباعت میں سفارش نشان تین سے میں چونکہ کچھ الفاظ رہ گئے تھے لہذا حسبہ تصیح کر لی گئی۔

جناب میر احمد علی خاں صاحب نے تحریک پیش فرمائی کہ " ایک مرکزی بورڈ قائم کیا جائے جو پبلک سررشتہ تعلیمات اور دیگر سررشتہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ہو اور ان کی شاخیں اضلاع میں قائم کی جائیں تاکہ تعلیم بالغان کے اہم کام کو خاطر خواہ طور پر چلایا جاسکے۔

اس تحریک کو ایوان نے بہت پسند کیا۔ اور رپورٹ ہذا کے سفارشات کی فہرست میں اس تحریک کا بھی اضافہ کیا گیا۔

آخر میں عالی جناب مولوی سید علی اکبر صاحب نے اپنے خاص اور موثر انداز میں رپورٹ کی ستائش کرتے ہوئے تعلیم بالغان کی ذیلی کمیٹی کے صدر اور ارکان کو مکمل اور مبسوط رپورٹ کے پیش کرنے پر مبارک باد دی اور منظوری رپورٹ کی تحریک پیش فرمائی۔ جناب مولوی خیرات علی صاحب نے اس تحریک کی تائید فرمائی۔ رپورٹ مذکورہ ترمیمات کے ساتھ باتفاق آرا منظور کی گئی۔

رپورٹ مجلس تعلیم بالغان

(۲)

تعلیم بالغان کا مفہوم ہر اس قسم کی تعلیمی تحریک پر حاوی ہے جو ایسے عمر اشخاص کی ذہنی فلاح و ترقی کی ضامن ہو جنھوں نے اپنی صغیر سنی کے زمانے میں باضابطہ تعلیم مدرسہ میں پائی ہو یا نہ پائی ہو۔ وسیع معنوں میں ابجد خوانی کی تعلیم سے لے کر ہر قسم کی تعلیمی تحریک تعلیم بالغان کے ضمن میں آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ فارغ التحصیل طیلسانیوں کے لئے توسیعی جامعی لکچر بھی ممالک متحدہ امریکہ جیسے ملک میں تعلیم بالغان کے لفظ میں مختلف انجمنیں اور مجلسیں جن کا واحد مقصد تمدنی زندگی کی نشو و نما اور ترقی ہے آجاتی ہیں۔ لیکن اس قدر عام اور وسیع تعریف ہمارے موجودہ کام میں کسی قسم کی عملی رہنمائی نہیں کرسکتی۔ خصوصاً جب ہم تعلیم بالغان کی ایک اسکیم ایسے ملک کے لئے مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ بالغوں کی آبادی میں ہر سو میں (۸) پڑھے لکھے ہوں۔ اسی وجہ سے تعلیم بالغان کی تحریک ہندوستان میں خصوصاً موجودہ زمانہ میں کم و بیش جہالت کو مٹانے کے مترادف ہے۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ جہالت کا مٹانا بذاتہ تعلیم نہیں ہے برخلاف اس کے یہ ماننا پڑیگا کہ ابجد خوانی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

تعلیم بالغان کی تجاویز کی بہتات کی وجہ سے یہ امر ضروری ہے کہ ہم ایک خاص منتخب شدہ اور قابل عمل تجویز تعلیم بالغان کی پیش کریں۔ اس لحاظ سے ہمارے لئے تعلیم بالغان بغیر ابجد خوانی کے سراب آسا اور صرف تمدن کو ترقی دینے والی چیز نہیں ہوسکتی اور نہ صرف بالغ لوگوں میں عام روشن خیالی پھیلانے کی جد و جہد کا نام تعلیم بالغان ہوسکتا ہے۔ بلکہ خاص اسکیم ان بالغ اشخاص کو ابجد خواں بنانے کے لئے

مرتب کرنا چاہیئے۔ جنہیں اپنی کم سنی میں تعلیم پانے کا موقع نہیں ملا۔

اس اسکیم کے مدنظر بالغ اس کو کہا جائے گا جو (۱۵) اور (۴۰) برس کی عمر کے درمیان ہو۔ کیونکہ جن کی عمر (۱۵) برس سے کم ہے ان کو عام مدارس میں جانا چاہیئے۔ چالیس سے متجاوز عمر کے لوگ عموماً تعلیم حاصل کرنے کے متمنی نہیں ہوتے نہ علم کی تحصیل کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے مدارس میں تعلیم پڑھنے لکھنے اور حساب تک محدود رہے گی۔ ایک حد تک عام معلومات سے روشناس کیا جائے جو بالغ اشخاص کے لئے مفید ہوں جو روزمرہ کی زندگی میں کارآمد ہوں و نیز خود ان کے لئے اور سماج کے لئے جس میں وہ زندگی بسر کر رہے ہیں مفید ہوں روشناس کیا جائے۔ ان مدارس میں جو کام کیا جائے گا وہ دوسرے اداروں مثلاً انجمن اتحاد باہمی یا ترقی دیہی کا محتاج نہیں رہے گا۔ برخلاف اس کے یہ بالغ لوگوں کو عام تعلیم دیگر ان انجمنوں یا جمیعتوں کے لئے پیش از پیش زمین تیار کرے گا۔ موجودہ حالات کے تحت اس سے زیادہ وسیع اور اہم کام ہماری اسکیم میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ تعلیم بالغان مغرب کے ترقی یافتہ اور متمدن ممالک میں تحریک تعلیم بالغان کی تاریخ گو سبق آموز ہے لیکن ہماری عملی رہنمائی سے قاصر ہے۔ لیکن اس کی تاریخ روس ترکی اور جاپان میں ہمارے لئے واقعی دلچسپ ہے۔ یہ ہیں وہ ممالک جہاں کچھ عرصہ پہلے ناخواندہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ان ممالک کی حکومتوں نے ایسی سر توڑ کوششیں ناخواندگی کے مٹانے کی کیں کہ ربع صدی کی قلیل مدت میں وہ ناخواندگی کو اپنے ملکوں سے مٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان ملکوں کی مثالیں ہمارے لئے سبق آموز ہونی چاہئیں۔ اور ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ان طریقوں کا مطالعہ کریں جن پر عمل پیرا ہو کر انھیں ایسی نمایاں کامیابی ہوئی۔ ہمارا مسئلہ جس عاجلانہ حل کا آج متقاضی ہے یہ دشواریاں آج سے بیس سال پہلے ان کے سد راہ نہ تھیں ڈاکٹر پی۔ سی لال جو ٹیگور کے قایم کردہ ادارہ تری نیکیتان سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں "تعلیم بالغان گو اس نام سے موسوم نہیں تھی تاہم زمانہ قدیم میں بھی

ہندوستان میں موجود تھی بلکہ اس کا وجود اس وقت سے ہے جب کہ لکھنے کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا اس کام کو تکمیل کو پہونچانے کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے جاتے تھے مثلاً گاؤں کے بھاٹ۔ قصہ گو۔ مذہبی آوپرا (یعنی عبائی تمثیل"۔ تھیٹر۔ ہفتہ واری بازار۔ اور دیہی میلے"۔ صاحب موصوف کا خیال ہے کہ ہندوستان کے حالات کے مدنظر اب بھی یہ ذرائع تعلیم بالغان کی ترویج و توسیع کے لئے موجود ہیں اور ان کو اُلٹ پھیر کر کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن مروجہ معنی میں تحریک بالغان ہندوستان میں حال ہی کی پیداوار ہے۔ ایک نقطۂ نظر سے یہ امر اب تک مشتبہ ہے کہ آیا منظم طور پر تعلیم بالغان ہندوستان میں شروع بھی ہوئی ہے ؟

تعلیم یافتہ گروہ نے یقیناً تعلیم بالغان کی اہمیت اور ضرورت محسوس کرنا شروع کی ہے لیکن عوام جن کے لئے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے اب تک اپنی کھال میں مست ہیں۔ اور تعلیم کے مفید نتائج سے بے خبر ہیں۔

دیگر ممالک اور ہندوستان کی تعلیم بالغان میں بھی فرق ہے۔ مغرب میں پہلا قدم خود عوام نے اُٹھایا۔ اور اسی وجہ سے یہ تحریک بہت جلد مقبول ہوئی اس کے برخلاف ہندوستان میں عوام مشکل ہی سے کسی قسم کی دلچسپی لیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں اُلجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

بہر حال مختلف صوبوں میں اسکیمیں جاری ہیں اور اس امر پر تبادلۂ خیالات کے لئے کانفرنسیں منعقد ہورہی ہیں تاکہ اس پر غور کیا جاسکے کہ ملک میں تعلیم بالغان کی ترویج اور توسیع کے کیا ذرائع اختیار کئے جائیں۔ ایک مرکزی انجمن ہندوستان کے لئے جو کہ ہندوستانی تعلیم بالغان کی انجمن کہی جاتی ہے۔ حال ہی میں قایم کی گئی ہے اور انگلستان کی قومی تعلیم بالغان کی جماعت بھی ہندوستان میں تعلیم بالغان کے پھیلانے کی سعی کر رہی ہے تعلیم بالغان کی عالمگیر انجمن نے ۱۹۲۹ء میں ان حضرات کی ایک گول میز کانفرنس طلب کی تھی جن کو ہندوستان میں تعلیم بالغان سے کچھ دلچسپی ہو اور اس کانفرنس نے چند ابتدائی مسائل پر بحث و تمحیص

بھی کی۔ گو ہم ان تمام ابتدائی کوششوں کا جو ہندوستان میں تعلیم بالغان کی خاطر کی گئیں خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ابتداء خود ہندوستانیوں سے ہونی چاہئے اور اس کام کی کامیابی کا سہرا خود دیسی ہندوستانیوں کے سر ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں تعلیم اگر دوبارہ جنم لے سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ ہمارا طریقہ کار خالص ہندوستانی ہو اور جو ہندوستانی خیالات میں قطعی رنگ جائے اور جو ہندوستانی مردوں اور عورتوں کی مخلصانہ خدمت کا نتیجہ ہو۔

شعوری اور منظم حیثیت سے تعلیم بالغان کی ابتداء کا پتا غالباً جنگ عظیم کے اختتام سے چلتا ہے۔ اب تک جو کام کیا گیا اس کی بابت انگلستان کی قومی تعلیم بالغان کی انجمن یہ رائے رکھتی ہے کہ "چند سال تک کچھ صوبہ جاتی حکومتیں ہندوستانی ریاستیں اور بلدیات بالغ لوگوں کی ناخواندگی کو مٹانے کی کوشش کرتی رہیں لیکن ایسی تحریکیں اب کمزور پڑ رہی ہیں۔"

لیکن حال ہی میں تعلیم بالغان کے معاملات میں از سر نو دلچسپی لی جا رہی ہے۔ مثلاً حکومت بنگال گشتی نمائش کا انتظام کر رہی ہے تاکہ تعلیم بالغان کو بنگال کے دیہاتوں میں پھیلایا جا سکے۔ حکومت بمبئی نے حال ہی میں ایک با اثر کمیٹی اپنے صوبہ میں تعلیم بالغان کے کام پر رپورٹ پیش کرنے کے لئے مقرر کی ہے۔

کل ہند تعلیمی کانفرنس میں بھی ایک شاخ تعلیم بالغان کے لئے مختص ہے جو کئی سال سے ضروری کام کر رہی ہے۔ اور ہندوستان کے ماہران تعلیم کے سامنے تعلیم بالغان کی فوری ضرورت اور اس کے کام میں ارتباط کی سخت اہمیت محسوس کراتی رہتی ہے۔

بمبئی کی صوبہ جاتی انجمن تعلیم بالغان جو ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئی کارخانوں کے مزدوروں میں خواندگی پھیلا رہی ہے اور ان کے لئے کتب خانوں وغیرہ کی تنظیم کر رہی ہے۔

بمبئی کے ڈاکٹر بی۔ پی۔ ہیوالی نے تمام مرہٹی بولنے والے عیسائیوں کے لئے

یہ نصب العین پیش کیا کہ دوسری مردم شماری یعنی سنہ ۱۹۴۱ء تک خواندہ بن جائیں یہی نصب العین وسیع ہوکر " قومی عیسائی مجلس " کے اتحاد عمل کے ساتھ یہ نعرہ بن گیا۔ "ہر عیسائی سنہ ۱۹۴۱ء میں خواندہ ہو"۔ بنگال کے لئے اس میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ اس طرح پر کہ کل بنگال مہم خواندگی " کے اس نصب العین کے ساتھ اس سال یعنی سنہ ۱۹۴۱ء تک خواندہ بن جانا چاہئے۔

اس کے بعد ہی " انجمن تعلیم بالغان بنگالہ " قایم ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر ٹیگور نے قبول فرمائی ہے۔ جنوبی ہند میں " کانفرنس تعلیم بالغان جنوبی ہند " کی تنظیم عمل میں آرہی ہے۔ بین الجامعاتی مجلس کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سترہ ہندوستانی جامعات نے ان امور کا مطالعہ کرنے کے لئے بطیب خاطر اشتراک عمل کی رضامندی ظاہر کی ہے۔ جن کا بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق عوام کی فلاح و بہبود سے ہے تعلیم بالغان ہند کی جد و جہد کی حوصلہ افزائی اور اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے حال ہی میں دہلی میں " انجمن تعلیم بالغان ہند " قایم ہوئی ہے اس مقصد کے حصول کے لئے انجمن مذکور کی جانب سے صوبہ جاتی انجمنوں کے قیام کی کوشش کی جارہی ہے۔ صوبہ دہلی میں مذکورہ انجمن فنون اور پیشوں کی تعلیم۔ لاسلکی تقاریر موسیقی اور اجتماعی تعلیم وغیرہ کے ذرائع سے تعلیم بالغان کو پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے تعلیم بالغان کی انجمنیں مختلف مراکز میں قایم کی گئی ہیں اور ان کا الحاق " انجمن تعلیم بالغان ہند دہلی " سے عمل میں آیا ہے۔

اب ہم ملک سرکار عالی کے مسئلہ تعلیم بالغان پر نظر ڈالتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۵ء تا سنہ ۱۹۲۶ء میں پہلی مرتبہ تین مدارس تعلیم بالغان ریاست حیدر آباد میں ایک خانگی ادارہ کے زیر نگرانی قایم ہوئے۔ ان مدارس کے طلباء کی تعداد (۱۷) تھی۔ ان کے قیام کا مقصد بالغ ناخواندہ اشخاص میں تعلیم کی اشاعت تھا۔ سنہ ۱۹۳۰ء؁ سنہ ۱۹۳۱ء تک یہ تحریک اضلاع میں پھیل گئی سنہ ۱۹۳۴ء؁ سنہ ۳۵ء تک (۴۹) مدارس بالغان (۱۹ بلدہ میں اور ۳۰ اضلاع میں) قایم کئے گئے۔ ان میں (۲۵) امدادی اور باقی غیر امدادی

مسلمہ ادارے تھے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں طلبا زیر تعلیم کی جملہ تعداد (۱۷،۶۱) تھی۔

مدارس بالغان کو منظم کرنے اور چلانے کے لئے ۴۴-۱۹۴۳ء میں خاص قواعد وضوابط کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس خصوص میں صرف اس حد تک کام ہوا جیسا کہ جناب مولوی سید علی اکبر صاحب "ترقی تعلیم بدور حکومت آصف جاہ سابع" میں فرماتے ہیں" افسوس کہ عوام نے اس تحریک میں اس دلچسپی کا اظہار نہیں کیا جس کی یہ تحریک مستحق ہے اور جو اس کی عاجلانہ ترقی کے لئے ضروری ہے"۔

باوجود اس کے اس قسم کی علامتیں پائی جاتی ہیں کہ ملک کے دوسرے حصوں میں تعلیم بالغان کو منظم کرنے کا عام اور گہرا احساس ہے اور یہ کہ خانگی اداروں کی جانب سے پیغام تعلیم کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر چونکہ اس خصوص میں کوئی باقاعدہ اور منظم کوشش نہیں کی جارہی ہے۔ اس لئے جوش اور توانائی کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے لہذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ان کوششوں کو مثل "انجمن تعلیم بالغان ہند" کے ایک مرکزی نظام کے تحت جمع کیا جائے۔ ایسے مرکزی ادارے کا قیام نہ صرف ان انجمنوں کو ان کی حد تک عمل اور تجربہ میں آزادی دیگا بلکہ پورے ملک کے لئے تعلیم بالغان کا ایک عام بنیادی مقصد اور طریقہ کار مہیا کرے گا۔ لہذا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اس کام کو بہ عجلت ممکنہ شروع کیا جائے۔ تاکہ مختلف ادارے مختلف اصول وطریق اختیار کرکے غیر منظم اور پریشان کن نتائج اختیار نہ کریں۔ چونکہ تعلیم بالغان کی مہم ہمارے ملک میں ابھی عالم طفلی میں ہے اس لئے اس کو ابتدا ہی سے صحیح اور واضح نہج پر چلانا مناسب ہوگا۔ توقع ہے کہ اس قسم کا ارتباط مستقبل قریب میں حاصل ہوگا۔ اس امر سے ہویدا ہے کہ تحریک تعلیم بالغان کے سلسلہ میں جس قدر بھی انجمنیں کام کررہی ہیں وہ سب "انجمن تعلیم بالغان ہند" سے ملحق ہیں۔ ایک اور زیادہ امید افزا صورت جس سے تعلیم بالغان کے مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالی جاسکتی ہے اور جس سے ہندوستان میں اس مسئلہ کو ایک نمایاں حیثیت دی جاسکتی ہے " کانفرنس تعلیم بالغان کل ہند"

کے اس جلسہ میں مضمر ہے جو مارچ ۱۹۳۸ء میں بہ مقام دہلی منعقد ہوا۔اس اجتماع کا ایک نتیجہ " کانفرنس تعلیم کل ہند" کی کمیٹی کا قیام تھا جس کا کام ہندوستان میں تعلیم بالغان کی موجودہ جدوجہد کے متعلق مواد فراہم کرنا۔ مرد اور عورتوں کی اس خصوص میں دلچسپیوں اور شخصی خدمات کا علم حاصل کرنا۔ پرچہ اخبار (News sheet) شائع کرنا اور تعلیم بالغان کے ان طریقوں پر ایک عام نظر ڈالنا جو کامیابی کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں بروئے عمل لائے جاسکتے ہیں۔ دوسری کانفرنس ۱۹۳۹ء کے اوائل میں صوبہ متوسط میں منعقد ہوگی۔ مذکور الصدر کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان ہیں۔

یہ معلوم کرکے ہمیں بے حد مسرت ہوئی کہ اس کمیٹی کے نائبین میں ہز ہائنس شاہزادہ برار بھی ہیں کسی اسکیم کے بنانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی وسعت معلوم کرلی جائے۔ اس لئے کہ اس کا مدت نصاب کے مسئلہ سے گہرا اور اہم تعلق ہے۔ ہم پہلے ہندوستان کے عام حالات پر غور کریں گے تاکہ وہ حیدرآباد کے حالات کے مطالعہ میں پس منظر کا کام دے ڈاکٹر لاؤ باخ (Law Bacb) فرماتے ہیں کہ دنیا کی آبادی کا زاید از نصف حصہ یعنی ایک ارب سے زاید لوگ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ان خواندوں کی ۲/۳ ایشیا میں ہے جن میں سے (۳۵) کروڑ چین میں اور (۳۴) کروڑ ہندوستان میں ہے ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کی پوری آبادی (۳۵۰) کروڑ تھی۔ناخواندوں کی باقی تعداد بالخصوص افریقہ، جنوبی امریکہ اور جزائر بحرالکاہل میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ گزشتہ دس سال میں دنیا میں (۴) فی صد خواندہ اشخاص کا اضافہ ہوا ہے لیکن اسی عرصہ میں ہندوستان میں صرف ایک فی صد کا اضافہ ہوا ہے۔ہندوستان میں (۹۲) فی صد لوگ ناخواندہ ہیں۔ ہندوستان جس رفتار سے ترقی کررہا ہے۔اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس حساب سے خواندگی میں چین جیسے پسماندہ ملک کے برابر ہونے کے لئے اس کو ہزار سال درکار ہونگے۔

اب ہم ریاست حیدرآباد کے اعداد وشمار پر تفصیل کے ساتھ غور کریں گے درج ذیل

گوشوارہ میں سنہ ۱۹۳۱ء کے حقیقی اور سنہ ۱۹۴۱ء کے تخمینی اعداد درج کئے جاتے ہیں۔ ذیل کے نقشہ میں ریاست حیدرآباد کی آبادی عمر کے اعتبار سے بتائی گئی ہے سنہ ۱۹۳۱ء کے اعداد وشمار مردم شماری کی روئداد سے لئے گئے ہیں اور قریب ترین لاکھ کے ہندسوں میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۱ء کے اعداد تخمینی اور آبادی کے اختلاف اور پسماندگی کی شرح پر مبنی ہیں۔

سال	پانچ سال سے کم عمر بچے	۵-۱۵ سال کے عمر کے بچے (قابل خواندگی عمر)	۱۵-۴۰ عمری اشخاص (قابل تعلیم بالغان)	۴۰ سال سے زیادہ کے لوگ	ریاست کی جملہ آبادی	مدرسہ میں زیر تعلیم بچے	[illegible]
سنہ ۱۹۳۱ء	۲۴	۳۳	۵۹	۲۸	۱۴۴	۲ ۳/۴	۶
سنہ ۱۹۴۱ء	۲۶	۳۶	۶۳	۳۰	۱۵۵	۵	۹

سنہ ۱۹۴۱ء کی تخمینی جملہ (۱۵۵) لاکھ آبادی میں سے:-

(۱) (۵) لاکھ مدرسہ میں زیر تعلیم ہونگے۔

(۲) (۲۶) لاکھ (۵) سال سے کم ہونگے۔

(۳) (۳۱) لاکھ (۳۶ یعنی ۵ لاکھ مدرسہ میں زیر تعلیم[5] اور (۱۵) سال کی عمر کے درمیان۔

(۴) (۳۰) لاکھ اشخاص (۴۰) سال کی عمر سے متجاوز ہوں گے اور اس وجہ سے آسانی سے خواندہ نہیں بنائے جاسکیں گے۔

(۵) ۶۳ (۳ ۶ یعنی ۳ لاکھ تخمینی خواندہ اشخاص کی تعداد بالغان ۱۵ سے ۴۰ سال کی عمر کے جملہ تعداد (۱۵۵) لاکھ۔

اسی رو سے ہم ۳۱ لاکھ بچے ۵ اور ۱۵ کی عمر کے اور ۶۰ لاکھ اشخاص ۱۵ اور ۴۰ سال کی عمر کے پاتے ہیں ان کی تعلیم کا انتظام کرنا ہے۔

اول ۳۱ لاکھ کی تعداد جبریہ ابتدائی تعلیم کے حامیوں کے لئے چھوڑنے کے

بعد ہمارے پاس (۶۰) لاکھ بالغان باقی رہ جاتے ہیں جنہیں خواندہ بنانا ہے۔ ان اشخاص کو خواندہ بنانے کے کام کے لئے ہمیں کتنے وسیع پیمانہ پر ساز و سامان مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ سرمایہ کارندے اور تنظیم۔ فرض کیجئے کہ ایک ہزار مدارس جن میں سے ہر ایک میں (۵۰) بالغان کا اوسط ہو اور سال بہ سال یکساں جوش و خروش سے کام ہوتا رہا ہے تو ہم اس صورت میں ہر چھ مہینے میں (۵۰) ہزار یا سال میں ایک لاکھ بالغان کو خواندہ بنا سکتے ہیں۔ اس رفتار سے ریاست کی ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے (۶۰) سال صرف ہوں گے۔ لیکن کیا یہ کوئی خوش آیند توقع ہے کہ ہم ریاست میں صد فی صد خواندگی ہونے کے لئے (۶۰) سال انتظار کرتے رہیں؟ اس ۶۰ سال کی مدت میں اس ملک کے اور مختلف حصوں میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ترقی تعلیم کی رفتار کیا ہوگی؟۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم (۲۵) سالہ منصوبہ یا کسی اور منصوبہ پر عمل کریں۔ جیسا کہ کشمیر اور ملک کے دوسرے صوبوں میں ہو رہا ہے۔ اس طرح سے ملک کی ناخواندگی کو کم کریں۔ یہ اعداد و شمار یہاں پر کام کی اہمیت اور وسعت کو خاطر خواہ طور پر ظاہر کرنے کے لئے اور اس غرض سے بھی کہ ان کا تعلق نصاب سے ہے۔ پیش کئے گئے ہیں۔ ان اعداد سے یہ ضرورت صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہم ایک عملی پروگرام اختیار کریں اور یہ ظاہر کردیں کہ مختصر المیعاد منصوبہ پر عمل کرنا کتنا ناگزیر ہے۔ مگر یہ اسی وقت جب کہ ہم یہ دیکھنے کے آرزومند ہوں کہ خواندگی کی شعاع اگرچہ دھیمی سہی۔ ان ۳۰ لاکھ جھونپڑوں پر پڑے جو ہماری وسیع ریاست کے اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ریاست میں تعلیم بالغان کی تنظیم کے سوال کے ساتھ ہی ہمیں اور مختلف اہم مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مدارس کس قسم کے ہوں؟۔ نصاب کی مدت کیا ہو۔ نصاب کس قسم کا ہو؟۔ کام کے انجام کے لئے ذرائع کیا اختیار کئے جائیں؟۔ ان کے علاوہ اور گوناگوں باتیں ہیں مثلاً یہ کہ ان مدارس میں تعلیم دینے والے معلمین کس قسم کے ہوں؟۔ اور درسی کتابیں کیسی ہوں؟۔ تعلیم کا طریقہ کیا ہو؟ نگرانی کا کام کس طرح ہو۔ خواندہ

بنانے کے بعد اسناد دیے جانے کے متعلق کیا طے کیا جائے ؟۔ اور سرمایہ کے لئے کیا سبیل نکالی جائے ؟۔ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مختلف قسم کے ادارے "مدارس بالغان" کے نام سے جاری کئے اور چلائے جاسکتے ہیں لیکن اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگلستان جیسے ملک میں بھی جہاں ایسے بہت سے ادارے موجود ہیں۔ سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ نہیں قایم کئے گئے تھے۔ تقریباً دنیا کے سارے ممالک میں بالغان کی تعلیم کا کام محض معمولی خواندگی سے شروع ہوا۔ جب بالغان کی خواندگی نے خاص ترقی کرلی تب کہیں دوسرے قسم کے ادارے جاری کئے گئے۔ اس طرح اپنی ریاست کے حالات کے مدنظر ہمیں ابتداء میں صرف ایک ہی قسم کے مدارس جاری کرنے چاہئیں اور ان کا نام "مدارس تعلیم بالغان" رکھا جائے۔

جہاں ہم لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا سکھائیں اور ساتھ ہی عام اور مفید معلومات بھی ان کے کان میں ڈالیں۔ اس منزل میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ دیہی اور شہری مدارس کے لئے علحدہ علحدہ نصاب رکھا جائے۔ جب ہمارا مقصد اقل ترین خواندگی کا پھیلانا ہے تو مختلف نصاب کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہاں اس امر کی کوشش ضرور کی جائے گی کہ ایک ہی درسی کتاب میں دیہاتیوں اور شہریوں کے خاص خاص مذاق کی چیزیں جمع کردی جائیں۔ دونوں قسم کے طلباء سارے اسباق پڑھیں گے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ سارے بالغین دیہات اور شہر کے حالات کی نسبت کم از کم اتنی واقفیت ضرور رکھیں جو ان کے لئے ناگزیر ہے۔ ان مدارس میں تعلیم صرف دنیاوی امور کی دی جائے۔ نصاب میں مذہبی تعلیم نہ رکھی جائے۔ اس کی وجوہ کا ذکر نصاب میں آئے گا۔ لیکن اگر مذہبی تعلیم کا مطالبہ کیا جائے اور دوسرے اسباب اس کی اجازت دیں تو نصاب میں مذہبی تعلیم شریک کرلی جائے گی۔ موجودہ اسلامی۔ سنسکرت۔ اور وید سے متعلق مدارس اپنے حلقہ کو وسیع کرکے مذہبی تعلیم کا کام اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔ اس قسم کے مدارس کی موجودہ تعداد (۲۰) ہے۔ ۱۶ دینیات کے اور چار سنسکرت اور وید کے۔ ان مدارس کے طلباء کی تعداد مجموعی (۱۲۲۱) ہے

ان میں سے بعض میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

کمیٹی اس امر پر زور دیتی ہے کہ جہاں حالات اجازت دیں مذہبی تعلیم دی جاسکتی ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھاکر فرقہ واری بنیاد پر مدارس ہرگز قایم نہ کئے جائیں۔ اس فرقہ وارانہ طریقہ پر تعلیم دینے سے بالغان کے لئے مشترک مدارس میں تعلیم پانے کا عظیم الشان موقع جہاں ایک ہی جگہ مختلف قوموں کے لوگ جمع ہوں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی خوش گوار سماجی فضا میں رہیں گے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہم کو اب تک فرقہ وارانہ اداروں کا بہت کچھ تجربہ ہو چکا ہے اور ہم ان کے مضر اثرات دیکھ چکے ہیں اب عمل کے نئے میدانوں میں ان سے گریز ہی اچھا ہے۔

کمیٹی کی رائے ہے کہ پورا نصاب تعلیم دو سال پر مشتمل ہو۔ جس میں سے ابتدائی چھ مہینے تحتانی نصاب پر صرف ہوں اور باقی ڈیڑھ سال اعلیٰ نصاب پر صرف کئے جائیں۔ پہلے چھ مہینوں میں بالغ شخص کو اس کی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا سکھایا جائے۔ لاکھ تک ہندسوں اور علم حساب کے چار ابتدائی قاعدوں سے واقف کرایا جائے۔ جو تعلیم بالغ شخص کو اس مدت میں دی جائے گی وہ اس اقل ترین تعلیم کے مماثل ہوگی جو مردم شماری کی روئیداد کی تعریف کی رو سے ایک آدمی کو خواندہ مانتی ہے۔

اس امر کا امکان ہے کہ طلبار کی معقول تعداد اس منزل میں مدرسہ چھوڑ بیٹھے اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جو کچھ تھوڑا بہت انھوں نے اس مدت میں پڑھا ہے آگے چل کر بھول جائیں گے۔ اس سے بچنے کی یہ صورت نکالی جاسکتی ہے کہ ان کی خواندگی قایم رکھنے کے لئے سعی بلیغ کی جائے اور ارتباط رکھ کر مختلف طریقوں سے ان کی مدد کی جائے۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ بچپن میں دو سال تک تعلیم پاتے ہیں بڑے ہونے کے بعد ان پڑھ بن جاتے ہیں۔ تو کوئی تعجب نہیں معلوم ہوتا اگر بالغ صرف

چھ مہینے تعلیم پانے کے بعد پھر کورے ہو جائیں۔ بالغوں کے ان پڑھ نہ ہونے کی امید صرف اس سے کی جا سکتی ہے کہ بچے جو تعلیم پاتے ہیں تو نہ ان کا معین مقصد ہوتا ہے اور نہ علم کی حقیقی پیاس ہوتی ہے۔ بر خلاف اس کے بالغ اپنا کام ایک جداگانہ دماغی کیفیت کے تحت انجام دیتے ہیں۔ مزید برآں بالغ شخص محدود وقت میں چھوٹے بچے کی نسبت بہت زیادہ سیکھتا ہے۔ چھ مہینے کی مدت اس کو معقول طور پر خواندہ بنانے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔ بعض اشخاص کے تجربوں کے مطابق بچے کے مقابلہ میں بالغ آدمی پانچ گنا تیز رفتاری سے سیکھتا ہے۔ چونکہ ہم محض معمولی خواندگی پر ہی اکتفا نہیں کر سکتے اس لئے جتنے زیادہ بالغ اشخاص اعلیٰ نصاب کے لئے روکے جا سکتے ہیں ان کے روکنے کی کوشش کی جائے۔

پہلے چھ مہینوں کا نصاب (خواندگی کا نصاب)

(۱) الف۔ اس مدت میں یہ توقع رکھنی چاہئے کہ بالغ شخص پچاس صفحات کا قاعدہ پڑھ لے اس میں ابتدائی مرحلہ کی عام چیزوں کے علاوہ دس بارہ قصے ہوں۔ جن کی زبان بہت سادہ ہو۔ اور بالغ شخص کے لئے دلچسپ ہوں۔ اس سے یہ بھی توقع رکھنی چاہئے کہ وہ لکھنے کا کام بہت کچھ کر لے گا۔

(ب)۔ اس کو لاکھ تک گننا اور چار بنیادی قاعدے سیکھنا چاہئے۔ ضرب اور تقسیم کے سوال میں مضروب فیہ اور تقسیم کنندہ عام طور پر دو ہندسوں کے ہوں۔ پہاڑے ۱۰ × ۱۰ تک ۱۲ اور ۱۶ کے پہاڑوں کے ساتھ سکھائے جائیں۔

دوسرے چھ مہینوں کا نصاب

(۲) الف ۔اس میقات میں طلبا نصاب کی پہلی کتاب پڑھیں گے۔جس میں تقریباً (۱۵) سبق ہوں گے ۔ جو (۵ ، ۷) صفحات پر مشتمل ہوں گے۔ یہ اسباق ایسے مضامین پر مشتمل ہوں جن میں بالغوں کی دلچسپی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔مثلاً شہری زندگی ۔صفائی ۔حفظ صحت۔ امداد باہمی۔کفایت شعاری ۔بڑے آدمیوں کے سوانح حیات۔ ہمارا اکل وشرب وغیرہ۔

کتاب میں آسان بیانیہ نظمیں جن سے کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ مستنبط ہو گا۔ شریک ہونگی۔

ب ۔ سادہ اور مرکب حسابی مسائل جو بنیادی چار قاعدوں پر مبنی ہوں اسی میقات میں سکھائے جائیں گے۔ ان کا تعلق غریب طبقوں کی روزمرہ زندگی سے ہوگا۔ سود مفرد۔ روزمرہ کی ضروریات زندگی کی خرید ۔شرح تبادلہ کا حساب وغیرہ اس منزل میں طلبا کے کام کا غالب حصہ ہو گا۔

اگر طالب علم اس منزل میں مدرسہ چھوڑ بیٹھے تو اس کے ان پڑھ بن جانے کا اندیشہ زیادہ نہ رہے گا۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ اس کو خواندوں کی صف میں دائمی طور پر کھینچنے کے لئے اور تعلیم سے حقیقی اور مستقل دلچسپی پیدا کرنے کے لئے مزید ایک سال کا نصاب رکھا جائے۔

دوسرے سال کا نصاب ذیل میں درج ہے

الف۔ اس میقات میں جو کتاب پڑھائی جائے گی وہ (۲۰۰) صفحوں پر

مشتمل ہوگی درج ذیل موضوعوں پر اسباق ہوں گے۔

(۱) ہمارے فرمانروا۔ (۲) روزمرہ کی زندگی میں سائنس کا دخل۔ (۳) ہم پر کس طرح حکومت کی جاتی ہے (۴) صفائی (۵) حفظ صحت۔ (۶) ہمارا کھانا پینا۔ (۷) پہلی امداد (First Aid) (۸) عظیم ہستیاں (۹) تاریخی اسباق (۱۰) دنیا (جغرافیہ) (۱۱) زراعت (۱۲) شہری زندگی۔ (۱۳) ذرائع حمل ونقل (۱۴) ٹپہ اور تار برقی۔ (۱۵) امداد باہمی (۱۶) باغبانی۔ (۱۷) کفایت شعاری (۱۸) توہمات (۱۹)۔ ۵۔ اشعار سادہ اور اخلاق آموز۔

یہاں پر یہ نظر آئے گا کہ پہلی کتاب کے موضوع بھی دوسری کتاب میں شریک کر لئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب میں معلومات زیادہ مکمل اور پہلی کی نسبت معیار میں بلند ہوں گے۔ بعض موضوعوں پر تین چار سبق ہوں گے اور ہر سبق اوسط طور پر چھ سات صفحوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سبق کے تحت مزید تفصیلات جو کتاب مرتب کرنے والے کے لئے کم وبیش ہدایات کے کام آئے گی۔ ضمیمہ الف میں دے دی گئی ہیں ان تفصیلات پر نظر ڈالنے سے عام پڑھنے والے کو ان معلومات کا سرسری تصور ہو جائے گا۔ جن کو ان کتابوں کے ذریعہ سے طالب علموں تک پہنچانا مد نظر ہے۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ یہاں چند الفاظ اس امر کے متعلق کہے جائیں کہ یہ موضوع ان کتابوں میں کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ ان موضوع کے متعلق خصوصی فن واری معلومات پیش کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

نظریہ بتانے کا طریقہ قطعاً ترک کیا جائے۔ اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ یہ معلومات ہر کس وناکس کے لئے بھی مفید اور دلچسپ ہوں۔ انداز بیاں ہمدردانہ ہو اس میں کسی قسم کی علمی نمائش اور تفوق کی شان نہ رہے۔ ان کتابوں کے لکھنے والے کو غریب طبقے کے لوگوں سے ہمدردی ہو۔ اس کو ان کی ضروریات اور ان کے محدود ذرائع سے واقفیت ہونی چاہئے۔ اس میں یہ قدرت بھی ہو کہ وہ خود کو ان لوگوں کی سطح پر لا کر کھڑا کرے تاکہ ہر موضوع کے مطالب کو اس انداز سے پیش کرے کہ

ان کو بہائے اور ان کی دلچسپیوں کو ابھارے ہمارا مطلب واضح ہو جائے گا اگر ہم دو ایک مضمون لے کر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان پر بحث کریں۔ مثلاً تاریخ کے موضوع کے تحت خاندانوں اور منفرد فرمارواؤں کے نام دینا۔ ان کا جنگ کرنا۔ فتوحات حاصل کرنا اور اسی طرح اُن کے دوسرے کارنامے وغیرہ۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ بالغ شخص کو تاریخ کی ان خشک ہڈیوں میں کوئی مزا نہیں ملتا۔ اس کے بجائے موضوع کو اس طرح پیش کیا جائے کہ جس سے اس ملک کے باشندوں کی تمدنی تاریخ سامنے آجائے ان مدارج کا حال بیان کیا جائے جن کو طے کرتے کرتے ہم موجودہ سطح پر پہونچے ہیں۔ اس سے غیر ضروری تفصیل نکل جاتی ہے اور بالغ شخص کا تخیل جاگ جاتا ہے۔ اور اس کے سامنے ایک صحیح تصور آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سبق طاعون یا ہیضہ سے متعلق ہو تو اس میں سائنس کی مہمل بکواس نہ ہو۔ نہ اس میں علاج کا وہ طریقہ ہو جس پر ایک باقاعدہ معالج کاربند ہو گا۔ بلکہ اس میں مرض کے عام اسباب کا ذکر ہو۔ اور اس کے روک تھام کے طریقے بیان کئے جائیں وغیرہ۔

اس سے یہ ہو گا کہ عام بالغ اشخاص کے ذہن سے یہ بات دور ہو جائے گی کہ مرض کسی دیوی کے غیظ و غضب کا نتیجہ ہے یا اندھی قسمت پرستی کا فیصلہ۔ اس سے وہ سمجھنے لگ جائیں گے کہ مناسب طریقے سے ٹھیک وقت پر احتیاط کرنے سے وہ بخوبی اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

(ب)۔ حساب کا نصاب سال اول کے نہج پر ہونا چاہیئے۔ سال اول میں جو سوالات حل کرائے جائیں گے ان سے مشکل تر سوالات سال دوم میں حل کروائے جائیں۔ اس کے سوا کسور۔ وقت اور کام۔ شراکت اور نفع نقصان کے سوالات بھی حل کرائے جائیں مسطحات کے سادہ سوالات جس میں رقبوں کی تخمین کا اور مساحت کے ابتدائی سوالات جو دیہاتیوں کے لئے کھیتی وغیرہ کے کام میں مفید ہوں نصاب میں شامل کئے جائیں۔ بشرطیکہ یہ سوالات اربعہ متناسبہ کے سادہ طریقے سے حل کئے جاسکیں۔

السنہ کی تعلیم کے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ حساب کی تعلیم پر بھی منطبق ہوں گی۔ بچوں کی کتابوں کی نسبت بالغوں کی کتابوں کی تالیف میں ان امور پر زیادہ ہمدردانہ توجہ کی ضرورت ہے۔

ان مدارس میں تعلیم کی کامیابی کا انحصار کچھ تو ان کتابوں پر ہے جو بالغین کی تعلیم کے لئے تالیف کی جائیں۔ اور کچھ مدرس کی وجاہت، اس کی ہمدردی اور اس کے طریقہ کار سے متعلق ہیں لیکن اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

نصاب کے مطالعہ سے دو باتیں واضح ہوں گی۔ اول یہ کہ نصاب صرف السنہ اور حساب کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ نصاب تعلیم میں جن مختلف مضامین کی عام طور پر تعلیم دی جاتی ہے ان کے لئے یہاں پر کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ثانیاً یہ کہ مذہبی تعلیم کو اس نصاب میں جگہ نہیں دی گئی ہے۔ نصاب تعلیم صرف دنیوی امور سے متعلق ہے۔

اول الذکر کو نظر انداز کرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ دو سالہ نصاب کے دوران میں بالغین کو ہم جس نوعیت کی تعلیم دینا چاہتے ہیں اس سے زیادہ اس کو کچھ نہیں بتلایا جاسکتا۔ اگر ہم زیادہ تعلیم دینا بھی چاہیں تو وہ اس کو اخذ نہ کر سکے گا۔ ضرورت کی حد تک وہ اسی قدر تعلیم کا محتاج ہے۔ جیسا کہ کوئی اور دوسرا شخص۔ لیکن نہ تو اس کی ذہنی استعداد اور نہ معاش پیدا کرنے کی وجہ سے وقت کی کمی اجازت دیتی ہے کہ وہ اس سے زیادہ علم حاصل کر سکے۔ جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔

اس لئے دوران تعلیم السنہ میں جہاں تک ممکن ہو مفید معلومات پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف موضوع درسی کتاب میں رکھے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت معقول معلومات پیش کرائے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ کی کوشش کرنا ایک امر محال کے حصول کی سعی ہوگی۔

دوسرا یعنی مذہبی تعلیم کا فریضہ غالباً بعض اشخاص کی نظر میں زیادہ نمایاں

ہو اس لئے مزید توضیح کی ضرورت ہے اولاً مدارس بالغان کم عمروں کے مدارس سے قدرتاً بہت مختلف ہوتے ہیں۔ مدارس بالغان منظم کرنے کا خاص مقصد ایسے بالغ اشخاص کو تعلیم دینا ہے جو پہلے سے اپنا ایک قطعی مذہبی نصب العین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف عام مدرسوں میں مذہبی تعلیم کی ابتدا ہوتی ہے اور سارے قویٰ کی کامل تربیت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم بچوں کے مدرسہ میں جسمانی تعلیم۔ نقشہ کشی دستی مشاغل۔ اور دوسرے گوناگوں مضامین کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیا ہم ممکنہ طور پہ بحث کر سکتے ہیں کہ آیا مدرسہ بالغان میں بھی ان تمام مضامین کا انتظام کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس قسم کی بحث بے سود ہوگی۔ اس کے سوا مدرسہ میں پڑھنے والے بالغ لوگ مختلف فرقوں کے اور مختلف عقاید کے پیرو ہوتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے لوگوں کے لئے مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا نہ صرف مشکل بلکہ زیرِ غور مدارس میں پیچیدگیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ جہاں بالعموم مدرس جیسا کہ ہونا چاہئے نہیں ملتا۔ اور دینیات جیسے مضمون کو تشفی بخش طور پر نہیں پڑھا سکتا۔ اگر دینیات کی تعلیم ایسی نہیں ہو سکتی جیسی ہونی چاہئے تو بہتر ہے کہ اس کی تعلیم ہی نہ دی جائے۔ اس کے جواب میں شاید یہ کہا جائے کہ یہ خیال عام مدارس کے لئے بھی درست ہو سکتا ہے وہاں بھی مختلف عقاید رکھنے والے بچے جمع ہوتے ہیں پھر بھی دینیات کی تعلیم کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

معاف کیجئے اگر ہم یہ کہیں کہ ایسے مدارس کے بارے میں بھی بعض مقامات پر کافی بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ تمام فرقوں کی مذہبی ضرورتوں پہ توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ دانشمندی نہیں معلوم ہوتی کہ ایسی بے اطمینانی کے پیدا ہونے کا مدارس بالغان میں بھی موقع دیا جائے۔ ہمارا خاص مقصد تعلیم بالغان سے دماغوں کو جگا دینا ہے بالغ لوگ پہلے سے دینیات کے ضروری معلومات بہم پہونچا ئے جائیں اگر مدارس بالغان میں دینیات کی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ انہیں اتنا ہی سکھانا کافی ہے تو بھی اس سے کوئی خاص کارآمد مقصد حاصل نہیں ہوتا سوا اس کے کہ اپنے سابقہ معلومات کو دوبارہ حاصل کریں کمیٹی

تعلیم دینیات کے موٴیدین کی ایک احتمالی تجویز پر پیش از پیش غور کرنا چاہئے ہے کہ اگر تعلیم بالغان کے نصاب میں تعلیم دینیات کو داخل کرنے میں خاص طور پر یہ دشواری ہو کہ مختلف اقسام کے لوگ ان مدارس میں پڑھتے ہیں تو علٰحدہ مدارس علٰحدہ فرقوں کے لئے جاری کئے جاسکتے ہیں۔ کمیٹی اس کا یہ جواب دینا چاہئے ہے کہ یہ تجویز بالغان کے بنیادی مقصد کو تمام تر نظر انداز کرتی ہے اور ایک مضمون کو غیر واجبی اہمیت دیکر غیر ضروری اور اٹل پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے۔ مثلاً سویڈن کے مدارس بالغان میں تمام سیاسی اور مذہبی اختلاف کی ممانعت کردی گئی ہے۔ ان اداروں نے آزاد اور معقول آراء زندگی کی اہمیت کو سمجھنا اور اس کا احترام کرنا اور اس طرح شراب نوشی۔ احمقانہ تضیع اوقات اور بدنظمی کے لئے رہبرانہ اشتعال وغیرہ کو رفع کرنا اپنا مقصد بنایا۔ اگر یہ جوش طلباء میں صحیح طور پر پیدا ہو جائے تو مدارس بالغان کا کیا ذکر کسی مدرسہ میں بھی مزید کام کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس مقصد کے پیش نظر اس امر کی احتیاط کی گئی کہ درسی کتاب میں مشاہیر کی کہانیاں جو بڑے بڑے مذاہب کے نمایندے ہوں، اس صداقت کو نمایاں کرتے ہوئے شریک کی جائیں گی کہ تمام مذہبی رہبروں کا بنیادی نصب العین۔ زندگی اور یہ صداقت طلباء کے ذہن نشین کردی جائے کہ مذاہب مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے والی قوت کا کام دیں اور ایسا نہ ہو جیسا کہ بدقسمتی سے بعض اوقات مذاہب تفرقہ اندازی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کے اخلاقی پہلو کو نمایاں کیا جائے۔ آخر اخلاقیات ہے کیا۔؟ دینیات، ممکنہ وسیع ترین معنوں میں، سب سے بڑا مشترک جزو جو انسانی مساعی میں جاری و ساری ہے اور وہ اصل الاصول ہے جس سے تمام انفرادی مذہب بنتے ہیں۔ اس طرح تمام مشاہیر کے حالات جو درسی کتاب میں شامل ہوں گے اخلاقی تعلیم کی ضرورتوں کو پورا کریں گے۔ اگر اس سے زیادہ اخلاقی تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو کتب خانہ بالغان سے اس کمی کو پورا کیا جائے۔

اس کام کے لئے جو ادارے فی الحال کام کرنے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں،

سرکاری اور امدادی مدارس ہیں۔ لیکن جب ہم کام کی وسعت پر نظر ڈالتے ہیں تو کچھ زیادہ قابل قدر نتائج حاصل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے اگر ہم کام کو ان مدارس تک محدود کردیں۔ خانگی جدوجہد اس کی امداد کے لئے ہونی چاہئے۔ کسی مقصد کی کامیابی کے لئے رضاکارانہ اداروں کا سرکاری اداروں کی امداد کرنا ضروری ہے۔

مغرب میں فی الحقیقت یہ کام شروع ہی سے اکثر محض رضاکارانہ اداروں کے ذمہ رہا ہے۔ اور یہ قدرتی ہے کیونکہ وہاں ابتداء خود عوام کی طرف سے ہوئی۔ حکومت بہرحال تمام ممکنہ امداد کرے گی اور کچھ نگرانی بھی رکھے گی۔ ہمارے ملک میں عوام نے ابھی تک تعلیم کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا ہے۔ اس لئے قدرتاً حکومت کو ابتداء کرنی ہے۔ لیکن اگر اس تحریک کو صحیح معنوں میں ہر دل عزیز ہونا ہے تو رضاکارانہ اداروں کو یہ کام بتدریج اپنے ذمہ لے لینا چاہئے۔ حکومت کو ہر وقت تمام ممکنہ امداد دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ چونکہ یہ ضروری ہے کہ اس تحریک کو صحیح اصولوں پر چلایا جائے اور تنظیم میں ایک طرح کی ہم آہنگی برقرار رہے اس لئے تمام مدارس بالغان پر حکومت کی نگرانی ہونی چاہئے۔ تاہم اس کا خیال رہے کہ حکومت کی نگرانی مدارس کی آزادانہ اور صحت مند ترقی کو روکنے نہ پائے۔

اولاً ہر مدرسہ سے یہ خواہش کی جائے کہ وہ تعلیم بالغان کا ایک طبقہ بالالتزام رکھے اور اساتذہ ان جماعتوں کے کام پر پوری توجہ کریں۔ وقت نامے ان کے باقاعدہ کاموں کے لئے ترتیب دئے جائیں۔ ان مدارس میں جہاں مدرسین اس کام کے لئے نہیں دئے جاسکتے۔ زاید مدرسین ان مدارس کی ملحقہ زاید جماعتوں کو پڑھانے کے لئے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ تعلیم بالغان کی جماعتیں تمام تربیتی مدارس میں کھولی جاسکتی ہیں اور اساتذہ زیر تعلیم سے معتدبہ کارآمد کام لیا جاسکتا ہے۔ زیر تربیت مدرسین بطور تجربہ اپنی تربیت کے زمانہ میں بالغوں کی جماعتوں کو پڑھا کر ضمناً زیادہ فائدہ حاصل کریں گے اور اس طرح تعلیم بالغان میں بھی تجربہ حاصل کریں گے جو ان کے لئے کارآمد ثابت ہوگی جب کہ وہ اپنے مدارس کو واپس ہوں گے اور ان سے بالغوں کی جماعتوں کا

افتتاح کر کے ان کو چلانے کی خواہش کی جائے گی۔ ایک مختصر نصاب تعلیم بالغان کا ان تمام مدرسین کے نصاب میں شامل کرنا چاہیئے جو کسی تربیتی ادارے میں زیر تربیت ہوں۔

اعزازی کارکن انفرادی یا اجتماعی جن میں سماجی خدمت کا جوش ہو۔ اساتذہ جامعہ، طلبا کلیہ اور دوسروں کا اتحاد عمل حاصل کیا جاسکتا ہے۔ طلبار کی ہمت افزائی کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی طویل موسمی تعطیلوں میں گاؤں گاؤں سفر کر کے مفید امداد دیں صوبہ جات متحدہ میں انجمنوں نے سیوا اسیمتی بلدی اور مقامی اداروں نے اپنے ہاتھ میں کام لے لیا ہے۔ اور اس تحریک کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ ایک نہایت اہم امر پر دوبارہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ کہ آغاز ہی سے کام ایک خاص نظام اور قطعی منصوبہ کے تحت چلایا جائے۔ تعلیم بالغان کا کام اتنا اہم ہے کہ وہ غیر منظم اور متفرق کوششوں کے تفویض نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے جوں ہی ایک قطعی منصوبہ تیار ہو جائے تو پھر واقعی کام شروع کر دیا جائے۔ حکومت کو ایک خاص شاخ محکمہ تعلیمات میں کھولنا چاہیئے اور ایک خاص افسر کو تعلیم بالغان کا ذمہ دار بنانا چاہیئے۔ تعلیم بالغان پر نگرانی رکھنے اور ان تمام مختلف مصروفیات کی جو ان مدارس میں ہوتی ہیں رہبری کرنے کے علاوہ ان تمام تعلیم بالغان کے اعزازی کام کرنے والوں کا ایک رجسٹر رکھے گا اس کام کے مرکزوں کی تنظیم کرے گا اور ایسے کارکنوں کو باقاعدہ طریقہ پر کام کرنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائے گا۔ اس کا فریضہ دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا کہ وہ ان متعدد اداروں کے ساتھ اتحاد عمل کرے جن کو حکومت کسی مخصوص مجوزہ منصوبہ کے تحت قایم کرے۔ کمیٹی کی یہ تجویز نہایت اہم ہے۔ اگر حکومت ریاست حیدرآباد میں خواندگی کی ترویج کی قدر وقیمت کا پورا پورا اندازہ کرے اور آیندہ کام کا منصوبہ تجویز کرے۔ جب تک ایسا انتظام نہ ہو موجودہ مدارس اور محکمۂ تعلیمات کے معائنہ کرنے والے افسروں سے کام چلانے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔

عمارتوں کے متعلق یہ طے کیا گیا ہے کہ مدرسوں کی عمارتوں میں بالغ لوگوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ وہاں کئی ایک سہولتیں جیسے فرنیچر۔ آلات تعلیمی وغیرہ کی

فراہمی ہوسکتی ہے۔ عام مقامات جیسے دفاتر اور گاؤں میں چاوڑیاں بھی کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ اصل اصول یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے عمارتوں کے کرایہ کا کم سے کم خرچ عائد ہو۔ مدارس جاری کرنے اور ان کو چلانے کے علاوہ اس امر کے اطمینان کے لئے تدابیر اختیار کرنی چاہیئے کہ بالغ لوگوں کو جو مدارس چھوڑتے ہیں زیادہ پڑھنے اور اپنی معلومات وسیع کرنے کے مواقع حاصل رہیں ورنہ جہالت کی طرف پھر لوٹ جانے کا ہمیشہ اندیشہ باقی رہے گا۔ اس مقصد کے لئے کتب خانوں اور مطالعہ گھروں کا جال ریاست حیدرآباد کے طول وعرض میں بچھادیا جانا چاہیئے۔ ان کتب خانوں میں بالغ لوگوں کے لئے ایسی کتابیں رکھی جائیں جو ان کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں اور کارآمد ومفید موضوع سلیس زبان میں لکھے گئے ہوں جیسے مسائل صحت وحفظ صحت۔ امداد باہمی۔ شہری زندگی۔ زراعت اور گھریلو صنعتیں۔ ریاست کی مختلف زبانوں میں ایک روزنامہ یا رسالہ جاری کرنے کی تجویز بے محل نہ ہوگی اس قسم کے کام کے اخراجات بمقابلہ اس کے افادات کے کچھ زیادہ نہ ہوں گے۔ صوبہ جات متحدہ میں بالغوں کے لئے ایک رسالہ "روشنی" کے نام سے شایع کیا جاتا ہے۔ ایسے مفید معلومات جن کی کاشتکاروں کو ضرورت ہوتی ہے اس رسالہ میں شائع کئے جاتے ہیں اور جو ملک کے نظم ونسق میں بھی بلا واسطہ مد ہوتے ہیں۔ آخر میں یہ بات بھی ظاہر کرنی ہے کہ بالغوں کی مزید تعلیم کے لئے بغور مرتب کئے ہوئے پروگرام کے تحت طلسمی فانوس۔ ریڈیو۔ اور سینما سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

رقم کے سوال کی تفصیلات میں پڑنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایک موزوں منصوبہ اختیار کرکے کام ہاتھ میں لے لیا جائے تو قابل حصول فنڈوں کے تناسب سے رقوم کی تحدید ممکن ہو جائے گی۔

ایسے منصوبہ کی عدم موجودگی میں جو کچھ بھی کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ (۱۵۰) روپیہ ماہوار کا استاد بہ شمول اخراجات روشنی وغیرہ (۳۰) طلباء کی جماعت کو چلانے کے قابل سمجھا جاسکتا ہے۔ ان مدارس میں تعلیم مفت دی جائے اس کے علاوہ ان میں اکثر مدارس

میں تختیاں اور کتابیں بھی مفت مہیا کی جائیں کیونکہ ابتدائی مدارج میں بالغ لوگ کسی طرح اپنی تعلیم پر کچھ خرچ کرنا پسند نہ کریں گے۔ تاہم جو بالغ فیس دے سکتے ہیں ان سے معمولی فیس لی جائے۔ بعض مقامات میں باضابطہ فیس بھی لی جاتی ہے۔ اس اصول کے تحت کہ جو کچھ مفت دیا جاتا ہے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ (۳۰) طلبہ کے لئے (۵عہ) روپیہ ماہوار کی شرح سے بھی محض تحتانی تعلیم فی طالب علم (۲ؤ) روپیہ خرچ آتا ہے۔

تعلیم بالغان کے زبردست اخراجات پر نظر کرتے ہوئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ضلع اور تعلقہ کے مستقر پر مقامی کمیٹیاں قایم کی جائیں جو با اثر اور عام طبقہ کے دلچسپی لینے والے ارکان پر مشتمل ہوں جو ان مدارس کو چلانے کے لئے فنڈ جمع کرنے میں مدد دیں۔ دیگر مختلف امور میں بھی ان کا اشتراک عمل ممد ہوگا۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ محکمہ امداد باہمی اپنے دیہی تعلیم کے پروگرام پر عمل پیرا ہوکر محکمہ تعلیمات کے ساتھ ساتھ اس اہم کام کو انجام دے سکتا ہے۔ ان مقامی انجمنوں کو کسی صورت میں بھی ایسے مدارس کے کاموں میں دخل انداز نہ ہونا چاہئے جو کہ کامل طور پر محکمہ کے تحت ہوں۔ یہ انجمنیں صرف مشورہ دینے والی جماعتیں ہوں گی۔

اب چند متفرق امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تعلیم بالغان کے لئے کس قسم کے معلم درکار ہیں۔ قبل ازیں روئداد میں کہیں کہیں اس بارہ میں حوالہ دیا گیا ہے کہ اگر سرمایہ معقول ہو تو ان مدارس میں تعلیم دینے کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ معلمین کو ہر کوئی پسند کرے گا۔ (۳۰) بالغوں کی جماعت کو تعلیم دینے کے لئے ایک معلم کا الونس اور مدرسہ کے دیگر اخراجات (۱۵) روپیہ ماہوار ہوں۔ ایسی صورت میں ایک لاکھ ان پڑھوں کی تعلیم کے لئے دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہو۔ چونکہ اس قلیل اجرت پر اعلیٰ تعلیم یافتہ کا فراہم ہونا محال ہے۔ اس لئے ہم صرف مڈل ٹرینڈ معلمین سے کام چلانے پر مجبور ہوں گے۔ ہم کو مڈل ٹرینڈ معلمین کی محدود لیاقت کا اچھی طرح علم ہے۔ کمیٹی ان معلمین کی تعلیم سے کچھ زیادہ توقع نہیں رکھتی۔ لیکن جس طرح مقصد کے تعین اور ترتیب نصاب کے وقت صرف عملی نوعیت کا لحاظ مناسب سے بڑھ کر پیش نظر تھا۔

اسی طرح انتخاب معلمین کے معاملہ میں بھی زیادہ بلند پروازی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ ایک معلم میں اسنادہی حقیقت میں ایسی اہم نہیں ہیں چنانچہ بعض اوقات اعلیٰ قابلیت کے معلمین بھی ناموزوں ثابت ہوتے ہیں۔ جس قسم کے اساتذہ کی مدارس بالغان میں ہم توقع کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ترغیب دیکر ان کی خدمات تعلیم بالغان کے لئے حاصل کریں۔ اور وقتاً فوقتاً مختصر تقریروں کا انتظام کرکے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اب طریقہ تعلیم بالغان کے متعلق چند باتیں کہی جائیں گی۔ بالغ اَن پڑھوں کے دماغوں میں کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا ہے۔ اُن کے دماغ کی بھی ساخت عام تعلیم یافتہ بالغ شخص کے دماغ کی طرح ہوتی ہے۔ سوا اس کے کہ اُس کا ذخیرہ معلومات کم اور زندگی کا نصب العین تنگ اور وہموں سے بھرا ہوتا ہے۔ اور جب وہ کوئی نیا کام کرتا ہے تو اس کے عمل میں تذبذب اور بے اعتمادی کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے قطع نظر اس کا ذہن بالکل ایسا ہی صحیح ہوتا ہے جیسا کسی اور شخص کا۔ ایسے آدمی کے ساتھ کسی حالت میں بھی بچوں کا سا برتاؤ نہ کرنا چاہئے۔ بالغ طالب علم کے ساتھ مدرس کے طرز عمل میں ہمدردی اور دوستی خاص خصوصیت ہو۔ کمرہ جماعت کے طریقے جن کی پیروی عام مدارس میں کی جاتی ہے۔ بالغوں کی تعلیم میں ان کی پیروی نہ کی جائے۔ ایسے طریقے جو بہ نسبت نظری کے عملی ہوں اور جن کو بالغ لوگ آسانی سے قبول کرسکتے ہوں اختیار کئے جائیں۔ بالغوں کی جماعتیں روزانہ دو گھنٹے شب میں (۷) اور (۱۰) بجے کے درمیان منعقد کی جانی چاہئیں اس وجہ سے ان مدارس کو عموماً مدارس شبینہ کہتے ہیں حالانکہ تمام مدارس شبینہ مدارس بالغان کی تعریف میں نہیں آسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ مختلف عمر کے طلبا جن میں تعلیم حاصل کرنے کی عمر کے بچے بھی شامل ہیں ایسے مدارس میں بلاتفریق شریک کرا لئے جاتے ہیں اور یہی موجودہ صورت حال ہے۔ ایسے مقامات پر اور ان دنوں جب کہ صباحی مدارس زیادہ موزوں ہوں اوقات تبدیل کئے جاسکتے ہیں اوقات مجوزہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ

عموماً یہ اوقات ان اصحاب کے لئے موزوں ہیں جو تمام دن کاروبار میں گزارتے ہیں۔ اس لئے جماعت ہائے شبینہ ان کے لئے سہولت بخش ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ طلباء کو مدرسہ آنے میں دلچسپی پیدا ہو مثلاً یہ کہ صوبہ جات متحدہ کی حکومت نے ان کے لئے حقوں وغیرہ کا انتظام کیا ہے۔ مکسیکو کے مدارس بالغان میں جہاں کے حالات ہم سے کم وبیش ملتے جلتے ہیں مرد اور عورتیں کئی میل پیدل چل کر آتے تھے اور ہر ایک متعلم اپنے ساتھ ایک چراغ لاتا تھا۔ جس کی دھندلی روشنی میں تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ سرما یا بارش کی انھیں مطلقاً پروا نہ تھی۔ دیگر مدارس کی طرح مدارس بالغان میں ہر ہفتہ (۶) روز کام کیا جائے جہاں تک تعطیلات کا تعلق ہے مدارس میں جس قدر تعطیلات دی جاتی ہیں اس قدر تعطیلات کی انھیں ضرورت نہیں۔ مذہبی تہوار۔ یا عیدوں اور دوسری تعطیلات کے ماسوا یہ مدارس سال بھر کام کریں۔ مقامی حالات کے لحاظ سے البتہ تعطیلات میں کچھ رعایت ہونی چاہیئے۔

اسناد۔ حوصلہ افزائی کے لئے اور اس نقطہ نظر سے کہ کاغذی اسناد کو خاص روایاتی اور جذباتی وقعت دی جاتی ہے کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ سرسری آزمایش کے بعد دو قسم کے اسناد ایک طبقہ تحتانیہ کے ششماہی نصاب کی تکمیل کے بعد۔ دوسرے دوسالہ نصاب کے بعد عطا کئے جاسکتے ہیں۔

نسوانی مدارس بالغان مدارس نسوان کا ذکر بھی یہاں پر بے محل نہ ہوگا وہ دن گئے کہ مردوں کی تعلیم پر کلیتاً زور دیا جاتا تھا اور تعلیم نسوان سے غفلت برتی جاتی تھی۔ جب عام جبری تعلیم کی اسکیم روبہ عمل لائی جائے تو اس کا تعلق ذکور و اناث ہر دو سے ہوگا۔ پس عورتوں کے لئے بھی مدارس بالغان کے قیام کی ضرورت ہے۔ جب تک عورتوں کی جہالت نہ مٹائی جائے گی عام جبری تعلیم کے اثرات امور خانہ داری میں سخت نفرت خیز ردعمل پیدا کریں گے جو ان مضر اثرات کے ماسوا ہوگا جن کا خود عورتوں کی زندگی سے تعلق ہے۔ مسرت کی بات ہے کہ

"کل ہند کانفرنس نسوان" اس معاملہ میں بے حد دلچسپی لے رہی ہے۔ اور اس تنظیم میں ریاست حیدرآباد کے نمایندوں نے عورتوں کی تعلیم میں جو گرم جوشی و مستعدی دکھائی ہے وہ کسی سے کم نہیں۔ ان کی مختلف صوبہ جاتی کانفرنسوں میں عورتیں نسوانی مدارس بالغان کے قیام پر زور دے رہی ہیں۔ اس ریاست میں تعلیم بالغان نسوانی کی اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے کل ہند کانفرنس نسوان کی شاخ حیدرآباد سے مدد لینا چاہئے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے نصاب تعلیم میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مدارس بالغان کا خاص مقصد اشاعت تعلیم ہے عورتوں کی نصابی کتب میں چند مضامین کا شمول ضروری ہے۔ مثلاً بچوں کی نگہداشت امور خانہ داری وغیرہ جس طرح مردوں کے لئے مدارس کے قیام کی ضرورت ہے۔ اسی طرح (اگر زیادہ نہ ہو تو مضایقہ نہیں) عورتوں کے لئے مدارس کا آغاز نہایت ضروری ہے۔

بالآخر یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ محض جہالت کے مٹا دینے سے تعلیم بالغان کا مقصد کلیتاً تکمیل نہیں پاتا۔ البتہ بلند حوصلہ مقصد کو روبہ عمل لانے کے لئے یہ مناسب ابتدا رہے اگر ہمیں ان مقاصد کی تکمیل کے لئے بہتر مواقع کے انتظار کی ضرورت ہو تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ان اعلیٰ مقاصد کو نظر انداز کرکے بے دلی سے کام شروع کیا جائے۔ بلکہ جو کچھ کام ہو وہ منظم پروگرام اور معین پالیسی کے تحت ہو۔ مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ممکنہ کم سے کم وقت میں بالغوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد خواندہ بنائی جاسکے۔ اس لائحہ عمل کے تحت اگر ریاست سے ناخواندگی کے استیصال کی پرجوش آرزو اور جذبہ حب الوطنی جیسے اعلیٰ جذبات کام کریں تو ہمیں قوی امید ہے کہ نمایاں اور عظیم الشان نتائج حاصل ہوں گے۔

ضمیمہ

(۱) ہمارا فرماں روا۔ تمہیدی :۔ خاندان آصفجاہی کی تاریخ۔ تاریخ تخت نشینی۔ (۲۵)
(ایک سبق) سالہ دور حکومت کے کارنامے۔ ذات ہمایونی کی سیرت و خصائل۔
شہزادگان و شہزادیاں بلند اقبال۔

(۲) ہم پر حکومت کس طرح کی جاتی ہے۔ (۲) سبق۔ الف۔ ریاست کی حکومت کا نظم و نسق۔ مختلف محکمہ جات۔
ب۔ دیہی انتظام حکومت۔
ج۔ محاصل اور رعایا کے مفاد پر ان کا مصرف۔

(۳) سائینس روزمرہ کی زندگی میں (۳) اسباق۔ الف۔ برقیات۔ لاسلکی۔ ریڈیو۔ ٹیلیفون (ب) موٹر۔ ہوائی جہاز۔ ریل گاڑی۔ دخانی جہاز۔ (ج) عکاسی۔ گراموفون۔ سینما۔ (د) چھاپہ خانہ۔

(۴) صفائی ایک سبق۔ عام خاکہ شہر و دیہات۔ سڑکوں کی صفائی۔ زمین دوز نالیاں
صاف اور ستھرا پانی۔ پاک و صاف کنواں۔ مارکٹ۔ صحت
بخش مقامات۔

(۵) حفظ صحت۔ (۶) اسباق الف۔ حفظ صحت جسمانی کھیل اور اسپورٹس۔
ب۔ شخصی حفظ صحت اور صحت عامہ سے اس کا تعلق۔
ج۔ غذا اور لباس میں صفائی۔
د۔ سماجی اخلاق۔
ھ۔ پرہیز۔ احتیاط و علاج امراض۔
و۔ اسباب امراض (دیوی دیوتا کے قہر سے نہیں) ملیریا یا
چیچک۔ طاعون۔ ہیضہ۔ تپ میعادی۔ دق تشنج۔

(۶) مشروبات وماکولات (۲) سبق

تمہیدی:- (۱) غذا کی ترتیب ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کھانے کی چیزوں میں غذائیت کا لحاظ ذائقہ پر مقدم رہے۔ پرخوری اور کم خوری کوٹے ہوئے چاول بمقابلہ صاف کئے ہوئے چاول کے۔ گیہوں۔ جوار۔ دالوں تازہ ترکاریوں۔ میوہ اور انڈوں کی قدر و قیمت (بلحاظ غذائیت) اناج کی حفاظت۔ غذا کے لئے اوقات کا تعین۔

(۲) پانی جوش دینا۔ صاف پانی۔ ناصاف پانی بہ حیثیت اسباب امراض جیسے ہیضہ۔ پیچش۔ اسہال۔ تپ میعادی وغیرہ۔ چرخی دار باولیاں بہ مقابلہ زینہ دار باولیاں۔ نہریں نارو۔ قہوہ چائے یا گازدار پانی۔ شربت وغیرہ تازہ پانی۔ دودھ اور مکھن۔ (الکحل شراب کے خطرات)۔

(۷) پہلی امداد (فرسٹ ایڈ) ایک سبق

اس سے کیا مراد ہے۔ امراض کے علاج مختلف اور اس بناء پر عامی کے لئے ممکن و ضروری مختصر نصاب۔ زخم۔ احتراق۔ دورے۔ لو۔ غرقابی۔ آگ کے حادثات میں پہلی امداد۔ بچھو یا سانپ کے کاٹے کا علاج۔ صندوق الادویہ۔

(۸) مشاہیر (۳) اسباق

بلالحاظ مذہب و ملت و زمانہ۔ سوانح مشاہیر کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت۔

(۱) کرشن جی۔ (۲) رامچندر جی۔ (۳) مہاتما بدھ۔ (۴) اشوک۔ (۵) حضرت عیسٰیؑ۔ (۶) حضرت محمدؐ۔ (۷) کبیر داس۔ (۸) رام موہن رائے (۹) اکبر اعظم۔ (۱۰) گاندھی جی۔ (۱۱) سر سید احمد خان۔ (۱۲) سر سالار جنگ اول۔

(۹) تاریخ (۲) اسباق

ثقافتی (تمدنی) تاریخ نہ کہ خاندانوں اور لڑائیوں وغیرہ کی فہرست "خطوط نہرو بنام دختر" کے انداز پر۔ مقصد یہ ہو کہ زندگی کے

متعلق وسیع اور معقول نصب العین متعلم کی نظر کے سامنے آجائے۔
اقوام عالم کی تقسیم کا خاکہ۔ نسلوں کا ترک وطن۔ قومیت کا مفہوم ہندوستان اور حیدرآباد کے خاص حوالہ سے۔

(۱۰) جغرافیہ وفلکیات (۳) اسباق

مطالعہ کی قدر وقیمت۔ دنیا کے متعلق معلومات اور اس کے متعلق وسیع النظری کائنات۔ ستارے اور سیارے۔ نظام شمسی کسوف وخسوف۔ دن رات موسم۔

دنیا۔ خشکی اور تری۔ پہاڑ۔ آتش فشاں۔ زلزلے۔ سمندر۔ جھیل۔ جنگل۔ ریگستان۔

آب وہوا بارش۔ دنیا کے ممالک۔ پیداوار۔ پیشے۔ زراعت۔ صنعت وحرفت۔ آبادی۔ دیگر ممالک کے باشندے۔ ان کے طور طریقے اور رسم ورواج۔

(۱۱) زراعت (ایک) سبق

(۱) حیدرآباد میں زراعتی وصنعتی کاروبار کا تناسب۔
(۲) ہندوستان کے خاص پیشے کی حیثیت سے زراعت کی اہمیت۔
(۳) موجودہ طریقے اور اس کی ترقی کی تجاویز زمین کی شناخت جانچ۔ آلات کاشتکاری اچھے تخم۔ کھاد۔ زراعت میں انجمن ہائے امداد باہمی کی کوششیں پیداوار کو بازار میں پہونچانا۔

( ) صنعتیں (ایک) سبق

مغرب، ہندوستان اور حیدرآباد میں کاتنا اور بننا۔ مشنیں قالین سازی۔ ریشم۔ کاغذ۔ دیاسلائی۔ کانچ کی گڑیا۔ صابون۔ شکر اور نمک تیار کرنا۔ سونے چاندی کا بیدری کام۔

( ) شہری زندگی (ایک سبق)

(۱) شہری زندگی کی تعریف۔ شہریوں کے حقوق وفرائض۔
(۲) حکومت کے ساتھ تعاون۔
(۳) فرمانروا کے ساتھ وفاداری۔
(۴) سماجی خدمت۔

(۵) گاؤں کی پنچائتیں مقدمہ بازی سے باز رکھنے کی کوششیں۔
(٦) سماجی مساوات۔ (٧) منظم خیرات۔
(٧) انسداد بے رحمی بر جانوران۔

( ) ذرائع حمل ونقل ایک سبق
(۱) تاریخ قدیم زمانہ سے اب تک۔
(۲) پیدل چلنے والے۔ سائیکل۔ موٹر۔ ہوائی جہاز۔ جہازرانی۔ دخانی جہاز۔

( ) الف۔ ٹپہ ب۔ تار برقی ایک سبق
(الف) قدیم زمانہ میں ٹپہ۔ بری۔ بحری اور ہوائی ذرائع آمدورفت میں حالیہ ترقیاں۔ داخلی و خارجی ٹپہ رسانی۔ کاروبار اور تنظیم۔ سیونگ بنکس۔
(ب) بیان۔ لاسلکی۔ ٹیلیفون۔ ریڈیو۔ اور دورنمائی یعنی (Television)۔

( ) انجمنہائے امداد باہمی (۲) اسباق
الف۔ تعریف (۲) اس کے مختلف پہلو۔ (۳) قرض خرید وفروخت۔ امداد باہمی اور اس کا بلند تصور۔ زراعت صنعت۔ تعمیر امکنہ (۴) حکومت کی جانب سے امداد عوام کے فرائض۔
ب۔ کفایت شعاری شخصی وسماجی پہلو۔ کفایت شعاری۔ اور اس کی تنظیم کے طریقے۔ کفایت شعاری۔ سکھانے والی انجمنیں۔ دیہی بینک۔ کم خرچ شادیاں۔ اور دوسری تقریبیں۔ شراب خواری سے احتراز۔ سادگی بہ مقابلہ عیش وعشرت۔ قناعت پسندی۔

( ) باغ بانی ومرغ بانی ایک سبق
ترکاریوں کی قدر وقیمت۔ غذا میں میوہ اور انڈا۔ باغ بانی اور مرغ بانی کے طریقوں میں اصلاح کی ضرورت۔ جراثیم اور ان کے انسداد کی حکیمانہ تدابیر۔ مختلف قسم کے باغات اوران کے نشوونما کے طریقے۔ اصیل اور انجانی مرغوں کی پرورش کی ترویج۔

شربت۔ مربے۔ چٹنی اور اچار۔

( ) توہمات مختلف ممالک کے توہمات۔ ان کی حماقت اور بے علمی کی وجہ ایک سبق سے توہمات کی وجہ خطرات۔ تعلیم اس کا بہترین علاج۔

( ) اشعار کل تقریباً بیانیہ نظموں کے (۵۰) اشعار جو اخلاقی نتائج پر مشتمل (۳۰) اسباق ہوں۔

ذیلی کمیٹی تعلیم بالغان

کے

ترمیم و منظور شدہ سفارشات

(۳)

(۱) مدارس بالغان جنہیں ہم قایم کرنا چاہتے ہیں دو قسم کے ہوں۔

الف ۔ ابتدائی مدارس بالغان۔

ب ۔ اعلیٰ مدارس بالغان۔

(۲) اول الذکر مدارس میں مدت تعلیم چھ مہینے ہو۔ اور ثانی الذکر میں ڈیڑھ سال جس کے دو حصے ہوں گے۔ پہلی میقات چھ مہینے کی۔ دوسری ایک سال کی

(۳) ان مدارس کا اولین مقصد لکھنا پڑھنا اور حساب کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت ہونی چاہیئے۔ پہلی قسم کے مدارس میں نوشت و خواند کے لئے خاص کتابیں تیار کی جائیں۔ حساب کی حد تک ایک لاکھ تک ہندسوں کا لکھنا۔ چار بنیادی قاعدوں پر سادہ سوالات حل کرنا (۱۰ × ۱۰) تک پہاڑے۔ حساب بازاری لین دین

سے پڑھانا چاہیئے۔

اعلیٰ مدارس بالغان میں خاص کتب کے ذریعہ نوشت و خواند اور کسی قدر زاید حساب۔ کتب ایسے موضوعات پر ہوں گی جن سے بالغوں کو دلچسپی ہو۔ ایسے معلومات مہیا کئے جائیں جن سے ناخواندہ شخص کو بہترین زندگی بسر کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

جو مدارس بالغان خاص فرقہ کے لئے قائم ہوں ان میں بہ حصول اجازت دینیات و اخلاقیات کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔

(۴) جہالت کی طرف عود کرنے سے بچانے کے لئے کتب خانہ اور دارالمطالعہ کی تنظیم ہونی چاہیئے۔ سینما۔ ریڈیو۔ اور طلسمی فانوس سے بھی امداد لی جائے گی۔

(۵) محکمۂ تعلیمات غیر سرکاری ذرائع کی امداد اور تعاون سے ان مدارس کو قائم کرے گا۔ تعلیم بالغان کی اشاعت کے لئے تعلقوں اور اضلاع میں کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔

(۶) مدرسہ کی عمارت دفتر گاؤں کی چاوڑی پر تعلیم بالغان کا انتظام کیا جائے گا۔

(۷) تعلیم مدرسوں کے عام اساتذہ یا ایسے مدرسین دیں گے جن کا خاص طور پر تقرر ہو۔ عموماً شام کے وقت تعلیم دی جائے گی ایسے مدرسین کو ہر مدرسہ کے لئے جس میں بالغ تعلیم پانے والوں کی تعداد (۳۰ تا ۵۰) ہو صہ۱۵ روپیہ بہ شمول اتفاقی اخراجات بطور الونس دئے جائیں گے۔

(۸) حیدرآباد کی خواتین کانفرنس کے اتحاد عمل سے اس نہج کے مدارس بالغان برائے نسوان قایم کئے جائیں گے۔ جیسے ذکور کے لئے قائم ہوں گے۔

(۹) دو قسم کے اسناد خواندگی عطا کئے جائیں۔ ایک ششماہی نصاب کی تکمیل اور دوسرا دو سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد۔

(۱۰) پوری اسکیم کو ایک معین منصوبہ اور معینہ مدت میں روبہ عمل لایا جائے۔

(۱۱) ایک مرکزی بورڈ قایم کیا جائے جو پبلک سررشتہ تعلیمات اور دیگر سررشتہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ اس کی شاخیں اضلاع میں بھی قایم کی جائیں۔ تاکہ تعلیم بالغان کے اہم کام کو خاطر خواہ چلایا جا سکے۔

شذرات

ریاست حیدرآباد میں تعلیمی تنظیم حکومت سرکار عالی کا پریس نوٹ

حکومت سرکار عالی نے وہ تجویزیں منظور کرلی ہیں جو مجلس تعلیم ثانوی کی جانب سے ریاست میں تعلیمی تنظیم کے بارے میں پیش کی گئی تھیں۔ یہ تجویزیں وسیع اصلاحات پر مشتمل ہیں جن کا تعلق لڑکیوں کی تعلیم سے نیز فنی تعلیم کو نصاب میں داخل کرنے اور امتحانات کے بار کو کم کرنے سے ہے۔ ادنیٰ ثانوی مراحل میں لڑکیوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ریاست کی چاروں زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو بطور ذریعہ تعلیم پسند کریں۔

اس نئی اسکیم میں تعلیم کی پوری مدت جو جماعت اول سے بی' اے کے امتحان تک چودہ سال مقرر کی گئی ہے۔ چار جدا جدا منزلوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ یعنی تحتانی منزل' ادنیٰ ثانوی منزل' اعلیٰ ثانوی منزل' اور جامعی منزل۔ پہلی دو منزلوں کی مدت تعلیم چار چار سال ہے اور آخری دو کی تین تین سال۔ تحتانی منزل میں (جس میں جماعت صغیر شامل نہ ہوگی) کم از کم ایک اور سال کی تعلیم کا انتظام اون طلبار کے لئے کیا جائے گا جو اس کو ختم کرکے ثانوی مدارس میں داخل نہ ہونا چاہتے ہوں۔ جامعی امتحانات کے علاوہ دو سرکاری امتحانات مقرر کئے گئے ہیں۔ پہلا امتحان ادنیٰ ثانوی منزل (جماعت پنجم سے جماعت ششم تک) کے ختم پر لیا جائے گا اور دوسرا امتحان اعلیٰ ثانوی منزل (جماعت نہم سے جماعت یازدہم تک) کے ختم پر لیا جائے گا۔ یہ امتحانات علی الترتیب امتحان ادنیٰ ثانوی

) Lower Secondary stage) اور اعلیٰ ثانوی (Higher
Secondary stage) کے نام سے موسوم ہوں گے۔

مجلس نے ثانوی تعلیم کی کمیٔ تنظیم کے لئے جو تجویزیں پیش کی ہیں وہ بہت دور رس ہیں۔ امتحانات کا بوجھ گھٹانے کے لئے ادنیٰ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی ہر دو منزلوں کا نصاب امتحانی مضامین اور غیر امتحانی مضامین میں تقسیم کیا گیا ہے اعلیٰ ثانوی منزل تین شعبوں میں تقسیم ہو گی۔

الف۔ شعبہ فنون ب۔ شعبہ ریاضی و سائینس ج۔ شعبہ حیاتیات۔

دسویں جماعت سے طلبا خصوصی مضامین لے سکیں گے۔ سیکنڈری کمیٹی کے سفارشات کے مطابق ادنیٰ ثانوی مدارس کو شہری مدارس اور دیہی مدارس میں دستکاری کی تعلیم اور دیہی مدارس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شہری مدارس میں دستکاری کی تعلیم اور دیہی مدارس میں باغبانی اور زراعت کی تعلیم غیر امتحانی مگر لازمی مضمون کی حیثیت سے دی جائے گی۔

جہاں تک لڑکیوں کا تعلق ہے ان کا نصاب اعلیٰ ثانوی منزل میں چار شعبوں میں منقسم ہوگا۔ الف۔ شعبہ فنون۔ ب۔ شعبہ ریاضی و سائنس (ج) شعبہ حیاتیات اور (د) شعبہ امور خانہ داری اور ادنیٰ ثانوی مدارس میں ان امتحانی مضامین کے علاوہ جو لڑکیوں کے لئے مقرر ہیں امور خانہ داری کو بھی زائد امتحانی مضمون کی حیثیت سے جگہ دی جائے گی۔

جہاں تک ذریعہ تعلیم کا تعلق ہے لڑکوں کے لئے ادنیٰ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی دونوں منزلوں میں بدستور اردو جاری رہے گی لیکن لڑکیوں کے لئے صرف اعلیٰ ثانوی منزل میں اردو باقی رہے گی۔ ادنیٰ ثانوی منزل میں لڑکیوں کو اختیار ہوگا کہ اردو یا کسی دوسری ملکی زبان مثلاً تلنگی، مرہٹی، یا کنڑی کو ذریعہ تعلیم کے طور پر پسند کریں۔

یہ بات باعث دلچسپی ہے کہ ہر تعلیمی منزل کے اختتام پر خاص خاص فنی اداروں میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا علحدہ انتظام کیا جائے گا۔ چنانچہ تحتانی منزل کے اختتام پر یعنی پانچویں جماعت کے بعد صنعتی مدارس کھلے ہوں گے اور آٹھویں جماعت اور گیارھویں

جماعت کے بعد مختلف قسم کے پیشہ ورانہ فنی مدارس کا انتظام ہوگا۔

نئی اسکیم کا نفاذ جماعت پنجم، ششم اور ہفتم کے افتتاح سے ماہ امرداد ۱۳۴۸ف میں ہوگا۔اس کے بعد ہر سال ایک ایک نئی جماعت کا اضافہ ہوتا جائے گا۔اس لحاظ سے پہلی دفعہ امتحان لور سکنڈری سرٹیفکٹ خورداد ۱۳۵۰ف میں اور امتحان اپر سکنڈری سرٹیفکٹ خورداد ۱۳۵۳ف میں لیا جائے گا۔ (حکومت سرکار عالی کا پریس نوٹ)

نصاب کی جدید تاریخی کتابیں

سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی نے نصاب کی تاریخی کتابوں کی نظر ثانی کرنے اور انھیں از سر نو مرتب کرنے کا اس مقصد سے بیڑا اٹھایا ہے کہ ان میں جو کچھ فرقہ وارانہ اثرات پائے جاتے ہوں انھیں دور کیا جائے۔ یہ کوشش ان متعدد کوششوں میں سے ایک ہے جو قومیت کو ابھارنے اور ترقی پذیر مطمح نظر پیدا کرنے کے لئے ریاست میں کی جارہی ہے۔

غالباً یاد ہوگا کہ عالیجناب رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نے بھی گزشتہ سال ڈھاکہ یونیورسٹی میں اپنے خطبۂ تقسیم اسناد میں اس ضرورت پر زور دیا تھا کہ ہندوستانی تاریخ کی کتابوں کو فرقہ واری تعصب کے اثرات سے پاک کرنا چاہیے۔برطانوی ہند کی بعض صوبہ واری حکومتوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کرلیا ہے۔ چنانچہ حال میں صوبہ جات متحدہ کی مجلس وضع قوانین نے اس بارے میں ایک تحریک بھی منظور کی ہے۔

سررشتۂ تعلیمات نے دو سال قبل ایک خاص کمیٹی مقرر کرکے اس کام کو آغاز کیا۔ یہ کمیٹی جامعہ کے بعض اساتذہ اور محکمۂ مذکور کے نمایندوں پر مشتمل ہے اور اپنے کام کی انجام دہی میں حسب ذیل تین اُصول اس کے پیش نظر رہے :۔

(۱) کتابوں میں سے فرقہ واری رجحانات کو دور کردیا جائے تاکہ طلبا میں رواداری کا جذبہ ترقی پانے میں مدد ملے۔

(۲) تاریخی واقعات کے تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا جائے اور

(۳) سلیس زبان استعمال کی جائے۔

مزید برآں کمیٹی نے لڑائیوں اور سازشوں کی تفصیلات کو نظر انداز کیا ہے اور

ان کے بجائے ایسے واقعات کو شامل کیا ہے جن سے طلبا ر کے دلوں میں اپنے مشترکہ قومی جذبہ کا فخر آمیز احساس پیدا ہو۔ اس وقت تک کمیٹی نے جماعت ہائے سوم و چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم کے لئے پانچ درسی کتابیں تیار کرلی ہیں اور وہ عنقریب میں شائع ہوں گی۔

چند مثالوں سے ان اصولوں کی وضاحت ہو جائے گی جو ان کتابوں کی تیاری میں پیش نظر رہے ہیں مثلاً علار الدین خلجی اور چتوڑ کی پدمنی یا بلیک ہول آف کلکتہ (کلکتہ کی کال کوٹھری) جیسے قصہ نما نیم تاریخی یا نزاعی تذکروں کو یا تو ترک کر دیا گیا ہے یا بہت مختصر کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف طبقوں کے درمیان سیاسی برتری کی جو کشمکش رہی ہے اسے اس کے صحیح مطمح نظر میں پیش کیا گیا ہے یعنی اسے نسلی یا مذہبی رنگ میں نہیں بلکہ اس اصول کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے جس کے تحت مختلف اوقات میں مرکز پسند اور مرکز گریز قوتیں کام کرتی رہی ہیں چنانچہ اکبر اور راجپوتوں کے درمیان یا اورنگ زیب اور مرہٹوں کے درمیان جو کشمکش رہی ہے اوسے اسی اٹل قانون کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ واقعات کے تہذیبی عنصر کے سلسلہ میں بھگتی تحریک جیسی تحریکوں کو کافی نمایاں کیا گیا ہے جو کبیر نانک، اور نام دیو جیسے بزرگوں کے فیض کا نتیجہ ہیں اور جو اسلامی اور ہندو تہذیب کے سنگم کی دلپذیر پیداوار ہیں۔ کتابوں کی اس نئی ترتیب میں کمیٹی نے مشہور مورخوں کی تازہ تحقیق اور ریسرچ کے نتائج سے پورے طور پر استفادہ کیا ہے۔ (معلومات عامہ کا پریس نوٹ)

فہرست کتب درسی برائے جماعت پنجم تا ہشتم

مجوزہ ذیلی کمیٹی ہائے نصاب و منظورہ کمیٹی آف کورس

(۱) انگریزی

مدارس شہری

پنجم۔ غائر مطالعہ۔

مندرجہ ذیل سے کوئی ایک کتاب حسب انتخاب صدر مہتمم صاحب تعلیمات

یا پرنسپل صاحب متعلقہ ۔

(۱) اکسفورڈ انگلش کورس ۔ فاسٹ نمبر (۲)

(۲) دی نیو میتھڈ ریڈر ویسٹ نمبر (۲)

سرسری مطالعہ :۔

نیو میتھڈ ریڈرس کے ساتھ ان کی متعلقہ سپلمنٹری ریڈرین اور آکسفورڈ ریڈر کے ساتھ سلسلہ کی حسب ذیل کتب استعمال کی جائیں گی۔

(۱) رابن ہڈ (Robin Hood)

(۲) انڈین ٹیلس (Indian Tales)

قواعد :۔ حسب ذیل کتب کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے ۔

(۱) اے سمپل انگلش گرامر وتھہ اکسرسائزس از ای ۔ اے میکنی (ا ۔ ی پریس)

A Simple English Grammar with Exercises by E. A. Macnee

(۲) این اوٹ لائن انگلش گرامر اسٹیج ون از آر ۔ ڈبلیو جپسن (لانگ منس)

An Outline English Grammar - Stage one by R. W. Jipson

ششم ۔ غائر مطالعہ ۔

مندرجہ ذیل سے کوئی ایک کتاب حسب انتخاب صدر مہتمم صاحب تعلیمات یا پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج متعلقہ ۔

(۱) اکسفورڈ انگلش کورس ۔ فاسٹ نمبر (۳)

(۲) دی نیو میتھڈ ریڈر ویسٹ نمبر (۳)

سرسری مطالعہ :۔

نیو میتھڈ ریڈرس کے ساتھ ان کی متعلقہ سپلمنٹری ریڈرین استعمال کی جائیں اور آکسفورڈ ریڈر کے ساتھ اسی سلسلہ کی مندرجہ ذیل کتب استعمال ہوں گی۔

(۱) رپ وان ونکل ۔ Rip Van Winkle

(۲) کنگ آف دی گولڈن ریور ۔ King of the Golden River

قواعد:۔ پنجم کی کتب پڑھائی جائیں گی۔

ہفتم ۔ غائر مطالعہ (مندرجہ ذیل سے کوئی ایک کتاب) حسب انتخاب صدر مہتمم صاحب تعلیمات۔ پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج متعلقہ۔

(۱) آکسفورڈ انگلش کورس فاسٹ نمبر (۴)

(۲) نیومیتھڈ ریڈر نمبر (۴)

سرسری مطالعہ :۔ نیو میتھڈ ریڈرس کے ساتھ متعلقہ سپلمنٹری کتب اور آکسفورڈ ریڈر کے ساتھ سلسلہ کی حسب ذیل کتب پڑھائی جائیں گی۔

(۱) دی عربین نائیٹس The Arabian Nights

(۲) دی ٹمپیسٹ The Tempest

قواعد:۔ حسب ذیل کتب کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے۔

(۱) اکسرسائزس ان انگلش گرامر اینڈ ایڈیم از ای ۔اے میکنی (آ۔ی پریس)

Exerciseas in English Grammar & Idioms by E. A. Macnee

(۲) انگلش گرامر فارٹوڈے۔ از ۔آر۔ ڈبلیو جپسن (لانگ منس)

English Grammar for to-day by R. W. Jipson

(۳) رنس شارٹر انگلش گرامر (کوپر بمبئی) Wrenn's Shorter English Grammar (Cooper Bombay)

برائے مدارس دیہی

پنجم ۔ غایر مطالعہ — کوہ نور پرائمر

ششم۔ غایر مطالعہ — کوہ نور ریڈر پہلی کتاب

ہفتم۔ غایر مطالعہ — ،، ،، دوسری کتاب (نوٹ) سپلمنٹری ریڈر سلسلہ کی متعلقہ ریڈرس استعمال کی جائیں گی۔

بنیادی (بیسک) انگریزی کی تعلیم ہر صوبہ کے ۳۔ ۴ منتخب مدارس میں بطور تجربہ

دی جائیں گی۔ مدارس کا انتخاب اور کتب کا اعلان متعاقب کیا جائے گا۔

(۲) جغرافیہ

کتب موجودہ (برائے طلبا)

(۱) سلسلہ جغرافیہ حصہ اول تا چہارم از ایم۔آر قریشی صاحب (مکملن) اردو
(۲) اٹلس لانگ منس سینیر اٹلس فار انڈیا (فلپ)

(۳) دینیات

جماعت پنجم۔	رسالۂ دینیات پنجم	(مرتبہ سررشتہ تعلیمات)
جماعت ششم۔	رسالۂ دینیات ششم	(" " ")
جماعت ہفتم۔	رسالۂ دینیات ہفتم	(" " ")

کلام مجید کی تعلیم حسب سابق ہو گی۔

(۴) اُردو

پنجم (۱) درسیہ عثمانیہ پانچویں کتاب (انجمن ترقی اردو)
مجوزہ امدادی کتب۔

(۱) تحفۂ جاپان اصغر حسین صاحب اصغر	انڈین پریس الہ آباد
(۲) ارجن۔	
(۳) تخت سلیمان شیخ نور الٰہی	رائے گلاب سنگھ لاہور
(۴) علی بابا چالیس چور لالہ سوہن لال	" " "
(۵) بالشیتوں کی سرزمین	" " "

ششم:۔ کتب مجوزہ درسی۔

(۱) درسیہ عثمانیہ چھٹی کتاب — انجمن ترقی اردو

مجوزہ امدادی کتب۔

(۱) تحفۂ مصر وحبش اصغر حسین اصغر	انڈین پریس الہ آباد
(۲) ہوائی گھوڑا جزان چند چاولہ	عطر چند کپور الہ آباد
(۳) ولیم ٹیل محمد نصیر ہمایون	قومی کتب خانہ لاہور
(۴) بحر جنوبی کا سفر جگل کشور	دارالاشاعت پنجاب

ہفتم۔ کتب مجوزہ درسی۔

(۱) درسیہ عثمانیہ ساتویں کتاب	انجمن ترقی اردو

امدادی کتب۔

(۱) تحفہ قطبین اصغر حسین اصغر	انڈین پریس الہ آباد
(۲) مفید ایجادات کی کہانی۔	"
(۳) لیلی پٹ کا بحری سفر	"
(۴) بہار کشمیر	"
(۵) دنیا کے آبشار	"

قواعد:۔ قواعد اردو حصہ دوم مرتبہ سررشتہ تعلیمات۔

(۵) ابتدائی ریاضی

ابتدائی ریاضی مرتبہ سررشتہ تعلیمات پڑھائی جائے۔ دوسری کتابیں مدرسین حسب ضرورت استعمال کرسکتے ہیں۔

(۶) اخلاق

کتب مجوزہ درسی۔ حسب سابق عمل ہو۔

(۷) سنسکرت

مجوزہ درسی کتب۔

پنجم :- (۱) ابھی نیوا پیتھالی پہلی کتاب — پہلے ۱۵ سبق

ششم { (۱) " " " — مکمل مع نظم
(۲) بھنڈارکر کی پہلی کتاب — پہلے ۹ سبق

ہفتم { (۱) ابھی نیوا پیتھالی دوسری کتاب — نصف اول
(۲) بھنڈارکر کی پہلی کتاب — سبق ۱۰ تا ۲۴

پنجم ۔ مجوزہ درسی کتاب (۸) عربی

(۱) مبادی القرءۃ الرشیدہ جزو اول تالیف محمد عبید صاحب مطبوعہ مطبع المعارف مصر۔

ششم ۔ مجوزہ درسی کتاب ۔

(۱) مبادی القرءۃ الرشیدہ جزو ثانی تالیف محمد عبید صاحب مطبوعہ مطبع المعارف مصر۔

قواعد :۔ (۲) کتاب الصرف تالیف حافظ عبد الرحمٰن صاحب امرتسری مطبوعہ اشیم پریس لاہور، مدرس کے پیش نظر رکھنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

ہفتم :- مجوزہ درسی کتابیں ۔

(۱) القرءۃ الرشیدہ جزو اول تالیف عبد الفتاح صبری بک و علی عمر بک مطبوعہ مطبع المعارف مصر

امدادی کتب۔

(۱) کتاب الارنب الذکی — مطبعۃ المعارف مصر

قواعد (۱) ششم کی قواعد مدرس کے پیش نظر رہے ۔

(۲) کتاب النحو تالیف حافظ عبد الرحمٰن امرتسری مدرس کے پیش نظر رہے۔

(۹) تلنگی

جماعت پنجم ۔

(۱) غایر مطالعہ تلگو ریڈر نمبر ۵ از لکشمی نرسیوم ورا گویند راؤ (ونکٹ رام کمپنی ایلور)

یا (۲) غایر مطالعہ آندھرا واچکم ۵ (ونکٹ رام اینڈ کمپنی ایلور)

(ب) سرسری مطالعہ بھارت نیتی کتھا لو حصہ اول (مسرز ونکٹ رام اینڈ کمپنی ایلور)

(ج) قواعد۔ سبو دھنی ویا کریم حصہ اول (مسرز ونکٹ رام اینڈ کمپنی یلور)

(۲) ویا کرن بودھنی برائے جماعت پنجم (فرسٹ فارم) سندر رام اینڈ سنس تنالی۔

جماعت ششم۔

(۱) غایر مطالعہ تلنگو ریڈر نمبر ۶ از لکشمی نرسیوم ورا گویند راؤ (ونکٹ رام کمپنی یلور)

یا الف ۔ ۲۔ غایر مطالعہ۔ اندھرا واچکم نمبر ۶

ب ۔ سرسری مطالعہ۔ بھارت نیتی کتھا لو حصہ دوم۔

ج ۔ قواعد ۔ سبو دھنی ویا کرنم حصہ دوم اور ویا کرن بودھن برائے سکنڈ فارم۔

جماعت ہفتم:۔

(الف) (۱) غایر مطالعہ تلگو ریڈر نمبر (۷) از لکشمی نرسیوم ورا گھویند راؤ (ونکٹ رام کمپنی ایلور)

(۲) غایر مطالعہ آندھرو اچکم نمبر (۷)

(ب) سرسری مطالعہ بھارت ویرلو (مسرز ونکٹ رام اینڈ سنس)

(ج) قواعد سبو دھنی ویا کرنم حصہ سوم اور ویا کرن بودھنی برائے تھرڈ فارم۔

نوٹ۔ غایر مطالعہ کی کتب کا انتخاب صدر مہتمم تعلیمات یا پرنسپل صاحب انٹرمیڈیٹ کالج متعلقہ کریں گے۔

(۱۰) مرہٹی

جماعت پنجم۔

(الف) درسی کتاب نظم ونثر مراٹھی واچن مالا کتاب نمبر (۵) ازجی یم ویدیا اور
اے۔وی مراٹھی (پوری کتاب) کے۔ڈی وہولے گرگام بمبئی۔
(ب) کمپوزیشن۔از کے۔یم بھیڈے حصہ اول (نصف کتاب)

جماعت ششم۔

(الف) درسی کتاب نظم ونثر مرہٹی واچن مالا بک نمبر (۶) ازجی یم ویدیا اور
اے۔وی مراٹھی (پوری کتاب)
(ب) قواعد۔آچھے بولنے۔ازیم۔یس مونے حصہ دوم
(ج) کمپوزیشن۔نندھہ دسکا۔از کے یم بھیڈے حصہ اول (دوسرا نصف حصہ)
کے۔ڈی ڈھولے گرگام بمبئی۔

جماعت ہفتم۔

(الف) درسی کتاب نظم ونثر۔مرہٹی واچن مالا کتاب نمبر (۷) ازجی یم ویدیااور
اے وی مرھٹی (پوری کتاب)
(ب) قواعد۔آچھے بولنے از یم۔یس مونے حصہ سوم۔
(ج) کمپوزیشن نیندہ ویپیکا۔از کے یم بھیڈے حصہ دوم۔(پہلا نصف حصہ)

(۱۱) کنڑی

جماعت پنجم۔

(الف) غایر مطالعہ۔ کنڑی کی چوتھی کتاب سبق پانچ اور دس تا سبق (۳۱)
نثر ۳۴ تا ۳۹ اور ۴۱ تا ۴۵ (تیار کردہ میسور ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ مطبوعہ ۱۹۳۶ء سیتا یشو دہن بکڈپو بنگلور)
نظم اسی کتاب سے۔
نظم اسی کتاب سے نظم نمبر (۱۔۴۔۷۔۱۱۔۱۲۔۱۳۔۱۴۔اور ۱۵)۔

(ب) سرسری مطالعہ۔ سیتاراما از یم۔ ین کایت بال ساھیتیا منڈل کوڈیال بیل بنگلور۔

(ج) قواعد۔ ہوس کنڑ ویاکرن۔ از بی ملیا صفحہ ایک تا ۱۸ ۱۹۳۱ء ایڈیشن ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن میسور ستیا ییشودہن بک ڈپو بنگلور

جماعت ششم۔

(الف) غایر مطالعہ۔ نثر۔ کنڑ پانچویں کتاب۔ ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن میسور۔ ۱۹۳۶ء ایڈیشن۔ اسباق ۴۔ ۱۰۔ ۱۴۔ ۱۷۔ ۱۹۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۳۱ اور ۳۴۔

نظم اسی کتاب سے اسباق ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۵۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶ اور ۱۷

(ب) سرسری مطالعہ چانکیا تنتر دو نو حصے۔ از یم شنکر بھٹ۔ بال ساھتیا منڈل کوڈیال۔ بیل بنگلور۔

(ج) قواعد۔ ہوس کنڑ ویاکرن صفحہ (۱۹ تا ۳۹)

جماعت ہفتم۔

(الف) غایر مطالعہ۔ نثر۔ کنڑ چھٹی کتاب ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن میسور۔ ۱۹۳۶ء ایڈیشن۔ ایک تا ۲۵ اسباق۔

نظم اسی کتاب سے اسباق ۱ تا ۶ اور ۱۴ اور ۱۵۔

(ب) سرسری مطالعہ۔ پلے چترگلو از گرو راموری انتیگاد۔ سیتا شودھن پبلشنگ ہوس بنگلور۔

(ج) قواعد۔ ہوس کنڑ ویاکرن۔ ۴۰ تا ۶۵ صفحہ

(۱۲) تاریخ

جماعت پنجم ۔ تاریخ دکن مرتبہ سررشتہ تعلیمات۔ سید عبدالقادر اینڈ سنس تاجران کتب چارمینار حیدرآباد دکن

جماعت ششم ۔ ہندوستان کی تاریخ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

جماعت ہفتم ۔ تاریخ ہند حصہ اول 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(۱۳) فارسی

جماعت پنجم ۔ کتاب فارسی دورہ سوم مرتبہ سررشتہ تعلیمات۔ سید عبدالقادر اینڈ سنس تاجران کتب چارمینار حیدرآباد دکن

جماعت ششم ۔ 〃 〃 〃 چہارم 〃 〃 〃 〃 〃 〃

جماعت ہفتم ۔ 〃 〃 〃 پنجم 〃 〃 〃 〃 〃

جماعت پنجم تا ہفتم ۔ قواعد ۔ مفتاح القواعد مطبوعہ الہ آباد۔

نوٹ :۔ سائنس اور امور خانہ داری وغیرہ کی کتب زیر ترتیب ہیں۔

تفصیلی فہرست کتب نصابی برائے جماعت صغیر تا چہارم من ابتدائے یکم امرداد ۱۳۴۸ف لغایۃ ختم تیر ۱۳۴۹ف مرتبہ دفتر نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

نشان سلسلہ	نام مضمون	نام جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۱	زبان لازمی اردو	صغیر	اردو کا قاعدہ درسیہ عثمانیہ مرتبہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سالم کتاب	
		اول	اردو کی پہلی کتاب 〃 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 دوسری کتاب 〃 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 تیسری کتاب 〃 اور اشارات قواعد برائے مدرسین مرتبہ سررشتہ تعلیمات	
		چہارم	〃 〃 چوتھی کتاب 〃 〃 اور مرمہ قواعد اردو حصہ اول مرتبہ سررشتہ ہذا۔ سالم کتاب	
۲	تلنگی برائے ذکور (زبان لازمی)	صغیر	بملا بالا سکشا مرتبہ ونکٹ راما اینڈ کو ویلور و سکندرآباد سالم کتاب	
		اول	اندھرا واچکم نمبرا 〃 〃 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 〃 ۲ 〃 〃 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 〃 ۳ 〃 〃 〃 〃 〃	
		چہارم	〃 〃 〃 ۴ 〃 〃 〃 〃 〃 اور پرائمر آف تلگو گرامر مرتبہ 〃 〃 〃 〃	
۳	زبان لازمی تلنگی (برائے اناث)	صغیر	بملا بالا سکشا مرتبہ ونکٹ راما اینڈ کو ویلور و سکندرآباد سالم کتاب	
		اول	تلگو ریڈر نمبرا 〃 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 〃 ۲ 〃 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 〃 ۳ 〃 〃 〃 〃	
		چہارم	〃 〃 〃 ۴ 〃 〃 〃 〃 اور پرائمر آف تلگو گرامر مرتبہ 〃 〃 〃	

نمبر سلسلہ	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۴	زبان لازمی مرہٹی	صغیر	مرہٹی پہ ائمرداچن مالا مشتہر کے ڈی ڈھولے گرگاون بمبئی سالم	
		اول	〃 〃 نمبر۱ 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 ۲ 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 ۳ 〃 〃 〃	
		چہارم	〃 〃 ۴ 〃 〃 〃	
۵	زبان لازمی کنڑی	صغیر	کنڑ بالا بودھا (کنڑی کا قاعدہ) مرتبہ میسور ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ ۱۹۳۶ء سالم	
		اول	کنڑی ریڈر نمبر۱ 〃 〃 〃	
		دوم	〃 〃 ۲ 〃 〃 〃	
		سوم	〃 〃 ۳ 〃 〃 〃	
			نصف حصہ اول نثر و نظم نصف حصہ اول	
		چہارم	〃 〃 نصف حصہ دوم نثر و نظم نصف حصہ دوم	
۶	حساب	صغیر	حسب نصاب مقررہ ۔ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے . . .	
		اول	〃 رسالہ حساب جدید حصہ اول مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی۔	
			یا رسالہ حمایت الحساب حصہ اول مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
		دوم	رسالہ حساب حصہ دوم مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی	
			یا حمایت الحساب حصہ دوم مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
		سوم	رسالہ حساب حصہ سوم مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی	
			یا حمایت الحساب حصہ سوم مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
		چہارم	رسالہ حساب حصہ چہارم مرتبہ مولوی فیض محمد صاحب صدیقی	
			یا حمایت الحساب حصہ چہارم مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب	
۷	معلومات عامہ	اول	(الف۔جغرافیہ) (حسب نصاب جدید) کوئی کتاب مقرر نہیں ۔	

نشان سلسلہ	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
		دوم	(حسب نصاب جدید) (اشارات جغرافیہ دوم وسوم مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
		سوم	جغرافیہ حصہ سوم اردو مرتبہ سررشتہ ہذا " " سوم تلنگی " " " " سوم مرہٹی " مولوی سجاد مرزا صاحب (اشارات جغرافیہ دوم وسوم مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
		چہارم	جغرافیہ حصہ چہارم اردو۔ مرہٹی۔ تلنگی۔ مرتبہ مولوی سجاد مرزا صاحب۔	
		سوم	(ب۔ تاریخ) تاریخی کہانیاں برائے جماعت سوم مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ومولوی نورالحسن صاحب منظورہ سررشتہ ہذا۔	
		چہارم	تاریخی کہانیاں برائے جماعت چہارم مرتبہ " " " " " " " " " "	
۸	السنہ زاید اُردو	دوم	انجمن ترقی اردو کا قاعدہ مکمل اور اردو کی پہلی کتاب انجمن ترقی اردو نصف حصہ اول۔	
		سوم	اردو کی پہلی کتاب مرتبہ انجمن ترقی اردو نصف حصہ دوم اور اردو کی دوسری کتاب مرتبہ انجمن ترقی اردو نصف حصہ اول	

نمبر شمار	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
		چہارم	اردو کی دوسری کتاب مرتبہ انجمن ترقی اردو نصف حصہ دوم اور اردو کی تیسری کتاب " " " (سالم)	
۹	السنہ زاید فارسی	دوم	قاعدہ فارسی مرتبہ متین صاحب نصف حصہ اول۔	
		سوم	" " " " دوم۔	
		چہارم	دروس فارسی سالم مرتبہ متین صاحب	
۱۰	السنہ زاید تلنگی برائے ذکور	دوم	بلا بالا سکشا سالم اور آندھرا ریڈر نمبر ا نصف حصہ اول۔	
		سوم	آندھرا ریڈر نمبر ا نصف حصہ دوم اور آندھرا ریڈر نمبر ۲ نصف حصہ اول	
		چہارم	آندھرا ریڈر نمبر ۲ نصف حصہ دوم اور آندھرا ریڈر نمبر ۳ سالم	
۱۱	السنہ زاید تلنگی برائے اناث	دوم	بلا بالا سکشا سالم اور تلگو ریڈر نمبر ا نصف حصہ اول	
		سوم	تلگو ریڈر نمبر ا نصف حصہ دوم اور تلگو ریڈر نمبر ۲ نصف حصہ اول	
		چہارم	" " " ۲ " " " ۳ سالم	
۱۲	السنہ زاید مرہٹی	دوم	مرہٹی پرائمر واچن مالا سالم اور مرہٹی واچن مالا نمبر ا کا نصف حصہ اول	
		سوم	مرہٹی واچن مالا نمبر ا کا نصف حصہ دوم اور مرہٹی واچن مالا کا نصف حصہ اول۔	
		چہارم	مرہٹی واچن مالا نمبر ۲ کا نصف حصہ دوم اور مرہٹی واچن مالا نمبر ۳ سالم	
۱۳	السنہ زاید کنڑی	دوم	کنڑی پرائمر سالم اور کنڑی ریڈر نمبر ا کا نصف حصہ اول	
		سوم	" ریڈر نمبر ا کا نصف حصہ دوم اور کنڑی ریڈر نمبر ۲ کا نصف حصہ اول	
		چہارم	کنڑی ریڈر نمبر ۲ کا نصف حصہ دوم اور کنڑی ریڈر نمبر ۳ کا نصف حصہ اول نثر و نظم۔	

نشان سلسلہ	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۱۴	السنہ زائد دوم انگریزی	سوم	فاسٹ پرائمر اکسفورڈ یونیورسٹی یا نیومیتھڈ ریڈر بائی ویسٹ ریڈر نمبر (۱) اے پرائمر۔ ۔ ۔	
		چہارم	فاسٹ ریڈر نمبر (۱) آکسفورڈ یونیورسٹی یا نیومیتھڈ ریڈر بائی ویسٹ ریڈر نمبر ا بی کمپوزیشن نمبرا۔ سپلمنٹری ریڈر نمبر ا	
۱۵	مطالعہ قدرت	صغیر	حسب نصاب مقررہ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔ ۔ ۔	
		اول تا چہارم	،، ،، (مطالعہ قدرت حصہ اول تا چہارم مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
۱۶	قصہ گوئی	صغیر تا دوم	حسب نصاب مقررہ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
۱۷	دینیات	صغیر	(۳ کلمے) کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔	
		اول	دینیات کا پہلا رسالہ مرتبہ سررشتۂ ہذا۔ قاعدہ بغدادی پارۂ عم ناظرہ (ربع حصہ) پانچ سورتیں با ترجمہ۔ الحمد۔ قل ہو اللہ انا اعطینا۔ اذا جاء۔ والعصر۔	
		دوم	دینیات کا دوسرا رسالہ مرتبہ سررشتۂ ہذا اور بقیہ حصہ پارۂ عم الم بلا ترجمہ۔ پانچ سورتیں۔ با ترجمہ یعنی والناس۔ فلق۔ فیل قریش۔ انا انزلنا۔	
		سوم	دینیات کا تیسرا رسالہ مرتبہ سررشتہ ہذا۔ پارہ نمبر ۲ تا ۴ بلا ترجمہ۔	
		چہارم	دینیات کا چوتھا رسالہ مرتبہ سررشتۂ ہذا۔ پارہ نمبر ۵ تا ۹ بلا ترجمہ۔	

نمبر سلسلہ	نام مضمون	جماعت	نام کتب منظورہ	کیفیت
۱۸	اخلاقیات	صغیر	اخلاقی نظم کے بیس اشعار طالب علم کی لازمی زبان میں کوئی کتاب مقرر نہیں ۔ ۔ ۔ ۔	
		اول تا چہارم	کوئی کتاب مقرر نہیں ۔ حسب نصاب مقررہ	
۱۹	حفظ صحت	صغیر تا چہارم	حسب نصاب مقررہ ۔۔ کوئی کتاب مقرر نہیں ہے ۔	
۲۰	ورزش جسمانی	صغیر تا چہارم	" " " " (رسالہ تربیت جسمانی مرتبہ سررشتہ ہذا برائے مدرسین)	
۲۱	معلومات دیہی	سوم	" " " " کوئی کتاب مقرر نہیں ہے ۔	
۲۲	معلومات شہری	سوم	" " " " "	
۲۳	نقشہ کشی و دستی مشاغل	صغیر تا چہارم	" " " " "	
۲۴	سوزنکاری و امور خانہ داری برائے اناث	" "	" " " " کوئی کتاب مقرر نہیں ہے ۔	

شرحہ دستخط

مددگار ناظم تعلیمات

شرحہ دستخط

صیغہ دار

نوٹ ۔ مرہٹی اور کنڑی گرامر کے متعلق متعاقب اطلاع دی جائے گی ۔

ادارتی مقالے

جدید تنظیم | نئے تعلیمی سال کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ثانوی تعلیم کا پورا نظام نئے لباس میں نظر آرہا ہے۔ وسطانی اور تحتانی طبقوں کے نصاب کی ابتدا سے انتہا تک نظر ثانی کی گئی ہے۔ ہم اس کے بارے میں پہلے بھی سرسری طور سے تبصرہ کر چکے ہیں۔ حکومت سرکار عالی کا جو پریس نوٹ شائع ہوا ہے وہ اسی رسالہ میں کہیں اور دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے بخوبی روشن ہو گا کہ جس چیز کے متعلق قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں وہ معرض وجود میں آگئی ہے۔ اب یہ تصفیہ ہوا ہے کہ نئے نصاب کے مطابق جماعت ہائے پنجم تا ہفتم کی تعلیم امرداد ۳۴۸ ف سے شروع کی جائے۔ ہشتم کی جماعت ۴۹ ف سے کھولی جائے گی۔

نئی تعلیمی تنظیم کے لحاظ سے نصاب اور کتابوں میں تھوڑا بہت تغیر نہ ہو گا۔ بلکہ حیدرآباد کے تعلیمی نظام میں عظیم الشان انقلاب ہو گا۔ سب سے اہم خصوصیت یہ ہو گی کہ اب ہر لڑکا جو وسطانیہ کی تعلیم ختم کرے گا فوقانیہ میں نہ جائے گا بلکہ صرف وہ لڑکے فوقانیہ کی تعلیم حاصل کریں گے جو خالص ادبی رجحان رکھتے ہیں۔ جن لڑکوں کا مذاق ادبی نہیں بلکہ ان کی طبیعتیں ہنر اور دست دوزی کی مائل ہیں وہ مخصوص فنی اور پیشہ ورانہ مدارس میں جائیں گے۔ دوسری خوبی نئے نظام کی یہ ہے کہ مضامین نصاب کو امتحانی اور غیر امتحانی مضامین میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ طلبہ پر امتحان کا حد سے زیادہ بار نہ پڑے۔ البتہ غیر امتحانی مضامین کے سبب مدرسین کی ذمہ داریوں میں خاصا اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ غیر امتحانی مضامین میں بچوں کو مشاق بنانے کا فرض کلیتہً انھیں پر عاید ہو گا۔

درسی کتابیں بھی حتی الوسع بدل دی گئی ہیں۔ بعض زیر ترتیب ہیں۔ نئی کتابیں نئے طرز پر اور نئے اصولوں کے مدنظر لکھوائی گئی ہیں مثال

کے لئے تاریخ کی نئی کتابوں کو لیجئے۔ ان کتابوں کی تیاری میں سررشتہ تعلیمات نے غیر معمولی دلچسپی لی ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں فرقہ وارانہ اثرات کا شائبہ نہ رہنے پائے چنانچہ ایک کمیٹی مسلسل دو سال تک شب و روز ان کی تیاری میں مصروف رہی اور ایک ایسا سلسلہ مرتب کرنے میں کامیاب ہوئی ہے جو سلیس زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ، فرقہ وارانہ رجحانات سے پاک ہے۔ ان میں خاص طور سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ جنگ و جدال کے واقعات کی تفصیل کے بجائے "تاریخی واقعات" کے تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا جائے تاکہ طلبہ میں رواداری کا جذبہ ترقی پائے اور ان کے دلوں میں اپنے مشترکہ قومی جذبہ کا فخر آمیز احساس پیدا ہو۔

نئے نصاب میں لڑکیوں کی خصوصی ضرورتوں کا کافی لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ ہر لڑکی کے لئے امور خانہ داری کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جسمانی ورزش کا بھی التزام رکھا گیا ہے۔ لیکن لڑکیوں کے لئے ایسی ورزشیں مقرر کی گئی ہیں جن سے لڑکیوں کی جسمانی نشو و نما بوجوہ احسن ہو۔

لڑکیوں کے لئے ایک اور سہولت یہ رکھی گئی ہے کہ ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ادنیٰ ثانوی تعلیم تک اپنی مادری زبان کے ذریعہ تحصیل علوم کریں۔ البتہ اعلیٰ ثانوی طبقہ میں اُردو ذریعہ تعلیم رہے گی۔ جو لڑکیاں مادری زبان میں ثانوی تعلیم حاصل کریں گی وہ بھی اُردو بطور زبان زائد سیکھیں گی تاکہ اعلیٰ ثانوی طبقہ میں اُن کو ذریعہ تعلیم کے باعث دشواری پیش نہ آئے۔

ظاہر ہے کہ ثانوی تعلیم کے نصاب کی ترمیم بے معنی سی چیز ہوتی اگر تحتانی نصاب میں بھی ضروری تبدیلی نہ کی جاتی۔ چنانچہ طبقہ تحتانیہ کے نصاب میں بھی رد و بدل کیا گیا ہے۔ اور ثانوی نصاب سے مطابقت پیدا کی گئی ہے۔ جس سے توقع ہے کہ بچوں کو ابتدا ہی سے ایسے راستہ پر لگا دیا جائے گا کہ وہ آگے چل کر ثانوی تعلیم سے کما حقہ استفادہ کر سکیں اور اس کے گوناگوں شعبوں میں سے جس شعبہ کے لئے وہ قدرۃً موزوں ہیں، اس شعبہ کی تعلیم حاصل کر کے اپنے جوہروں کو جلا دیں اور قوم و ملک کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید

دکار آمد بن سکیں ۔

عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات کے استقلال پر مبارک باد

عالی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) نے ۸ تیر ۱۳۵۶ ف میں عہدہ نظامت کا جائزہ حاصل فرمایا۔ تقریباً دو سال تک منصرمانہ خدمت انجام دینے کے بعد حکومت سرکار عالی نے صاحب معز کو اپنی خدمت پر مستقل فرمادیا ہے اس استقلال کی خوشی میں ہم حیدرآباد کے طول وعرض کے مدرسین کے ساتھ شریک ہیں اور ہم مدرسین ریاست کی طرف سے اور اپنی طرف سے جناب ممدوح کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں ۔

اس دوسال کی محدود ومختصر مدت میں جناب ممدوح نے پے در پے کئی مہمیں سر کیں۔ ان میں سے ہر ایک مہم ہفتخوان رستم سے صعوبت و دشواری میں کم نہیں۔ ہم اس موقعہ پر ان اہم کارناموں کی تفصیل نہیں دے سکتے البتہ ان کا مختصراً ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ قارئین کرام پر روشن ہو جائے کہ جناب ممدوح نے کس طرح اس قلیل مدت میں ان ہونی کو ہونی اور ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے ۔

جناب والا نے جائزہ لیتے ہی یہ احساس فرمایا کہ ملک کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کی توسیع ہو۔ ہمیں ابھی اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقعہ پہ سر تیج بہادر سپرو نے ہماری تعلیم کے متعلق کہا تھا کہ " سرگراں " ہے۔ اس سرگرانی کو ممکن ہے کہ اوروں نے بھی محسوس کیا ہو مگر ہمارے ناظم صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں دوسرے ضرورت کو محسوس کرتے اور خاموش ہو بیٹھتے ہیں وہاں جناب ممدوح ضرورت کو محسوس کرتے ہی اس کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی سبیل نکالی جائے چنانچہ آپ نے غیر ضروری مصارف کو تخفیف کرکے موجودہ موازنہ ہی میں گنجائش نکال کر تقریباً چار سو نئے تحتانی مدارس کا افتتاح فرمایا۔

جناب معز نے تحتانیہ مدارس کے افتتاح پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ پرائمری تعلیم کی مزید توسیع کے لئے ۵ سالہ پروگرام تیار فرمایا ہے۔ اس پروگرام کا منشا یہ ہے کہ ایک ہزار کی آبادی کا کوئی گاؤں باقی نہ رہے جس میں مدرسہ نہ ہو۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ایسے (۵۲۰)

گاؤں ہیں۔ پروگرام کے منظور ہونے کی صورت میں جس کی پوری توقع ہے ان سب گاؤں میں ۵ سال کے اندر ایک ایک مدرسہ قائم ہو جائے گا جس سے اُمید ہے کہ مستقبل قریب میں اوسط خواندگی میں قابل لحاظ اضافہ ہو جائے گا۔

توسیع تعلیم کی ایک اور سبیل جناب ممدوح کا زبردست کارنامہ ہے۔ صاحب موصوف نے تعلیم کو وسعت دینے اور گھر گھر پھیلانے کے لئے گاؤں گاؤں مدرسے قائم کرنے کا پروگرام تیار فرمالیا تھا مگر دیہی مدارس میں جہاں اسٹاف کم اور طلبا کی تعداد زیادہ تھی وہاں اس بات کا اندیشہ تھا کہ بچوں کی کافی تعداد تعلیم سے بہرہ اندوز نہ ہوسکے گی۔ چنانچہ صاحب معزنے ان مدارس میں شفٹ سسٹم یا باری وار طریقہ رائج کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مدرسہ میں بچے باری باری تعلیم حاصل کرنے آئیں۔ آدھے بچے ایک وقت، آدھے دوسرے وقت۔ اس حکمت عملی سے چند مدرسین گاؤں کے زیادہ سے زیادہ بچوں کو تعلیم دے سکیں گے۔ اور تعلیم یافتہ افراد کی تعداد ہر گاؤں میں کم وبیش دوگنی ہو جائے گی۔

آپ کے دور نظامت میں ثانوی تعلیم کی تنظیم جدید کی گئی ہے۔ اور آپ کے زیر رہبری مجلس ثانوی نے نیا نصاب اور کتابیں مرتب کیں۔ اسی سلسلہ میں مدارس تحتانیہ کے نصاب پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ یہ کام بھی مکمل ہو گیا۔

تعلیم نسوان کی جانب خاص توجہ فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ گلبرگہ شریف میں ایک جدید مدرسہ فوقانیہ نسوان قائم کیا گیا اور بلدہ اور اضلاع کے موجودہ مدارس ثانویہ کی اصلاح کے لئے تدابیر اختیار فرمائی گئی ہیں۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ تین مہتمات مدارس نسوان کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ اس اقدام سے توقع ہے کہ مدارس نسوان کی خاطر خواہ اصلاح ہو گی اور بچیوں کی تعلیم پہلے سے کہیں بہتر اور موثر ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی مدرسہ تعلیمات المعلمات بلدہ کی اصلاح کی گئی ہے اور اس میں میٹرک کامیاب اُستانیوں کی ٹریننگ کا انتظام کیا گیا ہے۔

دنیا میں صرف ہٹے کٹے اور کام کے انسان ہی نہیں بستے بلکہ بہت سے اپاہج اور نکمے بھی زندگی کے دن کسی نہ کسی طرح گزار رہے ہیں۔ ان کی زندگی دکھ اور مصیبتوں

سے بھری ہوئی ہے اور ان کا بوجھ دوسروں کو دبائے ہوئے ہیں۔ اب تک ہمارے ملک میں ان کی زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان بیچاروں سے حقیقی ہمدردی جناب ناظم صاحب نے فرمائی۔ آپ نے اندھوں اور بہروں کے لئے ایک مدرسہ کا افتتاح فرمایا جس میں چار مدرسین تعلیم کے فرائض انجام دیں گے۔ ان میں سے دو نے دہلی میں اور دو نے کلکتہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہے۔

سررشتہ تعلیم کی ایک شدید ضرورت جو عرصہ دراز سے محسوس کی جارہی تھی وہ یہ ہے کہ مدارس کے لئے موزوں عمارتیں مہیا کی جائیں۔ اس ضرورت کو جناب موصوف نے بہت زیادہ محسوس فرمایا اور بجٹ سررشتہ کو بڑی حد تک مدرسوں کی جدید عمارتوں کے لئے محفوظ فرمادیا ہے۔

ہم نے اوپر جناب ناظم صاحب کی بعض اہم خدمات کا ذکر کیا ہے۔ قارئین کرام محسوس کریں گے کہ ان میں سے ہر ایک کام حد درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان بنیادی کاموں پر جدید تعلیم کی شاندار عمارت کھڑی ہوگی۔

ہم آخر میں پھر جناب ممدوح کو ان کے استقلال پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔ اور ہماری دلی دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اپنے مساعی جمیلہ میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔



تنقید و تبصرہ

سخنوران دکن مرتبہ سید تسکین عابدی۔ سلسلہ نشرات زاویہ ادبیہ۔ حیدر آباد دکن۔ سنہ اشاعت ۱۳۵۷ھ۔ قیمت درج نہیں ہے۔

یہ ۴۸۴ صفحوں کی ضخیم کتاب عہد عثمانی کے اردو شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس میں سرزمین دکن کے اُن چھ سو شاعروں کے مختصر حالات اور کلام کے نمونے درج ہیں جو ۱۹۱۱ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان دکن میں موجود تھے۔ ان تذکروں کے جمع کرنے میں لائق مؤلف نے بہت تحقیق اور جستجو سے کام لیا ہے۔ اس میں ایسے شاعروں کا کلام بھی مل جائے گا جو کسی دوسرے تذکرہ میں نہ مل سکے گا۔ شاعروں اور شاعرات کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے۔ شروع میں علامہ نیاز فتحپوری کا پیش لفظ اور اختر قریشی صاحب ایڈیٹر سفینۂ نسوان کا تعارف ہے۔ جس میں تسکین عابدی صاحب کے حالات و کمالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب بہت اچھی چھپی ہے۔ سرورق تسکین صاحب کی قلمکاری سے مزین ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے طلبہ اور مدرسین اور عام پبلک کو خاطر خواہ فائدہ پہونچے گا۔

Referring to the battle of Buxar, the author says that the two forces met near the Ganges, between Patna and Benares. To be more accurate this famous and fateful battle was fought not in Oudh but at Buxar (the English form of the local vernacular name, Baghsar) in the Shahabad district of Bihar on the 23rd October 1764. So also Mir Kasim and the Mirs of Sindh have not received what is their due.

We wish the author had added a short chapter on major Indian States for the benefit of the general reader. This gap is especially noticeable when one finds at the close of the book the Chapter "From Lord Minto to the present day-1905-38." A bibliography would have added to the value of the book. These minor defects apart, the book is excellent, being beautifully got up and well illustrated. There is also a useful index of 22 pages at the end.

K. SAJUN LAL.



Review.

" A Concise History of The Indian People "

BY

H. G. Rawlinson, C. I. E.; M. A.; F. R. Hist.

Oxford University Press 1938.

PRICE Rs. 2/8/-

The author Mr. H. G. Rawlinson needs no introduction to the students and teachers of Indian History. The book under review supplies a long-felt demand for a short History of India, incorporating the latest archæological discoveries and bringing the history of our country down to the present day. His massive work is indeed a labour of love. It is on the whole useful and meritorious.

This book, however, is not merely a history, although historical narrative occupies by far the greater portion of it. The opening chapter pp 1–27 is a useful and reliable gazetteer of information regarding the geographical and social conditions of the country. Then follows the historical portion, which after dealing briefly with the mythical and semi-mythical ages, traces the course of events from the begining of documented history in the sixth century B. C. down to the present times, the narrative being divided into three periods—Ancient, Medieval and Modern.

The book is both instructive and entertaining and should prove useful to students preparing for the Matriculation or the High School Leaving Examination.

While avoiding details generally, one or two points may be noticed. In common with other historians Professor Rawlinson commits the mistake (vide page, 255) of giving all the credit to Clive for the relief of Arcot. As a matter of fact, the credit for this should go in large measure to Nawab Mohammad Ali Khan whose repeated urgings opened Governor Saunder's eyes to the possibility of success attendant on the plan.

It is gratifying to note that some of the Provincial Governments, notably those of Bombay and Bihar, have also realised the need for the preparation of history text-books on lines similar to those adopted in Hyderabad. We wish them every success in their endeavours.

Mr. Syed Mohamed Husain Jaffri,

We offer our hearty congratulations to Mr. Syed Mohamed Husain Jaffri, Director of Public Instruction, on his confirmation, which all those who have watched the progress of the Education Department during the last two years will agree was well merited. The work which he has done during this period covers a wide field. Realising the vital need for reducing the volume of illiteracy in the State, he has not only opened nearly 400 new Primary Schools, but prepared a programme for the further expansion of Primary Education. At the same time, he has remodelled the curriculum of the Primary Schools and by introducing the Shift System and adopting other measures tried to meet the need for the proper staffing of these schools. Even more important have been the reforms introduced in the realm of Secondary Education under the scheme for the reorganisation of the educational system in the State, a brief account of which appears elsewhere in this issue. Girls' Education has also received an impetus by the permission recently given for the use of the local languages as the media of instruction up to the end of the Lower Secondary stage as well as by the appointment of two additional Inspectresses.

Mr. Syed Mohamed Husain Jaffri has spared no pains to advance the cause of education in the State since he assumed charge of the Department. We are confident that the remaining period of his stewardship will be marked by still greater achievements.

history should be to develop a broad national outlook in our students and to train them to rise above narrow communalism, which is the bane of our country to-day. This aim cannot be achieved so long as the use of history books written with a communal or racial bias is allowed in our schools.

The new history text-books which the Hyderabad Education Department has brought out, are based on the principles which the Right Hon'ble Sir Akbar Hydari, President of the State Executive Council, so ably enunciated in his Convocation Address to Dacca University, the full text of which was published last year in our July-September issue. Indeed, it was at his express orders that the Education Department undertook this work. As has been pointed out in the Press Note, the three main features of these text-books are :—

1. The elimination of communal bias so as to conduce to the development of a spirit of toleration among students.

2. Greater emphasis on the cultural and social aspects of historical events ; and

3. Simplification of language.

We have no doubt that the new history text-books will not only help to make history more interesting to the pupils but will also place before them such a truthful and impartial statement of facts as will tend to eliminate communal bias and develop among them a spirit of mutual understanding as well as a sense of pride in our common national heritage. It must be pointed out, however, that the realisation of these aims does not depend upon text-books alone. It is necessary at the same time that the teaching of history should be entrusted to the right kind of teachers—teachers who, besides possessing a thorough knowledge of the subject, have a broad national outlook and are absolutely free from communal bias.

Hyderabad after completing their course of training—the School for Blind Children, Calcutta, and two teachers who were sent for training to the school for Deaf and Dumb Children, Delhi. Provision will also be made in the school for giving the children suitable vocational training.

Vocational and Technical Education in the Hyderabad State.[1]

As a first step in its programme of expansion, the Department of Technical and Vocational Education has re-organised the two existing industrial schools in the Dominions, viz., the Industrial Schools at Aurangabad and Nizamabad, and established 4 new Industrial Schools, one each at Hyderabad, Gulbarga, Warangal and Nanded. A Himru and Mashru weaving section has been added to the existing courses at Aurangabad and the question of the re-organisation of the Osmania Industrial School, Nampally (Hyderabad, Deccan), is receiving attention.

Crafts like carpentary, cane-work, blacksmithy, copper-smithy and weaving will be taught in the new schools and the school at Gulbarga will impart training in cement-tile making also. It is expected that these schools will make their pupils machine-minded and industrially inclined and create a demand for similar education of a higher order, thus preparing the ground for the establishment of Vocational High Schools, which is the next item in the departmental programme and forms an important part of the scheme drawn up by Mr. A. Abbott.

Editorial.

History Text-Books.

We have published elsewhere a copy of the communique issued recently by the Information Bureau of H. E. H. the Nizam's Government regarding the new history text-books prepared by the Education Department. The aim of teaching

---

1. This is based on a Press Note issued by the Information Bureau, Hyderabad Deccan.

2. Greater emphasis on the cultural and social aspects of historical events; and

3. Simplification of language.

The Committee has further avoided descriptions of wars and intrigues and has instead incorporated events calculated to infuse in the minds of the pupils a sense of pride for a common national heritage. So far, five text-books have been completed by the Committee for Classes III, IV, V, VI, VII, and VIII, and these are expected to be published shortly.

A few instances will serve to illustrate the principles observed in the preparation of the text-books. Legendary or semi-historical or controversial narratives such as of Allauddin Khilji and Padmani of Chitor, or the Black Hole of Calcutta have been discarded or treated briefly. The struggle between different sections in India for political domination has been presented in its true perspective and described not in terms of religion or race but in the light of the centripetal and centrifugal forces which have been at work at different times. Thus the struggle for supremacy between Akbar and the Rajputs or Aurangzeb and the Mahrattas has been treated in this light. On the cultural side, due prominence has been given to such movements as the Bhakti Movement which was inspired by seers like Kabir, Nanak, Namdeo and others and which was the healthy result of a fusion of Hindu and Muslim cultures. The Committee has fully availed itself of the results of the latest researches and investigations by reputed scholars.

School for Deaf and Dumb and Blind Children.

The Education Department of H. E. H. the Nizam's Government has decided to open a School for Deaf and Dumb and Blind Children in June, 1939. The establishment of this school will supply a long-felt need. The teaching staff will include two teachers who have recently returned to

separate vocational institutions. At the end of the Primary Stage there will be industrial schools while at the end of the Lower Secondary Stage and the Higher Secondary Stage there will be provided different types of vocational and technical institutions.

The new scheme will be enforced from this month with the opening of classes V, VI, VII of the Lower Secondary course to which a new class will be added every year. Thus, the first Lower Secondary Certificate Examination will be held in April 1941, and the Higher Secondary Certificate Examination in April 1944.

New History Text-books. [1]

The Education Department of His Exalted Highness' Government have taken the initiative in revising and recatsing history text-books with a view to eliminating any communal bias. This effort is among the several that are being made in the State for national regeneration and cultivation of a progressive outlook.

It might be recalled that the need for "Decommunalisation" in the treatment of books on Indian history was also stressed by the Rt. Hon'ble Sir Akbar Hydari in his Convocation address at Dacca University last year. Certain Provincial Governments too have realised this need, as is evidenced by the resolution passed recently in the United Provinces Legislative Council.

The Education Department engaged itself in this task two years ago by setting up a special Committee for the purpose. The Committee consists of certain teachers of history in the University as well as representatives of the Education Department. The triple principles guiding the work of the Committee have been:

1. The elimination of communal bias so as to conduce to the development of a spirit of toleration among students.

---

1 Copy of a Press Note issued by the Information Bureau, Hyderabad-Dn.

There will be two public examinations besides the degree examination, one at the end of the Lower Secondary Stage (Class V to Class VIII) to be called the Lower Secondary Certificate Examination, and the other at the end of the Higher Secondary Stage (Class IX to Class XI) to be known as the Higher Secondary Certificate Examination.

The proposals of the Board in regard to the overhauling of Secondary Education are far-reaching. In order to mitigate the burden of examinations the curricula have been divided in both Lower Secondary and Higher Secondary classes into examination and non-examination subjects. While the Higher Secondary classes will have three different courses of study, viz., (1) Arts, (2) Mathematics and Science, and (3) Biology, (specialisation commencing in Class X) the Lower Secondary schools, as recommended in the Mackenzie Report, will be divided into urban schools and rural schools. Manual training and gardening together with agriculture will be taught respectively in the Urban schools and Rural schools as non-examination but compulsory subjects.

As regards girls' education, there will be four alternative courses of study for them in the higher stage viz., (1) Arts, (2) Mathematics and Science, (3) Biology and (4) Domestic Science; while for the Lower Secondary Certificate Examination, Domestic Science will be an additional examination subject besides those that are prescribed as examination subjects for boys.

As regards the medium of instruction, it will continue to be Urdu for boys in both Lower and Higher Secondary stages, while in the case of girls, Urdu will be retained in the higher stage only. It will be optional for girls in the Lower Secondary stage to choose either Urdu or one of the other local languages viz., Telugu, Mahratti, and Kanarese as their medium of instruction.

It will be noted with interest that at the end of each stage of instruction, vocational education will be provided in

His staunch advocacy of Social Purity and the abolition of the Devadasi System, were admirable and he maintained that 'purity is to character what symmetry is to beauty'.

He had the misfortune of losing his partner even in his 27th year, but he remained a widower to the end of his life. Sir R. Venkataratnam had a magnetic power that made disciples, close friends and followers.

Never did a harsh word escape his lips, nor was he ever found to be out of temper. He was simple and austere in his habits, wearing all the weight of his learning like a flower, with ease and grace but with humility. Thus was he an excellent example of plain living and high thinking.

Notes and News

Re-organisation of Education in the Hyderabad State. [1]

His Exalted Highness' Government have sanctioned the proposals of the Board of Secondary Education regarding the reorganisation of education in the State. The proposals cover a wide range of reform in the matter of girls' education, introduction of vocational training and minimising the burden of examinations. It will be open to girls in the Lower Secondary Stage to choose one of the four languages of the State as medium of their instruction.

The new scheme, while fixing the total period of education (Class I to the end of the Degree stage) to 14 years, divides the same into four distinct stages, viz., the Primary Stage, the Lower Secondary Stage, the Higher Secondary Stage, and the University Stage, the first two stages covering 4 years each and the last two, 3 years each. In the Primary Stage, however, which excludes the Infant Class, at least one extra year will be provided for such pupils as do not propose to pass on to a secondary school.

---

1 Copy of a Press Note issued by the Information Bureau, Hyderabad-Dn.

and soul into the work of religious reform, enlisting the co-operation of the educated public.

Sir R. Venkataratnam served as Principal of the Mahboob College, Secunderabad, for 6 years, from 1899 to 1904. Many institutions at Secunderabad showed their regard and affection for him by giving him farewell addresses when his sphere of activity changed.

The next term of his valuable service was at Cocanada as Principal, Pithapur Raja's College, for a period of 15 years. The expansion of the College under his able Principalship was greatly praised by one and all. His name was venerated by many as identical with genius, erudition, sympathy, charity, purity and self-consecration.

Important among his administrative reforms were the free admission of girls and of members of the depressed classes, and the enforcement of the principle of strict religious neutrality at school.

He presided more than once over the Northern Circars Students' Conferences. He was repeatedly on the Board of Examiners, besides being a Fellow of Madras University. He served also on the S. S. L. C. Board for the triennium 1916-18. He was Vice-Chancellor of Madras University from 1925 to 27.

Sir R. Venkataratnam's was the inspiration behind the renowned bounty of the noble Maharajah of Pithapur. The titles of Rao Bahadur and Diwan Bahadur were conferred upon him in 1912 and 1918, respectively. He was a nominated member of the Legislative Council, Madras, under the Montagu Chelmsford Reforms.

He was a critical scholar as well as an impressive teacher. His wonderful eloquence was a gift of nature. With him, recreation, morality, reform, were all organically related to religion. He was generous in his private charities and these were such that 'the left hand knoweth not what the right hand doeth.'

Hence we see the importance of establishing Nursery Schools if we wish to give a child every chance to develop into a healthy, clear thinking person. No child should enter life hampered by the limitations of environment. The Nursery School points out a way of triumphing over the handicap of environment and circumstances.

THE LATE SIR R. VENKATARATNAM NAIDU.

A Brief Life Sketch

BY

Mr. M. Hanumantha Rao, B. A., L. T.

Principal, Mahboob College, Secunderabad.

Sir R. Venkataratnam was born at Masulipatam, Kristna District, on Mahanavami day, in the year 1862. He received his education in North and Central India. His father, Subedar Appayya Naidu, being an orthodox Hindu, brought him up in conservative ways. However, Sir R. Venkataratnam's interest in Brahma Samaj was first awakened at Banda High School (U. P.)

He graduated from the Madras Christian College. The illustrious Rev. Dr. Miller, Principal, along with many other Professors, marked him out for his intellectual capabilities, while Sir R. Venkataratnam himself always held Dr. Miller in high esteem.

He first served as a teacher at Rajahmundry, then at Ellore and next at Masulipatam. He took his M. A., Degree in 1891 and the L. T., Degree in 1897. He worked as an Assistant Professor of English in the Pachaiyappa's College, Madras. Later on, for 5 years he was Assistant Professor of English in the Noble College, Masulipatam, his native place. Under the auspices of the Local Social Purity Association, he opened a memorable campaign for Purity and against the institution of Devadasis. This crusade soon spread far and wide over the Telugu Country. He threw himself heart

gets its first experience in co-operation and social relationship through play. Stimulus is provided for all its instincts in the pleasant way that encourages repetitions and results in good habits. The school lays down "patterns of thought and behaviour at the most impressionable period of the child's life. It fulfils the need of the child of pre-school age stated above. The children are under the trained leadership of a nursery school teacher. The standard of training required by such a teacher is unsually high, so that parents can be sure of their children having the best care that present day knowledge affords. Another advantage is that the Nursery School provides children with the companionship of their equals, which is practically impossible in any other place and which is of such great importance during the period of social adjustment.

Of course we all know that the home influence during these years is of vital importance and we admit that the nursery school is not and was never meant to be a substitute for the home. It has always been the aim of such a school to uphold and strengthen that intimate relationship which exists between parents and children and which is the most stable influence in the child's life. Nevertheless, it must be admitted that parenthood does not automatically bestow on people the qualities necessary for the successful discharge of their duties. The Nursery School makes available to parents the knowledge and experience of those who have made a special study of little children, and co-operates with them in applying such knowledge and experience. Parents are kept in constant touch with the school; periodical meetings of parents are held at which problems of child development are dealt with. As Phoebe E. Cusden says, "No substitute for the home is here; no usurping of parental authority; but rather an extension of the boundaries of the home, that enriches the lives of parents as well as of the children and draws them closer together because of the new light it sheds upon the obscurities of human life, growth and behaviour".

securing and maintaining the physical and mental health of the child before entry into elementary schools. Dirt and disease can do great harm to a small body and much of the physical and mental impairment which appears in later life could be prevented by dealing with such things in time. Government provides for the child before its birth and while it is still young by establishing welfare centres and such things, and later when it is of school-going age there are schools for it to attend, but during the most vital years of the child's life it is left alone and defenceless. Professor Cyril Burt says :—

"The pre-school period is a period vitally decisive ; it is then that the foundations of both moral character and temperamental eccentricity are first laid down".

Sir George Newman points out that though 90% of children are born healthy and with the possibility of leading normal healthy lives, after the first two years of life the young child has to bear a heavy burden of environmental neglect. He says that we must remember that the child under five stands at the gate of our whole educational system, and that what happens to it is bound inevitably to have results for good or evil.

The Nursery School is the solution to those problems. The needs of the child of pre-school age may be simply stated, fresh air and ample space in which the child can exercise growing limbs, warmth and shelter, food sufficient in quantity and suitable in kind to ensure the growth of healthy bodies, facilities for training and exercise in personal cleanliness and hygienic habits ; regular and skilled supervision to detect and deal with any symptoms of infection, etc.

The Nursery School sees that the child is provided with that freedom which will enable it to exercise and develop its whole body and which is fundamental to its growth and education. The child is taught language not through formal teaching but through living experience. It

its total powers of mind and body to the total stimulation it is receiving without at first attempting to differentiate. Gradually, through repetition of the stimuli, the various stimuli take a definiteness, so that they can be discriminated and later the mind builds up into wholes the related stimuli. So instinct depends on the development of certain muscular and nervous co-ordinations and stimulation from the environment. With repetition, these instinctive actions become exercised and develop into habits, and herein lies the fear and the hope of the educator. It is during this period that the foundation of the child's character is laid, and upon the strength of that foundation depends the whole future structure.

Such a thought makes us pause when we study the conditions prevailing around us, and it is to this that the Nursery School owes its conception and existence. If we study the conditions existing in the lowest strata of the social fabric, we find that the "Nursery School" of the child of pre-school age is the roadside. The parents of such children are compelled to go out and work for a living, and in many cases, it is not possible for the children to be taken as well, so they are left to their own devices.

They spend their days on the streets, developing those instincts and habits which are detrimental to their mental, moral and physical development. Then those children come to school, having acquired faults and habits which it is very difficult for the teacher to eradicate. Their sense perceptions are also undeveloped. It is only natural, therefore, that the Government of a country should intervene to try and ensure that the children of the country will be given a chance to develop into good, strong and healthy citizens.

To bring this about the physical aspect of the question has to be dealt with first. Sir George Newman draws attention to the wastage of child life and health in the critical years between two and five. He shows the urgency of

II. NURSERY SCHOOLS

BY

Miss G. M. Kirkpatrick, B. A., L. T.,

Head-Mistress Girls' High School, Warangal.

The Nursery School is, comparatively speaking, a new venture in education. It is a growth of the present century and it deeply affects both our philosophy of education and school practice. A Nursery School, as the name suggests, is one that undertakes the education of little children before their entrance into school, i. e., children ranging in age from 2 to 5 years. The aim of such a school is to supervise and encourage the healthy development, physical and mental, of children between the ages of two and five.

People do not realize what an important period this is in the life of the human being. It is at this time that those lessons are taught and those instincts and qualities developed, upon which the whole character of the child is built, and which determines to a great extent its future work in life. Inherent in the child are those instincts that are going to form its character, and it is to the correct development of these instincts that we have to look, if we wish the child to develop into the type of person he is meant to be, and is capable of being.

During this period the child is engaged in the task of discovering a vast new world and its relationship to it. It is a generally accepted fact that the development of any living organism is influenced to a great extent by the conditions to which it is subject in the early stages of its growth. This fact is of supreme significance when applied to a human personality. Failure to appreciate this is largely responsible for the open neglect of the fundamental needs of young children, the repercussions of which are manifest in every phase of a nation's life. Therefore, it is clear that the child is dependent on its environment to provide that stimulus which is necessary to call forth its instincts. The child responds with

school songs, curricular and extra-curricular activities etc. and take a real pride in these.

Another serious problem is that of suitable conveyances. Girls under eight should be sent walking and girls should be sent only to the school that is nearest to their homes. This would reduce the difficulty, but in order to do so, the necessary number of good schools should be opened, so that parents may with confidence send their children to the school in the locality in which they live.

Beyond this, no practical suggestion suggests itself to me. Other schemes are being considered and it remains to be seen how far they will prove successful. In the meantime, even when we are working under difficulties, education can be improved to a great extent if the present teachers realize their responsibility and work with a real love for their work. Only when this feeling is created will these difficulties gradually be overcome and girls' education attain the efficiency it should.

Co-education is a very healthy thing; it helps both girls and boys. It will also help to make our schools more efficient. Those who have brothers will realize how useful boys are in creating sensible and sporting girls. On the other hand, the girls would create a sense of sympathy and kindness in the temperament of the boys. Needless to say, the age and percentage of boys studying in girls' schools should be limited. This experiment has been tried and has proved quite successful in two or three Government Schools. Therefore, it should be given further encouragement.

Last but not least is the question of teachers being suitably and sufficiently qualified, teachers willing to work anywhere. Provision for such teachers must be made by Government.

Another big difficulty is that of accommodation. What are we to do with evercrowded class-rooms, lack of play-ground space and a thousand other difficulties with which we shall continue to be faced as long as dwelling-houses are used as school buildings ?

Just to suggest that Government should provide suitable buildings is easy enough, but the difficulties of Government should also be considered when suggestions are given. So I should just say that as far as buildings are concerned, the only thing that could be done at present is to be on the "look out" for a better building or reserve a plot and as Government can afford funds, have your building according to your needs. This may mean years, and all I can suggest is that we should make the best of our present buildings.

Another matter in which I feel that our schools are failing to be of efficient service is that of helping and encouraging the really needy pupils. Scholarships are granted now, but not on the right lines. The present methods are such that scholarships do not help the pupils when they should. Many have left school, some are married by the time the scholarships are sanctioned. When the money is received, these scholarship holders have to be hunted out for making the disbursement.

Instead, the scholarships should be given month by month to deserving pupils. Besides, money need not be given, but books etc. could be supplied. This of course should be left to the discretion of the Headmistress who would be the best judge to decide how the money should be spent.

Then again, the majority of our schools lack spirit. Each school should have a personality, a corporate life of its own. Here I believe the responsibility of inculcating and developing this individuality rests with the teachers. We must get together and decide upon what our school is going to aim at, we must get and impart inspiration through school mottoes,

Women's Point of View[1]

I. LACK OF EFFICIENCY IN GIRLS' SCHOOLS

BY

Mrs. Jabbar B. A., L. T.,

Head Mistress, Machli Kaman Girls' High School, Hyderabad-Deccan.

The subject of the discussion I have been asked to open is a very important one. There is no doubt whatever that in spite of our efforts, the majority of our schools have not reached a sufficiently high standard of efficiency. It is now time for us to find out why this is so and to do something about the matter.

There are many difficulties we have to overcome if we are to make our schools really efficient, and out of this multitude of difficulties I am just going to enumerate a few of the more important ones.

Firstly, there is the lack of co-operation from parents. This definitely hinders efficiency in our schools. I believe that the chief reason why parents do not co-operate with the school authorities is that they do not understand or sympathise with what we are trying to do. They neither meet us nor see the school at work. Here are a few practical suggestions :—

I. Parents should be invited to all social functions of the school.

II. There should be monthly meetings, fixed during holidays, at which parents and teachers can meet each other on equal grounds and discuss their respective difficulties.

III. A day every week should be fixed for parents to visit the school to enable them to see what work is being done there.

---

1. **Papers read at the Women's Sectional Meeting, 2nd All-Hyderabad Teachers' Conference, 1939.**

for the first time. I was glad to hear that while others are holding discussions, we in Hyderabad are actively engaged in carrying out the reforms planned by the late Dr. Mackenzie. I met Mrs. Mackenzie during my stay in England. She loves to hear about the work which is going on in Hyderabad. I will certainly let her know about this function as I know she will be deeply interested in it.

The proposal of the Principal, Mr. Sajjad Mirza, for extending the period of training is a very good one, for no preparation can be too thorough and careful for those entering this great profession.

I am sorry to hear that the salaries of the teachers in the primary department are a mere pittance. I therefore urge Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur to do the utmost that is in his power to raise the standard of primary education by increasing the salaries of primary teachers. If primary education is attended to, higher education will more or less look after itself, for primary education is the foundation. Primary education cannot be improved without good teachers, and teachers cannot be good and discharge their duties efficiently unless they are adequately paid. I understand that Government do mean to expand and improve primary education in the Dominions. Again, I entreat the Nawab Sahib to give all his support to such schemes. The very interesting exhibition that we have just seen shows that the teachers and the students have put their heart into their work. The College is to be congratulated on the high standard of the exhibition. It is evident from the exhibition that the staff is an enthusiastic one, otherwise such an exhibition would not be possible. I conclude by requesting the Nawab Sahib to do all in his power to give the College the better buildings that it so richly deserves.

that the teachers either have to find their way to the Practising School or the pupils to the College. It will be a great step forward if the Practising School is attached to the college, for then more intensive practice will become possible. The Training College, it is true, is sadly in need of better and bigger buildings, but here I come into conflict with my other self as the Finance Member. It is hoped, however, that I shall be able to prevail on my other self to have this need well supplied. Primary education in the state also merits a great deal of additional expenditure and implies a tough struggle with my other self.

The fact that there are no cases of indiscipline in the College is a good sign, for the students in this College are teachers in other schools and must set an example to the pupils. It is evident that the teachers realise their responsibility. The institution is to be congratulated on its discipline.

I will not detain you any longer but will repeat my thanks to Lady Tasker. I hope the competition for the gold medal will continue in future. My thanks are also due to those who have come to this function and helped to make it a success and also to the teachers who took part in the competition this year and the admirable way in which some of them delivered their lessons.

Lady Tasker's Speech.

NAWAB SAHIB MR. SAJJAD MIRZA, LADIES & GENTLEMEN,

As I have been honoured so greatly by being asked to give away the prizes this evening, I feel I must say a few words. If enthusiasm is a qualifying factor in one performing this duty, then I may claim to be well qualified to perform it, as I consider that Teaching is one of the highest and noblest of professions. I must thank Mr. Sajjad Mirza for the compliment he has paid our sex by extending his inivitation to open the exhibition, and to give away the prizes to a lady

nailing down important conclusions arrived at by the pupils. The sum and substance of the lesson alone should be written on the B. B. Now we can lead the pupils in to the recapitulation step, but in the case of older boys this ought not to be neceessary.

The teacher should pay special attention to the proper preparation of his notes of lessons. No teacher should teach even the simplest lesson without thinking it out carefully beforehand. He must think out the points to drive home. Notes of lessons are not intended for mere show. They should not be merely ornamental, they should be a practical guide to the teacher.

Finally, as regards the use of the apparatus, no irrelevant apparatus should be used in the lesson. Apparatus is useful only in so far as it elucidates and helps understanding. It is a means to an end and not an end in itself. Careful choice of apparatus and its proper use therfore are essential to the success of a lesson.

All these points have to be borne in mind in judging a lesson. It is evident from this that teaching is an art acquired only after long practice. True there is much theory in it, but the knowledge of theory alone cannot make a successful teacher. By this I do not mean to detract from the worth of theories but it should be remembered that practice is all important. A man cannot become an accomplised horseman by merely reading a book on the subject.

My apologies are due to the lay members of this gathering for this rather technical speech, but I hope it will prove useful to members of the teaching profession.

A great deal of credit is due to Mr. Sajjad Mirza for the able and efficient way in which instruction is imparted in this college. The Training College labours under a great disadvantage in as much as the Practising School is situated over two miles away from the college premises with the result

awarded for the introduction, 20 for questioning, 20 for notes of lessons, 20 for blackboard work, and the remaining 20 marks for proper selection and use of apparatus. On this basis the lesson is judged and the medal awarded. Last year the medal was not awarded at all, as no competitor came up to the required standard, but this year the medal was won by a gentleman who had delivered an excellent lesson. He narrowly missed a first class owing to miscalculation of time, as he spent far too much time on his introduction. The lesson as a whole was, however, excellent and the medal well deserved.

I hope I shall be excused if I talk shop for some time, but as this is a technical institution, although what I say here may be shop to the layman, yet it is ordinary everyday language to the members of this institution.

First of all, it is the business of the teacher to find out the previous knowledge of the pupils. Just as the roof of a house is built on the walls, so also the teacher must build on the old knowledge of the pupils or else the pupils will not understand the new matter presented to them.

Secondly, the lesson in order to be successful must be interesting, for then alone are the pupils keen and alert. If the lesson is uninteresting, the boys are inattentive. One way of interesting the pupils and commanding their attention is to question them and so enable them to arrive at their own conclusions step by step. The joy of discovery is really wonderful and the pupils will experience this when they are led to find out their own results. Mere facts and figures presented before the pupils are boring, but on the other hand if the pupils are led to a conclusion they will participate actively in the lesson. This is one of the secrets of success.

Then again B. B. work is also very important. When we lead the boys to a conclusion we must clinch the matter by putting it on the B. B. Unnecessary facts should not find a place on the B. B. In reality the B. B. should be used for

The Art of Teaching

Speech by

The Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur

LADY TASKER, PRINCIPAL OF THE OSMANIA TRAINING COLLEGE, LADIES AND GENTLEMEN.

Let me first of all express the thanks of this college and all those present here to-day to Lady Tasker for so kindly distributing the prizes. We assure her that it is an honour and an inspiration to the college, and, as Mr. Sajjad Mirza has pointed out, it is an omen as well, for in future we also hope to have a college for training members of her own sex for the teaching profession. At present we have two normal schools for the training of women for lower grades, but we hope that in future a college will be provided for training women for the upper grades.

The prize distribution of this institution is always a very interesting function, as it falls in close conjunction with the gold medal competition for the most efficient teacher. Those teachers who obtain the highest marks in the practical examination are selected to compete for the gold medal offered by me to the best teacher. Usually the first four candidates are selected, but in the case of a tie five or even six may be asked to participate in the competition. The competition, is entirely voluntary, no teacher being forced to enter for it. The subjects are given out an hour before the competition so as to enable the competing candidates to prepare their lessons. The teacher may ask for any apparatus he requires and is also at liberty to choose any class he desires to give the lesson to. The selection of the class is a part of the competition, for according to the nature of the subject the teacher must select a suitable class. The competition is judged by a board of three, consisting of Mr. Sajjad Mirza, the Principal, Mr. Ali Akbar and myself. The distribution of the marks is as follows : Out of a maximum of 100 marks, 20 marks are

I have no time to mention in detail the splendid work done by my able staff, but I need hardly say that the success of the various activities of the College would have been impossible but for their loyal co-operation. I may add that their efforts would have yielded still better results if this College had been provided with more adequate facilities.

Before I conclude, I must express my gratitude to Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur whose interest in the training of teachers in general, and in this College in particular, is a source of inspiration to students and staff alike. It is certainly not possible to produce a perfect teacher, but what we may claim is that while imparting something of the technique of teaching, we do try to create in our students a healthy response to knowledge, to their environment and to their fellow-beings, irrespective of race, caste and creed.

Mr. Mohammad Hussain Jafferi, the Director of Public Instruction, is as helpful as ever. I am thankful to him for his ungrudging support. My thanks are also due to Mr. Qazi Mohammad Hussain, the Pro-Vice-Chancellor, for his sympathy with our aspirations. Last but not least, I have to offer my grateful thanks to Professor Harding, whose interest in raising the standard of English is so great that he gave a course of lectures on the teaching of English at our College in an honorary capacity. He has set a worthy example which I hope will be followed by others. Once more, I thank you all, ladies and gentlemen, and hope that you will continue to honour us like this.

---

for Proficiency in Teaching. It is a unique competition run on novel lines. It is judged by the Nawab Saheb in person. Its one important condition is that the prize of Gold Medal will be withheld if the standard of teaching does not come up to the required standard. Its high standard can be judged from the fact that a candidate who topped the list in the University Examination and secured Sir Akbar Hydari Gold Medal for getting the highest marks was not considered sufficiently qualified to receive the Mahdi Yar Jung Gold Medal, though he stood first in the competition for that medal. We had better luck this time. The Gold Medal for Graduates was awarded to Syed Mohammad Ali for a lesson on Mathematics and for the second prize of books there was a tie between Abdul Vakil and Ishrat Ali Khan. The Silver Medal for under-graduates was won by Wesley John, a matriculate. I am grateful to my esteemed friend Mr. Syed Ali Akbar for acting as a judge, as usual.

Notwithstanding our most embarrassing and inopportune holidays, one-year courses of training, unsuitable building, absence of a well-equipped Practising School and lack of funds, modern trends in education are fully emphasised. When the prizes are announced, they will give you an idea of our varied activities. The exhibits for which no prizes are given show the work for the sake of work done by students during their period of training. Our motto is : 'activity is the only road to knowledge'. Long before a plea was made elsewhere for the training of the hand and eye, our students were all along having a thorough grounding in it. I may be allowed to mention here that for the last six years the expenses of the exhibition have been met from private funds, as our efforts to secure a grant for this purpose from the University or the Department have not been successful so far.

A new feature of our exhibition is the display of the Art-work of the London school children, which Mr. S. M. Jaffer, Inspector of Arts and Crafts, recently brought from England. I am very thankful to him for lending these exhibits for this occasion.

As regards the training of graduates, my proposal for a two years' course leading to a degree has been under the consideration of the authorities of Osmania University for the last few years. The importance of its early sanction can be gauged from the fact that the joint Standing Committee of the Training College Association and the Council of Principals of Great Britain have recently recommended a three years' course in ordinary colleges and a degree course in the Universities. Let me hope that the authorities will realise before it is too late that any additional expenditure on a degree course will be a sound investment.

The wave of discontent and indiscipline which swept over nearly all educational institutions in India had its unfortunate repercussion in our State also, but I feel a little proud to say that the students of this institution, consisting of Marathas, Telegus, Kannadas, Sheikhs, Syeds, Pathans, Indian Christians and a Domiciled European, proved a bulwark to it and without a single exception maintained perfect discipline. I have much pleasure in recording my high appreciation of the excellent behaviour of my students in general and of private candidates in particular.

It may be news to some that our one-year courses of training really mean 152 working days or 760 working hours only. Despite this serious handicap, the examination results were very satisfactory, as will be seen from the following statement :—

Matriculates	91.2	p. c.	Theory
	100	p. c.	Practice
Intermediates	91.6	p. c.	Theory
	100	p. c.	Practice
Graduates	100	p. c.	Theory
	100	p. c.	Practice

More interesting and exciting than the Annual Examination is the Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur Competition

after a fairly long sojourn in England. Last year we missed them very much. When they are here, they never fail to honour us with their presence at our annual functions.

Ladies and Gentlemen, you are all well aware of the keen interest which Lady Tasker has always taken in education, the valuable services which she has rendered to the Women's Association for Educational and Social Reform, of her solicitude for the welfare of the women of Hyderabad and her untiring efforts in this direction.

There are, therefore, few persons so well fitted as Lady Tasker to preside over an educational function; and we are fortunate to have her here to open our Exhibition and to give away the prizes this year. In the long history of this institution she is the first lady to have been asked to do so and I consider this a good omen both for our College and the future of education in our time-honoured State. Lady Tasker, I am extremely grateful to you for acceding to our request.

Our academic year has been remarkable in more than one respect. While most parts of India were discussing various schemes of reorganisation, we were taking practical steps to enforce the Mackenzie scheme of education. One of its leading features, of great concern to us, is the training of teachers. Needelss to say, the success of any scheme of education is bound up with the agent of education—I mean the teachers. We are fortunate to have a Minister who, being an eminent educationist, attaches special importance to the training of teachers. With a view to raising the standard of training, it has now been decided that the courses of training for the undergraduates and Middle passed teachers should in future extend over 2 years. The Normal Schools are being reorganised accordingly. A scheme for Refresher Courses is also under consideration. This is all to the good, but it should not be forgotten that the teacher in a Primary School has to work on a pittance. A living wage is necessary for the proper functioning of his body as well as his mind.

The foregoing is from an article on "Is Tuberculosis Dying Out?" in the October 1938 Statistical Bulletin of the Metropolitan Life Insurance Co., New York. If it has been possible in the U. S. A. to reduce the death rate from tuberculosis to as low a figure as 43 per 100,000 in 1938 and to an anticipated lower figure of 37 in 100,000 in 1940, the campaign against this disease in India should certainly be continued vigorously. Clinical facilities for diagnosis, more beds for open cases where needed, a continued campaign of instruction regarding the treatment and life habits of those inflicted, better work facilities for arrested cases, and last but not least, better living standards for the masses of people are the weapons to be used in the campaign.

The Osmania Training College Day

The Osmania Training College Day was celebrated this year on 2nd April, 1939 under the presidentship of Lady Tasker. We have much pleasure in publishing below reports of the speeches made on this occasion by Mr. Sajjad Mirza, M. A. (Cantab), Principal of the College, the Hon'ble Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, M. A. (Oxon), Finance and Education Member, and Lady Tasker, respectively—Ed.

Progress of the Training College

Speech by

Mr. Sajjad Mirza

LADIES AND GENTLEMEN,

Contrary to my usual practice, I propose to address you to-day in English as a mark of courtesy to Lady Tasker, our chief guest and other English guests, who have so very kindly responded to our humble invitation. I take this opportunity of extending a very warm welcome to Sir Theodore and Lady Tasker on their return to Hyderabad

Anti-Tuberculosis Campaign

BY

Dr. G. F. Andrews, M. A., Ph. D.,

Senior Physical Director, Madras.

"Today the death rate from tuberculosis is just a little more than one fifth of what it was at the beginning of the century. Whereas in 1900 there were 195 deaths from tuberculosis per 100,000 of total population living in the Original Death Registration States, it is estimated, on the basis of data so far available for 1938, that the corresponding death rate for this year will be about 43 per 100,000. As a result of this remarkable decrease in the death rate, about 200,000 persons will be alive on December 31st who, during the current year, would have succumbed to tuberculosis if the rate of 1900 still prevailed."...

....

"Concentrated efforts of public health workers, both private and governmental, have produced results in the campaign against turberculosis that reach far beyond the reduction in the death rate alone. Socially and economically, the gains to the country have been enormous. Innumerable homes have been saved from poverty and disruption. Many thousands, that the most productive ages of lives, who otherwise would have been sufferers from the white plague, are now working side by side with us in the daily tasks that are essential to the business of the community. Shall we, on the basis of these achievements, relax our efforts against tuberculosis ? The answer is obvious: the battle is not over until the victory is complete. Our weapons are additional clinical facilities or diagnosis, more beds for open cases in communities where needed, a continued campaign of instruction regarding the treatment and life habits of those afflicted, better work facilities for arrested cases, and, last but not least, better living standards for the masses of people."

3. How we are governed. 4. Sanitation. 5. Hygiene. 6. What we Eat and Drink. 7. First Aid. 8. Great men. 9. Lessons of History. 10. The World (Geography). 11. Agriculture. 12. Civic Life. 13. Means of Communication. 14. Post and Telegraph. 15. Co-operation. 16. Horticulture. 17. Thrift. 18. Superstitions. 19. 100 lines of simple poetry having an ethical value. It will be noticed that the topics of Reader I are included in this reader also, but the information supplied in this will be fuller and more advanced. On some topics there may be 3 or 4 lessons, and each lesson is expected to cover 6 or 7 pages on an average.

To be continued

ANNOUNCEMENT

Health and Physical Education is a subject which has yet to come into its own in India. Coordinated efforts on the part of all workers in the field of Health and Physical Education and all interested in it are necessary. To this end it has been found urgent to compile a directory of such persons. The Health and Physical Education Committee of the All-India Federation of Educational Associations is engaged in this work and the Hon. Secretary of the Committee will be glad to receive the names and addresses of such persons with details of their educational and technical qualifications and their work and activities. Communications may be addressed to Dr. G. F. Andrews, M. A., Ph. D., Hon. Secretary, Health and Physical Education Section, All-India Federation of Educational Associations, Saidapet, Madras.

Course for the First 6 months, (Literacy Course).

I (*a*) During this period an adult pupil will be expected to read a primer of 50 pages which should, in addition to the usual preliminary matter, contain ten or twelve suitable and interesting stories, written in very simple language. He will also be expected to do a good deal of writing.

(*b*) He should learn to count up to one lakh and be taught the four fundamental rules in arithmetic. In sums on multiplication and division the multiplier and divisor should ordinarily be numbers of two digits only. Multiplication tables up to 10×10 along with tables for 12 and 16 should also be taught.

Course for the Second 6 Months

II (*a*) During this term pupils will read the First Reader which will contain about 15 lessons, covering over 75 pages. There will be lessons on civic life, sanitation and hygiene, co-operation, thrift, lives of great men, First Aid, what we eat and drink and so on. Simple narrative poems embodying some moral may also be included.

(*b*) Simple and compound problems in arithmetic based on the four fundamental rules will be taught. The sums will be based on the every-day needs of the poorer classes. Sums on simple interest, on their daily purchases, calculation of exchange rate etc. will form the bulk of the work at this stage.

If a pupil drops out of school at this stage, there will not be much fear of his lapsing into illiteracy ; but to keep him permanently in the rank of literates and to instil into him a real desire to remain there, a course of another year is essential. The course of study for the 2nd year is given below.

Second Year Course

(*a*) Reader II, which will be taught in this period, will contain about 200 pages. There will be lessons on the following subjects ;—1. Our Ruler 2. Science in every-day life

not be taken advantage of as an excuse for schools to be started on a communal basis. By so doing a splendid opportunity afforded by common schools for adults for a common platform, where men of different communities meet one another and learn to move in an atmosphere of social amity, will be lost. We have seen enough of communal institutions and their evil effects and we need not introduce them in newer fields.

Duration of the course.—The Committee is of opinion that the full course of study should extend over two years with provision for a primary course extending over the first 6 months and an advanced course continued for a further period of one year and a half. In the first six months the adult should be taught to read and write in his mother tongue and learn numbers up to one lakh and get acquainted with the four fundamental rules of arithmetic. The knowledge which will be imparted to the adult in this period will correspond to the minimum knowledge required to consider a person literate according to the definition given in census reports. It is quite probable that a good number of pupils will drop off at this stage and there is every likelihood of the little that they learn during this period being forgotten later unless special arrangements are made to keep up their literacy. When it is remembered how even persons who have gone through a two years' course in childhood lapse into illiteracy as they grow older, there are greater chances of adult pupils who take only a six months' course doing so. The hope that this may not happen lies in the fact that while young children receive education without any definite purpose or a real thirst for knowledge, adults approach the work with a different mental attitude. Experiment has shown that an adult learns 5 times as much as a young child within a given time and a six months' course should therefore be sufficient to impart a fair amount of literacy to him. However, as we cannot be content with mere literacy, an effort should be made to detain as many adults as possible for the advanced course.

ation of kinds of schools, the duration of the course, the courses of study, agencies whereby the work is proposed to be carried out and miscellaneous other matters, eg., the type of teachers required to teach in these schools, readers, methods of teaching, arrangement for supervision, issue of literacy certificates, finance and so on.

Curriculum.—In almost all countries of the world, adult education started with mere literacy work. It is only when adult literacy made rapid strides that other kinds of institutions came to be started. In the present conditions of our State, we must begin only with one type of schools and we may call these "Adult Literacy Schools," where we might teach the 3 R's and impart a certain amount of useful, general information. At this stage there need not even be separate curricula for rural and urban schools. When our aim is to impart the minimum amount of literacy, the question of separate curricula does not arise at all. An attempt will, however, have to be made to include in one and the same Reader some subjects of particular interest to villagers and some of particular interest to men living in towns. Both kinds of pupils will read all the lessons, as it is necessary that all adults should possess a minimum knowledge of conditions obtaining in villages as well as in towns.

Instruction in these schools should be purely secular, religion not forming part of the course. The reasons for this will be set forth under courses of study. If, however, there is a demand for religious instruction, other conditions permitting, religion may be included in the course of studies. The existing Islamic, Sanskrit and Vedic Schools may be made to widen their scope and take up this work. There are at present 20 such schools, 16 Diniath and 4 Sanskrit and Vedic Schools, with a total number of 1221 students, in some of which secular education is also imparted side by side with religious instruction. However, the Committee wishes to emphasise that its suggestion—viz., that where conditions permit, religious instruction may be given in a school—should

Out of a probable total population of 155 lakhs in 1941,

(1) 5 lakhs will be at school.

(2) 26 lakhs will be below 5 years of age.

(3) 31 lakhs (36-5 lakhs at school) between 5 and 15 years of age.

(4) 30 lakhs will be above 40 years and hence not easily educable.

(5) 60 (63-3 lakhs of probable literate adults) between 15 and 40 years of age.

Total 152 Lakhs.

Thus we are left with 31 lakhs of children and 60 lakhs of adults to be educated. Even if a thousand schools, with an average strength of 50 adults each, are to be busy at work year after year with unflagging enthusiasm, we can make only 50,000 adults literate every 6 months, i. e. one lakh in a year. It will thus take about 60 years to liquidate illiteracy in the State. But is this a very cheering prospect to wait for 60 years to attain cent per cent literacy in the State? What strides will other parts of the country and the world at large have made by then? We should therefore adopt a sort of a 25-year plan, as Kashmir and some other parts of India are doing, and try to reduce the incidence of illiteracy in the country. These figures are mentioned here only to impress the urgency and immensity of the work and for the bearing they have on the question of the duration of the course. They unequivocally demonstrate the need for adopting a practical programme for the achievement of our object and show how imperative the need for the adoption of a short period plan is, if we desire to see the light of literacy shining even dimly in the 3 million cottages that dot the countryside of our vast State.

Organisation of Adult Education.—The question of organisation of adult education in the State brings us face to face with a number of problems. These include a consider-

the Princess of Berar is one of the Vice-Presidents of this Committee.

The Vastness of the Problem.—Before any schemes could be formulated, it is essential that we should have an idea of the vastness of the problem, since it has an important bearing on the question of the duration of the course. Dr. Laubach says that over half of the world's population, i. e. more than a thousand million people, cannot even read. Two-thirds of these illiterates live in Asia, of whom 350 millions are in China and 340 millions are in India, the total population of India in 1931 being about 350 millions. The remainder are found chiefly in Africa, South America and the islands of the Pacific. Dr. Laubach further remarks that an advance of 4% in literacy has been noticed in the last 10 years in the world, but India herself has progressed by less than 1% during the same period. In India more than 92% of the people are illiterate. At this rate it will take a thousand years to enable India to catch up even a backward country like China.

We shall now give a little detailed consideration to the figures in the Hyderabad State. The following table shows the figures for 1931 and the probable figures for the year 1941 :—

*Statement showing distribution of population in the Hyderabad State according to age. Figures for **1931** are taken from the Census Report and are given to the nearest lakh. Figures for **1941** are based on variation in population and survival rate.*

Year.	Children below 5 years of age.	Children between 5 & 15 yrs. of age. (School going age.)	Persons between 15 & 40 yrs of age. (Educable Adults.)	Persons above 40 yrs of age.	Total population of the State	Children at School.	Literates.
1931	24	33	59	28	144	2¾	6
1941	26	36	63	30	155	5	9

However, there are signs that in many other parts of the country the general desire to organise adult education is being keenly felt and individual efforts are being made by private institutions to carry the message of education to the masses, but there being no systematic and organised effort in the matter, there is bound to be some frittering away of energy and enthusiasm. Therefore, there is an urgent need for harnessing these forces under a central organisation like the Indian Adult Education Society, which, while providing for a sort of local autonomy and experimentation, should formulate a common fundamental aim and policy in the matter of adult education work in the whole country. It is very necessary to take this work in hand as earnestly as possible before the various organisations in the country take to divergent paths. Since the adult education campaign is still in its infancy in our country, it is necessary that we should direct it from the very beginning on well-defined lines. That such a co-ordination is likely to be achieved in the very near future may be hoped for from the fact that almost all the societies working in the cause of Adult Education in India, are now associated with the Indian Adult Education Society. A still more hopeful feature envisaging a wider approach to the problem of adult education in the country and aiming at making Adult Education a dominant factor in the life of India, is to be seen in the calling of the first All-India Adult Education Conference which met at Delhi in March 1938. One result of this gathering was the setting up of the All-India Education Conference Committee, the functions of which are to collect information regarding existing adult education activities in India; to gain the interest and personal service of men and women for the adult education enterprise; to publish a news-sheet; to give general consideration to the adult education methods which could be best tried out in different parts of the land and so on. The Committee is presided over by Sir Shah Sulaiman and it is a matter for particular gratification to us to learn that H. H.

in that province. The All-India Educational Conference has an adult section which has been doing important work for a number of years in keeping before Indian educationists the urgent need for adult work and the great desirability of its co-ordination. The Bombay Presidency Adult Educational Association founded in 1934 in the city of Bombay, has been spreading literacy among the mill hands and organising libraries etc. Dr. B. P. Hivale of Bombay advanced the ideal of making all Marathi-speaking christians readers by 1941—the next census date—which later widened, in co-operation with the National X'ian council, into the slogan, "*Every Christian, a reader in 1941*". For Bengal this was again expanded, with the formation of the All-Bengal literacy campaign into the ideal that all Bengalies should be literate by this date. Quickly following came the foundation of the Bengal Adult Education Association, of which Dr. Tagore has accepted the position of President. In the south "The South Indian Adult Education Conference" is being organised. Through the Inter-University Board information has been collected regarding the willingness of 17 Indian Universities to co-operate in the study of subjects related directly or indirectly to mass welfare. The Indian Adult Education Society has been formed recently at Delhi to encourage and co-ordinate adult educational activities in India working through the medium of Provincial Societies which it is endeavouring to found. In Delhi Province this Society is carrying on a vigorous adult education campaign by teaching arts and crafts, and extending literacy by means of broadcasting, lectures, concerts, study groups, etc. Adult Education Societies have been formed at various other centres also and these are all associated with the Indian Adult Education Society at Delhi."

Coming nearer home, "Three Adult schools under Private Agencies with a total strength of 71 were started in Hyderabad for the first time in 1925-26 with the object of spreading literacy among adults. The movement extended to the Districts in 1930-31 and by 1934-35, 49 adult schools (19 in Balda and 30 in the Districts) had been established. Of these, 25 were aided and the rest unaided recognised institutions. The total number of pupils under instruction in 1934-35 was 1761. In 1933-34 special rules and regulations laying down the lines on which adult schools should be organised and conducted were enforced." This is all that has been done so far. As Mr. Syed Ali Akbar points out in his *Educational Progress under Asaf Jah VII*, "It is to be regretted that so far the public has not shown that interest in this movement which it deserves and which is so necessary for its rapid growth".

between conditions in India and conditions in the West with regard to the beginnings of the movement. In the West the initiative came from the people themselves and so the movement spread rapidly there. In India there is hardly any initiative from the masses. This factor contributes to the complexity of the problem.

Present Agencies and Work in India.—However, schemes are being drawn up in a number of provinces and conferences are being held to consider how best the movement could be advanced in the country. A central society for India styled the *Indian Adult Education Society* has recently been started and the National Adult School Union of England has also been interesting itself in the cause of Adult Education in India. The World Association for Adult Education called a Round Table Conference of persons interested in Adult Education in India in 1920 and this conference discussed some preliminary matters. Welcome as all these efforts are in the cause of adult education in India, the main initiative must come from Indians themselves and the work must be achieved by them. "Our educational rebirth can only be an indigenous process rooted in Indian ideals and the outcome of the devoted service of Indian men and women".

The beginnings of adult education as a conscious and organised effort may probably be traced to the days that followed the conclusion of the Great War. The work done so far has been described as follows in a leaflet issued by the National Adult School Union of London :—

"For a number of years some of the Provincial Governments, Indian States and Municipalities, have been engaged in the work to remove adult illiteracy, but such activities have tended to decline. Recenlty, however, there has been some revival of interest in adult educational matters. For instance, the Government of Bengal is organising a travelling exhibition in order to spread adult education among the villagers of Bengal, while the Government of Bombay has recently appointed a committee to report on adult education work

consider an adult to be a person between the ages of 15 and 40, since those below the age of 15 should attend an ordinary school and those above 40 years of age usually do not show any keenness to receive education. Instruction in these schools should consist of the 3 R's and a certain amount of general information which will be of use to an adult in his everyday life and which will make him more useful to himself and to the society in which he lives.

Adult Education in other countries.—The history of the adult education movement in the more advanced countries of the West is very instructive, but it does not offer any practical guidance to us. But its history in Russia, Turkey and Japan is, however, of value to us. These countries had a high percentage of illiteracy till very recent times. But the Governments of these countries made such gigantic efforts for the removal of illiteracy that during less than a quarter of a century they almost succeeded in wiping it out. Their example should be an object lesson to us and we will do well to study the methods whereby they achieved such phenomenal success. Our problem now is even more pressing than what it was in these countries 20 years ago.

History of Adult Education in India.—Dr. P. C. Lal of Dr. Tagore's Shantineketan says that adult education, although not called by that name, existed in India in very ancient days, when the art of writing was yet unknown. The agencies for this work were village bards, story-tellers, religious operas, the theatre, the weekly market and the village fairs. The writer thinks that in order to suit adult education to Indian conditions, these avenues are still open to us and could be utilised in a modified form. But in the modern application of the word, the adult education movement in India is of very recent origin. In one sense it is doubtful if the movement can be said to have begun in India in an organised way as yet. The educated public have no doubt begun to feel the urgent need for it, while the masses for whom it is chiefly meant are still in blissful ignorance of its benefits. Herein lies the difference

of the children. Our programme ought not to be a hindrance to the progress of the pupils in their lessons, but should contribute to their full development and success in life. All our out-of-school activities should give practical training in the art of good citizenship.

Adult Education in The Hyderabad State

Report prepared for the Second Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association, by a special Sub-Committee consisting of :—

Mr. Ahmed Husain Khan	*Chairman.*
Mr. Syed Noorul Hasan	*Secretary.*
Mr. Abdus Sattar Subhani	*Members.*
Mr. Mir Ahmed Ali Khan	
Mr. Salim Bin Sayeed	
Mr. G. S. Prakash Rao	
Mr. T. A. Lingam	

Definition.—The term 'Adult Education' connotes every kind of educational activity which is directed towards the intellectual betterment of an adult who might or might not have received a regular course of instruction at a school in his younger days. In countries like the United States of America the term 'Adult Education' covers the work carried on by a variety of associations and organisations whose common aim is to stimulate the cultural life of the people. But the adult education movement in India is at present more or less synonymous with a drive against illiteracy.

Scope and Aim of the Adult Education Movement in India.—In view of the multiplicity of schemes of adult education, it is necessary that we should select a definite and workable plan for adult education with the aim of imparting literacy to adults who did not have the benefit of education in their younger days. For purposes of our scheme, we may

As a beginning, at least contests in debating and swimming might be held at the Subah Headquarters along with the annual Subah tournaments in sports and games.

It is very unfortunate that there are no swimming baths regularly available for school children in Hyderabad City. Swimming is an art and an exercise particularly suitable for our climate, and one which exerts a beneficial effect upon character and physical development. It might be possible for the Education Department in co-operation with Municipal authorities to make provision for a large swimming bath, with the necessary means of water purification, for the benefit of school children who are within reach. A small fee could be charged for each person using the bath and the cost of upkeep met from this. By this means regular instruction could be given to large numbers of our school children, and a health-giving recreation placed within their reach.

In conclusion, we may be permitted to make some suggestions. In Bombay and Madras, Boy Scouts are trained in traffic control, and they are doing good social service. Many of the fatal accidents on the roads in our cities are due to utter ignorance of the rules of the road on the part of the public. It is a common sight to see pedestrians walking in the middle of the road, even when there are footpaths made for them. Cyclists, too, frequently disobey the elementary rules of the road and thereby cause accidents or serious inconvenience to other road users. Nor are all car drivers free from blame in this respect. Traffic games might with advantage be introduced to train the younger children in road rules, and Boy Scouts might be encouraged to teach others during the holidays, as a piece of social service. It is also desirable to introduce Safety First and First Aid instruction as part of our Extra-curricular programme.

A final warning is necessary as to the danger of over-doing some of these activities simply in order to win a trophy or to obtain public recognition at the loss of the regular studies

teachers are not prepared for this self-sacrifice, no good work can be done. Moreover, it is futile to start all kinds of novel activities in which the assistant teachers have no faith. Their keen co-operation must be first won.

Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, our worthy Education Member, while presiding over the Hyderabad Teachers' Conference three years ago, observed that an exchange of boys between the city schools and the rural schools would be of great benefit to both parties, as the boys of the city could witness the agricultural operations going on in the countryside, while the village school or mofussil boys would get a first-hand knowledge of city life. On the strength of this observation, a question on this topic was framed to elicit the opinions of the Headmasters. The chief objection raised is how to find the necessary money to defray the expenses of the boys. Some point out that it is not feasible on account of differences in the curricula and courses covered in the schools concerned. But the object of the excursion is not so much to learn the ordinary school lessons as to acquire a knowledge of different modes of life in the most congenial surroundings. There is a danger that the boys of the city may look down upon the villagers and consider themselves superior, while the boys of the mofussil or village may suffer from an inferiority complex and have their own peculiar prejudices. It is to rectify these defects, broaden the outlook of the boys, minimise differences and bridge the gulf between urban and rural life that this experiment was suggested. As regards the financial question, every Headmaster has to depend upon his own resources and the support of the parents. Without parental co-operation nothing can be done in such matters.

Now we may consider the organization of Dominion Competitions in Debating, Swimming, etc. Financial difficulties of course stare us in the face. It may be possible to induce the railway authorities to grant special concessions or even free passes to selected competitors from the districts.

of the chief objects in these programmes is to help the boys in the cultivation of healthy and useful hobbies. A man without a hobby can never be happy. Much depends upon the way in which a man spends his leisure, and his hobbies reveal his character. It is very necessary for teachers, in their own interests as well as those of their pupils, to cultivate some good hobby. If a teacher has music for his hobby, he can be of great service to the music society of his school. Similarly, a teacher keenly interested in gardening and having a practical knowledge of it can guide his pupils on the right lines and do immense good to them. To the question on the hobbies of teachers the answers given by the various schools show how varied and useful their hobbies are. A few of their hobbies are as follows:—

Photography, Painting, Gardening, Fretwork, Carpentry, Tape-Making, Book-binding, Button-making, Journalism, Poetry, Shooting, Taxidermy, Cooking, Tailoring, Glass-work, Watch-repairing, Weaving, Farming, Riding, Swimming, Music, Stamp-collecting, Cane-work, Lace-work, etc.

One school gave the discouraging reply that the teachers there had no hobbies. One wonders how they spend their leisure time and holidays. A man will feel the bitter need for a hobby when he retires and time hangs heavy on his hands. The great value of extra-curricular activities lies in providing pleasant and useful hobbies for children according to their natural tastes and special aptitudes, and thus rendering their lives richer and happier.

One of the Headmasters complains that certain Extra-curricular activities started by him failed for want of co-operation from his staff. The Headmaster should first find out the special interests and hobbies of his colleagues and entrust them with the organisation and sponsoring of those activities in which they are interested. The most important consideration is whether the teacher in charge is willing to spare his leisure time for the sake of his pupils. If the

staff should find ways and means to give the boys scientific instruction and guidance; otherwise, if the boys are left to themselves, there is always the risk of drowning tragedies. Systematic training in such manly and health-giving excercises as swimming and boating should be provided for our boys and girls wherever there are good natural facilities.

One Headmaster informs us that his school Music Society is making good progress as the place is famous for its musicians. Local conditions need to be carfully studied before a Headmaster starts any activity, otherwise all his attempts are doomed to failure. For example, the best of gardeners cannot succeed on a rocky and barren soil with no source of water-supply. But in many places we do not avail ourselves of a favourable environment on account of our lethargy and lack of interest in the out-of-school activities. Many schools complain that they have no good playing-fields, and hence no organised out-door games such as cricket or football are possible in such schools. But we find that they often possess spacious compounds which are not at all utilised for such games as Basket-ball, Volley-ball, Kabaddi and Lonepat. Some of our Indian games do not require costly materials and large fields, but can be easily started in any school with a few cart-loads of sand. Some schools are fortunate in possessing extensive playing-fields, but not all of them are taking advantage of the great facilities offered; no games are played, and the field presents a deserted appearance in the evenings. There is occasional activity on the part of a few selected boys who represent the school in all games and athletic sports, and all the games fund is spent upon them, while the majority of the school children is completely neglected. We suggest that attendance at games should be made compulsory, and every boy should have a chance to play according to the facilities possessed by the school.

There was a question on the hobbies of teachers, as they greatly determine the nature and variety of extra-curricular activities that can be carried on in a school with success. One

the parents interested in the work of the school. It is very important that teachers should make special efforts, pay visits to the parents of their pupils and acquaint them with the work of the school. By doing so, no teacher will fall in the estimation of the parents; on the contrary, he is sure to win their respect and love, which is the truest reward for his services. There is a practice in many schools of sending regular monthly progress reports to the parents. Sometimes these reports do not reach the hands of the parents, even though some sort of signature is obtained for them. Hence occasional meetings of the teachers with the parents serve as a check on many of these irregularities and contribute immensely to the successful working of an institution.

We are glad to note that almost all the schools, especially those situated at the same place, are willing to co-operate with one another in activities like Scout camps, excursions, debating competitions and outdoor games. Boys of different schools meet generally only at the time of athletic tournaments and matches, but this does not give them much time to cultivate friendly relations. Some Headmasters have actually organised joint camps and excursions for their boys, and they testify to the beneficial results of their experiment. Schools that are better furnished and staffed would be doing valuable service to the boys of other schools which are not so well equipped.

There is an intimate relation between the local conditions and the extra-curricular activities that can be advantageously started in a school. At some places in the districts there are good facilities for swimming and boating. We are glad to mention in this connection that the boys at Warangal and Sindhanur, Raichur District, are taking full advantage of these natural facilities, and the schools are helping them. There is another place which abounds in tanks and streams, but no expert help is given to the boys in swimming. The Headmaster of the place says that many of his boys know swimming, but complains of lack of facilities. Where such facilities exist, it is desirable that the Headmaster and his

These failures are sometimes due to wrong choice of sponsors and fading of interest, and sometimes due to the sudden transfer of teachers who have been doing useful work.

Now turning to the question of parental co-operation, the majority of schools report that they get none. A few institutions are lucky in securing the active sympathy and support of the parents. One Headmaster says that the parents and guardians stand in need of education, as they have their old prejudices. Another says that there is passive sympathy but no active financial support. We are told by a third that in the beginning parents should not be approached for monetary help, otherwise they will withdraw whatever little moral support they are extending to the school. The problem of securing parental co-operation is a hard one, and unless we solve it, it is well-nigh impossible to carry on some of these useful activities. It is interesting and instructive to note how this difficulty was overcome in one of the High Schools in the City of Hyderabad. It was decided to take a number of pupils on a three-day excursion out of the City, and notices were sent to the parents asking for their consent. The teacher in charge of the excursion received negative replies in many cases, but she did not become discouraged. She paid personal visits to the parents, explained to them the advantages of the excursion, and succeeded in winning the consent of many parents who had previously refused it. Unless and until the teacher gets into personal touch with the parents or guardians of his pupils, the problem of parental co-operation will remain baffling. One way of solving it lies in organising a "Parents' Day" in every school, when the parents are invited and can witness the performances of their children. It is only thus that the school can establish a strong link with the community and become a centre of social life. Such functions and other events such as camp-fires, dramatic performances by pupils, tournaments in games and sports, or debates, and activities such as gardening, all afford plenty of opportunities of getting

4. To what extent do parents take any interest in and co-operate with the activities at present in force in your school ?

5. In what activities can your school combine with other schools in the vicinity ?

6. What hobbies are practised by the members of your staff ?

7. What is your opinion of an exchange of boys and teachers between the City and Mofussil schools for a week or two ? Is your school prepared for such a programme ?

8. Are you willing to send a Debating Team from your school to participate in a Dominion Debating Competition in Hyderabad ?

9. Have your boys facilities for swimming ? If they have, would you find it convenient to send some boys to take part in a swimming competition in Hyderabad ?

The Committee went carefully through the answers sent by the forty schools, and prepared its report based upon the information furnished.

There are some activities such as Debating Societies, Scouting, Excursions, Gardening, which are very popular and are carried on successfully. Music, Stamp-collecting, Co-operative Societies, School Bands, School Magazines, Swimming and Boating, First Aid and Dramatic Clubs are among the various activities carried on in these schools.

Regarding the success or failure of the different programmes, we received one or two amusing replies. One Headmaster says that no Extra-Curricular Activity failed after he took charge of the school. All credit to him ! But some Headmasters report that they failed in one or two activities started in their schools through lack of support. In one school the Dramatic Society ceased to function for lack of funds, while in another the School Magazine stopped publication after a brief period of great activity in the beginning

Extra-Curricular Activities

(Report of the Sub-Committee Appointed by the All-Hyderabad Teachers' Association) *

The Sub-Committee on Extra-Curricular Activities was formed in June, 1938 with the following members :—

Rev. C. E. W. Bellingham, (Chairman).
Rev. G. Sundaram.
Mr. Syed Nurul Hasan.
Mr. Jagmohanlal Chatharvedi.
Mr. N. Parthasarathy, (Secretary).

At the first meeting of the Committee a comprehensive questionnaire on the different problems of Extra-Curricular occupations was framed, based upon the work which had already been done in this regard by the Bureau of Extra-Curricular Activities organised three years ago by the Hyderabad Teachers' Association. Copies of the questionnaire were sent to 120 High Schools and Middle Schools in the Dominions to gather information on the subject. Forty out of the 120 Headmasters addressed were kind enough to favour us with their answers and supply us with information which has been very useful in our work. We are indeed very thankful to these gentlemen.

The questionnaire circulated among the schools was as follows :—

1. What Extra-Curricular Activities are at present in force in your school ?

2. Which of the activities enumerated in the Sub-Committee Report published in the Conference Number of the "Hyderabad Teacher", 1935, are best adapted to the conditions in your school ? Please state reasons.

3. Have you tried any activity in your school in the past which has not proved a success ? In cases of failure, kindly state the causes.

* A Summary of the recommendations of the Sub-Committee appeared in our last issue. *Ed.*

food, and washed their utensils, which they would not do in their homes! How about the book-worms? Were they spared? Not in the least. They had to divorce their books and participate in games and other activities of the camp. The camp officials such as the Commander, Adjutant, Quartermaster, Education Director, Religious Director—each had a band of student-workers to assist him in his duties. Those who have never done things before have learned them by doing. Victorious camp!

Indeed, this particular experiment suggests what people in other schools and colleges seriously interested in the cause of education can do and may continue to do with gratification. It is in the camp where the student feels the 'group-influence' immensely, where his behaviour is refined, his sense of dignity of labour is aroused, his intellectual horizon is widened, his social connections are strongly cemented and his contact with the teacher becomes closer and deeper than ever.

A camp is capable of bringing about a proper adjustment between the cultural and vocational phases of education; it is in a camp where we can train and fit a student for a useful and productive career in life. When a pupil is thus helped to select his life-work, he naturally realises that he is an apprentice in that work and what he is doing is preparation for it. Having done this, we should not in the least trouble about a student's conduct or his application to his studies.

It is, therefore, conceivable to me if other schools can try camping and give it a conspicuous place in their curricula, "within the life of a single generation our present educational system can be made to undergo changes so profound, so revolutionary, so permanent, that it would appear as if human nature itself had been completely altered in the interval".

---

institution. The results of his experiment bear testimony to the fact that a camp provides a unique opportunity for intellectual, cultural and moral training as well as the soundest kind of vocational guidance. The veteran pioneer of this scheme seems to be well aware of the fact that much as the students need their parents' backing most of the time, what they need still more is a community of their own. That is, probably, why a number of departments of education in England, America, Switzerland, Germany and Italy give such unusual prominence to the Camp in their school curricula.

I was privileged to attend the two camps of the Forman Christian College held during 1934 and 1935. I shall always cherish the memory of these occasions as incidents of very great importance in my life. The way these camps were organised and the joint resourcefulness wherewith the professors and students alike gave their co-operation to make them a success were amazing.

A brief account of the said camp will not be out of place. The camp was held at the new college site, about four and a half miles from the Lahore city. As this was meant exclusively for the freshers of that college, its strength ranged from 200 to 225 students. The usual duration of the camp as determined by the administration was 15 days. Students lived in tents in groups, each with a tent leader. Apart from the regular class work which was done from 9 a. m. to 1 noon, plans were drawn up to find out the individual tastes of the students and inspire them with a life-career motive. Several students often complained that they had experienced Abyssinian hardships during that period. In spite of this fact, many offered to pick up cycle repairing and book-binding, while others learned motor driving. But most of them received thorough training in that rare art called *Chaukidarship*. This was evident from the fact that many students volunteered to serve as chaukidars of the camp and performed their duties with charm and diginity. Quite a number of them polished their shoes, ironed their clothes, carried their own plates and

Student Camp as an Educational Experiment

BY

P. B. Benjamin, B. A. (Hons).

Among the methods suggested by the new-fangled educationists to train and develop the immature student, the idea of allowing him to spend part of his school year in camps seems, both by experience and experiment, a successful one.

Camp life is considered by some of the leading educationists of the day to be an essential phase of a school career. They hold that it is well for students to get away for a definite period of time from the tempo and confusion of a crowded school and from the family ties of father and mother. Every parent ought to be equally anxious to have his child spend at least part of each year under the care of others so that his child will rub shoulders with others on equal base and thus gain more.

In these days of greatly advanced travelling facilities, a camp has the chance of becoming dominantly attractive to thousands of Indian students, who are fed up with the life within the school walls, with no chance of knowing each other and without opportunities for discussing, freely and openly, problems of personal and national character. There are students now in schools and colleges whose heads are crammed with facts, but the mass of information they possess does not include self-knowledge. The blame for this state of affairs does not lie wholly with the methods of teaching or with the students. Conditions can be changed and if we have the intelligence and the will, a new and more helpful discovery can be made.

Camps seem to offer a satisfactory solution to the present problem. How this is possible is soon explained. Five years ago, Dr. S. K. Datta of the Forman Christian College, Lahore, started a camp for the first year students of his

the making of men and women. Indian educationists have not failed to observe that the emphasis on *school life* has probably been the chief factor in the unquestioned influence of the great Public Schools of Britain. The result has been a marked increase in recent years in the popularity of residential schools. Where, however, this advantage cannot be secured, as well as where it can be, a great deal is being done in various institutions through the intelligent and painstaking development of the House System, the Cottage System, Student Councils, School Courts, Hobby Clubs, Athletics, Scouting, Debating Societies, Magazines and Newspapers, Dramatic Performances, Parties, Excursions, Social Service Leagues and the like. School men have begun to realize that moral muscles cannot grow except through exercise, that virtues do not thrive in a social vacuum and that preparation for democracy by training in an autocracy or in an oligarchy is an incongruity.

Concluding, it may be pointed out that one of the most outstanding features of the present situation is the unusual interest evinced by all classes and parties in matters educational. Government used to be accused of inertia and indifference where education was concerned. To-day, the educational barometer seems set for storm and those very critics seem constrained to urge less speed! In view of this sudden increase in educational zeal it may be worth while to recommend the importance of small scale experiments, pooling of experience and co-ordination of ideas and endeavour. The alternative would result in extravagance the country cannot stand. Much light is unintentionally but most unfortunately hidden under local and provincial bushels all over this vast country. Enthusiasm must be enlightened or there might be movement without progress!

Thanks to these and other influences, schooling in many notable instances is becoming more practical and more related to life, and spinning, weaving, carpentry, paper-making, book-binding, agriculture, basket-making, etc., are being given more respectful treatment than ever before in both high schools and middle schools. The junior courses in Agriculture, Commerce and Technology recently announced for Bombay and the activities of the Department of Technical and Vocational Education in Hyderabad will hold out useful courses and careers before juvenile ambition. In connection with all efforts to solve the problem of unemployment through educational changes, it seems necessary to remember the twin dangers of narrow specialization and superficial versatility which must be guarded against. Or, trying to do great things we may undo greater, and the last state may be worse than the first. Hand-work and head-work are not alternative forms of progress but are like the legs, whose alternating steps make for steady and orderly advancement. Clearly, the future lies with those who can make their education more practical, and their activities more educative.

Co-education of Body and Mind.

Another tendency which has become noticeable enough to merit mention may be described—the new and growing emphasis on an all-round education. Educators are awakening to the fact that the object of a school must be more than the mastery of facts and figures, more than the teaching of examinable subjects, more even than piloting young people through the Matriculation. This realization that there are more things in heaven and earth than are dreamt of in classroom lessons and departmental syllabuses, has brought into existence what are usually known as 'extra-curricular activities'. These activities, it has been discovered, serve the important function of supplementing the regular work of the school by providing numerous opportunities for the all-round development of the pupils, for the exercise of desirable ideals, habits and attitudes, for the training of worthy citizens and

natural setting, its residential character, a living contact between master and pupil, open air classes, and practical lessons in social service, all in the atmosphere of a master artist's creative personality. Less radical are the efforts spread over the length and breadth of the country to introduce a feature or two that might suggest 'Indianization'. There are unmistakable signs of the growing conviction that Indian education must register the country's needs, traditions and aspirations.

Practical Education.

Another tendency has been gaining strength during the last decade or two—the tendency to give education a vocational bias and to make it less academic. There is serious dissatisfaction with a type of education which seeks to feed culture to starving stomachs. Education with its priestly robe of literature and logarithms tightly drawn about itself passes by on the other side to avoid contamination—leaving the home, the community and the country stripped half-dead and uncared for! The Inter-Univerity Board, the Central Advisory Board, the Sapru Committee, the Mackenzie Committee and other responsible bodies have stressed the fact that there should be some bifurcation enabling pupils to be diverted from the profitless pursuit of a University Degree to lines of activity with a greater likelihood of a livelihood. The Wood and Abbot Report was a notable contribution to this line of thought. The Wardha Scheme represents a most serious attempt to give to pupils a type of training which is both mental and manual. Much uncertainty has been expressed as to the advisability and feasibility of a one craft-centred course, but several experiments are now being conducted in various parts and there is no doubt that they will result in suggesting further modifications. The city-bred critic must be reminded at the same time that for the 90 per cent of India's population living in the villages, intellectual gymnastics are not so important as useful occupation and rudimentary citizenship.

Tendencies in Educational India

BY

Dr. G. S. Krishnayya, M.A., Ph. D.

Vice-Principal, Teachers' College, Kolhapur.

Of the vast, vast majority of schools and colleges it must be said that they are mere repetitions of the numerous other educational factories which monotonously revolve their wheels in order to turn out uninteresting bales of standardized commodities. There is a dull dead level of sameness, the tiring technical uniformity of match boxes whose highest aspiration rises no higher than conformity. These institutions leave their students unimpressed, uninspired and unenthused. That is one tendency, the predominant one, the tendency to be more concerned about equality than about quality.

Against this background of schools which are nameless, numberless and narrow, book-centred and examination-ridden, stand out certain noteworthy efforts of schools with a message. The Indian National Congress expressed in 1906 its conviction that "the time had come for people all over the country to take up the question of National Education for both boys and girls, and organise a system of education suited to the requirements of the country, on national lines and under national control". In varying degrees and in differing ways several institutions have sought to realize this goal—to give education a national bias. Some of them have tried to resurrect the dead past when their critics would have them concentrate on the demands of the living present.

National Outlook

The outstanding examples of this tendency are the *Gurukuls* at Hardwar and Gujaranwala. They have attracted much public attention because of their attempt to revive and transmit the customs and culture of ancient India. Without so obvious an effort to put back the clock of progress is the Poet's Shantineketan, the arresting features of which are a



MR. SYED MOHAMED HUSAIN JAFFRI,
DIRECTOR OF PUBLIC INSTRUCTION, HYDERABAD (DN.)

CONTENTS.

Vol. XIII No. 4

THE HYDERABAD TEACHER

APRIL—JUNE 1939

Quarterly Magazine of The All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSAIN JAFFRI Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1939.

جلد (۱۳)   شمارہ (۲)

زیر سرپرستی جناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی

حیدرآباد ٹیچر

صدر انجمن اساتذہ ملک سرکار عالی حیدرآباد دکن کا

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

سید علی اکبر ایم۔ اے (کنٹب)، مدیر مسئول عبدالنور صدیقی بی اے۔ بی ٹی (علیگ)

سعید الدین خان بی اے۔ ڈپ ایڈ (عثمانیہ)

حیدرآباد ٹیچر

بابتہ آذر ۱۳۴۸ف لغایتہ بہمن ۱۳۴۸ف

فہرست مضامین

جلد ۱۳ — شمارہ ۲

۳

تقریر

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکارعالی

صدر مہتمم صاحب تعلیمات و مہتمم صاحب خواتین و حضرات

میں آپ کے سامنے کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنے کے لئے نہیں کھڑا ہوا ہوں عام طور پر میں تقریر کرنے سے گریز کرتا ہوں اس لئے کہ یہ میرا ایقان ہے کہ اب باتیں بنانے کا وقت نہیں اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم باتیں بنانا چھوڑ کر میدان عمل میں قدم رکھیں میں آپ کا زیادہ وقت نہ لونگا اس موقع پر میں اپنے چند خیالات آپ تک پہونچا کر ان پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اس مجمع میں سے دو ایک نے بھی میری ان باتوں کو غور سے سنا اور ان پر عمل کیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی۔ [؟]

خواتین و حضرات قبل اس کے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اپنے گرد وپیش کے حالات کا ایک سرسری ذکر کروں باوجود ان حالیہ ترقیوں کے بدقسمتی سے ہمارا ملک ایک حالت جمود میں ہے۔ ہماری حالت نہایت پست ہے اور دن بدن پست ہوتی جارہی ہے۔ مغربی ممالک سے تو خیر کیا مقابلہ اور موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ مشرقی ممالک ہی سے جب ہم اپنے ملک کا موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو اپنی حقیقی پستی کا کافی احساس ہوجاتا ہے۔ مشرقی ممالک میں جاپان کو بھی نظر انداز کردیجئے کیونکہ وہ ایک زمانہ سے مغربی ممالک کے قدم بہ قدم چل رہا ہے۔ ایران۔ شام۔ مصر اور عراق میں گذشتہ دس سال کے عرصہ میں جو تغیر ہوا ہے وہ ہمارے لئے باعث حیرت ہے۔ آج سے چند سال قبل جب میں نے ان میں سے بعض ممالک کا سفر کیا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے ملک کے مقابلہ میں ابھی یہ ممالک پچاس سال پیچھے ہیں لیکن آج میں بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شاہراہ ترقی میں ہمارا ملک اب ان ممالک سے پچاس سال پیچھے رہ گیا ہے۔

---

[1] یہ تقریر صاحب ممدوح نے اپنے حالیہ دورہ گلبرگہ میں انجمن اساتذہ کے جلسہ میں فرمائی تھی۔

خواتین وحضرات۔ آپ ضرور یہ خیال فرماتے ہوں گے کہ گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ہمارے ملک نے بھی ترقی کی ہے۔ عمدہ سڑکیں شہروں میں بجلی کی روشنی اور آبرسانی کی سہولت موٹربس کا انتظام وغیرہ کیا یہ ہماری ترقی کے بین ثبوت نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا شمار بھی ترقی میں کیا جاسکتا ہے لیکن آپ حضرات معاف فرمائیں اگر میں یہ کہوں کہ حقیقی ترقی صرف یہ ہی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ حقیقی ترقی سے ہم دن بدن دور ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ابھی تک جہالت کا دور دورہ ہے۔ ہماری معاشی۔ اقتصادی اخلاقی اور روحانی زندگی نہایت پست ہے۔ ان میں تغیر پیدا کرنا اور اصلاح کرنا صرف معلم کا کام ہے۔ میرا مقصد اس وقت فرائض مدرسین پر لکچر دینے کا نہیں ہے۔ مجھے اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ معلم کے فرائض اس قدر اہم اور پیچیدہ ہوگئے ہیں کہ ہمیں ان باتوں پر خاص طور سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان اہم فرائض کی ادائگی کے لئے معلمین کو کس طرح تیار کرنا چاہئے۔ میں جب کبھی کسی مدرس کی ناقص کارگزاری دیکھتا ہوں تو میرے دل میں فوراً ہی تدارک کا خیال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کوئی شخص عمداً اپنی کارگزاری خراب کرنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص صلہ کا خواہشمند رہتا ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شخص عمدہ کام کرکے خراج تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرے اس لئے جب میں نے ایسے مدرسین کے متعلق جن کی کارگزاری ناقص ثابت ہوئی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بہت سے ایسے امور ہیں جو ان مدرسین کے خاطرخواہ طور پر فرائض کی انجام دہی میں مانع ہوتے ہیں۔ میں اپنی تقریر میں صرف ان امور اور ان کی اصلاح کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کروں گا۔

بعض مدرسین ایسے پائے گئے جن کو اپنے کام کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو سررشتہ میں داخل ہونے سے قبل تمام دروازے کھٹ کھٹا چکے ہیں۔ اور جب کہیں جگہ نہ ملی تو مجبوراً ہمارے سررشتہ میں داخل ہوگئے۔ یہ لوگ سررشتۂ تعلیمات میں آنا اپنی بدقسمتی سمجھتے ہیں۔ انھیں اپنے کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور طوعاً وکرھاً کام کرتے ہیں۔ میں ان حضرات سے کہوں گا کہ وہ ان خیالات کو بھول جائیں اور سمجھیں کہ خدا کی مرضی یہی تھی کہ وہ سررشتہ تعلیمات کی خدمت انجام دیں۔ اب وہ اس سررشتہ میں داخل ہوچکے ہیں اور ان کو

چاہیئے کہ وہ مایوس کن خیالات کو ترک کر دیں اپنے کام کو محنت کاوش اور دلچسپی سے انجام دیں کوئی شخص اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کو شوق اور اپنے کام میں انہماک نہ ہو۔

اکثر و بیشتر مدرسین مجھے ایسے نظر آئے جنھیں اپنے کام سے دلچسپی بھی ہے۔ وہ سررشتہ میں خوش بھی ہیں لیکن بعض ایسی مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کے دل و دماغ کو سکون نہیں۔ تعلیم دینے سے دنیا میں زیادہ کوئی اور مشکل کام نہیں ہے ہمیں ایسی ہستیوں سے کام پڑتا ہے جو خود دل و دماغ رکھتی ہیں ان میں قوت ارادہ موجود ہے اور وقتاً فوقتاً وہ آپ سے مقابلہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعلیم جیسا اہم کام اس وقت تک اچھی طرح انجام نہیں پا سکتا جب تک کہ مدرس کے دل و دماغ میں سکون نہ ہو۔ ہماری انتہائی کوشش ہونی چاہیئے کہ ان مشکلات کو ہم اپنی راہ سے دور کر دیں تاکہ پھر اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔

سب سے بڑی مشکل جو مدرس کی سدراہ ہے وہ اقتصادی پریشانی ہے۔ ہمارے اخراجات ہماری آمدنی سے کہیں زیادہ ہیں جس کی وجہ سے ہم آئے دن مالی مشکلات میں پھنسے رہتے ہیں۔ اقتصادی پریشانیوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ رسم و رواج کی پابندی ہے۔ ترک رسم کا خیال بھی اگر ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے تو ہم سماج سے ڈر جاتے ہیں۔ جس کی وجہ ہماری اخلاقی کمزوری ہے معلم کو کم از کم اس سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ اگر معلم ہی نے رسم و رواج کے قیود کو مردانگی سے نہ توڑا تو پھر جہلا اور اسمیں کیا فرق باقی رہتا ہے۔ شادی بیاہ اور اسی قسم کی دوسری تقاریب میں ہم اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ بیماری کی حالت میں ہم اپنے یا اپنے متعلقین کو سرکاری دواخانوں میں جہاں خاطر خواہ طور پر دیکھ بھال ہو سکتی ہے داخل کرنا سماجی نقطۂ نظر سے برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم ایسا کرتے تو قلیل صرفہ میں وہ فائدہ حاصل ہوتا جو گھروں پر زائد سے زائد اخراجات کے باوجود نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایک اور وجہ ہماری مالی مشکلات کی یہ بھی ہے کہ ہم ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہونے سے قبل ذمہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں غور فرمائیے کہ جب ہم مالی مشکلات میں مبتلا ہوں تو پھر ایک لڑکی کو اپنا شریک زندگی بنا کر ہر سال پیدا ہونے والی اولاد کے اخراجات کے کس طرح

کفیل ہو سکتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف ہمارے دل و دماغ سے سکون مفقود ہو جاتا ہے بلکہ اپنی اولاد کی خاطر خواہ تعلیم و تربیت نہ کر کے آئندہ آنے والی نسلوں میں ایسی بیکار ہستیوں کا اضافہ کرتے جاتے ہیں۔ جب معلم مالی مشکلات میں پھنس جاتا ہے تو اس کی اخلاقی اور ذہنی قوت بھی دن بدن پست ہوتی جاتی ہے اور جب خود معلم کا دماغ پریشان اس کی اخلاقی اور ذہنی قوت پست ہو تو پھر قوم کے ہونہار بچوں کے دل و دماغ کی اصلاح کس طرح کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں کے نوے فیصدی مدرسین ایسی اقتصادی غلامی کے شکار رہیں اور جب تک وہ اپنے آپ کو اس سے آزاد نہ کر لیں گے وہ حقیقی معنی میں معلم نہیں بن سکتے

ہمیں ایسے وسائل پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے جن سے ہم اپنی آمدنی زیادہ کر سکیں۔ متمدن ممالک میں بھی معلم ہی سب سے کم تنخواہ پانیوالی ہستی ہے لیکن وہ نہ صرف اپنے اخراجات آمدنی کے حدود میں رکھتے ہیں بلکہ آمدنی کے دوسرے وسائل بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ مثلاً اکثر اپنے مکان میں ایک باغیچہ لگا لیتے ہیں جن کی ترکاری اور پھولوں سے نہ صرف وہ فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ ان کو فروخت کر کے کچھ پیسے بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ مرغیاں پالتے ہیں اور بعض شہد کی مکھیاں۔ ان کی عورتیں بھی بیکار نہیں بیٹھتیں اکثر معلمی کا پیشہ اختیار کر لیتی یا کسی دوسرے دھندے میں لگ جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں کے مدرسین بھی اگر ایسے ذرائع اختیار کریں تو سررشتہ کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔

خواتین و حضرات۔ دوسری چیز جس کی معلم کو سخت ضرورت ہے وہ تزکیہ نفس ہے۔ تزکیہ نفس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ہم پیدائش کی غرض و غایت سمجھیں۔ معبود حقیقی کی عبادت اور بندگان خدا کی خدمت یہی ہماری پیدائش کا اصلی مقصد ہے معلم کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کا دل پاک اور صاف ہو۔ ضمیر کی پاکیزگی کا اثر افعال پر پڑتا ہے۔ اگر معلم اپنے نفس پر قابو رکھے تو پھر خود دیکھو وہ برائیوں سے بچنے لگے گا اور نیکیاں بلا ارادہ اس سے سرزد ہونے لگیں گی۔ ارادہ شرط ہے پھر خود بخود آپ آگے بڑھنے لگیں گے۔

ایک اور چیز جس کی طرف میں آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ صحت اور تندرستی کی حفاظت ہے اقتصادی مشکلات میں پھنس جانے کے بعد اور پھر خود اپنی ذمہ داریاں بڑھا لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم صحت کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جز معاش مدرسین مرغن اور عمدہ غذاؤں کا استعمال ہی نہیں کر سکتے جن سے صحت درست رہ سکتی ہے۔ یہ خیال کہ مرغن غذائیں عمدہ صحت کے لئے ضروری ہیں بالکل غلط ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مرغن غذائیں ہی بربادی صحت کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ اور زود ہضم غذائیں صحت کے لئے ازبس ضروری اور مفید ہیں ایسی غذاؤں کا استعمال کرنا چاہیئے جن میں حیاتین کی مقدار زیادہ ہو۔ گیہوں کی روٹی سبز ترکاریاں اور دودھ صحت بخش غذا کے عمدہ جز ہیں۔ گوشت صحت کے لئے اتنا مفید نہیں جتنا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔
اگر ہم حفظان صحت کے معمولی اصولوں کا خیال رکھیں تو ہماری صحت عمدہ ہو سکتی ہے۔
تنگ و تاریک مکانات سے اجتناب ضروری ہے کھلی اور صاف ہوا صحت کیلئے بہت ضروری ہے کسی نہ کسی قسم کی ورزش بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورزش ایسی ہونی چاہیئے جس سے خون کا دوران جسم میں تیز ہو جائے اور ہلکا پسینہ جسم سے خارج ہو جائے۔ اکثر لوگوں کو بواسیر اور ذیابطیس کی شکایت ہو جاتی ہے۔ جس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ مرغن غذاؤں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح جو ضرورت سے زیادہ نمک پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کو ورزش کے ذریعہ خارج کرنے کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی جاتی۔

خواتین و حضرات۔ آخر میں آپ کی توجہ ان تعلقات پر منعطف کرانا چاہتا ہوں جو معلمین اور متعلمین کے مابین قائم ہونے چاہئیں تعلیم کا کام تو خیر کسی طرح چل ہی رہا ہے۔ لیکن جو چیز ہماری قوم سے مفقود ہے وہ تربیت ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا کہ تربیت اب ہم سے مفقود ہو گئی۔ چھوٹوں کے ساتھ سلوک۔ بڑوں کا رکھ رکھاؤ۔ ہمسایہ اور دوستوں کے حقوق۔ نشست و برخاست کے طریقے یہ سب چیزیں تربیت میں داخل ہیں اور ہم ان کی تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کرتے۔ جب تک معلمین اور متعلمین میں محبت اور خلوص نہ ہو تربیت کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ افسوس کہ اب یہ تعلقات مفقود ہیں تعلیم کی صورت اب

کاروباری ہوگئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم طلبار سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کریں۔ طلبار کو سمجھایا جائے کہ تعلیم کا مقصد چند کتابیں پڑھ کر کسی امتحان میں کامیابی حاصل کرنا ہی نہیں بلکہ تعلیم کا حقیقی مقصد انسان کو انسان بنانا ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کی انجام دہی کے لئے معلم کو اپنی ہستی از بس فنا کرنا ضروری ہے۔ افراد کی اصلاح اور طبائع میں توازن پیدا کرنا معلم کا اولین فریضہ ہے۔ قوم کی اصلاح صرف باتوں سے نہیں ہو سکتی اس کے لئے زبردست قربانی کی ضرورت ہے۔ معلم کا فرض صرف یہی نہیں کہ وہ حدود مدرسہ میں طلبہ پر نگرانی رکھے بلکہ اس کو چاہیئے کہ مدرسہ کے باہر بھی وہ طلبہ اور ان کے حرکات وسکنات پر نظر رکھے۔ ان کو بُرے شوقوں سے روکا جائے۔ انھیں بتایا جائے کہ اوقات فرصت کس طرح بسر کرنے چاہئیں۔ مدرس کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کو طلبہ کے لئے نمونہ بنائے اور ایک اہم چیز جو ہم سب کو کرنی چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ملکی مصنوعات کا استعمال کیا جائے۔ ضرورت ہے کہ ہم خود بھی دیسی چیزوں کا استعمال کریں اور اپنی عورتوں کو بھی اس کے استعمال کی ترغیب دیں اور بچوں کو بھی یہی تعلیم دیں جب ہم خود مثال بن کر بچوں کے سامنے پیش ہوں گے تو ہم ان پر اپنا اثر ڈال سکیں گے۔ بچوں کے لباس کے صفائی کی طرف مدرسین کو خاص طور پر متوجہ ہونا چاہیئے عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ناداری کی وجہ سے طلبہ اپنے لباس کو صاف ستھرا نہیں رکھ سکتے۔ ناداری کو صفائی سے کوئی علاقہ نہیں غریب سے غریب آدمی بھی پاک اور صاف رہ سکتا ہے۔ چونکہ ہماری ذہنیت پست ہے اور تمدن گر گیا ہے۔ اس لئے ہمیں صفائی کا زیادہ خیال نہیں ہوتا۔ تربیت اور عادت سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

خواتین و حضرات۔ اب میں صرف ایک بات کا آپ سے اور ذکر کروں گا۔ ہمارا ملک جو قدیم روایات کے تحت مختلف فرقوں میں باہمی اتحاد اور رواداری کے لئے ضرب المثل تھا وہاں بھی کچھ دنوں سے بیرونی اثرات کے تحت فرقہ وارانہ کشیدگی کے آثار نمایاں ہوگئے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو فرقہ وارانہ کشیدگی ایک مضحکہ خیز چیز معلوم ہوتی ہے جس طرح ہر شخص اپنی پسند کے موافق لباس پہنتا ہے کوئی سوٹ بوٹ کوئی

شیروانی کوئی سیاہ ٹوپی پہنتا ہے اور کوئی لال لیکن ایک دوسرے پر کوئی معترض نہیں ہوتا اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مذہبی خیالات پر نکتہ چین ہو یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ نہ برادران ہنود مسلمانوں کو ملک سے باہر نکال سکتے ہیں اور نہ مسلمان اہل ہنود کو ہندوستان یا اس کے کسی گوشہ کو چھوڑنے کے لئے مجبور کرسکتے ہیں دونوں فرقوں کو یہیں رہنا اور مرنا ہے پھر زندگی کو کیوں بےلطف بنایا جائے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ آنیوالی نسلوں کو اس فرقہ وارانہ کشیدگی سے دور رکھا جائے اور اس کی تمام تر ذمہ داری معلمین اور معلمات پر ہے معلمین کو چاہئے کہ وہ خود اس فضا سے علیحدہ رہیں اور اپنی ذہنیت کو ان نزاعات سے بالا بنائیں۔

آخر میں میں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے خیالات کو غور سے سنا میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے الفاظ پر اچھی طرح غور فرمائیں گے اور اگر آپ ان کو اپنے لئے مفید پائیں تو اس پر عمل فرمائیں۔

تاریخ ریاضیات

از
جناب مولوی سید عبدالحکیم صاحب ایم۔ ایس سی ایل۔ ٹی

تعلیمی نقطۂ نظر سے گذشتہ مضمون پر تبصرہ

اس مضمون کی گذشتہ اشاعت میں ابتدائے تخلیق عالم سے ایک ہزار قبل مسیح تک کی ریاضیات پر روشنی ڈالی گئی تھی تعلیمی نقطۂ نظر سے بنی نوع انسان کا یہ قدیم دور اس کا زمانہ طفلی تھا وہ اپنے علوم، تجربوں اور خیالات میں ایک ایسے بچہ کے مماثل تھا جو آغوش مادر سے اتر کر اپنے پیروں سے چلنے لگا ہو اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار اور دوسروں کی گفتگو سمجھنے لگا ہو۔ ایسا بچہ اکثر گرمیوں کی راتوں میں جبکہ آسمان ابر و غبار سے صاف اور چھوٹے بڑے تاروں سے بھرا ہوتا ہے اس جگمگاتے منظر کو نہایت مسرت اور تعجب بھری نگاہوں سے گھنٹوں دیکھا کرتا ہے اور اس نیلگوں طلسمی گنبد کے متعلق کبھی دل میں اور کبھی اپنی ماں سے انواع و اقسام کے سوالات کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب ابتدائی انسانوں نے آنکھ اٹھا کر آسمان کو دیکھا تو اس کے دماغ میں بھی پہلا سوال یہی آیا کہ :۔ چیست ایں گنبد طلسمی کار؟ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انسان کے تجسس اور تفحص کے عمل کا آغاز زمین اور اس کے قرب و جوار کی اشیاء کے بدلے سب سے پہلے آسمان سے ہوا، اور اس کا دماغ پہلے سماء اور ما فی السماء کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ تاریخ علوم کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ انسان کا قدیم ترین علمی سرمایہ آسمان سے متعلق ہے اس میں چینی ہوں یا کلدانی مصری ہوں یا یونانی ہر ایک میں علوم فلکیات کی گرما گرمی رہ چکی ہے۔

یہ امر فی الوقت غور طلب ہے کہ وہ علم جو کبھی بنی نوع انسان کے عہد طفلی کا سبق تھا آج ہمارے نصاب سے بالکل نکل گیا، اگر مشاہدۂ قدرت کے اسباق میں اس نیلگوں سقف کہن کے مشہور ستاروں اور سیاروں کے مشاہدات بھی شامل ہو جاتے تو بچہ کی وہ جبلتیں جو اس کو وراثۃً ملتی ہیں اتنی تشنہ نہ رہتیں۔ نیز اگر مضمون ریاضی کے درس میں زمین کے قطر کی پیمائش، عرض البلد، طول البلد نکالنے کے طریقے سال کی تقسیم دنوں میں اور اسی طریقہ کی دوسری باتیں عملاً داخل ہو جاتیں تو یہ مضمون ایک استخوان بے پوست نہ رہتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے مضامین کے ساتھ ہم آہنگ بھی ہو جاتا۔

دوسرا نتیجہ جو گذشتہ مضمون کے مطالعے سے اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صغیر جماعتوں میں اعداد پر نظری اسباق بچہ کے لئے بالکل بے معنی ہیں۔ اس عمر کا (۴½ تا ۷ سال) ایک بچہ جانتا ہے کہ اس کا گیند اس کے ساتھی کے گیند سے بڑا ہے۔ وہ چار سال کا ہے۔ وہ اپنی قطار میں پہلا لڑکا ہے، اُس کے تین اور بھائی ہیں جو پانچویں، چھٹی اور ساتویں جماعتوں میں زیر تعلیم ہیں، اسکول ۸ بجے شروع ہوتا ہے اور چار بجے برخاست، اس کے ہر ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں۔ غرضکہ اس عمر میں بچہ قدیم انسان کی طرح اعداد کو اشیا کے ساتھ وابستہ کر کے سمجھتا ہے۔ اور اس طرح کچھ عرصہ کے بعد اس کے لئے بڑا، پہلا، تین، چار، پانچ وغیرہ بامعنی الفاظ بن جاتے ہیں۔ دوسرے اعداد اور گنتیاں سکھانے میں بھی اس خیال کو پیش رکھنا چاہیئے کہ جس طرح انڈمان یا افریقہ کے ابتدائی باشندے اعداد کا شمار بیک یا دیگرے انگلیاں پکڑ پکڑ کر یا ناک چھو چھو کر کرتے تھے اسی طرح اگر بچہ ایک، دو، تین، چار، پانچ وغیرہ اعداد گننے کے ساتھ ہی ساتھ ان کو اشیا سے ہم آہنگ کرتا جائے تو یہ الفاظ اس کے دماغ میں زیادہ بامعنی مفہوم پیدا کرتے ہیں۔

جب بچہ اپنی عمر کے تقریباً ساتویں سال میں داخل ہوتا ہے تو اس کی دماغی صلاحیت ۵۰۰۰ ق م کے انسان کے مساوی ہو جاتی ہے۔ اس عہد کا انسان غیر مجرد اعداد سے واقف ہو چکا تھا گو وہ جمع، تفریق، ضرب، اور تقسیم کے قاعدوں سے واقف نہ تھا لیکن ان میں تجارتی لین دین شروع ہو گیا تھا۔ اس طرح انسان نے حساب کے ابتدائی چار قاعدوں کو عملاً سیکھنا شروع کیا۔

بنی نوع انسان کے اس قدرتی طریقہ کی تقلید کرتے ہوئے اگر بچہ کی مصروفیت کھیل نما تعلیم کے ذریعہ آپس میں تجارتی لین دین، ناپ، تول کی طرف مبذول کر دیں تو بلاشبہ ریاضی کی یا ابتدائی تعلیم ان کے لئے جتنی قدرتی اور دلچسپ ہو اتنی ہی مفید بھی ہو جائے، مثلاً تمام بچے تعمیری و تخلیقی جبلتوں کے تحت اس قسم کا مکان نہایت شوق سے تعمیر کرتے ہیں جس میں خود بھی دبک بیٹھ سکتے ہوں۔ یہ ہمارے آئے دن کے مشاہدات ہیں کہ بچے کس شوق سے کپڑوں کے خیمہ، گڑیوں کے گھر، پرندوں کے دڑبے بناتے رہتے ہیں، اگر ان کو یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ ایک ایسا مکان تعمیر کریں جس میں ایک معینہ تعداد فرض کرو سات آدمیوں کے رہنے کا انتظام ہو اس طرح ان کو ہر کمرہ کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ مجموعی طور پر سات بستر، سات میزیں، سات کرسیوں اور دیگر اشیاء خانہ داری کی ضرورت پڑے گی۔ اب فرض کرو کہ ان کو ان سات آدمیوں کے لئے ایک وقت کا کھانا تیار کرنا ہے۔ اب ان کو فی کس معینہ وزن سے سات آدمیوں کے لئے جسقدر وزن میں جنس کی ضرورت پڑیگی اس کا حساب کرنا پڑیگا۔ یہ غلّہ وہ بچوں ہی کی دوکان سے خریدیں گے سکوں کی بجائے کاغذ یا دفتی کے گول ٹکڑوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ غلہ مقررہ نرخ سے چھوٹی چھوٹی ترازوؤں میں تول کر دیا جائے۔ اور یہی چھوٹے سوداگر گھی یا تیل کی بجائے کسی قسم کی رنگین مائعات پیمانوں سے ناپ ناپ کر فروخت کریں۔ غرض کہ اس نوعیت کی کھیل نما مصروفیات میں یہ معصوم سوداگر بہت جلد حساب کے ابتدائی مدارج کو کامیابی کے ساتھ طے کرلیں گے

حساب کے بعد جب اس قدیم انسان کے علم ہندسہ پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں اس سے زیادہ کچھ نہ جانتا تھا کہ وہ اپنے پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے ظروف پر لکیریں یا غیر مدور شکلیں بنالے لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس کے دائرے زیادہ گول اور خطوط زیادہ سیدھے ہوتے گئے۔ صغیر جماعتوں میں علم ہندسہ کی تعلیم کے متعلق بلحاظ حالات بنی نوع انسان صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ بچوں کا علم ہندسہ صرف آزادانہ ہاتھ سے کھینچے ہوئے چند منحنی یا سیدھے خطوط اور مدور یا غیر مدور شکلوں پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ نقطہ، خط، زاویہ، دائرہ، سطح وغیرہ کی تعریفوں کا ان نوخیز دماغوں پر بار نہ ڈالنا چاہیئے۔ پرکار، پیمانہ، اور دیگر آلات علم ہندسہ کی بجائے ریت سے بھرے ہوئے ٹین کے ڈبے۔ لکڑی کے تختے۔ سلیٹ کاغذ رنگین پنسلیں ان کے

سامان میں داخل ہونا چاہئے۔ ان آلات سے وہ اپنے فطری رجحانات کا اظہار کریں رنگین پنسلوں سے اُن کو سفید کاغذ پر اپنی طبیعتوں کی رنگ آمیزی میں ساکن اشیاء کے بجائے اگر متحرک اشیاء مثلاً اُڑتا ہوا طیارہ ( ) ، دوڑتی ہوئی ٹرین ( ) بھاگتا ہوا آدمی ( ) ایک ہی روش قلم میں اگر تختۂ مشق بنایا جائے تو بچوں کے لئے زیادہ مناسب ہو

گذشتہ مضمون سے صغیر جماعتوں کی تعلیم سے متعلق جو مفید نتائج اخذ کئے جا سکتے تھے اس پر تبصرہ کرنے کے بعد اب ریاضیات کے اُس دور کی ابتدا کی جاتی ہے جو ۱۰۰۰ ق م سے ۵۰۰ء تک ڈیڑھ ہزار برس کا زمانہ ہے۔ ریاضیات کے اس دور کو یونانیوں کا زمانہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ کیونکہ یونانیوں نے نہ صرف ریاضیات بلکہ حکمت، فلسفہ، سیاسیات اور دوسرے علوم میں اتنی شہرت حاصل کی کہ آج بھی اُس قوم کے حکماء کے نام متمدن قوموں کے زبان زد ہیں۔ افلاطون، ارسطو، سقراط۔ بقراط، جالینوس، اقلیدس، فیثاغورث، ارشمیدش جو اپنے زمانے میں اس آب و تاب سے چمکے کہ آج غروب ہو جانے کے بعد بھی علمی دنیا سے اُن کی تنویر زائل نہ ہوئی اسی ملک یونان کے باشندے تھے جو ایشیاء کوچک کے شمال و مغرب میں واقع ہے۔ یہ جفاکش اور عقلمند قوم یافث ابن نوح کی نسل سے تھے اور خیال یہ ہے کہ ریاضیات اور دیگر علوم انہوں نے اہل مصر اور فینیقی قوم سے سیکھے۔ یہ آخر الذکر وہ دولت مند تاجر پیشہ قوم تھی جو ایشیاء کوچک کے مغربی ساحل سمندر اور کوہ لبنان کے درمیان میں آباد تھی۔ ان کے دو بڑے شہر طائر اور زدون دنیا کی اولین بندرگاہیں تھیں۔ جہاں تجارت کا کاروبار قائم ہوا۔ اسی تجارتی کاروبار کی بدولت وہ حساب اور اعداد و شمار میں اپنے ہمسایہ اہل بابل سے بڑھے ہوئے تھے اور وہ اوزان اور پیمانے جو بابل میں مستعمل تھے وہ اسی فینیقی قوم کے مہیا کردہ تھے۔ اور قدیم یونانیوں کی حساب اور فن اعداد و شمار میں یہی قوم استاد بنی۔ فیثاغورث فینیقی نسل سے تھا اور ہیرودوتوس ایک یونانی مورخ کے خیال کے مطابق تھیلس جو یونان کے ہفت عقلاء میں شمار کیا جاتا تھا بھی فینیقی قوم سے تھا۔ ذیل میں یونان کے مشہور ترین ریاضی دان اور ان کی تحقیقات کا حال دیا جاتا ہے۔

تھیلس ۶۴۰ ق م تا ۵۵۰ ق م تھیلس یونان کا پہلا شخص تھا جس نے ریاضیات اور فلسفہ کی

اولین درسگاہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ تقریباً ۶۴۰ ق م ۔ میں مقام ملیٹس پیدا ہوا۔ اور تقریباً نود[9] برس کی عمر میں اسی مقام پر وفات پائی یہ اوائل عمر میں ایک سوداگر، درمیانی عمر میں سیاست دان اور اخیر عمر میں منجم اور فلسفی تھا۔ اس کے متعلق جو قصے مشہور رہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابتداہی سے نہایت دوراندیش، صاحب فراست اور مستقل مزاج تھا۔ تھیلس کے متعلق حکیم ارسطو ایک قصہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ یونان میں زیتون کی فصل نہایت امید افزا تھی تھیلس نے شہر میں زیتون کا تیل نکالنے کی جتنی مشینیں تھیں قبل سے خرید کر جمع کرلیں اور بعد میں من مانی مشینوں کو کرایہ پر دیکر خوب روپیہ وصول کیا۔ ایک دوسرا قصہ اس کے متعلق یوں مشہور رہے کہ ایک موقعہ پر وہ چند خچروں پر نمک لادے ایک چشمہ سے گذر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر کا پیر پھسلا اور وہ معہ نمک کے تھیلے کے پانی میں گرگیا، اور بہت نمک پانی میں حل ہوا اور خچر کا وزن ہلکا ہوگیا۔ چالاک جانور نے اس اتفاقی تجربے سے فائدہ اٹھایا اور جب کبھی کسی چشمہ یا دریا کو عبور کرتا ایک یا دو غوطہ مار وزن کم کرلیتا تھا۔ تھیلس نے دوسرے موقعہ پر اس خچر کی پیٹھ پر روئی اور اسپنج لادکر اس کو اس شرارت کی سزادی۔

بہ سلسلۂ تجارت یہ مصر گیا اور وہیں علم ہیئت اور علم ہندسہ سیکھا۔ یہ اتنا ذہین تھا کہ جلد ہی مصر کے تمام راہبوں پر سبقت لے گیا تشابہ مثلثات کے اصول پر اس نے اہرام مصر کے سایہ کی پیمائش کرکے اہرام کی بلندی معلوم کی۔ شاہ امیسیز اس کے اس علمی کارنامے سے بیحد متعجب ہوا۔ اس بلندی کو معلوم کرنے کے لئے اس نے ایک سیدھی لکڑی لی اس کو دہوپ میں عموداً کھڑا کیا۔ اور اس کے سایہ کی پیمائش کی۔ اس سایہ کے طول اور لکڑی کی لمبائی میں جو نسبت تھی وہی اہرام کے سایہ اور اسکی بلندی میں تھی۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اہرام کی بلندی سایہ کی پیمائش سے اس وقت معلوم کی جب لکڑی اور اس کے سایہ کا طول مساوی ہوگیا۔

تھیلس کو اپنی علمی تحقیقات میں اتنی دلچسپی پیدا ہوگئی کہ اس نے شادی کرنے سے بھی انکار کردیا۔ اس کا ایک دوست سولن جس کا شمار بھی یونان کے ہفت عقلا میں تھا تھیلس کے خیالات کے برعکس شادی کا حامی تھا اس نے بہت کوشش کی کہ تھیلس شادی کرلے ایک دن سولن نے اپنے دوست کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنا خیال ترک کردے تھیلس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموش

اٹھکر چلا گیا۔ دو چار دن گذرنے کے بعد اس نے ایک اجنبی کو اس امر پہ آمادہ کیا کہ وہ سولن کے پاس جائے۔ اور یہ بہانہ کرے کہ وہ ایک سیاح ہے اور فی الوقت وہ راست شہر اثینہ سے آرہا ہے جہاں سولن کے بال بچے رہتے تھے۔ اجنبی نے ایسا ہی کیا۔

سولن۔ اے اجنبی تم کہاں سے آرہے ہو؟

اجنبی۔ میرا وطن نینوا ہے اور فی الوقت شہر اثینیہ سے آرہا ہوں۔

سولن۔ کیا تم مجھے تبلا سکتے ہو کہ شہر میں سب خیریت ہے۔

اجنبی۔ میں شہر میں بہت کم ٹھیرا مگر اتنا معلوم ہے کہ شہر میں ایک بہت مشہور سولن نامی شخص کے نوجوان لڑکے کا انتقال ہوگیا ہے۔ شہر تمام ماتم کر رہا تھا۔

سولن۔ افسوس! افسوس وہ بدنصیب سولن میں ہوں۔

ان الفاظ کے سنتے ہی تھیلس اندر آیا۔ اور قبل اس کے سولن کچھ زبان سے کہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے دوست میں معافی چاہتا ہوں کہ اتنک میں نے آپ کی بات نہ سنی۔ میں نے اپنے خیالات تبدیل کر دئے۔ میں شادی کے لئے تیار ہوں۔ سولن رو کر کہتا ہے کہ میرا مشورہ غلط تھا۔ اب میں تم کو ہرگز شادی کرنے کی رائے نہ دوں گا۔ تھیلس مسکرایا۔ بس تمہاری منطق معلوم ہو گئی اب رونے دھونے کی ضرورت نہیں۔ میرا مطلب حل ہوگیا۔ تمہارا لڑکا زندہ ہے۔

تھیلس کی علمی تحقیقات

تاریخ ریاضیات میں تھیلس پہلا شخص تھا جس نے اثباتی علم ہندسہ کی نبیاد ڈالی۔ اس وقت علم ہندسہ صرف عملی اشکال پر محدود تھا جن کو پیمائش کے ذریعہ ثابت کرکے دعویٰ عام کی صورت میں بیان کر دیتے تھے۔ تھیلس نے ان مسائل کا عقلی ثبوت دیا۔ ذیل کے ہندسی مسائل تھیلس سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مثلث متساوی الساقین کے قاعدہ پر کے زاوے آپسمیں برابر ہوتے ہیں اس کو ثابت کرنے کے لئے تھیلس نے اتنا ہی بڑا ایک دوسرا مثلث لیا۔ اور پہلے مثلث کو دوسرے مثلث پر الٹ کر منطبق کر دیا۔ یہ ایک قسم کا عملی مظاہرہ تھا۔

۲۔ اگر دو خطوط مستقیم ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں تو زاویہ متقابلہ آپس میں برابر ہوتے ہیں۔ پروکلس نامی مورخ کہتا ہے کہ اس کا باقاعدہ ثبوت اقلیدس نے دیا تھا تھیلس نے

صرف دعویٰ عام پر ہی اکتفا کرکے یہ کہدیا کہ یہ ایسی صریحی بات ہے کہ اس میں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

۳۔ مثلث کامل طور پر معلوم ہوجاتا ہے۔ اگر اس کا قاعدہ اور قاعدہ پر کے زاویہ معلوم ہوجاویں۔ مثلث کی اس خواص کا اطلاق عملاً سمندر پر کسی جہاز کا فاصلہ معلوم کرنے میں ہوتا تھا۔ کوئی مینارہ قاعدہ تصور کرکے راس اور قدم پر کے زاویوں کا مشاہدہ کرلیتے تھے۔

۴۔ متشابہ مثلثات کے اضلاع متناسب ہوتے ہیں اس مسئلہ کے ذریعہ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے تھیلس نے اہرام مصر کی بلندی معلوم کی تھی۔

۵۔ قطر دائرہ کو دو مساوی حصص میں تقسیم کرتا ہے۔ تھیلس نے صرف دعویٰ عام بیان کردیا۔

۶۔ نصف دائرہ کا ہر زاویہ قائمہ ہوتا ہے۔ تھیلس کی ہندسی تحقیقات میں یہ سب سے شاندار تحقیق ہے۔ تھیلس اس تحقیق پر اتنا خوش ہوا کہ اُسنے غیر فانی دیوتاؤں کے نام پر ایک بیل قربانی کردیا۔ خیال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا ثبوت اس نے راس سے مرکز کو ملاکر اس طرح مثلث کو دو متساوی الساقین میں تبدیل کرکے دیا۔ لیکن اس طرح صحیح ثبوت پر پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس نتیجہ سے آگاہ ہو کہ مثلث قائمہ الزاویہ کے تینوں زاویوں کا مجموعہ دو قائمہ ہوتا ہے۔

مثلث کے تینوں زاویوں کا مجموعہ دو قائمے ہوتا ہے۔ اس نتیجہ پر جیسا کہ یودیموس کا خیال ہے انسان منتظم اینٹوں اور پتھروں سے عمارتوں کا فرش کرنے میں پہنچا۔ ابتدا میں صرف تین قسم کے مثلثات اس صفات کے حامل سمجھے جاتے تھے اوّلاً مثلث مساوی الاضلاع۔ اور یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ یہ نتیجہ مساوی الاضلاع شکل کی اینٹوں سے اخذ کیا گیا ہو۔ کیونکہ کسی نقطہ کی اطراف کی سطح پُر کرنے کے لئے چھ مساوی الاضلاع مثلث نما اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ہر زاویہ مساوی ہوتا ہے لہٰذا چھ زاویوں کا مجموعہ ۴ قائمہ ہوا۔ لہٰذا ہر مثلث کے تین زاویوں کا مجموعہ دو قائمہ ہوا۔ دوم یہ کہ ہر مستطیل میں ۴ قائمہ ہوتے ہیں اور وہ وتر کے ذریعہ دو مساوی مثلثات قائمہ الزاویہ میں تقسیم ہوجاتا ہے لہٰذا ہر مثلث قائمہ الزاویہ میں جملہ دو قائمہ ہوئے۔ اس قسم کا نتیجہ مستطیل نما اینٹوں سے بہ آسانی مِل جاتا ہے۔ اور سوم ہر مثلث میں اُس

راس سے جس پر کا زاویہ سب سے بڑا ہو اگر مقابل کے اضلاع پر عمود گرایا جائے تو وہ دو مثلثات قائمۃ الزاویہ میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس طرح ہر مثلث کے لئے ایک کلیہ نتیجہ نکل آتا تھا۔ لیکن ابتدائی مہندسہ دان اس کو ایک مجموعی شکل دیتے ہوئے گھبراتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ مثلث کی کوئی جدید صورت پیدا ہوجائے اور وہاں یہ عمومی نتیجہ صادق نہ آئے۔

تھیلس نے علم ہیئت پر بھی ایک کتاب لکھی۔ یہ اپنے ہمعصروں میں بحیثیت مہندسہ دان کے ہیئت دان زیادہ مشہور تھا اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے ایک دن شب کو ستاروں کو دیکھتے ہوئے اتنا محو چلا جا رہا تھا کہ سامنے ایک پانی سے بھری کھائی میں جا پڑا۔ ایک بوڑھی عورت وہاں کھڑی تھی وہ ہنسی اور کہا "اے نادان جب تجھے اپنے ہی قدموں کے نیچے کا حال نہیں معلوم ہے تو فلکیات کے دریافت حال میں کیوں سرگردان ہے"۔ علم ہیئت کی تفصیل میں گئے بغیر اتنا بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ یہ سال کے ۳۶۵ دن ہونیکا موئد تھا۔ گو اس وقت تک عام خیال یہ تھا کہ سال میں تیس تیس دن کے بارہ ماہ ہوتے ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ دنیا چپٹی ہے۔ سورج اور چاند گرہن کے اسباب اس نے بتائے۔ ۲۸ مئی ۵۸۵ ق۔م میں جو سورج گرہن واقع ہوا تھا۔ اس نے پیشین گوئی کی تھی۔ اس پیشین گوئی کی صداقت نے اس کو خاص شہرت دی اور اس کا شمار یونان کے ہفت عقلا میں ہوا لیکن خیال یہ ہے کہ اس پیشین گوئی میں اس نے کسی مصری یا کلدانی تقویم سے فائدہ اٹھایا جس میں درج ہے کہ سورج گرہن ۱۸ سال ۱۱ دن کے وقفہ سے پڑتا ہے۔

تھیلس نے جن خیالات کی بنیاد ڈالی تھی وہ تقریباً ۵۰۰ ق۔م تک قائم رہے اس کے مشہور ترین شاگردوں میں انکشا مندر تھا۔ اس نے زمین کا ایک گلوب بنایا۔ شہر اسپارٹا کا طول البلد معلوم کیا۔ ایک دھوپ گھڑی بنائی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تھیلس کے شاگردوں کا رجحان فلسفہ کی جانب بڑھتا گیا اور آہستہ آہستہ علم ریاضیات فیثا غورث اور اس کے شاگردوں میں منتقل ہوگیا۔

(باقی)

پروجیکٹ متھڈ

از
جناب لیاقت علی خاں صاحب مددگار مدرسہ وسطانیہ شاہ علی بنڈہ

تمہید اصل مضمون کا فوری آغاز ضرورت و مقاصد تعلیم پر روشنی ڈالے بغیر شاید ایک غیر منطقی سلسلہ ہو جائے۔ اس لئے اولاً ان دو امور پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اصل مبحث پر غور کیا جائے گا۔

تعلیم کی ضرورت انسان مدنی الطبع ہے۔ سماج سے الگ ہو کر کسی کا وجود ممکن نہیں جو سچ پوچھئے تو معاشرہ کا رکن بننا ہی انسان کو انسان بناتا ہے۔ اقبال مرحوم کہتے ہیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

جہاں فرد کو سماج سے اتنا گہرا تعلق ہے وہیں معاشرہ کا سارا نظام اور اس کی تشکیل افراد کے منظم اور مشترکہ عمل پر منحصر ہے۔ گویا سماج کا قیام و بقاء اور اس کا تحفظ نہ صرف افراد کو چاہتا ہے بلکہ ایسے افراد کو جن کی شعوری تنظیم خاندان حکومت وغیرہ جیسے اداروں نے کی ہو۔ یہیں سے اس امر کی ضرورت کا پتہ چل گیا کہ معاشرہ پر اس کے تحفظ و بقاء کے لئے افراد کی تعلیم اور تشکیل شخصیت کا بار عائد ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی مختلف فطری قوتوں کو اس طرح استعمال کر سکیں کہ خود کو بھی فائدہ پہنچ سکے اور معاشرہ کو بھی ورنہ عدم تشکیل شخصیت کی صورت میں نظام معاشرہ کا درہم برہم ہونا ایسا ہی ہے جیسے پرزوں کے الگ ہو جانے اور مزدوروں کے گھر بیٹھ جانے پر ایک مشین اور ایک کارخانہ کی بس خیریت ہی ہے۔

تعلیم کا مقصد:- تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کر چکنے کے بعد مناسب ہے کہ مقصد تعلیم پر نظر ڈالی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ ہمارے گرد و پیش مختلف طبقات کے لوگ مقصد تعلیم کے متعلق مختلف خیالات رکھتے ہیں! اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے ایک جامع و مانع مقصد تعلیم کا تعین کیا جائے جو جملہ دیگر مقاصد پر حاوی ہو اور اسکی روشنی میں پروجیکٹ متھڈ کے حسن و قبح کو جانچا جائے۔

(۱) تعلیم کا مقصد ایک اوسط درجہ کے انسان کے پاس یہ ہے کہ طلباء آئندہ اپنے پیشوں سے متعلقہ فرائض بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں تعلیم کا یہ مقصد فی نفسہ ادنیٰ ہونے کے علاوہ تعلیم کی غرض و غایت کا کل نہیں بلکہ ایک جزو ہے۔

(۲) معلمین کے نقطۂ نگاہ سے بھی اگر امتحان پاس کرنا تعلیم کا مقصد ہو تو بھی فقط معلومات

کا کیڑا بن جانے اور دیگر اوصاف حمیدہ سے معرّا رہنے کے سبب انسان مکمل نہیں ہو سکتا۔

(۳) تعلیم کا مقصد بعض کے نزدیک دستار فضیلت کا حاصل کرنا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ محض علم و فضل کا وجود جو کسی مفید علمی کام میں نہ لایا جا سکے محض بے سود ہے۔

(۴) بعض کے نزدیک تعلیم کا مقصد جسمانی۔ دماغی۔ جمالی (Aesthetic) اور اخلاقی متوازن ترقی ہے۔ گویہ مقصد انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے لیکن متوازن ترقی کی شرط اس قدر کٹھن ہے کہ تعین نصاب کے بارے میں بڑی ہی مشکلات پیش آئیں گی۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا مقاصد اپنے حدود کے اعتبار سے جامع نہیں۔ ضرورت ہے کہ دور جدید کے تعلیمی رجحانات پر نظر رکھتے ہوئے ایک ایسے مقصد کا تعین کیا جائے جو اپنی جگہ جامع و مانع ہو۔

مصلحان تعلیم اس امر پر متفق ہیں کہ تعلیم کا مقصد اصلاح سیرت ہے بس یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کی اصلاح سیرت اس طرح کی جائے کہ وہ جماعت کو نفع پہنچا سکے اور ایک مفید شہری ثابت ہو۔ قوم و ملّت کی خدمت کر سکے۔ انجام دہی فرائض کے بارے میں کلیتہً عملی ہو۔

مقررہ مقصد تعلیم و رجحان کی روشنی میں اب پروجکٹ متھڈ کا تجزیہ اور اس کی ضرورت یا عدم ضرورت سے بحث کی جائے گی۔

لیکن اس سے قبل ہی مناسب ہے کہ چلتے ہوئے جان ڈیوی John Dewey کے خیالات اور حالات کا مختصراً جائزہ لیا جائے تاکہ ہم پروجکٹ متھڈ کو جس کے فلسفی تعلیمی خیالات کا یہ نتیجہ ہے خاطر خواہ سمجھ سکیں۔

مسٹر جان ڈیوی کے حالات

مسٹر جان ڈیوی (Dewey) ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو برلنگٹن ویرمون میں پیدا ہوئے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان وہ منی سوٹا میچی گن اور شکاگو میں استاد فلسفہ مقرر ہوئے اسی ملازمت کے دوران میں مشاغل تدریس کے جو اصول انہوں نے تجربہ کی بنا پر قائم کئے اس کی وجہ سے امریکہ کی تعلیمی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا حتیٰ کہ جامعہ پیکن میں دو سال تک فلسفہ و تعلیم پر ان کے لکچر ہوتے رہے۔ حکومت ترکی نے ان کو

قومی مدارس کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں جامعہ کولمبیا میں یہ پروفیسر فلسفہ مقرر ہوئے۔ فی الوقت گو وہ تعلیم سے علٰحدہ ہیں لیکن زمانہ کے فکر و خیال پر ان کا کافی اثر پڑنے لگا ہے۔

مسٹر جان ڈیوی کے خیالات

مسٹر ڈیوی نہ صرف ایک رائے زن فلسفی ہیں بلکہ ایک باعمل سائینداں بھی دیگر مصلحان تعلیم کی طرح ڈیوی کا دماغ بھی اپنے گرد و پیش کے مدارس کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور شاید یہی تاثر تھا جو شکاگو کے آزمائشی مدرسہ کی صورت میں عملی طور پر جلوہ گر ہوا۔

ڈیوی کو دور حاضرہ کے مدارس حتیٰ کہ گلشن اطفال پر بھی ایک بنیادی اعتراض یہ ہے کہ یہ مدارس غیر معمولی تغیرات کا ساتھ نہ دے سکے جو صنعتی انقلاب کے بابت سوسائٹی میں پیدا ہو گئے۔ وہ اس حقیقت کو اپنی کتاب اسکول اینڈ سوسائٹی میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں:۔

دست ورزی کے تمام کاروبار کا مرکز عموماً گھر ہی ہوتا تھا یا گھر کے اطراف میں تمام چیزیں بنتی تھیں۔ پہننے کے کپڑے زیادہ تر گھر ہی میں بنتے تھے۔ گھر کے لوگ بھیڑ کے بال کترتے۔ اون کو صاف کرتے۔ اور کاتتے۔ اور کارگہ میں چارچہ بافی کرتے۔ ایک بٹن دبا کر گھر کا کونہ کونہ بجلی کی روشنی سے منوّر کرنے کے بجائے روشنی حاصل کرنے کا پورا کام اس کے پیش نظر ہوتا تھا یعنے جانور کو ذبح کرنے اور چربی نکالنے سے لے کر بتیاں بنانے اور موم میں تر کرنے تک۔ ضرورت کی تمام چیزیں۔ لکڑی غلہ گھر بنانے کا سارا سامان۔ میز کرسی۔ فرش فروش حتیٰ کہ دھات کے تار کیلیں۔ ہتھوڑے وغیرہ سب پڑوس میں تیار ہوتے تھے اس کی روز مرّہ زندگی تعلیمی اعتبار سے زیادہ مفید تھی۔ وہ گھر کے کام کاج میں حصّہ لیتا تھا۔ اس لئے اس کے خصائل کی بلا ارادہ تعمیر ہو جاتی تھی۔"

لیکن صنعتی انقلاب نے ہماری موجودہ سماجی زندگی میں ایک مہتم بالشان انقلاب پیدا کر دیا ہے دورِ جدید کا بچہ جو اشیائے مصنوعہ کی دنیا میں رہتا ہے وہ یہ ٹھیک طور پر نہیں جانتا کہ یہ چیزیں کہاں بنتی ہیں اور کہاں سے آتی ہیں اس کو سلے سلائے کپڑے پہننے کو مل جاتے ہیں۔

مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کپڑے کہاں اور کس طرح بُنے جاتے ہیں۔ صبح و شام اس کی میز پر پکے پکائے کھانے چنے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن وہ اناج کی صورت بھی نہیں پہچانتا جس مکان میں وہ رہتا ہے۔ وہ گیس سے منور ہے۔ جو دیا سلائی دکھانے سے جل اٹھتی ہے یا بجلی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ جو ایک گھنڈی دبانے سے روشن ہو جاتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ نصف صدی قبل کے بچے زیادہ خوش قسمت تھے کیوں کہ ان تمام چیزوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ اب تک اس صنعتی انقلاب کا لحاظ کسی بھی ملک کے مدارس کے تعلیمی ماحول میں نہیں رکھا گیا۔

ڈیوی کا کہنا ہے کہ صنعتی تعلیمی کا رجحان جو مدارس میں پایا جاتا ہے اس کی تعمیل بے دلی اور غیر مربوط طور پر ہوتی ہے۔ گویا دوکان کا کام دھندا۔ امور خانہ داری مثلاً سینا پرونا کھانا پکانا۔ یہ تمام باتیں یہ سمجھ بوجھ کر اور قصداً نہیں کی جاتیں کہ مدرسہ کا اولین فریضہ یہ ہے کہ اس عنصر کو پورا کرے جو قبل ازیں گھر پر پورا ہوتا تھا۔ گویا اب بھی قدیم کتابی مضامین درس و تدریس کے خاص موضوع ہیں اور کمرہ جماعت صرف لکچر دینے اور سننے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ طلبا کو اکتساب بالعمل کا موقعہ ملتا ہی نہیں۔ بچوں کی اجتماعی تعلیم پر زور دینے کا نتیجہ ہے کہ ان کی عقلی ایجاد ماؤف ہو جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی یہ بات ہے بچہ کی اخلاقی یا معاشری تعلیم یعنی بچہ کو سماج کا رکن بننے اور اپنے فرائض زندگی انجام دینے کی صلاحیت موجودہ مدرسہ کے ماحول میں پیدا نہیں کرائی جاتی کیونکہ یہ چیز تو اسی وقت پیدا ہو جب کہ افراد کسی سوسائٹی کے مشترک مقصد اور ضرورتوں میں منظم طور پر اتحاد عمل کریں۔

موجودہ مدارس پر ان اصولی اعتراض کے بعد ڈیوی اپنے نظریات یوں پیش کرتے ہیں "مدرسہ عین زندگی ہے" یہ کہنا کہ "مدرسہ زندگی کی تمہید ہے" کچھ زیادہ قابل اعتنا نہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ مدرسہ اور سوسائٹی کو باہم شیر و شکر کر دیا جائے۔ گھر کی طرح مدرسہ بھی سچ مچ کی معاشرت ہو جہاں انہیں اس امر کا احساس ہو کہ ہر کام میں وہ برابر کے شریک ہیں۔ اور ان کی محنت و جانفشانی پر سب لوگوں کے کام کی کامیابی کا انحصار ہے ظاہر ہے کہ اس تخیل کے لئے نہ صرف موجودہ نفس مضامین ہی میں ردوبدل

لازم آئیگا بلکہ طرز تعلیم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

ڈیوی کا خیال ہے کہ ان نقائص کا ارتفاع متداولہ مضامین کے بجائے صنعتی مصروفیتوں کو فروغ دینے سے ہوسکیگا۔ کیونکہ کمرۂ جماعت میں خاص قسم کی ڈسک پر بیٹھ کر استاد کا سبق چپ چاپ بیٹھ کر سننے اور یاد کرلینے والے طلبار دنیا میں کوئی کام کرنے نکلیں تو ظاہر ہے کہ انہیں بڑی دشواری پیش آئیگی۔ ایسے طلبار سے ہم یہ امید نہیں کرسکتے کہ وہ صنعتی کاموں سے دلچسپی لیں گے اور نہ مزدوروں کے متعلق ان کے دل میں کوئی عزت قائم ہوسکتی ہے نہ وہ اپنے ہاتھوں سے کسی بیماری میں پھنسے ہوئے شہر کے باشندوں کو عالمگیر تباہی سے بچانے میں کوئی عملی امداد کرسکتے ہیں۔ نہ وہ بیوپاری دنیا کا کوئی عملی جزو بن سکتے ہیں۔ نہ وہ عملی سائنسدان ہی بنتے ہیں نہ ان میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دنیا کے لئے سکون و قرار فراہم کرنے کی صلاحیت ہی مہیا ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ ان کا نصاب تعلیم روکھی پھیکی پابندی رسم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ان کی تعلیم کا زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نصاب میں تعلیمی مضامین کی بھرمار رہی۔ لامحالہ ایسے تعلیم پائے ہوئے طلبار کو سوشل سرویس سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا۔ جو تعلیم کا مقصد اعلیٰ ہے۔

الغرض۔ پروجکٹ متھڈ جان ڈیوی ہی کے ان ہی فلسفی خیالات کا کارنامہ اور موصوف کی مذکورۂ بالا اصلاحات کے عملی خاکہ کا آئینہ ہے جو مسٹر موصوف کے پیرو مسٹر کل پیٹرک اور دوسروں کا نشو و نما کردہ اور امریکی مدارس میں جاری کردہ ہے۔

پروجکٹ کی تعریف ڈاکٹر ریڈ نارکی لوز نے پروجکٹ کی تشریح یوں کی ہے:— انگریزی میں پروجکٹ کے معنی اس ارتباط باہمی کے ہیں جو مرکزی مضمون اور مضامین کے درمیان پیدا کیا جاسکے جن کو کہ طالب علم سیکھتا ہے۔

پروجکٹ متھڈ کیا ہے اس طرح پروجکٹ متھڈ سے ایک خاص فلسفۂ تعلیم یا اصول مراد ہے جو بچہ کو ہر پہلو سے تربیت دینے کے اعلیٰ طریقوں سے واقفیت دلاتا ہے۔ اس اصول میں بچہ کو ہر بات میں مرکز بنایا جاتا ہے اور جملہ مشاغل کو اسکی

ذات سے منسوب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ طلبار کو خود کام کرنے سوچنے اور تجاویز اختیار کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ میں استاد بچہ کو بہت کم تبلاتا ہے۔ بچہ کے سامنے کوئی کام یا مسئلہ پیش کر دیا جاتا ہے۔ بچے اس کی تکمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ کام یا مسئلہ مرکزی مضمون کہلاتا ہے۔ اور اس مرکزی مضمون کو ان مضامین سے مربوط کیا جاتا ہے جن کو طالب علم سیکھتا ہے۔

پروجیکٹ متھڈ کی تشریح کے لئے چند مثالیں اور طریق ارتباط

مناسب ہے کہ اوپر کے بیان کو چند مثالوں سے واضح کیا جائے مثال نمبر (۱) فرض کیجیے کہ طلبار نے مرکزی مضمون "کان کنی" تجویز کیا ہے۔ اب اس کے چلانے کی صورت یہ ہوگی کہ معلم سب سے پہلے ان ضروری چیزوں کی فہرست تیار کرے گا جس سے کہ بچوں کو اس مضمون کی تعلیم کے دوران میں واقف ہونے کی ضرورت ہے کام کے دنوں کا بھی اندازہ کرے گا۔ بچوں کی امداد یا مناسب مقامات سے کان کنی کی متحرک یا غیر متحرک تصاویر حاصل کرے گا۔

سب سے پہلے عام حیثیت سے طلبار میں اس پر بحث مباحثہ ہوگا۔ اس کے بعد متعلقہ قصے پڑھنے ہوں گے۔ بچوں کو اشکال بتائی جائیں گی۔ وہ خرید کر وہ ضروری اشیار کی مدد سے میز یا زمین پر کانیں قائم کریں گے۔ کارخانوں وغیرہ میں خرچ ہونے والے کوئلہ کا حساب لگایا جائے گا۔ اسی ضمن میں دیگر ممالک کے کان کنی کے واقعات کا تذکرہ کیا جائے گا اس طرح ایک ہی مضمون میں جغرافیہ تاریخ۔ حساب۔ خواندگی۔ نقشہ کشی دستی مشاغل کی عملی تعلیم کا ارتباط ہوگا۔

دوسری مثال

فرض کیجیے جماعت اول کے لڑکے مکان بنانے کی پروجیکٹ پر عمل کریں اور وہ ۵ × ۴ × ۳ فٹ کا ہو۔ دوران تعمیر میں کمرے کی لمبائی چوڑائی۔ دیواروں کی موٹائی۔ پیمائش کے لئے پیمانوں کا استعمال۔ اینٹوں کی تعداد گننے اور ان کے خرچ کا اندازہ لگانے سے حساب کی خاصی مشق ہوگی۔ گھر کے متعلق کہانیوں کے سلسلہ میں قصہ گوئی اور خواندگی کے اسباق مربوط ہوں گے۔ گھر کا

خاکہ کھینچنے ۔ گھر کے آرائشی برتن کے نمونے بنانے سے ڈرائنگ کی مشق ہوگی۔ مکان کے دروازے کھڑکیوں سے حفظ صحت ۔ ہوا اور روشنی کے معلومات حاصل ہوں گے ۔ گھر کا آرائشی سامان تیار کرتے وقت دستکاری کی تعلیم ہوگی ۔

گو یہ منصوبہ دیر میں ختم ہوگا لیکن اس کے طلبار اتنے معلومات حاصل کرسکیں گے جتنے معمولی نصاب سے نہیں حاصل کرسکتے ۔

ایک اور کم خرچ مثال فرض کیجئے اسی جماعت اول کے طلبار نے عید کے موقع پر تحفہ بھیجنے کا منصوبہ تجویز کیا ۔ اس سلسلہ میں اشیار باندھنے کا طریقہ ۔ بکس کی تیاری گویا دستکاری کی تعلیم ۔ پتہ اور اسی سلسلہ میں خط لکھنے سے خط نویسی اور مضمون نگاری کی تعلیم نقشہ میں روانگی پارسل کے راستہ پر غور کرنے سے ندی پہاڑ ۔ ریلوے لائن کے نظر سے گذرنے سے جغرافیہ اور پارسل تولنے اور خرچہ ڈاک کے جوڑنے سے حساب کی تعلیم ہو جاتی ہے ۔ یہاں اس موقعہ پر یہ کہدینا ضروری ہے کہ مضامین کے ساتھ مرکزی مضمون کو ممکنہ طریق سے مربوط کیا جائے اس میں خواہ مخواہ کی کھینچ تان سے پرہیز کیا جائے اور نہیں تو شائد طلبار کی دلچسپی باقی نہ رہے ۔

پروجکٹ متھڈ کے چلانے کے متعلق چند عملی ہدایتیں اس کی ضرورت نہیں کہ اسکول ٹائم کا بہت سا وقت صرف ہی کردیا جائے ۔ بلکہ بقول ڈاکٹر کلپیٹرک ہفتہ میں ایک پیریڈ آزادانہ طریقہ پر کام کرنے کے لئے مخصوص کیا جائے تو مناسب ہے ۔

ابتدا میں پروجکٹس آسان ہوں ۔ جو چند گھنٹوں میں ختم ہوں ۔ بعض پروجکٹ کئی ہفتوں بلکہ شائد سال بھر چلیں گویا یہ چیز ان کی دلچسپی اور زندگی سے اسی قدر گہرے تعلق پر منحصر ہوگی ۔ اور تعلیمی اعتبار سے بھی اسی قدر اہم اور ہمہ گیر ۔

پرجکٹ کا انتخاب طلبار خود کریں ۔ کیونکہ لڑکے جب پروجکٹ کو خود محسوس کریں اور خود ہی انتخاب کریں تو جتنا زیادہ وہ خود ہی محسوس کریں گے ۔ اتنی ہی اچھی طرح وہ ان کی تکمیل کی تدابیر سوچنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہوں گے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ طلبار کسی مخصوص جماعت کے ہوں ۔ یا سارے اسکول کے لڑکے بھی حصہ لے سکتے ہیں ۔ پروجکٹ

انتخاب کی صورت یہ ہوگی کہ مدرس ہر طالبعلم کو اپنا سوچا ہوا پروجکٹ پیش کرنے کا موقعہ دیگا لیکن اس موقعہ پر یہ چیز اچھی طرح یاد رہے کہ منصوبہ مقرر کرنے سے پہلے طلبار کی انفرادی اور اجتماعی دلچسپیوں کی اچھی طرح جانچ کرلی جائے اس جانچ کا معیار درجہ بندی کی جانچ کے معیار کی طرح نہ ہوگا۔ بلکہ طلبار کے سامنے مختلف قسم کے مہیجات پیش کرکے ان کے جوابی حرکات اور مخصوص رکاوٹوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے۔ اور حسب موقعہ استاد اپنے اشارات سے طلبار کی رہبری کرے غرض طلبار کے پیش کردہ پروجکٹس تختہ سیاہ پر لکھے جائیں۔ پیش کنندہ طالبعلم اپنے پروجکٹ کی تائید میں دلائل پیش کرے۔ اور طریق تکمیل بھی سمجھائے۔ نیز جماعت کے فائدہ کو بھی واضح کرے۔ اس کے بعد ساری جماعت کو پروجکٹس پیش شدہ کے متعلق بحث کا موقعہ دیا جائے۔ شائد انتخاب منصوبہ ہی کے لئے کئی دن صرف ہو جائیں۔ اس طرح صرف دو یا تین عنوان باقی رہ جائیں۔ ان میں سے بھی کسی ایک پر جماعت متفقہ طور پر کسی نتیجہ پر پہنچے۔ مناسب یہی ہے کہ آخری انتخاب لڑکوں ہی کی طرف سے ہو۔ اس لئے کہ منصوبہ تمام جماعت یا گروپ کا مشترکہ ہونا چاہئے۔ جملہ افراد اسے قبول کریں۔ تاکہ اس کی تکمیل کے لئے سب کی رفاقت اور اعانت حاصل ہو سکے۔

مدرس کو اس بات کا خیال ضروری ہے کہ وہ اس بات کا لالچ نہ کرے کہ اپنی امداد سے کام کو خوش وضع بنائے۔ کیونکہ پروجکٹ کا مقصد کوئی اچھا کام کرکے دکھانا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ طلبار زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں اور اپنی آئندہ زندگی کی ضرورت کو انجام دینے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اسی ضمن میں مضامین نصاب کی تکمیل بھی ہو لے۔ ادھورے نتیجہ سے بھی حقیقی علم کی کافی مقدار حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً یونائٹڈ مشن ہائی اسکول کلکتہ میں جماعت ششم کی لڑکیوں کو مٹی کے برتنوں اور کھلونوں کے رنگنے کا شوق پیدا ہوا شروع میں تو انہوں نے ان اشیار کو رنگ سے لتھیڑ دیا لیکن جلدی ہی ان کے دلوں میں طرز آرائش کے متعلق سوچنے کا خیال پیدا ہوا انیسار دگرد خوبصورت [illegible] کا انہوں نے مشاہدہ شروع کیا ایسا کرتے ہوئے انہوں نے بنگالی زبان کے حروف تہجی کی بناوٹوں سے خوبصورت طبع زاد زیبائشی نمونے تیار کئے۔ غرض پروجکٹ متعلم کا استاد طلبار کے بھدے نمونوں کے بارے میں پست ہمتی کا

باعث نہو بلکہ ان کی ہمتوں کو اکسائے اور یہی چیز ان کے لئے مزید حصول علم کا باعث ہوگی اس طرح پروجکٹ کے تعلیمی فوائد کو مدرس ہمیشہ اپنی نگاہ میں رکھے اور اس بات کا خیال رکھے کہ ہر ایک طریقۂ عمل سے انتہائی درجہ کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نیز مدرس کی نظر بڑے سے بڑا تعلیمی فائدہ حاصل کرنے پر رہے۔ چنانچہ کسی ماڈل اسکول کی جماعت چہارم کے طلبا رنے مٹی کے ماڈل بنائے تجویز ہوئی کہ انہیں پکایا جائے۔ غرض جب یہ پروجکٹ اپنے مختلف منازل کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا تو طلبا رنے مٹی کی اور اشیا رزیادہ تعداد میں تیار کرنے اور بڑی بھٹی کی ساخت پر غور کیا۔ استاد کی رہنمائی میں انھوں نے اس سوال پر غور کیا کہ آوے کے طریق عمل کے معلوم ہوجانے کے بعد اب بڑی بھٹی کی تیاری محض تضیع اوقات ہے۔ چنانچہ طلبا رنے اس کو ترک کر دیا۔ بڑے پروجکٹس جو جماعت کو ایک میقات یا سال بھر مشغول رکھتے ہوں اور مدرسہ کی تمام تدریس کا مرکز بن جاتے ہوں وہی مدرس انھیں شروع کرے جنھیں کچھ تربیت حاصل ہو چکی ہو یا پروجکٹ متھڈ کا تجربہ رکھتے ہوں چھوٹے پروجکٹس جو ایک دن یا ایک مہینہ میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مدرسہ کے تمام کام کا مرکز نہیں بنائے جا سکتے۔ ابتدا ایسے ہی چھوٹے پروجکٹس سے کی جائے ضرورت ہے کہ اسباق کے شروع ہونے سے پیشتر مدرس کو اپنی تدابیر خود کافی حد تک سوچنی چاہئیں طلبا رکو کلیتہً آزادی دے کر خود کو صرف نگہبانی کے لئے مختص کر دینے میں ناکامی کا امکان ہے وہ کام کے آغاز کے پہلے یہ سوچے کہ اس کے طلبا رکون کونسے کام کی خواہش رکھینگے۔ اگر طلبا ءاس کے سوچے ہوئے منصوبہ سے ہٹ کر دوسرا منصوبہ سوچیں تو اسے طلبا رکے منصوبہ کو تباہ نہ کرنا چاہئے طلباء کے نامناسب منصوبہ کی صورت میں اپنی مناسب رہنمائی سے وہ انہیں اس نتیجہ پر پہنچائے کہ ان کا اختیار کردہ راستہ غلط ہے۔

اپنے منصوبہ کو اپنے الفاظ میں قلمبند کرنا نہایت فائدہ مند ہوتا ہے۔ طلبا رکو سکھایا جائے کہ اپنی پروجکٹ کی تجویز کو خاکہ کی صورت میں تیار کریں۔ تعمیری پروجکٹ میں مطلوبہ شے کی ڈرائنگ یا مقررہ پیمانہ کے مطابق خاکے تیار کئے جائیں۔

پروجکٹ کس طرح ختم ہوتا ہے۔ پروجکٹ کے ختم پر طلبا رغور کریں کہ جس منصوبہ کو انہوں نے

مکمل کیا ہے۔ اس سے کیا سبق سیکھا ہے۔ نیز کورس سے متعلق اور زائد از کورس کونسی باتیں حاصل کیں۔ مدرس غور کرے کہ بحیثیت مجموعی جماعت پر اس پروجکٹ کا کیا اثر پڑا۔ نیز انفرادی طور پر اس کا کیا اثر مترتب ہوا۔

پروجکٹ کی کتاب طلبار اپنے ساتھ پروجکٹ کے لئے کتاب رکھیں جس میں پروجکٹ کی ترقی کے مختلف مدارج کا ذکر کریں۔ کتاب میں اچھی تصاویر درج کی جائیں۔ خاص امور کی تحقیق۔ پروجکٹ کے مختلف حصوں کے متعلق ضروری ہدایات یا حوالجات درج ہوں۔

جماعت کا ریکارڈ اس کتاب کے علاوہ جماعت کی خاص کتاب میں پروجکٹ سے متعلقہ تصاویر چسپاں کی جائیں جو جماعت کا مستقل ریکارڈ یا یادداشت کا کام دے گی اس کتاب میں طلبار اپنی واقفیت کو یکجا کرکے پروجکٹ سے متعلقہ نئی عادات۔ متعلقہ حقیقتیں۔ تحقیقاتی نتائج۔ دستی کام کے ریکارڈ۔ اپنے کام کا خلاصہ۔ امر زیر غور کا خاکہ درج کریں۔ یہ کتاب اشاعت معلومات کے لئے لائبریری میں دیجا سکتی ہے۔

اسکول کی انجمن اختتام پر اسکول کی انجمن منعقد کی جائے۔ جماعت اس انجمن میں اپنے معلومات بیان کرے طلبار اس انجمن کا پروگرام بنائیں۔ طلبار اپنی پروجکٹ کی کتاب سے اپنی چیدہ چیدہ رپورٹیں سنائیں۔ متعلقہ چارٹس و تصاویر دکھائی جائیں۔ پروجکٹ سے متعلقہ کہانیاں سنائی جائیں۔ حاصل کردہ واقفیت کا خلاصہ بیان کیا جائے۔ یہ چیزیں دوسرے طلبار کے شوق کا باعث ہونگی۔

پروجکٹ کے چند فوائد

۱۔ اس طریقہ سے مطالعہ اصل زندگی سے مربوط ہوتا ہے۔

۲۔ طلبار کو انتخاب کرنے اور زبردست ارادے کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۳۔ خود اعتمادی۔ خود اختیاری۔ اور اپنے فیصلے آپ کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔

۴۔ موثر طریقے سے اکٹھے مل کر کام کرنا سیکھتے ہیں۔

۵۔ دوراندیشی اور استدلال کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

۶۔ اچھے شہری بننے اور ملک کی خدمت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ کسی نئے کام میں پہل کرنے قصد کرنے اور ذمہ داری کا مادہ پیدا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔

۸۔ مدرسہ کی زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس نتیجہ وکلی پھیکی نہ معلوم ہوگی

۹۔ انجمن کو درست کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

۱۰۔ بہبودی خلق کے کاموں میں حصہ لینے کی عادت پیدا ہوگی۔

۱۱۔ کمزور اور غیر حاضر باش لڑکے۔ پابند بن کر خوشی سے کام کرکے تعلیم سے مستفید ہوتے ہیں

۱۲۔ مل کر کام کرنے سے تعمیر خصائل کے امکانات کافی حاصل ہونگے۔

۱۳۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی ایسے طالبعلم کے لئے کچھ اچنبھا نہیں رہتی۔

۱۴۔ کنڈر گارٹن گلشن اطفال کے بانی مسٹر فروبل کے طریقہ تعلیم میں ابتدائی تعلیم کی جھلک ہے اور میڈم میریا مانٹی سوری کا طریقہ تعلیم انفرادیت اور آزادی کا حامل ہے لیکن پروجکٹ میں اجتماعی اور انفرادی دونوں خوبیوں کا امتزاج ہے۔

چند اعتراض منصوبہ کے مخالفین کا سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ اس سے نصاب زیر و زبر ہوجائے گا منصوبہ گروں کا یہ جواب ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ نصاب زیر و زبر ہی ہوجائے۔ اگر ہو بھی تو چنداں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ نصاب کی غیر موزونیت کو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ نصاب کے جو حصے منصوبہ کے دائرہ میں نہیں آتے۔ وہ نامکمل رہ جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو دوسرے طریقہ سے مکمل کرلیا جائے۔

بعض دشواریاں اول اول تجویز کا خاکہ تیار کرنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے میں بڑی دشواریاں رونما ہوتی ہیں۔ لیکن یہ دشواریاں تجویز کا خاکہ بنانے اور ان پر عمل کرنے سے خود بخود بتدریج راستہ سے ہٹتی ہوئی نظر آئیں گی۔ استاد

مطلوبہ واقفیت کتابوں۔ رسالوں کے مطالعہ۔ یاکسی واقف کار شخص وغیرہ سے تبادلۂ خیالات کرکے یاکسی ماہر آدمی سے خط وکتابت کرکے حاصل کرے سب سے ضروری یہ کہ کسی ایسے مدرسہ کا معائنہ کرے جن میں اس نئے طریقہ پر عمل درآمد ہو۔

آخر میں منصوبات کی ایک مختصر فہرست نمونتہً درج ہے۔

فہرست منصوبات دکان کا کھیل۔ ٹپہ خانہ۔ مکان بنانا۔ مرغی کی پرورش۔ گھر کی خوراک گڑیا گھر۔ کسی دعوت کا انتظام۔ باغبانی۔ گنڈی پیٹ۔ بنک چلانا علی بابا یا کوئی تعلیمی ڈراما۔ دسہرہ یاعید الفطر۔ مدرسہ کا اخبار یا رسالہ جاری کرنا۔ کپاس گنا۔ بکریوں کی اون۔ کھالیں۔ تیل کے بیج کا مطالعہ۔ ترکاری۔ دعوت نامہ کی ترتیب۔ جلد سازی۔ کاغذ تراشی۔ وغیرہ

کمرہ جماعت میں ضبط اور مدرس کا کام[له]

از

جناب شمس الحسن صاحب زبیری صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ چیلی پورہ اورنگ آباد

سب سے پہلے ہمیں لفظ ضبط کی تفسیر کردینی ضروری ہے۔ عموماً اس کے معنی قابو میں لانا یا اطاعت ونظم کی ترتیب کرنا ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنی ہیں "مدرسہ کے بچوں میں نظم قائم رکھنا اور ان کی اخلاقی وذہنی تربیت کرنا" ضبط کمرہ جماعت سے ہمارا مطلب وہ قابو ہے جسے مدرس طلبائے جماعت پر قائم رکھکر کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید کام انجام دے کمرۂ جماعت میں ہر لمحہ استفادۂ و اصلاح میں صرف ہو۔ جماعت میں مدرس حصول علم اور تجارت کا سرچشمہ ہونے سے سلسلۂ دین کی ایک زندہ مثال ہوتا ہے اور اسے بلا تصنع خود کو ہی ثابت بھی کرنا چاہئے۔

ضبط مدرس ایک مستقل مسئلہ ضبط ہے جس کا انحصار مندرجہ ذیل امور پر ہے:۔

۱۔ مدرس کی شخصیت

له۔ یہ مضمون تباریخ ۲۹ مردی ۳۰ء کانفرنس انجمن اساتذہ ضلع اورنگ آباد میں پڑھا گیا۔

۲۔ مدرس کے اطوار و انداز۔

۳۔ مواد درسی کا انتخاب۔

تشریح (۱) مدرس کی شخصیت شخصیت ایک فطری ودیعت ہے اور ہم اسے بہتر بنانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تاہم اچھی شخصیت کے کم کرنے والے عادات و اطوار کو روکنے کے لئے ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میرا اشارہ یہ ہے کہ بعض اوقات ہم میں ایسی بری عادتیں پڑ جاتی ہیں جو ہماری شخصیت کے اثرات کو زائل کر دینے والی ہوتی ہیں۔ اور ہم ان عادتوں کو ترک کرنے کی سعی کر سکتے ہیں۔

۲۔ مدارس کے اطوار و انداز مدرس کو جوشیلا ہونا چاہئے اس کو سبق پوری طرح تیار کرنا چاہئے جب ہی اسے خود پر اعتماد ہوگا۔ اور بغیر خود اعتمادی کے وہ غرض میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پوری تیاری کا مفہوم مواد جمع کرنا ہے۔ مدرس کا مضمون متعلقہ کا علم کتاب درسی میں دئے ہوئے مواد سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے۔ نوٹ لکھنا نہایت برا ہے۔ طلبار کو اس طرح تعلیم دینی چاہئے کہ انھیں تعلیم حاصل کرنے میں حقیقی مسرت حاصل ہو اور تعلیم کا انسانی زندگی سے سچا ارتباط ہو۔

۳۔ مواد درسی کا انتخاب اس کا مطلب یہ ہے کہ مدرس سبق کی ایسی ترتیب قائم کرے کہ طلبار کے سامنے مسلسل و منتظم پیش کیا جا سکے۔ انتخاب مواد میں طلبار کی صلاحیت و جبلت کا لحاظ رکھے

طلبار کی توجہ کسطرح حاصل کی جائے مندرجہ ذیل اشارات کا مدرس کو باحتیاط لحاظ رکھنا ضروری ہے

۱۔ توجہ خود بخود حاصل ہو جاتی ہے اگر مدرس سبق میں دلچسپی پیدا کردے

۲۔ وقت کا کلیتہً صحیح استعمال ہو اور جماعت کو مفید طریقہ پر مشغول رکھا جائے۔ ناموزوں و فضول سے احتراز کیا جائے۔

۳۔ مدرس کے انداز اور شخصی خصوصیات بھی جاذب توجہ ہوتی ہے۔

۴۔ خود اعتمادی کیساتھ اپنی شخصیت کا اثر جماعت کو جو احکام دئے جائیں مناسب ہوں احکام کا بار بار دہرانا طلبار میں

عدم توجھی پیدا کرتا ہے اور ان کی اہمیت کھو دیتا ہے ۔ احکام قطعی اور صاف لہجے میں ہونے چاہئیں ۔

۵۔ تحکمانہ زبردستی نہیں ہونی چاہیئے دھمکیوں سے حتی الوسع گریز کیا جائے اور اگر ایک مرتبہ دھمکی دی گئی تو اس پر پورا عمل کیا جائے۔

۶۔ طلباء کے ساتھ ہمدردی اگر مدرس فطرۃً ہمدرد واقع ہوا ہے تو نہایت بہتر ورنہ اسے یہ سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہمدردی کیسے کرنی چاہئے (طلباء سے ضرورت سے زیادہ توقع رکھنا عبث ہے)

۷۔ آنکھ کا قابو۔ جماعت کے ضبط میں آنکھ کا قابو (EYE CONTROL) نہایت اہم ہے آنکھ کا قابو ضبط جماعت میں بہت اثر رکھتا ہے اس میں دو باتیں شامل ہیں اولاً طلباء کی آنکھوں سے ان کے ذہنی تاثرات کا صحیح مطلب سمجھنا ۔ ثانیاً مدرس کی آنکھوں کا صحیح استعمال مدرس کو طلباء کی آنکھوں سے مسلسل تعلق رکھنا ضروری ہے تاکہ طلباء کے اندرونی احساسات کا اندازہ لگا سکے۔ آنکھ کا صحیح استعمال بتا دے گا کہ طلباء سبق میں دلچسپی لے رہے ہیں یا نہیں ۔ طلباء کی آنکھیں بتا دیں گی کہ آیا وہ سبق کی طرف حقیقتاً متوجہ ہیں یا محض بناوٹ ہے ۔ اچانک دو ایک سوال کر لئے جائیں ۔ جوابات سے توجہ و دلچسپی کا پتہ چل جائیگا ۔

آنکھیں کس طرف ہیں ؟ مدرس پر تختہ سیاہ پر یا کسی اور چیز پر ۔ اگر بیشتر طلباء باہر کی طرف دیکھ رہے ہیں ۔ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ متوجہ نہیں ہیں اور مدرس کو اپنا طرز فوراً بدل دینا چاہئے ۔ طلباء کی آنکھیں صحیح چیز پر بھی جمی ہونی چاہئیں ۔ مثلاً جب کہ مدرس کچھ بیان کر رہا ہے تو مدرس پر ۔ تختہ سیاہ پر کام ہوتے وقت تختہ سیاہ پر کسی چیز کی تشریح ہوتے وقت اس شئے پر ۔ وغیرہ

مدرس کی آنکھ کا صحیح استعمال مدرس کی آنکھیں کمرہ جماعت کے ہر گوشے پر رہنی چاہئیں تاکہ طلباء یہ محسوس کریں کہ مدرس اُن کے خیالات سے بالکلیہ واقف رہتا ہے ۔ طلباء کی بے ضرر شرارتیں نظر انداز کر دینی چاہئیں ۔ مدرس کی آنکھوں سے اس کی خواہش ظاہر ہونی چاہئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ الفاظ کی کفایت ہو گی ۔ مثلاً کسی طالب علم کو آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کی اجازت دیجا سکتی ہے ۔ سوال کرتے وقت مدرس کی آنکھ

کسی خاص طالب علم پر نہیں ہونی چاہئے۔ چونکہ ایسی صورت میں دوسرے طلبا بیکار رہیں گے اسی لئے سوال کرتے وقت اس کی نظر پوری جماعت پر ہونی چاہئے۔ اور کچھ وقفہ کے بعد کسی خاص طالب علم سے جواب دینے کی فرمائش کی جا سکتی ہے۔

مدرس کی آواز بعض مدرسین کی آواز قدرتاً دل کش اور موثر ہوتی ہے۔ جو لوگ ایسی آواز سے محروم ہیں انھیں اس کی تربیت کرنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں مدرس کو حسب ذیل امور ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

۱۔ پھیپھڑوں کی ورزش ہر فرض شناس مدرس کو سانس لینے کا صحیح طریقہ معلوم ہونا چاہئے سانس ہمیشہ ناک کے ذریعہ لی جائے پھیپھڑوں کو پوری طرح سانس سے بھر لینے کے بعد آہستہ آہستہ سانس خارج کی جائے اس طرح مدرس بلا توقف سلسلہ کلام جاری رکھ سکتا ہے۔

۲۔ آلات صوت یعنی زبان، تالو، ہونٹ وغیرہ کی بھی مناسب ورزش ضروری ہے۔

۳۔ تلفظ کی مشق ح، ع، ص، ق وغیرہ حروف اور الفاظ کے مشکل حصوں کی اچھی طرح مشق کی جائے۔

۴۔ بلند آواز سے پڑھنے کی مشق بلند آواز سے پڑھنے کے اصول کا مطالعہ ہر مدرس کا فرض ہے پڑھائی مترنم، واضح اور بہدروانہ انداز سے ہو۔ آواز کو حسب ضرورت بلند و کم کیا جائے۔

تختہ سیاہ ضبط جماعت میں تختہ سیاہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تختہ سیاہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک اسٹینڈ والا دوسرا دیواری ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں یعنی سرمئی۔ گہرا سبز اور سیاہ سیاہ رنگ بہترین ہے۔

تختہ سیاہ کی جگہ تختہ سیاہ رکھنے کے لئے کمرۂ جماعت کے مختلف زاویوں سے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ کسی طرف سے اس پر تاریکی یا چمک تو نہیں رہتی۔ مختلف قسم کے خط میں اس پر لکھ کر مختلف مقامات سے یہ بھی دیکھ لیا جائے۔ کہ تحریر ہر طرف سے نظر آتی

اس ضمن میں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں اولاً تحریر واضح اور صاف ہو اور کمرہ میں ہر جگہ پڑھی جاسکے۔ دوسرے رفتار تحریر۔ تختہ سیاہ پر تیز لکھنے کی مشق ہونی چاہئے تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

تختہ سیاہ پر کام شروع کرنے سے پہلے اس کا فیصلہ کر لیا جائے کہ مدرس کے لئے کونسی جگہ سب سے زیادہ مناسب ہوگی۔ تختہ سیاہ اور طلباء کے درمیان مدرس حائل نہ ہو۔ اس کا خیال رکھا جائے کہ تختہ سیاہ پر جو کچھ مدرس لکھ رہا ہے طلباء اس کو اپنی بیاضات میں نوٹ کرتے ہیں۔ بعض اوقات طلباء تختہ سیاہ کی تحریر کی نقل نہیں کرتے بلکہ محض یہ ظاہر کرتے ہیں کہ لکھ رہے ہیں۔ لہٰذا مدرس کو وقتاً فوقتاً دیکھ لینا چاہئے کہ آیا طلباء لکھ بھی رہے یا نہیں تختہ سیاہ پر لکھتے وقت چاک کی آواز نہ ہونی چاہئے۔

حفظ صحت یہ پہلے ہی معلوم کر لینا چاہئے کہ کم نظر طلباء کون کونسے ہیں اور ان طلباء کے لئے آگے کی نشستیں مخصوص ہونی چاہئیں تختہ سیاہ کی تحریر کام کے ختم پر مٹا دینی چاہئے یا یہ کام مانیٹر کے سپرد کر دیا جائے۔

تحریر تختہ سیاہ تختہ سیاہ کی تحریر اور اس کی ترتیب طلباء کے لئے نمونہ ہونی چاہئے۔ اس کی ترتیب موزوں اور منظم ہو۔ حاشیہ ہمیشہ چھوڑا جائے جس کو خاص عمل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر حاشیہ نہ چھوڑا جائے۔ تب بھی تحریر صاف، خوشنما اور خوش اثر ہونی چاہئے۔ سطریں ہمیشہ سیدھی ہوں (اچھا مدرس ان باتوں کا ہمیشہ لحاظ رکھتا ہے)

تختہ سیاہ کی توضیحات توضیحات تختہ سیاہ نہایت خوش نما ہونی ضروری ہیں۔ ان سے طلباء میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ جن اشیاء کی تشریح کے لئے طویل جملوں کی ضرورت ہو۔ ان کی توضیح تختہ سیاہ پر کی جاسکتی ہے۔ فضول چیزیں ہرگز تختہ سیاہ پر نہ بنانی چاہئیں۔ بعض الفاظ کی تشریح کے لئے مدرس کا اداکارانہ عمل کافی ہوگا۔ تختہ سیاہ کی توضیح کے لئے صفائی۔ بے ساختگی اور سرعت ضروری ہے کہ وقت ضائع نہ ہو۔

باضابطہ اسکیم اسے آغاز سبق سے قبل ہی تختۂ سیاہ پر لکھ رکھنا چاہئے اور پورے سبق کا انحصار اسی پر ہو۔ اسے ختم ساعت تک تختہ سیاہ پر رہنا ضروری ہے

چونکہ پورے سبق پر مکرر نظر ڈالنے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے سبق اور طلبار کی عمر کے لحاظ سے
اس میں فرق ہونا ضروری ہے۔ چھوٹی جماعتوں میں یہ پورے سبق کی تشریح کرے اور اونچی
جماعتوں میں محض اشارات کافی ہوں گے۔ رنگین چاک کا استعمال اونچی جماعتوں کے مقابلے
میں نیچی جماعتوں میں زیادہ ہونا چاہئے۔ رنگوں کا انتخاب نہایت اہم ہے جس شئے کی توضیح
منظور ہے اس سے مماثلت ضروری ہے۔ گہرے سُرخ، اودے، اور سبز رنگوں سے حتی الوسع
احتراز کیا جائے۔ چونکہ تختہ سیاہ پر یہ کچھ اچھے نہ معلوم ہوں گے۔ اچھے رنگ زیادہ جاذب نظر
ہوں گے۔ رنگ ایسے ہوں جو تختہ کی سیاہ زمین کے مناسب ہوں۔

سوالات

موجودہ زمانہ کے مدرس کیلئے سوالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ پورے سبق کی
ترقی اور جماعت کے کام کا بالکلیہ انحصار انھیں پر ہوتا ہے۔ سوالات طلبار
کی اوسط عمر اور سبق کی نوعیت پر منحصر ہوتے ہیں۔ سبق کی تیاری کے درجہ میں نہایت اہم ہیں۔
مگر مدرسین ان کے پجاری نہ بن جائیں۔ درجہ استحضار میں بھی سوالات کو خاص اہمیت حاصل ہے،
بشرطیکہ سبق مدرس اور طلبار کے باہمی تعاون اور کوشش کا نتیجہ ہو۔ اس موقع پر مدرس کے سوالات
یہ جانچنے میں مدد دیتے ہیں کہ آیا طلبار نے نفس مضمون کو سمجھا بھی ہے کہ نہیں؟ اس وقت طلبار کو ممکنہ
تنوع بہم پہنچایا جائے اور تاثرات نتیجۃً اظہار کی شکل اختیار کریں۔

سوالات کے لئے دو ضروری شرائط ہیں جو پہلے ہی پورے ہو جائیں۔

(۱) مدرس کا نفس مضمون پر عبور

(۲) نفس مضمون سے طلبار کی واقفیت کا صحیح علم۔

سوال کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل اشارات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں۔

(۱) سوال کم سے کم الفاظ کا حامل ہو۔

(۲) سوالات میں تنوع ہو۔

(۳) سوالات واضح، جامع اور سلیس الفاظ میں ہوں۔

(۴) سوالات مخصوص اور محدود ہوں مبہم نہ ہوں۔

(۵) سوالات طلبار کی اوسط قابلیت کے اعتبار سے مناسب ہوں۔

ہوشیاری اور احتیاط سے مرتب کئے ہوئے سوالات اچھی تدریس کی کنجی ہیں۔

سوال صاف آواز میں ہو تاکہ سب طلبار سن سکیں۔

سوال کرنے کا انداز (۲) سوال کرنے میں پھرتی چاہئے مگر ضرورت سے زیادہ تیزی نہ ہو۔

(۳) سوال مطمئن اور ہمدردانہ انداز سے کیا جائے۔ طلبار یہ محسوس کریں کہ اس سے سبق میں امداد مل رہی ہے اور یہ ان کے انکشافات میں معاون ہے۔ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ پورے وقت زیر امتحان رہے۔

سوال کرنے کا طریقہ سوال پوری جماعت سے کیا جائے۔ مدرس کی جگہ مرکزی ہو تاکہ سوال کرتے وقت وہ پوری جماعت کو دیکھ سکے۔ سوال کرتے وقت مدرس کو کسی ایک طالب علم یا جگہ پر نظر نہیں جانی چاہئے بلکہ اس کی نظر پوری جماعت پر ہو۔ بجز خاص حالات کے جبکہ عدم توجہی دور کرنا مقصود ہو۔ سوالات پوری جماعت پر مساویانہ تقسیم ہوں۔ اور ضرورت سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں۔ جواب دینے میں بعض طلبار بے سمجھے بوجھے بولنے کے عادی ہوتے ہیں۔ طلبار کی اس عادت کو سختی سے روکا جائے۔ طلبار جو کچھ جواب میں کہتے ہیں۔ اس سے یا تو ان کی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے یا وہ مدرس کو جانچتے ہیں۔ اس لئے مدرس کو سخت احتیاط لازم ہے۔ اگر نصف سے تین چوتھائی حصہ جواب نہ دے تو مدرس کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ سبق اطمینان بخش نہیں ہوا۔ جوابات حاصل کرنے میں مندرجہ ذیل اشارات ملحوظ رکھے جائیں۔ (۱) تمام جوابات پوری جماعت سن سکے (اس پر اصرار کیا جائے)

(۲) جواب سوچنے کے لئے طلبار کو مہلت دی جائے۔

(۳) جوابات حتی الامکان سوالات کی وضع کے مطابق ہوں۔

(۴) جواب کے دوران میں طالب علم کو ٹوکا نہ جائے بلکہ اس کی مدد کی جائے۔

(۵) لمبے جوابات کو دوسرے طلبار سے دہروالیا جائے۔ ممکن ہے وہ ساتھ نہ دے سکے ہوں۔

زبان مدرس کو کمرۂ جماعت میں اپنی زبان پر کافی قابو رکھنا چاہئے۔ اور جو الفاظ اس کی زبان سے ادا ہوں۔ ان میں بڑی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کسی قسم کی

بھی بدزبانی یا ترش کلامی سخت اعتراض کے قابل ہے۔ کسی مدرس کو کمرہ جماعت میں ہرگز غصہ نہیں آنا چاہئے اور اسے اپنے جذبات اور زبان پر پورا قابو حاصل ہونا چاہئے مندرجہ ذیل اشارات قابل لحاظ ہیں:۔

(۱) **اصول کفایت** اپنے احکام زیادہ موثر بنانے اور وقت کی بچت کے لئے چند لفظی جملے منتخب کرنے چاہئیں۔ مثلاً کھڑے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ اونچے۔ ہاتھ نیچے وغیرہ۔

(۲) **مطلب کے لحاظ سے الفاظ کے مجموعہ کی ادائی** اس کا منشا یہ ہے کہ جملے کے الفاظ کو کئی کئی کرکے ادا کیا جائے کہ بیان میں اثر پیدا ہو اور مطلب سمجھنے میں طلباء کو سہولت۔ روز مرہ کی گفتگو میں بھی جب ایسے لوگوں سے خطاب کیا جائے۔ جن کا ذہن پوری طرح تربیت یافتہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ مناسب ہوگا۔ ہر مجموعۂ الفاظ کی ادائی کے بعد خفیف سا وقفہ ضروری ہے تاکہ مفہوم طلباء کے ذہن نشین ہوتا جائے۔

(۳) **انگریزی بولنا** انگریزی کی تعلیم کے وقت انگریزی آہستہ آہستہ بولی جائے اور اس کا لحاظ رکھا جائے کہ الفاظ ایک دوسرے میں گڈ مڈ نہ ہو جائیں مناسب الفاظ پر زور دیا جائے اور (KEYWORD) خاص طور سے ملحوظ رہے تشریح کرتے وقت مختلف مترادفات سے احتراز اور طویل جملے بولنے سے پرہیز کیا جائے۔ جوابات کے اعادہ سے زبانی انشاء میں مدد ملے گی اور مدرس کو یہ بھی معلوم ہوتا رہے گا کہ طلباء اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔

یہ مضمون پوری طرح مشرح نہیں بہت سی باتیں محض مدرس کی سوجھ بوجھ پر منحصر ہیں اور انھیں وہ فطری ذہانت سے سیکھتا ہے۔ ہر چیز کے لئے مسلمہ اصول نہیں پیش کئے جا سکتے ختم سبق پر مدرس کو اپنے سے یہ سوال کرنے چاہئیں:۔

۱۔ آیا جماعت نے کچھ حاصل کیا؟

۲۔ آیا معلومات میں اضافہ ہوا؟

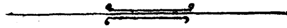
۳۔ آیا جماعت نے ترقی کی ؟

جماعت کے کام کو کامیاب بنانے کے لئے یہ چند اشارات ممد ثابت ہونگے ۔

تیاری سبق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مدرس نفس مضمون کی تیاری کرے بلکہ طلبا کے نقطۂ نظر سے سبق کا تیار کرنا ضروری ہے طلبار کی مشکلات معلوم کرکے ان کا حل سوچنا چاہئے ۔ طلبار کے صحیح جوابات کو اگر مدرس دہراتا جائے تو یہ قابل اعتراض ہے جوابات طلبار کو دہرانے چاہئیں نہ کہ مدرس کو ۔ وہ مدرس جو طلبار سے خوب کام لیتا ہے اور خود کم بولتا ہے بہترین مدرس ہے ۔

اس قسم کے الفاظ کا عادتاً استعمال کرنا جیسے کہ "سمجھ گئے ؟ آیا خیال میں ؟ مجھے یہ بتاؤ کہ .... وغیرہ" محض وقت ضائع کرنا ہے ۔

ابتدائی جماعتوں میں عبارت پڑھانے سے قبل مشکل الفاظ کے تلفظ کی مشق کرالینی ضروری ہے تکرار کے طریقہ میں تنوع اور دلچسپی ملحوظ خاطر رہے ۔ غیر ضروری اور طویل تشریحات سے گریز لازمی ہے طلبار کو چست و چالاک بنایا جائے مگر مدرس کو اپنی تیزی روکنے کی ضرورت ہے ۔ مدرس اپنی توانائی ضائع نہ کرے بلکہ ایسے طریقے معلوم کرے ۔ جن کی مدد سے بغیر اپنی توانائی ضائع کئے ہوے وہ جماعت کو بسہولت قابو میں رکھ سکے ۔



رُوداد سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ مستقر بلدہ

منعقدہ تبواریخ ۵ و ۶ بہمن ۱۳۴۸ف
مرتبہ مرزا ضیاء الدین بیگ صاحب بی۔اے (عثمانیہ) بی ٹی (علیگ)
ناظم مدارس و معتمد عمومی انجمن اساتذہ مستقر بلدہ

انجمن اساتذہ مستقر بلدہ کی گیارہویں سالانہ کانفرنس کے اجلاس تبواریخ ۵ و ۶ بہمن ۱۳۴۸ف بمقام مدرسہ فوقانیہ ناپلی بلدہ زیر صدارت عالیجناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن)، ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی منعقد ہوئے۔

کانفرنس کے ضمن میں تعلیمی نمائش بمقام میتھوڈسٹ بائز ہائی اسکول منعقد کی گئی تھی جس کا افتتاح بتاریخ ۴ بہمن ۱۳۴۸ف بوقت ½ ۴ ساعت شام عالی جناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی نے فرمایا۔ بوقت افتتاح عہدہ داران سررشتہ و اساتذہ کی تعداد کافی تھی۔ مدارس تحتانیہ و ثانویہ سے نمائش میں جو سامان وصول ہوا تھا وہ سلیقہ سے جمایا گیا تھا۔

بتاریخ مذکور بوقت (۷) ساعت شام بمقام آل سینٹس ہائی اسکول مسٹر ہوس انسپکٹر سٹی پولیس نے بعنوان "حفاظت جان" (Safety First) دلچسپ تقریر کی افسوس ہے کہ شرکا کی تعداد کم تھی۔

مسٹر ہوس نے عنوان بالا کی صراحت فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم صرف اپنی جان کی حفاظت کا خیال رکھیں۔ بلکہ دوسروں کی جان کا بھی لحاظ رکھیں ممالک محروسہ ہندوستان یا دنیا کے کسی حصہ میں آئے دن راستوں پر جو حادثات پیش آتے ہیں ان میں سے زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی حفاظت کا احساس نہ کرنے کے سبب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اساتذہ کو خود معلوم کرنا چاہئے کہ (Safety First) کا کیا مفہوم ہے اس کے بعد طلباء کو اس سے واقف کرانا چاہئے تاکہ آئندہ وہ مفید شہری

ثابت ہوسکیں۔ اس کی تعلیم دینے کا بہترین مرکز مدرسہ ہے۔

اس کے بعد قابل مقرر نے موٹروں کے ہارن کے غلط استعمال اور ان کی روشنی کی تیزی اور ایک ہی روشنی رکھنے اور ہاتھ سے راستہ کا رخ بتا کر فوراً موٹر یا سائیکل کے موڑ لینے کے نتائج کا اظہار فرمایا۔

آخر میں جناب مولوی احمد حسین خاں صاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات نے مسٹر ہوس کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے حاضرین کی تعداد کی کمی کا ذکر فرمایا اور آئندہ مسٹر ہوس کی تقاریر کا انتظام کر کے کافی تعداد میں اساتذہ صاحبان کے مستفید ہونے کی توقع ظاہر فرمائی۔

کانفرنس کا اجلاس اوّل بتاریخ ۵ بہمن ۱۳۴۸ف روز جمعہ بمقام مدرسہ فوقانیہ نامپلی ۱/۲ ۹ بجے زیر صدارت عالی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) ناظم تعلیمات ملک سرکاری کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں عہدہ داران اور اساتذہ کافی تعداد میں شریک تھے۔

جناب مولوی احمد حسین خانصاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات مستقر بلدہ نے فرمایا کہ بعض حضرات کو یہ شکایت ہے کہ امسال انجمن مختصر پیمانہ پر ہو رہی ہے غالباً ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ انجمن ممالک محروسہ سرکار عالی قائم ہوئی ہے اور صوبہ جات کی انجمنیں اس سے ملحق ہو گئی ہیں۔ اس لحاظ سے اس کانفرنس میں خطبہ صدارت وغیرہ نہیں ہے نیز دیگر سررشتہ جات کے حضرات کو دعوت نہیں دی گئی۔ بلکہ زیادہ تر پروگرام میں عملی پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے مثلاً انگریزی جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کے نمونہ کے اسباق جن کی تعلیم مدارس میں اچھی طرح نہیں دی جاتی چند قرار دادیں ہیں نیز مفید تقاریر رکھی گئی ہیں جن کی ضرورت ہے۔ مشاعرہ کے متعلق فرمایا کہ یہ اس شرط پر رکھا گیا ہے کہ اس میں محض گل و بلبل پر خیال آرائی نہ ہو بلکہ نئی زمین ہو۔ اس کے بعد عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات سے استدعا فرمائی کہ افتتاحیہ تقریر فرمائیں۔

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

تقریر صدر کانفرنس خواتین و حضرات۔ گذشتہ چند ماہ سے مجھے آپ سے کئی دفعہ ملنے اور مختلف حیثیتوں سے آپ کے سامنے تقریریں کرنے کے مواقع ملے

اس وقت میری مشکل یہ ہے کہ کہوں تو کیا کہوں۔ میرے محدود معلومات کا ذخیرہ تقریباً ختم ہو چکا اب اگر کہی ہوئی باتیں دہراؤں تو آپ اکتا جائیں گے۔ جدید باتیں کہنے کو ملتی نہیں۔ اب کانفرنس میں آتے ہوئے جو چند باتیں میرے ذہن میں آئیں میں نے انھیں نوٹ کر لیا ہے اور وہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں۔ کانفرنس میں اصولی اور فنی مضامین پر مختلف حضرات کی تقریریں ہوں گی۔ میں چند عام باتیں کہوں گا۔

خواتین و حضرات۔ ہر انسان کو چاہئیے کہ کار و بار و مشاغل دینی و دنیوی کے بعد تھوڑا وقت ایسا بھی نکالے جو غور و فکر میں صرف ہو۔ اس کی ضرورت سب سے زیادہ معلمین کو ہے کیونکہ یہ طبقہ پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمیوں کا سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ تھوڑا سا وقت غور و فکر میں صرف کریں تو آپ کے بہت سے مشکل مسائل حل ہو جائیں گے۔

آجکل زمانہ کے حالات مثلاً سماجی۔ اقتصادی وغیرہ میں تبدیلی ہو گئی ہے ہمارے ملک میں پچیس سال قبل کے حالات اب نہیں رہے ان میں انقلاب عظیم واقع ہو گیا ہے۔ ہم کو غور کرنا چاہئیے کہ یہ انقلاب ہمارے ملک کے لئے مفید ہے یا نہیں اگر غیر مفید ہے تو ہم اس کو مفید بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔ معلم کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ مدرسہ میں زیر تعلیم طلبا کو تعلیم دیدے اور امتحان میں کامیاب کرائے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہر معلم نوجوانوں کو اس طرح تعلیم دے کہ وہ آئندہ مفید شہری بن کر زندگی بسر کریں۔ قوم کی اصلاح کا عیناً معلم ذمہ دار ہے دوسرا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت میں کثرت مشاغل و اسباب سے دخل دینے کے مواقع کم ملتے ہیں ایسی صورت میں معلم کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ اب اگر نوجوانوں میں خرابیاں پائی جائیں تو دنیا اس کا ذمہ دار معلم ہی کو قرار دے گی۔

تعلیم کے سوائے معلم کا فرض یہ بھی ہے کہ طلبہ کی تربیت کا خیال بھی بدرجہ اتم رکھے زمانہ سابقہ میں نوجوانوں کو سکھایا جاتا تھا کہ بزرگوں کا ادب کریں نشست و برخاست۔ کھانے پینے کے آداب سکھائے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ادنیٰ ملازمین میں بھی شائستگی پائی جاتی تھی۔ اسی قسم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مثلاً مجھے اب تک بھی اپنے استادوں سے ادب کرنے اور

ان کے پسماندوں سے ہمدردی کرنے کی عادت ہے۔ آج کل کے نوجوانوں کی ایسی حالت ہے کہ بقول شخصے کہ "باپ کو باپ نہیں سمجھتے تو ہمسایہ کو چچا کیا سمجھینگے۔ آج کل کے طالب علم مدرسین کی عزت کرنی تو کجا انھیں سلام بھی کرنا عار سمجھتے ہیں۔ بدتہذیبی اور نالائقی کو مساوات اور آزادی سمجھنے لگے ہیں۔ جدید طریقۂ تعلیم کا یہ اصول کہ بچہ کو پوری آزادی دیدی جائے اس سے مجھے پورا اتفاق نہیں ہے اس طرح آزادی کے دینے سے بچپن میں شروع ہی سے خودرائی اور خودسری پیدا ہوتی ہے۔ جب میں اپنے بچپن کی تعلیم پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ میری ابتدائی زندگی کس سخت ڈسپلن کے تحت گذری کہ مجھے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرنے کے بہت کم مواقع مل سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج میرے نفس میں جو ضبط پیدا ہوا وہ آج کل کے نوجوانوں میں نظر نہیں آتا۔ پس آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپ بھی جیسا کہ سوسائٹی کے دوسرے طبقہ کے لوگ ملک کے معاملات میں غور وفکر کرتے ہیں غور کریں اور ایسی معقول اور مناسب تدابیر اختیار کریں جس سے قوم کے نوجوانوں کی حالت درست ہو۔

آج کل جو ہیجان ہمارے ملک میں پھیلا ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ نہ تو معلمین کے اور نہ ہی متعلمین کے دل ودماغ سکون کی حالت میں ہیں۔ ایک عام پریشانی پھیلی ہوی ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی حالت میں جو تعلیم دیجارہی ہے وہ مفید ثابت ہوسکتی ہے؟ تعلیم کا تعلق نہ اچھے امکنہ سے ہے نہ عمدہ ساز وسامان سے ہے بلکہ پڑھنے اور پڑھانے والے کے شوق پر منحصر ہے۔ پرانے زمانے کی تعلیم ایسی تھی کہ گروجنگلوں میں ندی کے کنارہ درخت کے نیچے بیٹھے ہوے اپنے چیلوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ کتابیں میسر نہ تھیں اور بلامعاوضہ تعلیم دیجاتی تھی۔ مدرس کو روپیہ کی طمع نہ تھی بلکہ پڑھانے کا شوق اور متعلمین کو علم حاصل کرنے کا اشتیاق تھا برخلاف اس کے ان دنوں مدارس میں ہر چیز مصنوعی ہے۔ مدرس کا ذہن تنخواہ کی جانب ہے اور متعلمین کو امتحان کامیاب کرنے کی فکر رہتی ہے۔ ملک میں مختلف قسم کے ہیجانات پھیلے ہوئے ہیں نہ معلمین مطمئن ہیں نہ طلبہ۔ جب تک کہ پڑھنے اور پڑھانے والے کو سکون اور اطمینان نہ ہو تعلیم خاطرخواہ

نہیں ہو سکتی۔ ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحیح تعلیم وہی ہے جو انسان کو انسان بنائے اور اس میں نفس مطمئنہ پیدا کرے پس چاہئے کہ معلمین خود کو اس طوفان بے تمیزی سے اپنے آپ کو علیٰحدہ کریں اور مثل جہلا کے اس میں نہ پڑ جائیں۔ پس "انہیں" چاہئے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہو جائیں طلبہ سے ہمدردی رکھیں ان سے ذاتی تعلق پیدا کریں اور خود کو بجائے مشفق و مہربان باپ سمجھیں۔

دوسری چیز جو آپ کو کرنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نوجوانوں میں قومیت کا صحیح احساس پیدا کریں۔ دنیا میں قوموں کی تقسیم جغرافی حیثیت سے کی جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں مذہب کے لحاظ سے ایسی تقسیم ہوتی ہے مثلاً انگلستان میں یہودی۔ انگریز اور مسلمان وغیرہ سب انگلش کہے جاتے ہیں اور ہمارے یہاں مذہب کے تعلق کے ساتھ مسلمان قوم ہندو قوم۔ پارسی قوم وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں۔ نوجوانوں کو سمجھانا چاہئے کہ جغرافی لحاظ سے ہم سب ہندوستان کے رہنے والے ہندی ہیں۔ خواہ ہم کسی مذہب کے کیوں نہ ہوں۔ جب تک کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں قومیت کا خیال پیدا نہ ہو موجودہ سیاسی کشمکش رفع نہیں ہو سکتی۔

میری اس ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تعلیم دینے کے سوائے طلبہ کی تربیت کی طرف بطور خاص متوجہ ہوں اور ان میں ایک قومیت کا خیال پیدا کریں اور ان کی توجہ سیاسیات سے زیادہ ملک کے سماجی اور اقتصادی حالات کی اصلاح کی جانب مبذول کرائیں۔ اگر ملک کی تعلیمی اقتصادی اور سماجی حالت درست ہو جائے تو یقیناً سیاسی حالت خود بخود حسب دل خواہ ہو جائے گی۔

اس کے بعد معتمد عمومی نے رپورٹ سنائی۔

جناب مولوی سالم بن سعید صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی۔ایم ایڈ (لیڈز) لکچرار ٹریننگ کالج نے "عملی مصروفیات" پر انگریزی میں دلچسپ مضمون سنایا جس میں مختلف کاموں کو عملی طور پر بچوں سے لینے کی تجاویز پیش کی گئیں اور اس کے فوائد بیان کئے گئے اس کے بعد حسب ذیل قراردادوں پر مباحثہ ہوا جو بالغلبہ آرا منظور ہوئیں۔

(۱) "اس کانفرنس کی رائے ہے کہ جن مقامات میں مدارس سرکاری کے طلبہ کے لئے طبی معائنہ کا انتظام کیا گیا ہے وہاں مدارس امدادی کے طلبا رکے لئے بھی اس قسم کا انتظام کیا جانا مناسب ہے"

۲۔ اس کانفرنس کی راے ہے کہ قواعد عطائی امداد پر بعد نظر ثانی اس طرح عمل ہونا مناسب ہے کہ مدارس کو ان کی کارگزاری کے لحاظ سے امداد مل سکے۔

اجلاس دوم ۲ ½ بجے کانفرنس کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ مدرسہ کے ہال میں زیر صدارت عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات وصدر نشین کانفرنس جو جلسہ منعقد ہوا اس میں مسٹر ڈنکرنا راین بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ مددگار مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ چنچل گوڑہ نے "نئی تعلیم" کی کمیٹی کی رپورٹ انگریزی میں سنائی جو منظور کی گئی۔

شامیانہ میں جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صاحب نقوی بی۔اے۔ایم۔ایڈ۔ (لیڈز) کی زیر صدارت جو جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں جناب مولوی غلام دستگیر صاحب بی اے بی۔ ٹی۔ نے اردو میں "نئی تعلیم" کی رپورٹ سنائی۔ اختتام رپورٹ پر جناب مولوی محمد رضا صاحب نے فرمایا کہ رپورٹ میں جن اصول طریقوں اور تجربوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ مغربی ممالک میں رائج ہیں ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنے ماحول اور ضروریات ملک کے لحاظ سے نصاب مقرر کریں۔

جناب مولوی سید نورالحسن صاحب نے فرمایا کہ ممالک غیر کے تجربوں کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم کس حد تک ان سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ جناب مولوی محمد سلطان صاحب نے فرمایا کہ رپورٹ بیش بہا معلومات سے پُر تھی۔ آخر میں جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صاحب نقوی صدر جلسہ نے فرمایا کہ متمدن ممالک میں تعلیم کے جو جدید طریقے رائج کئے گئے ہیں۔ ان کا خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے رپورٹ کا مقصد یہ تھا کہ ہم حکومت سے استدعا کریں کہ ہمیں موقع دے جائیں کہ ہم اس خصوص میں تحریک کریں۔ چونکہ زمانہ کے انقلاب کے ساتھ ساتھ ملک اور قوم کا ماحول بھی بدلتا جاتا ہے اس لئے قدیم وجدید طریقہ تعلیم کو آپ حضرات کے سامنے واضح کیا گیا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ آپ اپنے ماحول اور فضا کے

لحاظ سے ایسا طریقہ عمل اختیار فرمائیں جو زمانہ کی تبدیلی کے لحاظ سے موزوں اور مناسب ہو۔

ذیلی کمیٹیوں کے اجلاس ختم ہونے کے بعد جناب مولوی میر احمد علی خاں صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ ایڈ (لیڈز) لکچرار ٹریننگ کالج نے "مدرسہ کے طور" پر (SCHOOL TONE) اردو میں دلچسپ تقریر کی جس میں موصوف نے فرمایا کہ مدرسہ کے تصور کے متعلق مختلف تحریکات پیش کی جاتی ہیں یہ تصور جگہ کی مناسبت اور حالات کے لحاظ سے بدلتا رہے گا۔ مدرسہ کا تصور جو ہم اختیار کریں عملی ہو یعنے ہمارے حالات کے مطابق ہو ہم یہ تصفیہ کریں کہ اس کی ضروریات کیا ہیں اور کس طرح پوری کیجا سکتی ہیں۔ مدرسہ کی فضا وغیرہ (۳) حصوں پر تقسیم کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ جن کا تعلق اخلاقی ہو۔

۲۔ جن کا تعلق ذہنی ہو۔

۳۔ جن کا تعلق جسمانی ہو۔

قدیم زمانہ میں اور اب بھی اخلاقی مقصد کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ محبت رواداری اور ایمانداری کی بنیاد ہم مدرسہ میں ڈال سکتے ہیں۔ گو اولیائے طلبہ بھی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح جسمانی نشو و نما کے متعلق بھی ہم غور کریں۔ ذہنی نشو و نما کا مقصد طلبہ کو محض کتابی معلومات بہم پہونچانا او امتحان میں کامیاب کرانا نہ ہو بلکہ طلبہ کو نشو و نما کے اعلیٰ معیار پر پہنچایا جائے۔ انگلستان میں جماعت کے کتب خانے سے بچے کتب لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں مدرسین صرف اس گھنٹہ میں نگرانی کرتے ہیں اور آخر میں مضمون سے متعلق سوالات کرتے ہیں ہم روایتی حدود سے ایک حدتک بڑھ کر عملی پہلو اختیار کریں اور اشتراک عمل سے کام لیں۔ یعنی طلبہ و مدرسین میں اس قسم کا سمجھوتا ہونا چاہئے جس سے طلبہ یہ نہ سمجھیں کہ مدرس محض اقتدار سے کام لے رہا ہے بلکہ یہ کہ پیش کردہ امور ان کے لئے مفید ہیں نیز مدرسین میں آپس میں سمجھوتا ہونا چاہئے یعنے تاریخ کے سبق میں جغرافیہ سے متعلق کوئی مسئلہ آئے تو مدرس اس کی وضاحت کرے مدرسہ میں اچھی روایات کا قائم کرنا ضروری ہے تاکہ نئے طلبہ ان روایات پر عمل کرسکیں اور اعتماد قائم ہو۔

(۸) بجے رات کو آل سینٹس ہائی اسکول میں زیر صدارت جناب مولوی

سعادۃ اللہ خاں صاحب اول مددگار مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالعلوم بلدہ مشاعرہ شروع ہوا جس میں "مناظر قدرت" پر شعرا نے کلام سنایا۔ خصوصاً جناب مولوی سید علی محمد صاحب اجلال معتمد مشاعرہ کمیٹی اور جناب مولوی عبداللطیف صاحب اور جناب مولوی عبدالمجید صاحب اور جناب مولوی عبدالسلام صاحب ذکی کے کلام پر حاضرین نے بہت داد دی۔

اجلاس سوم بتاریخ ۶ بہمن ۱۳۴۳ ف روز شنبہ ۹ تا ۱۲ نمونہ کے اسباق ہوئے۔ جناب مولوی سید نورالحسن صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ڈپ ایڈ (گلاسگو) صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالشفا نے طلبا طبقہ وسطانیہ کو انگریزی نظم (Casabianca) پڑھائی۔ جناب مولوی عبدالستار صاحب سبحانی بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ نے طلبۂ وسطانیہ کو جغرافیہ میں بزبان اردو سبق دیا۔ اس کے بعد مسٹر جی گارڈ سپرنٹنڈنٹ ینتھوڈسٹ بائز ہائی اسکول نے طبقہ تحتانیہ کو انگریزی میں نمونہ کا سبق دیا جس میں ڈائرکٹ میتھڈ اختیار کیا گیا۔ اور سبق کو موزوں سوالات اور ضروری آلات تعلیمی سے دلچسپ بنایا گیا۔ جناب مولوی غلام دستگیر صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی نے طبقہ تحتانیہ کو جغرافیہ پر سبق دیا۔

اس کے بعد جناب مولوی احمد حسین خان صاحب بی۔ اے۔ صدر مہتمم تعلیمات بلدہ نے جماعت نہم کے طلبہ کو انگریزی میں سبق دیا جس میں شاعر کیٹس (Keats) کی ایک مشکل نظم (ode to the Poets) نہایت موثر طریقہ سے پڑھائی گئی۔ سبق میں اساتذہ کی تعداد کافی تھی۔ جناب مولوی عبدالغفور صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی نے طلبۂ فوقانیہ کو بزبان اردو جغرافیہ پر نمونہ کا سبق دیا۔

آخر میں جناب مولوی آفتاب حسین صاحب۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ (علیگ) بی۔ ایس۔ سی (لنڈن) انسپکٹر مدارس نے سائنس میں "پانی کی تخلیص اور طریقہائے آبرسانی" پر جماعت ہشتم کے طلبہ کو نمونہ کا سبق دیا۔ اکثر اسباق میں کافی تعداد میں اساتذہ وچند معلمات نے شرکت کی۔ اکثر اسباق کے اختتام پر حاضرین کو نکتہ چینی کرنے کا موقع دیا گیا۔ یقین ہے کہ نمونہ کے یہ اسباق دیگر اساتذہ کے لئے بڑی حد تک مفید ثابت ہوں گے۔

اجلاس آخر بروز شنبہ (۲) بجے کانفرنس کا آخری اجلاس شروع ہوا۔ مسٹر جی اے چندرو ورکر ایم۔ اے۔ نے حسب ذیل قرار داد پیش کی

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ سررشتہ تعلیمات کے نان گزیٹیڈ ملازمین کے لڑکے اور لڑکیوں کی اجرت تعلیم معاف فرمائی جائے"۔

اس کی تائید جناب مولوی محمد سلطان صاحب نے فرمائی لیکن اس قرارداد میں چند ترمیمات پیش ہوئیں اور سرگرم مباحثہ ہوا آخر میں بعد ترمیم حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ سررشتہ تعلیمات کے نان گزیٹیڈ عہدہ داران (برسرکار وظیفہ یاب وفوت شدہ) کے لڑکے اور لڑکیوں کی اجرت تعلیم بہ شمول اجرت تعلیم کلیہ وفیس شکرام از طالبات معاف فرمائی جائے"۔

اس کے بعد مسٹر اے ایس راؤ ایم۔اے۔بی۔ٹی کی تحریک اور مسٹر وی ہارڈیکر کی تائید کے بعد بغلبۂ آرا حسب ذیل قرارداد بغیر ترمیم منظور ہوئی۔

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ تمام امدادی اور خانگی مدارس میں "پراویڈنٹ فنڈ" جاری کیا جائے۔

مسز نورالحسن صدر نمائش کمیٹی نے انگریزی میں ایک مختصر و دلچسپ رپورٹ نمائش کے متعلق سنائی۔ اس کے بعد عالی جناب صدرنشین صاحب جلسہ نے انعامات تقسیم فرمائے۔ اور "نئی تعلیم" کی کمیٹی کی رپورٹ کی منظوری کی رائے طلب کی۔ بغلبۂ آرا یہ رپورٹ منظور ہوی۔ آئندہ سال کے لئے مضمون" ابتدائی تعلیم" خصوصاً شہری مدارس کی حد تک کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد عالیجناب صدرنشین صاحب نے اختتامی تقریر میں فرمایا۔

اختتامی تقریر صدر کانفرنس مولوی سالم بن سعید صاحب کا پرچہ مختصر اور دلچسپ تھا جس کا اردو میں ترجمہ کرکے حیدرآباد ٹیچر میں شائع کرنا مناسب ہے۔

معائنہ طبی کے سلسلہ میں امدادی مدارس کے امکنہ و فرنیچر کی بحث بھی چھڑ گئی تھی بلدہ کی حد تک جہاں یہ سہولتیں ہیں منتظمین مدارس امدادی کو اس کی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

معائنہ طبی کا جو طریقہ سرکاری مدارس میں رائج ہے وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔

انسپکشن کارڈ اچھی حالت میں نہیں رکھے جاتے۔ خود مدرسین صاحبان اس بارہ میں دلچسپی لیں اور افسران سررشتہ کو توجہ دلائیں۔ معائنہ کنندہ کے بتائے ہوئے نقائص کو دور کرنے کی بعض والدین بوجہ جہالت یا ناداری کوشش نہیں کر سکتے ہمارے طلبا کے معالجہ کا انتظام منجانب سرکار نہیں ہے بعض بڑے مدارس میں یورپ کی طرح کلینکس (clinics) قائم کر دئے جائیں تو مفید ثابت ہوں گے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ معائنہ طبی کا طریقہ بند کر دیا جائے بلکہ اس کو مفید بنایا جائے۔ جب سرکاری مدارس میں یہ طریقہ کماحقہٗ کامیاب ثابت نہیں ہوا ہے تو مدارس امدادی وخانگی میں اس کا انتظام قبل از وقت ہے۔ مدارس امدادی کو چاہئے کہ طلبہ کے خوراک کا پہلے انتظام کریں خصوصاً اضلاع میں تقریباً نصف بچے صبح کا کھانا کھا کر آتے ہیں اور پھر شام کو کھاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوراک کم ملتی ہے اور دماغی کام زیادہ ہوتا ہے جس سے جسمانی حالت خراب ہوتی ہے اس لئے مسئلہ خوراک ہمارے لئے اہم ہے۔ مدارس تحتانیہ میں بچوں کو دودھ دئے جانے کا مسئلہ زیر غور ہے۔ تغذیہ طلبہ کے متعلق بعد غور اگر مدارس ثانویہ کے صدر مدرسین صاحبان تجاویز پیش کریں تو باعث امتنان ہوگا۔ مدارس امدادی کو ان کی کارگزاری کے لحاظ سے امداد دینے کا مسئلہ سررشتہ کے زیر غور ہے جدید قواعد کے ضمن میں پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ نیز مدارس کی فیس کا اسکیل بھی بنایا جا رہا ہے۔

نئی تعلیم کی رپورٹ کسی قدر طولانی تھی۔ ہمارے حالات اور مالیہ کا خیال رکھتے ہوئے جو تجاویز قابل عمل ہوں بتائی جائیں۔

مولوی احمد علی خاں صاحب کی تقریر میں ایک چیز نہایت دلچسپ تھی یعنے مدارس میں روایات کا قائم کرنا۔ کسی مدرسہ میں روایات قائم ہوں تو نو وارد طلبہ پر لازم ہوتا ہے کہ ان کو جاری رکھیں۔ مدارس امدادی میں دیکھا گیا کہ حسابات فرضی ہوتے ہیں صدر مدرسین کو چاہئے کہ اصل آمدنی وخرچ وغیرہ بتائیں۔

آپ کی انجمن کے متعلق چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔ انجمن کے معتمد صاحب اور اراکین کو چاہئے کہ کم از کم ہر ماہ میں ایک عام تقریر کا انتظام کریں نیز کلب کو وسعت دیں اور

آئندہ سال کانفرنس میں پرچے وتقاریر کم رہیں۔ بلکہ سررشتہ کے موجودہ مسائل سے تعلق رکھنے والے مسائل پر مباحث ہوں (مثلاً فراہمی فرنیچر۔ تعمیر امکنہ۔ طلبہ کی خوراک وغیرہ) الغرض انجمن کو سال تمام اس طرح چلایا جائے کہ اس میں جمود پیدا نہ ہو بلکہ اس کی مصروفیتیں تمام سال جاری رہیں۔

آخر میں جناب مولوی احمد حسین خان صاحب بی۔ اے میر مجلس انجمن نے نام بنام ان تمام حضرات کا شکریہ ادا فرمایا جنہوں نے کانفرنس میں حصہ لیا تھا۔ نیز یہ فرمایا کہ آئندہ سال کانفرنس کو مزید دلچسپ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

آخر میں عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکار عالی کا شکریہ ادا فرمایا۔

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات نے اعلحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کے لئے تھری چیرز (نعرہائے مسرت) تجویز فرمائے اور کانفرنس کامیابی کے ساتھ ختم ہوی۔

روداد سالانہ کانفرنس انجمن معلمات مستقر بلدہ

انجمن معلمات بلدہ کی پہلی سالانہ کانفرنس بوقت (۸ تا ۱۲) ساعت بتاریخ ۲۶ و ۲۷ ماہ آذر ۱۳۴۳ ف زیر سرپرستی محترمہ عالیہ جنابہ لیڈی حیدری صاحبہ وزیر صدارت عالیجنابہ مس جے ننڈی صاحبہ بمقام مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ منعقد ہوئی۔ ایک کمسن طالبہ نے لیڈی حیدری صاحبہ کو پھولوں کے ہار کی بجائے اس کی قیمت ایک خوبصورت صندوقچہ میں رکھ کر پیش کی جس کو علیہ جنابہ نے دودھ اور چھانچ فنڈ سے معنون فرمایا اور اپنا گراں بہا تحفہ (ﺻـﮧ) سکہ عثمانیہ اس میں شریک فرماتے ہوئے سب کو نصیحت فرمائی کہ ہماری قوم کے صدہا بچے بھوکے ہیں اور غذا کی کمی کی وجہ کمزور ہیں۔ ہاروں کی رقم کا بہتر مصرف یہ ہے کہ اس سے مدرسہ کے نادار طالبات کو دودھ اور چھانچ بہم پہونچائی جائے محترمہ صاحبہ نے نصیحت آمیز تقریر سے کانفرنس کا

افتتاح فرمایا اور انجمن کو ہدایت فرمائی کہ سودمندی کو نمائش پر ترجیح دینا معلمات کا فرض اولین ہے۔

معتمد عموی مسز اکرم نے سال تمام کی رپورٹ پڑھی۔ خازن مسز رضا نے اپنی رپورٹ سنائی۔ اس کے بعد عالیجنابہ صدر انجمن مس جے نندی صاحبہ نے خطبہ صدارت پڑھا تعلیم نسوان کی مشکلات پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے معلمات کو ان مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے ہدایت فرمائی۔ (بعد ازاں) باقاعدگی کی اہمیت پر) عالیجنابہ پرنسپل صاحبہ محبوبیہ گرلز اسکول مس لینیل نے تقریر فرمائی اور اس بات کی اہمیت پر زور دیا کہ اگر معلمات اس پود کو باقاعدگی سکھا دیں تو آئندہ نسلیں باقاعدہ ہو جائیں گی اور کئی خرابیاں جو کہ اب موجود ہیں دور ہو جائیں گی۔

اس کے بعد تعلیمی مظاہرے ہوئے۔ مختلف کمروں میں مختلف معلمات اور بیویاں اپنی اپنی دستکاری کا مظاہرہ کر رہی تھیں مثلاً کہیں پر بید بافی ہو رہی تھی تو کہیں ٹاٹ سے قالین بنایا جا رہا تھا۔ اور کہیں تار کی ٹوکریاں اور مٹی کے برتن بنائے جا رہے تھے تو کہیں کمربند بننا بتایا جا رہا تھا۔ حاضرین جس کام سے دلچسپی رکھتے تھے وہاں جا کر کام سیکھتے تھے۔

ان مظاہروں کے ختم پر صیغہ واری مباحثے اور نمونے کے اسباق کا انتظام تھا۔ حاضرین جن مضامین سے دلچسپی رکھتے تھے اس کمرے میں شریک ہو سکتے تھے۔ ہر کمرہ بھرا ہوا تھا یہ کافی ثبوت اس امر کا تھا کہ لوگ دلچسپی لے رہے تھے۔ بارہ (۱۲) بجے اس دن کا پروگرام ختم ہو گیا۔

۲۷ ء آذر کو ساڑھے آٹھ بجے صبح میقات عام میں مباحثوں اور نمونہ اسباق پر تبصرے پڑھے گئے۔ ساڑھے نو بجے مختلف کمروں میں صیغہ واری مباحثہ اور نمونہ کے اسباق شروع ہوئے پہلے روز جس طرح ان کمروں میں مجمع تھا آج بھی ویسا ہی رہا۔ (۱۱) بجے پرنسپل نارمل اسکول سکندرآباد مس کلف نے "تبدیلیاں اور ترقیاں" پر تقریر کی انھوں نے گذشتہ (۲۰) سال کی تبدیلیوں اور ترقیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم

نسوان نے بہت ترقی کی ہے اس کے بعد امرزہ مباحثوں اور صیغہ واری اسباق کی رپورٹ پڑھی گئی۔ مس والش صاحبہ نے تمام مہمانوں اور مسز جبار نے تمام انجمن کے اراکین کا شکریہ ادا کیا۔ کانفرنس نہایت کامیاب رہی ایک قومی ترانہ جو کہ اختر جہاں طالبہ جماعت نہم مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ نے لکھا تھا مدرسہ کی گائیڈز نے پڑھا اور جلسہ برخواست ہوا۔

تقریر صدر کانفرنس

محترمہ لیڈی حیدری معزز خواتین اور عزیز معلمات۔

یہ امر ہمارے لئے بیحد باعث انبساط و مسرت ہے کہ اپنی خوش بختی سے ہم پہلی مرتبہ آج اس تاریخ جمع ہوئی ہیں جس کو ہمارے شاہ ذیجاہ کی تخت نشینی کی تقریب مسعود کا شرف حاصل ہے۔ اس موقع پر ہم اپنی وفاداری اور اطاعت کیشی کے سچے جذبات کا ناچیز ہدیہ بمودبانہ پیش کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ آنے والی نسل کی تعلیم کی تمام ترذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہونے کے لحاظ سے ہم کو یاد رکھنا ہے کہ ہمکو اچھے شہری تیار کرنا ہے جو ملک اور مالک کی سچی خدمت انجام دیں۔

ہماری کمیٹی نے سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات سے خواہش کی تھی کہ وہ اس کانفرنس کی صدارت فرمائیں لیکن موصوف کی رائے میں کانفرنس کا کام خالصاً عورتوں ہی کے ہاتھوں سرانجام پانا مناسب اور بہتر تھا اس لئے صدارت سے معذرت چاہتے ہوئے اپنی گہری دلچسپی کے اظہار میں ذیل کا پیام روانہ کیا ہے۔

"پچھلے سال مس حسین نندی صدر مہتممہ کی کوشش اور سعی سے معلمات کی کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی جس کا افتتاح عالیجناب نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات و سیاسیات نے فرمایا"

"اب سال حال پہلی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس کا لیڈی حیدری جیسی علم دوست علم پرور اور محترم ہستی افتتاح فرما رہی ہیں۔ جنابہ ممدوحہ کی شخصیت دکن ہی پر کیا موقوف بلکہ پورے ہندوستان میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کو شروع ہی سے تعلیم نسوان سے جو گہری دلچسپی رہی ہے اظہر من الشمس ہے۔ آپ مجلس تعلیم ثانوی کی رکن اور شعبہ تعلیم نسوان کی صدر بھی ہیں۔ آپ کی سرپرستی کانفرنس کی آئندہ ترقیوں کی تازہ بشارت اور ضمانت ہے۔

پروگرام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان کانفرنس نے رزولیوشن وغیرہ سے قطع نظر کرکے عملی اور ٹھوس کام کی جانب قدم اٹھایا ہے۔ اس سے ان کے پرخلوص اقدام کا پتہ چلتا ہے' جو آئندہ سررشتہ کی فلاح و بہبود کا مضبوط پایہ ہے۔

کانفرنس چونکہ خواتین کے لئے مختص ہے اس لئے میں شرکت سے محروم ہوں۔ مگر میری دلی تمنائیں اور دعائیں کارکنان کانفرنس کے ساتھ ہیں کہ ان کی مساعی مشکور اور جد وجہد بار آور ہو۔"

آپ واقف ہیں کہ ہماری انجمن کی عمر صرف چند مہینوں کی ہے۔ لیکن یہ مختصر مدت بہت کار آمد رہی ہے اس انجمن کے قیام سے پہلے معلمات ایک دوسرے سے بمشکل واقف تھیں۔ لیکن اب ہمارے چھ مرکزوں کے ارکان ایک دوسرے سے نہ صرف بخوبی واقف ہو چلے ہیں بلکہ ہر مرکز میں جو مشترک مشکلات ہیں' باہمی تبادلہ خیالات اور میل ملاپ سے ان کے حل بھی کرنیکی صورت نکل آئی ہے۔

بعض اوقات مرکز کی کمیٹیاں قطعی طور پر فائدہ بخش ثابت ہوئی ہیں مثال کے طور پر آپ کو میں حسینی محلہ کی مرکزی کمیٹی کی روئداد سناتی ہوں اس مرکز کے مدارس میں حفظ صحت کے طریقوں کو ترقی دینے کے ضمن میں معلمات نے خرابیوں اور مشکلات کے ارتفاع پر غور کیا اور ایسی بہت سی باتیں معلوم کیں جن کو عمل میں لانا ضروری تھا اور ابھی ہم باثر طریقہ پر اصلاحی کام کی تدبیروں پر غور ہی کر رہے تھے کہ مس لینل سے میری ملاقات ہوی دوران گفتگو میں جب امدادی مدارس کی صفائی کی خراب حالت کا ذکر آیا تو مس لینل نے بڑی دلچسپی اور ہمدردی سے خواتین صحت کمیٹی کی خدمات پیش کیں اور آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوگی کہ اصول حفظ صحت اور صفائی کے کام کو آسان اور کارگر طریقہ پر خواتین کی صحت کمیٹی نے چھوٹے امدادی مدارس میں جاری کر دیا ہے جس کے لئے انجمن دل سے ممنون ہے۔

اب میں آپ سے ان اہم ترقیوں کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جو لڑکیوں کی تعلیم میں ہوئی ہیں۔ بڑی اہم اصلاح یہ ہوی ہے کہ طبقہ وسطانیہ میں بھی لڑکیوں کی مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مدارس میں پانچویں جماعت کی تعلیم شروع ہوگئی ہے

یہ بڑی اہم اور فائدہ کی صورت ہے اب لڑکیاں پہلے کے مقابلے میں زیادہ عرصہ تک مدرسہ میں اپنی مادری زبان میں بہتر اور مکمل تعلیم پائیں گی۔ اس اصلاح کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ملکی زبانوں میں بآسانی بہتر خانگی مدرسہ قائم ہوسکیں گے اور تعلیم کی بہتری کے لحاظ سے حصول امداد سرکاری کے استحقاق کی زیادہ صورتیں نکل آئیں گی۔ اور اس ہی مناسبت سے تعلیم نسوان کے نتائج مفید ہمہ گیر اور دوررس ہوں گے سررشتہ تعلیمات کی یہ بھی کوشش ہے کہ ملکی زبانوں کے مدرسوں کو زیادہ اہل اور بہتر بنایا جائے اور بجائے ایک زبان کا ایک مدرسہ رکھنے کے حسب موقع دو تین زبانوں کا ایک مدرسہ قائم ہو یا موجودہ مدرسوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ مختلف زبان کی لڑکیاں ایک بڑے مدرسہ میں شریک ہوکر اپنی دوسری ہم وطن لڑکیوں سے زیادہ دوستی ربط اور شناسائی پیدا کریں گی اس کے علاوہ مدرسہ کا انتظام بھی اچھی عمارتوں میں بہتر پیمانہ پر ہوسکے گا۔

اس اصلاح سے معلمات پر لازم آتا ہے کہ وہ خود کو کارآمد بنانے کی پوری تیاری کریں ضرورت ہے کہ ہر معلمہ اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک دوسری زبان بھی جانے مثلاً اردو جس کی مادری زبان ہو وہ بلحاظ مقام مدرسہ مرہٹی تلنگی اور کنٹری سے کوئی ایک زبان سیکھے۔ اسی طرح جن کی مادری زبان مرہٹی تلنگی یا کنٹری ہو وہ اردو سیکھے کہ اس سے معلمات اچھی طرح تعلیم دے سکیں گی اور ملازمت میں ترقی بھی کرسکیں گی۔ وجہ ظاہر ہے کہ کسی مدرسہ میں گو ایک زبان کا جاننا کسی معلمہ کے فرائض ملازمت کے لئے کافی ہو لیکن جبکہ مدرسہ کی دوسری زبان والیوں سے بول چال کی اجنبیت رہے تو معلمہ کا اثر اور اس کی لیاقت کا فائدہ محدود ہو جائیگا پس آپ کوشش کریں کہ آپ کوئی ایک ملکی زبان ضرور سیکھیں اور علمی خدمت کا حق ادا کریں۔ اور میری یہ استدعا خاص طور پر ان معلمات سے ہے جو ابتدائی اور وسطانیہ طبقوں میں کام کرتی ہیں۔ یہ کام آپ کے لئے مشکل نہ ہوگا اس لئے کہ آپ کا ایسی زبانوں کو سیکھنا جو آپ کے اردگرد بولی جاتی ہیں نہایت آسان ہوگا اگر آپ میل جول بڑھا کر بات چیت کے مواقع

پیدا کریں تو بول چال پر قدرت پانے کے بعد نوشت وخواند میں مہارت کا حاصل کرنا کوئی دشوار نہ ہوگا۔

سال رواں میں ایک اور اہم مسئلہ جو زیر غور رہا ہے وہ ثانوی تعلیم نسواں کے اصلاح نصاب کا ہے جس کی سفارشیں بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کی ذیلی کمیٹی نے جس کی لائق صدر لیڈی حیدری ہیں پیش کردی ہیں۔ یقین ہے کہ کمیٹی کی سفارشات منظور ہونگی۔ مجوزہ نصاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ امتحانی مضامین کی تعداد بہت کم کر دی گئی ہے اور مضامین مثل امور خانہ داری نقاشی اور دیگر فنون لطیفہ کو شریک نصاب کیا گیا ہے ان کا ویز کا اثر معلمات کے عام رجحان کو بدل دے گا۔ اور ان کی ذمہ داری میں اضافہ کر دے گا۔ مجوزہ نصاب کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے معلماۃ کو امتحان کی خاطر صرف امتحانی مضامین کے لئے تیاری کرنا نہ ہوگا بلکہ ہر مضمون نصاب کو بلا لحاظ اس کے کہ اس کا امتحان لیا جائے کہ نہیں محنت اور دلچسپی کے ساتھ پڑھانا ہوگا تاکہ جن توقعات کے ساتھ نیا نصاب نافذ کیا جائے اس کے افادہ میں کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ آئندہ معلماۃ کی کارگزاری کا اندازہ امتحانی نتائج سے نہیں بلکہ طالباۃ کے کام کی خوبی اور عام ترقی سے کیا جائیگا۔ مدارس کے لئے موزوں مکانوں کی فراہمی کا مسئلہ خاص توجہ کا مستحق ہے۔ اچھے اور فرحت بخش مکانوں میں تعلیمی انتظام زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ خوش مذاق اور ہمدرد اشخاص سے اس خصوص میں مدد لی جائے اور اس طرح بعض مدرسوں کو بہتر مکانوں میں منتقل کرنے کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔ اچھے مکانوں کی فراہمی میں آپ معلماۃ کی دلچسپی بہت کارآمد ہو سکتی ہے۔ جو معلماۃ مدرسہ کو ایک خراب مکان سے اچھے مکان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوں تو ایسی کارگزاری ان کے لئے باعث فخر و مسرت اور طالباۃ کے لئے باعث قدر ہوگی جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ فرحت بخش مکانوں کی تعلیم علمی زندگی بخشتی ہے مجھے ظاہر کرنے میں یہ خوشی ہوتی ہے کہ بعض امدادی مدارس بہتر مکانوں کے حاصل کرنے کا انتظام کر رہے ہیں اور بعض موجودہ مکانوں کو بہتر بنا رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایسے کئی مدارس ہیں جن کو بہتر مکانوں کی ضرورت ہے۔ مجھے زیادہ تر چھوٹے مدارس کی فکر ہے کہ وہ نہایت ناقص

مکانوں میں قائم ہیں کوشش کی جائے کہ ایک چھوٹے مدرسہ کے لئے بھی جو مکان لیا جائے اس میں کم سے کم دو دالان ہوں مکان روشن اور ہوا دار ہو صحن میں اور مکان میں سیل اور نمی نہ ہو مکان چھوٹا بھی ہو تو صحن میں ریت بچھا کر صاف رکھا جائے کہ گرد کم ہو۔ بیت الخلا کی صفائی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے اور مکان میں پانی کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ آب نوشیدنی کی صفائی کا خاص انتظام اور خیال لازمی ہے سواریوں کے انتظام کو بہتر بنانے کی کوشش سررشتہ کی جانب سے کیجارہی ہے عہدہ داران ریلوے موزوں بسوں کی فراہمی کے مسئلہ پر ہمدردی سے غور کر رہے ہیں توقع ہے کہ وقت ضائع کرنے والی سست رفتار سواریوں کے عوض تیز رفتار رہوادار سواریاں مہیا ہو جائینگی۔

مدرسہ کو کمسن بچوں کے پیدل جانے کا سوال حیدرآباد میں بڑا معرض بحث رہا۔ اور مدرسہ کے ملازم کی نگرانی میں ان کے آنے جانے پر والدین اور اولیاء کو سخت اعتراض رہا لیکن مناسب فہمائش اور حالات سے بہتر واقف ہونے کے بعد اب خیالات میں تبدیلی ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ یاقوت پورہ کے مدرسہ میں جہاں طالبات کی تعداد ایک سو بیس ہے (۸۵) طالبات مدرسہ کو پیدل آتی ہیں یہ کامیابی صدر معلمہ اور ان کے اسٹاف کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ہم پر لازم ہے کہ جن کمسن بچوں کے والدین اور اولیاء کو بچوں کے پیدل مدرسہ جانے پر اعتراض ہو۔ ان کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سنیں ان کی تشفی کرنے میں پوری کوشش کریں اور انھیں یہ سمجھائیں کہ سواریوں کی محدود تعداد میں کمسن بچوں کی جگہ ان کی بڑی بہنوں کو اگر دیجائے تو تعلیم پانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا علاوہ ازیں ایک کمسن بچی کے لئے کھلی ہوا میں ملازم مدرسہ کی حفاظت میں اپنے پیروں پر چلنا زیادہ مفید ہے بمقابل ایک بند اور بھری ہوئی شکرام میں بیٹھکر زحمت اٹھانے کے۔

سررشتہ کی کوشش ہے کہ معلمات کے خاص حالات کے لحاظ سے ان کے لئے سالم ماہوار کے ساتھ ان کی مادری ضرورتوں کے موقع پر رخصت کے قواعد منظور کرائے ایسی معلمات جن کے شیر خوار بچے ہیں ان کی نگرانی کے لئے ضروری سہولت بہم پہونچانے کی

کوشش کی جارہی ہے۔ یہ انتظامات اپنے وقت پر پورے ہو رہیں گے۔ اس وقت تک معلمات کو چاہیئے کہ مناسب طور پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں جہاں کہیں ممکن ہو دو چار معلمات مل کر شیرخوار بچوں کی سیوا کے واسطے ایک مشترک ملازمت کی خادمہ رکھ لیں۔ اپنی اور اپنے بچوں کی صحت کا خیال رکھیں اور آپس میں دوستانہ اور بہنوں کا سا عمل رکھیں۔ صدر معلمہ کی توجہ سے معلمات کی خانگی مشکلات کو حل کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہماری فرض شناس صدر معلمات اس فرض کے ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گی۔

ایک اور بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں اور وہ تبادلہ ہے ہم نے تعلیمات کی ملازمت کو اختیار کرتے ہوئے ایک اخلاقی اور شریفانہ خدمت کو انتخاب کیا ہے بخلاف دوسری ملازمتوں کے ایک طور پر ہم نے عہد کیا ہے کہ ملک کی خدمت انجام دیں گے اس خیال کے لحاظ سے ملک کی خدمت بلدہ کی حدود میں محدود نہیں ہو سکتی اگر ضرورتاً کسی کا تبادلہ ضلع پر ہو تو اس میں رنج کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ زیادہ خوش ہونا چاہیئے کہ ایک ایسے مقام پر کام کرنے کا موقع ملا ہے جہاں معلمات کی کمی اور ضرورت ہے۔ معلمات کا بلدہ میں تبادلہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہونا یا تبادلہ فسخ کرانے کے لیئے ہر ممکن ذریعہ کو بے سود طریقہ پر کام میں لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا معلمات کے شریفانہ مقصد زندگی کے مطابق حال نہیں ہوتا۔ تبادلہ کی ضرورتوں پر شخصی حالات کے لحاظ سے ہمدردی کے ساتھ غور کرنا ہمارا فرض ہے لیکن صبح سے شام تک دفتر میں اور پھر مکان میں تبادلوں کی سفارشوں کو سنتے رہنا ناممکن ہے۔ یقیناً آپ کی نظر میں ایسی مثالیں ہوں گی کہ سات سمندر پار سے تعلیمی خدمت انجام دینے کے لئے معلمات ہندوستان میں خوش دلی سے کام کرتی ہیں۔ میری درخواست ہے کہ تجربہ رکھنے والی معلمات اضلاع میں کام کرنے میں سبقت کریں تبادلہ ہو تو شکایت نہ کریں آخر اضلاع میں بھی معلمات کا تقرر لازمی ہے اگر تجربہ کار شادی شدہ عمر رکھنے والی معلمات کو اضلاع میں نہ بھیجا جائے تو کیا کوئی یہ رائے دیگا کہ کمسن کم تجربہ رکھنے والی نو مامور معلمات کو اضلاع

میں بھیجا جائے۔ تبادلے بھی مصلحت اور کام کی ضرورت سے ہوتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ معلمات اس خصوص میں میری مدد کریں گی آخر میں مجھے آپ سے یہ استدعا کرنی ہے کہ جو پروگرام نمونہ اسباق کا مرتب کیا گیا ہے وہ بےحد دلچسپ اور سبق آموز ہوگا میں ان معلمات کی بےحد ممنون ہوں جو ہماری انجمن کی رکن نہیں لیکن اپنی مہربانی سے نمونہ کا سبق دینے کے لئے تشریف لائی ہیں مجھے یقین ہے کہ ان کی عملی دلچسپی ہمیشہ قائم رہے گی۔

میں کمال خوشی کے ساتھ ہمارے ہمدرد مخلص اور پرجوش ناظم تعلیمات کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جن کی دلچسپی سے تعلیم نسوان کی قابل قدر ترقی کے مسائل طے ہو رہے ہیں۔

آخر میں محترمہ لیڈی حیدری بالقابہا کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ ممدوحہ نے اپنی مصروفیت کے باوجود اس کانفرنس کا افتتاح فرماکر ہماری حوصلہ افزائی کی۔ حیدرآباد میں نسوانی تعلیم موصوفہ کی ہمیشہ مرہون منت رہے گی۔ آپ کی نئی تحریک دودھ اور چھاچ کی فراہمی کے لئے روپیہ جمع کرنے سے متعلق لائق تقلید ہے دعا ہے کہ آپ کی دلچسپیوں سے تعلیم نسواں کی تحریک عرصہ دراز تک مستفید ہوتی رہے فقط۔

انجمن انسداد بیرحمی بر جانوران" حیدرآباد دکن

از

مسز اوکرا فٹن معتمد اعزازی انجمن حیدرآباد

اصولاً رپورٹوں کا مطالعہ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا لیکن آجکل جب کہ جرائد دماغ کو مجروح کرنے والی خبریں ہم تک پہنچا رہے ہیں کہ ہسپانیہ میں خانہ جنگی کا بازار گرم ہے البانیہ میں یہودیوں پر مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ رنگون میں فرقہ وارانہ فساد برپا ہے اور مشرق بعید میں عورتوں اور بچوں پر بم گرائے جا رہے ہیں تو ہم رپورٹوں کی طرف ایک اطمینان کی سانس لے کر دیکھتے ہیں جن میں انسانیت کو امید افزا روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ "انجمن انسداد بیرحمی بر جانوران" ہندوستان میں ایک عرصہ سے قائم تھی لیکن اس کی رفتار ترقی تکلیف دہ حد تک آہستہ رہی۔ اس کو اپنی ۲۳ شاخوں پر فخر تھا۔ اب ہمیں اطلاع ملی ہے کہ سال زیر بحث میں گیارہ مزید شاخوں کا الحاق ہوا ہے۔ یقیناً حالات دل بڑھانے والے ہیں۔ کم از کم اب لوگوں نے دلچسپی لینی شروع کی ہے اور انہیں اس صورت کا احساس ہونے لگا ہے کہ انسانیت کے دائرہ کو وسیع کیا جائے اتنا کہ اس میں خدا کی حقیر ترین مخلوق بھی شامل ہو سکے۔

کیوں جانوروں کی فکر کیجائے

انجمن انسداد بیرحمی بر جانوران کی تائید میں پروپگنڈا کرنے والے کو اکثر یہ کہہ کر جھڑک دیا جاتا ہے کہ "جانوروں کی کیوں فکر کی جائے جب کہ انسانوں کے ساتھ تقریباً ہر جگہ ظلم کیا جاتا ہے" لیکن یہ سوال عموماً اس شخص کی زبان پر آتا ہے جس کا دل ہمدردی سے خالی ہوتا ہے خواہ وہ ہمدردی انسان سے متعلق ہو یا حیوان سے۔ کیونکہ وہ اس خیال کے صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتا۔ وہ عورتیں یا مرد جو خیال کرتے ہیں کہ جانور بھی موزوں غذا آرام اور اچھے سلوک کے مستحق ہیں اور جو اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے خیال کو عمل کا جامہ پہنائیں وہ بے رحمی کو کسی شکل میں بھی برداشت نہیں کرسکتے

رجحان کا فرق تربیت پر منحصر ہوتا ہے کیونکہ کوئی بچہ مہذب پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی تعلیم وتربیت نہ ہو تو اس میں اور افریقہ کے وحشی میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا اس لئے کہ تعلیم کے اثرات نسل کے تعلقات سے زیادہ ہوتے ہیں وہ چھوٹا بچہ جس کو تتری کے پر اکھیڑنے یا کتے کے بھوکے پلّوں کو پتھر مارنے سے روکا نہیں جاتا اپنے ہم جنسوں پر بھی ظلم و زیادتی کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جس بچہ کو یہ معلوم کرایا جاتا ہے کہ ہستے کو تکلیف پہنچانا ایک ذلیل حرکت ہے اور جو بچہ یہ محسوس کرتا ہے کہ مظلوم پر کیا گزرتی ہے وہ کبھی انسان یا جانور پر ظلم ہوتے دیکھ کر یہ نہیں کہے گا کہ "مجھے اس کی کیوں فکر ہے" ظاہر ہے کہ ایسا شخص اپنے ہمسایہ کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرے گا۔ کچھ زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے جب کہ میں ایک ایسے شہر میں تھی جہاں فرقہ وارانہ احساسات گہرے ہو گئے تھے اور انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اس شہر میں ایک احاطہ تھا جہاں گاؤں بھر کے نکمے ٹٹو اور گدھے جمع تھے وہ گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنسے ہوئے کھڑے تھے۔ نہ کھانے کے لئے چارہ تھا اور نہ پینے کے لئے صاف پانی۔ سائبان نہ ہونے کی وجہ دھوپ یا بارش سے بچاؤ کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ان میں سے بعض کو کئی دن کا فاقہ تھا اور ایک تو بھوک کی نذر ہو چکا تھا۔ کیا یہ ایک اتفاق تھا۔ ذہنیت جو مار کٹائی سے متاثر نہیں ہوتی تکلیف سے بھی متاثر نہیں ہوتی۔ ذہنیت میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو مدارج کا۔ بلاشبہ انتہائی درجہ میں ابتدائی درجہ بھی شامل ہے۔

حیدرآباد میں انجمن انسداد بے رحمیٔ جانوراں یہاں حیدرآباد میں یہ انجمن اپنا حلقہ اثر بڑھا رہی ہے اور لوگ اس ضرورت کا احساس کرنے لگے ہیں نہ صرف اس حد تک کہ جانوروں پر ناروا ظلم ہوتا ہے بلکہ لوگ ان پر ظلم کرکے اپنے آپ کو وحشی بنا رہے ہیں۔ حالانکہ اب بھی شہر کے راستوں پر ایسا منظر دکھائی دے گا کہ گاڑی بان زیادہ وزنی گاڑی میں جانور کو ہانک رہا ہے یا یہ کہ جانور بھوکا ہے یا زخمی ہے لیکن اس کا امکان پیدا ہو چکا ہے کہ اس کو فوراً ہی حکم دیا جائے یا مشورہ دیا جائے کہ انجمن انسداد بے رحمی بر جانوراں کے شفاخانہ میں وہ اپنا جانور بغرض علاج رجوع کرے۔ بعض دفعہ بے رحمی کا جو مظاہرہ ہوتا ہے وہ بے حسی یا جہالت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس لئے کہ مالک کے ہاں وہی ایک جانور ہوتا ہے

اور مالک کی زندگی کا دار و مدار اس آمدنی پر ہوتا ہے جو اس جانور کے ذریعہ ہوتی ہے۔ حیدرآباد کی انجمن امید کرتی ہے کہ جب اس کی اپنی مستقل عمارتیں تیار ہو جائیں گی تو وہ وہاں کچھ ایسے تندرست جانور رکھے گی جو متذکرہ بالا صورتوں میں غریب لوگوں کو اس وقت تک کے لئے مستعار دے جائیں گے جب تک کہ ان کے اپنے جانوروں کا علاج نہ ہو جائے۔ یہ تجویز بغیر روپیہ کے پوری نہیں ہوسکتی لیکن عوام کی امداد سے آسانی کے ساتھ روبہ عمل ہوسکتی ہے

رائے عامہ سے اپیل

مچھردان میں اگر مچھر داخل ہو جائے تو اس کی بھنبھناہٹ تکلیف دہ ضرور ہوتی ہے لیکن نیند کو بھی بھگا دیتی ہے۔ اسی طرح عوام کو بیدار رکھنے کے لئے انجمن انسداد بے رحمی بر جانوراں مچھر کی بھنبھناہٹ کا کام کرے تو اس کی ایذارسانی معاف کی جائے۔ قوانین۔ شفاخانے۔ نمائش جانوران۔ نمایندے وغیرہ سب کے سب جانوروں کی بلاشبہ محافظت کرتے ہیں لیکن ان کے علاوہ رائے عامہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ اگر بیدار رہے اور بے رحمی برداشت نہ کرے تو حقیقی معنوں میں نہ صرف جانوروں کی پشت و پناہ ہوسکتی ہے بلکہ انسانیت کی بھی فقط

افتتاحیہ

رپورٹ نظم و نسق سررشتہ تعلیمات

بابتہ ۱۳۴٦ف

۸ ۔ تیر ۱۳۴٦ف کو عالیجناب سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) نے سررشتہ تعلیمات کی نظامت کا جائزہ حاصل فرمایا۔ حصول جائزہ کے بعد ہی یہ حقیقت سب پر کھل گئی کہ آپ سررشتہ کی تمام اندرونی و بیرونی حقیقتوں سے پوری طرح واقف اور حاوی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نہایت خاموشی کے ساتھ اب تک سررشتہ کی جزوی وکلی حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ فرماتے رہے۔

صاحب ممدوح نے ۱۳۴٦ف کے آخری ۵ مہینوں ہی میں ایسی بیداری اور ہم آہنگی پیدا کر دی جو اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی اور خود اس قدر شوق و انہماک اور بڑھتے ہوئے جوش کے ساتھ کام کیا کہ سررشتہ کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا اور بیداری کی لہر ملک کے طول و عرض میں دوڑا دی۔

ماہ شہریور کے ابتدائی دو ہفتوں میں جملہ عہدہ داران تعلیمات کی ایک کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ کانفرنس کیا تھی ایک موثر دعوت عمل تھی جس نے تمام عہدہ داروں میں اشتیاق کارفرمائی کو ابھار دیا۔ بہت سے گراں قدر خیالات جو ابتک کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے اور عدم التفات کے باعث محروم عمل تھے۔ ان میں یکایک

حرکت پیدا ہوئی۔ علاوہ بیداری اور ہم آہنگی کے سب سے بڑا فائدہ اس کانفرنس سے یہ حاصل ہوا کہ سررشتہ کی پالیسی متعین اور واضح کردی گئی اور اشتراک عمل کے جملہ وسائل سے کما حقہ استفادہ کیا گیا جو کسی اور طریقہ سے ممکن نہ تھا۔ یہ گویا سرچشمہ تھا سررشتہ کی آئندہ صلاح و فلاح کا۔

ایسے متعدد اہم مسائل جن پر فرداً فرداً بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے پس و پیش ہوتا تھا اس مختصر زمانہ کانفرنس میں پیش ہوئے اور ان پر بحث و تمحیص ہوئی ان کے ذرائع بہم پہنچائے گئے اور ان کے لائحہ عمل کی تجاویز و تدابیر نکالی گئیں اور اب ان پر عمل بھی ہو رہا ہے۔

ایسے اہم مسائل جیسے کہ تشکیل بورڈ تعلیم ثانوی و نفاذ اسکیم جدید۔ ترویج شفٹ سسٹم (باری) وار طریقہ تعلیم، جبری تعلیم تعین مشاہرات مدرسین، ترغیب تعلیم پیشہ ورانہ، توسیع تعلیم نسواں، تعلیم تربیت مدرسین، اشاعت تعلیم کنڈرگارٹن و پروجکٹ متھاڈ توسیع تعلیم بالغان و تنظیم مدارس ممالک محروسہ سرکار عالی وغیرہ کی نسبت نہایت غور و فکر کے ساتھ قطعی تصفیے ہوئے اور لائحہ عمل تجویز فرمایا گیا۔

یہی وہ قابل قدر و رعمل تھا جس نے محکمہ سرکار سے بھی تبصرہ رپورٹ میں حسب ذیل خراج تحسین حاصل کیا۔

"سررشتہ کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ یہ رپورٹ سرکار کے قائمہ احکام کے تحت سال زیر رپورٹ کے عین مابعد شائع ہوئی ہے"

"جس سرگرمی اور دلچسپی کے ساتھ ناظم صاحب تعلیمات، ان کے مددگاروں اور اسپیشل انسپکٹر صاحب نے سررشتہ کی سود و بہبود کے لئے کام کیا ہے اس پر سرکار مسرت کا اظہار کرتی ہے۔"

اور پھر شرح و بسط کے ساتھ ان امور کی نسبت بھی تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ جو ۱۳۴۶ف کے آخری ۵ ماہ میں ظہور پذیر ہوئے۔

ہم نہایت خلوص دل کے ساتھ جناب ممدوح کی اس نمایاں کامیابی پر ہدیہ تہنیت

و تبریک پیش کرتے ہیں اور بصمیم قلب متمنی ہیں کہ آپ کے مقاصد اور نصب العین کے حصول میں کامیابی ہو۔

انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی

عالیجناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) نے نظامت تعلیمات کی خدمت پر فائز ہوتے ہی ایک ایسی انجمن کے قیام کی ضرورت محسوس فرمائی، جو ممالک محروسہ سرکار عالی کے لئے صدر انجمن کا کام دے؛ مدرسین کے تجارب علمی اور تحقیقات کی اشاعت کا ذریعہ ہو اور تمام انجمنہائے اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کو ایک ہی کڑی میں منسلک کرکے خوشگوار ہم آہنگی پیدا کردے۔ چنانچہ انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس کے بعد ہی انجمنہائے اساتذہ کی تنظیم کا دور شروع ہوا۔ صوبہ کی انجمنیں، انجمن ہذا سے ملحق کی گئیں اور ضلع کی انجمنوں کا الحاق صوبہ کی انجمنوں کے ساتھ عمل میں آیا۔ ضلع کی انجمن کی شاخیں مدارس وسطانیہ اور مدارس تحتانیہ پر قائم ہوئیں۔ اساتذہ کی کانفرنسیں جو فرداً فرداً منعقد ہوا کرتی تھیں، وہ متعلقہ انجمن اساتذہ کی جانب سے اور اس کی سرپرستی میں منعقد ہونے لگیں۔ سال میں ایک مرتبہ کانفرنس ضلع کا انعقاد صوبہ کانفرنس سے پیشتر اور صوبہ کانفرنس کا انعقاد سالانہ کانفرنس انجمن اساتذہ سے پیشتر ہوا کرے گا۔ اور کانفرنس ضلع میں مدارس تحتانیہ و وسطانیہ کے نمائندے اور صوبہ کانفرنس میں مدارس فوقانیہ کی انجمنوں کے نمائندے التزام کے ساتھ شریک ہوا کریں گے۔ ہر انجمن کا سہ ماہی یا شش ماہی نظام العمل مرتب کرکے تعلیمی عنوانات پر ماہانہ بحث و مباحثہ اور اسباق نمونہ کا انتظام اور ان کی رپورٹوں کی پیشکشی کا اہتمام کیا گیا۔ محض کانفرنس منعقد کرلینا مطمح نظر نہ ہوگا بلکہ تعمیری لائحہ عمل مرتب کرکے سال بھر غور و خوض ہوگا اور آئندہ سالانہ کانفرنس میں اس کے نتائج پیش ہوا کریں گے۔ یوں تو پہلے بھی کرسمس کے ہفتہ میں تھوڑی بہت سرگرمی بعض اضلاع میں پائی جاتی تھی مگر یہ اسپورٹس اور ٹورنمنٹس کی حد تک محدود تھی مگر اب ان کو انجمنہائے اساتذہ سے الگ کرکے جداگانہ حیثیت دی گئی ہے اس طرح اب انجمنہائے اساتذہ کا جال ممالک محروسہ سرکار عالی کے طول و عرض میں بچھا ہوا ہے اور وہ منظم طریقہ پر نہایت باقاعدگی سے چل رہی ہیں۔

سال حال انجمن ہذا کی دوسری سالانہ کانفرنس زیر صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر بالقابہم صدر المہام تعلیمات و سیاسیات ۱۸ر ۱۹ر بہمن ۱۳۴۳ف کو بمقام گلبرگہ منعقد ہونیوالی تھی۔ جو بوجہ شیوع پلیگ ملتوی ہوگئی۔ لہذا اب یہ طے پایا ہے کہ سالانہ کانفرنس بتواریخ ۱ر ۲ر فروردی ۱۳۴۴ف بمقام سٹی کالج منعقد کی جائے۔

تنقید و تبصرہ

کمرۂ جماعت کی جمہوریت

اس کتاب کے عنوان کو دیکھ کر خیال فوراً افلاطون کے جمہوریت کی طرف جاتا ہے۔ مگر اس کتاب کا تعلق نہ تو سیاست سے ہے نہ سوراج سے۔ بلکہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کمرہ ہائے جماعت میں حقیقی ضبط کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ اور بچوں میں ذمہ داری اور فرض شناسی کا احساس کس طریقہ سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ کمرہ جماعت میں ضبط قائم رکھنے کا مسئلہ بہت قدیم مسئلہ ہے اور یہ ان تعلیمی مسائل میں سے ہے جن کے حل کرنے کی بے شمار اور مسلسل جدوجہد ہوتی ہے مگر ان کی اہمیت جوں کی توں باقی رہ جاتی ہے۔ اس مسئلہ کا سب سے پرانا حل یہ تھا کہ طلبا کو ڈنڈے کے زور سے قابو میں رکھا جائے اور زبردستی ضروری معلومات رٹ لینے پر مجبور کیا جائے مگر دو سو برس ہونے کو آئے اس نظریہ کی دھجیاں روسو کی تیغ زبان کے آگے فضا میں اڑتی نظر آئیں۔ مگر دنیا نئے اور پرانے عقائد کے درمیان ڈگمگاتی رہی۔ جھکا و کبھی ایک طرف ہوا کبھی دوسری طرف۔ بیسویں صدی نے نئے نظریہ کا پلہ بھاری کر دیا۔ اب عام طور سے یہ نظریہ قائم ہوگیا کہ زبردستی ضبط قائم رکھنے کی کوشش بے سود اور عبث ہے۔ اگر خارجی ذرائع سے ضبط قائم کرنے میں کامیابی ہو جائے تو بھی اطمینان کی سانس نہیں لی جاسکتی۔ اس قسم کا ضبط سمندر کے اس ابلہ فریب سکوت کے مانند ہوتا ہے جو سطح پر چھا جاتا ہے حالانکہ پانی کی گہرائیوں میں

غدّار دھارے طوفانِ محشر برپا کئے رہتے ہیں اور کسی نہ کسی وقت تلاطم سے مطمئن جہازوں کو اپنی خام خیالی پر کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح دباؤ اور جبر سے بچوں کو قاعدہ قانون کی پابندی پر مجبور کیا جاسکتا۔ اور خاطرخواہ کام کرنے کے لئے دبایا جاسکتا ہے مگر ان کو قوانین کی سود مندی اور کام کی ضرورت محسوس کرنے پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ایک اور قسم کا ضبط ہوتا ہے جس کے بچے آپ سے آپ پابند ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اسے وہ اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں جس کے بنانے میں ان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے، اور خلاف ورزی کی صورت میں انھیں نہ صرف اذیت ہوتی ہے بلکہ خفت بھی ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ضبط خود ساختہ ہوتا ہے دوسروں کا سر منڈھا ہوا نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا قانون پسند، خوددار اور خصائل حسنہ کے حامل ہوجاتے ہیں اور ملک و قوم کے سچے رہنما اور خادم بنتے ہیں۔

اس آخری قسم کے ضبط کے قائم کرنے کے طریقوں کو اور اس سے جو فائدے مترشح ہوتے ہیں انکی اس عالمانہ تصنیف میں نہایت واضح مدلل اور سیر حاصل بحث کیگئی ہے مصنف مسٹر کریڈک انگلستان کے بڑے سکنڈری اسکول کے کہنہ مشق اور ذی حوصلہ مدرس ہیں جنہوں نے صدر مدرس اور سرکار کی مخالفت کے باوجود یہ تجربہ کرکے دنیا کو دکھا دیا کہ عقائد دیرینہ کے بت بہت پرانے ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ نئے معابد کی عمارت کھڑی کرنی چاہئے۔ نہ صرف انہیں کلی کامیابی ہوئی بلکہ جو اساتذہ ان کے آزمائشی طریقہ کے خلاف تھے انھوں نے بھی تسلیم کرلیا کہ ان کے طلبا کی اخلاقی اور تعلیمی حالت اوروں کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہے۔

اس نایاب کتاب کا اردو ترجمہ مولوی فخر الحسن صاحب بی۔اے بی۔ٹی لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ نے نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں کیا ہے اور مدارس و مدرسین کے نفع کے خیال سے ایک مفید دیباچہ کا اضافہ کیا ہے جسمیں سرسری طور سے اس اہم تجربہ کا ذکر کیا گیا ہے جو مترجم نے جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم اے (کنٹب) اسپشل انسپکٹنگ آفیسر و معتمد تعلیم ثانوی کے روشن عہد صدر مہتممی بلدہ کے دوران میں حیدرآباد دکن کے ایک مدرسہ میں کیا تھا۔ یہ دیباچہ ہندوستانی مدرسین کے لئے خاص طور سے فکر انگیز ثابت ہوگا ہمیں توقع ہے کہ اس مفید کتاب کے مطالعہ سے مدارس کی فضا میں بحد خوشگواری اور کارکردگی پیدا ہو جائیگی کتاب ڈیمی سائز کے عمدہ کاغذ پر ۲۲۳ صفحوں میں چھپی ہے کتابت و طباعت اعلیٰ ہے قیمت (عا) غیر مجلد عہ مجلد۔ دفتر العلم حیدرآباد دکن سے حاصل ہوسکتی ہے۔

Ourselves

Owing to his transfer to the State Broadcasting Department, Mr. Mehboob Ali Tahir, M. A., M. Ed. (Leeds), is no longer able to serve on our editorial staff. We take this opportunity of expressing our appreciation of the valuable services which he rendered to this journal as an Honorary Assistant Editor for over a year.

Review

"National Education"

Issued by the U. P. Secondary Association, Lucknow.

The U. P. Secondary Education Association is to be congratulated on bringing out a special number of "Education" entitled "National Education". It contains valuable articles by eminent Indian educationists on different aspects of national education, including Women's Education, Adult Education, the Wardha Scheme, the Vidya Mandir Scheme, Physical Education and the Bratachari Movement. Every one interested in Indian education should read "National Education". Copies may be obtained from the Education Office, Shri Vaikunth Sunderbagh, Lucknow, at the surprisingly low price of Re. 1/- each.

Discipline Among Students.

It is unfortunate that while, on the one hand, efforts are being made all over India to reform the educational system, on the other hand, the tendency towards indiscipline among our students is increasing. Strikes for trivial reasons have become the order of the day, and the contagion seems to be spreading steadily throughout India. In one or two instances they have even been attended with an exhibition of violence, compelling a temporary closing down of the educational institutions affected thereby. This is a serious state of affairs, and it is necessary that an end should be put to it speedily not only in the interests of the students and the institutions to which they belong, but in the interests of the country at large, for without discipline no progress is possible. Until recently the educational institutions in our State were happily free from unhealthy activities tending to disturb their peace. But, unfortunately, the happenings in other parts of India have had their repercussions upon some of our students and betrayed them into taking an unwise and hasty step which, we sincerely hope, they will retrace ere long.

In view of the external influences to which our students are undoubtedly exposed to-day, the efforts of the educational authorities alone are not sufficient to secure discipline in our schools and colleges. We trust that realising that acts of indiscipline on the part of the students do even more harm to them than to the schools and colleges concerned, parents, guardians and the leaders of the pubic will co-operate with the educational authorities in re-establishing that harmonious relationship between the teachers and the taught which, though temporarily interrupted now, has long been the happy and distinguishing feature of all our educational institutions. The students must be made to realise that once the opportunity they have as students is lost, it is lost for ever.

woefully inadequate, and it is for this reason that the percentage of boys and girls at school to the total school-going population appears lower than it actually is. In her Presidential Address at the Hyderabad State Women's Conference, extracts from which appear elsewhere, Princess Niloufer justly remarked :—

> "The strides made by the State, through its various educational institutions, in the spread of literacy and of education, both higher and secondary, appear relatively small on account of the comparatively meagre provision for education obtaining in those areas, forming nearly a third of the Dominions, which are held under a variety of grants. It is implicit in the trust under which they are held that its obligations, written and unwritten, should be fulfilled, and there is no reason to doubt that the sense of duty of the great class to which I here refer will lead it to fulfil in an increasing measure the obligations which it owes to its Sovereign and to the people committed to its trust."

Girls' education continues to be backward in the State. There are a number of questions connected with Girls' education which cannot be solved without the co-operation of women. We therefore welcome the appointment of a Girls' Education Committee with Lady Hydari as its President as well as the decision of Government to appoint three Inspectresses.

Though Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi was in charge of the Department only during the last five months of the year, yet so great was his enthusiasm for his work that within this short period he was able to introduce a number of measures for improving the efficiency of the Department. A perusal of his report fills one with hope for the future of education in the State. We wish him success in all his endeavours.

Editorial Notes

Educational Progress in Hyderabad

We have published elsewhere extracts from the Report on Public Instruction in the Dominions for the year 1346 F (1936-37) and from the Government Review thereon. The year 1936-37 witnessed several important changes, notably the establishment of the Board of Secondary Education, the creation of a separate Department of Technical Education, the introduction of the Shift System in village Primary Schools and the adoption of a policy of expansion of Primary Education by the new Director of Public Instruction, Mr. Syed Mohamed Husain Jaferi. The main features of the new scheme for the reorganisation of Secondary Education are mentioned in the Government Review. The scheme will be put into operation gradually, and when it is fully enforced, it will not only provide, at suitable stages of instruction, different types of vocational courses for pupils with a practical turn of mind, but it will also help to raise the standard of general education. As regards Primary Education, Government have rightly pointed out that the percentage of pupils actually under instruction to the total school-going population is too low to be satisfactory. There is no doubt that the most pressing educational problem in the State, as in other parts of India, is the removal of illiteracy. The Department has already launched a scheme for the expansion of Primary Education, and the question of making Primary Education compulsory in selected areas is also under consideration. But even if the Department were given the necessary funds for carrying on a Dominion-wide campaign against illiteracy, its efforts alone in this direction will not be sufficient, for there are extensive areas covered by Paighas, Jagirs and Samasthans which are outside its jurisdiction. The educational facilities provided in these areas are

maintain proper order, the teachers under them are very severely hampered in their fight for order.

Naturally all heads of schools must demand of themselves as high, in fact even higher, standards of order, tidiness and punctuality, than they expect of others. So until we have begun to establish our standards among our teachers and children, all of us, who are heads of schools, must expect no rest.

Now these are all very homely things. I know I have said nothing new this morning but, as I have already said, I do believe that this apparently simple subject is of vital importance. I do believe that we can do service not only to our schools, where ordered work will mean a higher level of academic achievement, and to our children individually, to whom a sense of the value of order will mean happier and more satisfactory lives, but also to our Hyderabad. Recent Medical Inspections have shown that the health of Hyderabad children is not satisfactory and the cause is in many cases lack of sleep and irregular as well as unsuitable feeding. The children you are training to-day to live well regulated lives in school, may, let us hope, in twenty years' time be putting your ideals into practice in well regulated homes and so they will be improving the health and habits of the next generation in Hyderabad.

---

is not ready to set off for a party with her mother and sisters, is a public nuisance, that she causes loss of temper at home before she starts and possibly inconvenience to her hostess on arrival. And I believe that this same thoughtful child, when she is a mother, will make efforts to insist on punctuality, etc., and if necessary, she will punish her own disorderly daughter by leaving her at home.

Untidiness in the details of dress is another form of disorder we must work against. Dirty nails, unbrushed hair, clothes that are not fresh, are all signs that a child has not been trained at home in regular habits of washing and of changing her clothes. Many of our children come to school without buttons and with shoes uncleaned. We have to inspire them to feel that these things are definitely bad. It is not a question of money—I know of plenty of children, coming from wealthy homes, who are never without safety pins and who do not have their shoes cleaned daily. Where possible, I think these defects should be remedied in school, if, after we have pointed them out and explained our orderly principles, there is still carelessness. I have led some of my own school children to a shoe brush; I have plaited their untidy hair in their class rooms before all of their friends. They realise then that we believe these things to be important; and this is something gained, even if they don't understand all of our reasons.

For the Heads of schools, the responsibilty for insisting on orderly habits is doubly great. Not only must they inspire all those working under them with the wish to instil orderly habits, but their good administration alone can make the practice of these orderly habits possible. Unless they arrange the Time Table so as to ensure the smooth working of the school, unless they see that a high standard of punctuality in the beginning and ending of periods is maintained, unless they arrange for the proper equipment and the regular supply of books and materials and unless they are always there ready to support the Staff's efforts to

school children as one of our most serious pieces of work *now*. We must gather all our patience, all our energy, all our determination to start and go on with our campaign against disorder in every form. It will take years of effort on our part if we are to instil in the children an appreciation of order, an expectation of it as a regular part of their lives.

And first of all—orderly habits in school work— we must think not of the amount of work done but of how it is done, tidily, with proper headings, dates and straight margins; it must be done exactly to time, and, however good the subject matter, any failure to conform to our standard of order must be noted and remedied. We must insist on full corrections, etc., until at last we lead the children themselves to realise the evil of leaving mistakes uncorrected; of slipshod, careless work; and so they themselves learn to want our orderly standard in all things.

All this demands of ourselves a very high standard of effort, of punctuality in going to classes, of careful and tidy corrections, of doing everything ourselves up to time; but once we have trained children to aim at our standard of order, I believe that in time they may apply the standard we have shown them in their work to many things outside school.

Then too, apart from lessons, while they are in school, we must expect a certain standard of orderly behaviour towards others; order in moving about the school, order when the children are left between periods, order in times of excitement, such as our schools' public functions. And insistence on these orderly habits will give us a chance to show how disorder, noisy classes, blocking up corridors, crowding round our chief guest at a Prize Giving—is really selfishness and makes for the discomfort of others. I believe that these lessons, learnt in school, will ultimately have an effect upon the home life of Hyderabad. A thoughtful child will, in time, realise that the disorderly sister, who

THE VALUE OF ORDERLY HABITS*

BY

Miss G. M. Linnell

Principal, Mahboobia Girls' High School, Hyderabad-Dn.

To-day Miss Nundy has agreed that I should talk to you about a seemingly simple matter—the value of orderly habits. Personally I find this by no means simple. In fact, when I see the lack of order throughout Hyderabad to-day, both in public and private life, I feel that to implant orderly habits in our children is, perhaps, our most important public service as teachers.

When, as young teachers, we begin this service and consider what we have to do in school, we think of the subjects we are to teach, the examinations we are to prepare children for, how we shall arrange to fit in our syllabus during the school year—etc. In all this we think too much of our own point of view; we do not consider the needs of the children to be entrusted to us.

Now, to my mind, one of the main things our children need is to be taught the value of order—to learn to care themselves for order in thought, in behaviour towards others, in dress, and in work, both at school and at home.

At present, I think we shall all agree, in most Hyderabad homes, the value of an ordered daily life is not realised. From the time they are babies, our children know almost no order. They eat at any time, they go to bed when they like, their rooms and clothes are untidy. They forget to do their school preparation, because at home they find no special place in which to do it and no special time for it.

Now if we are going to improve the homes and the health of the next generation of Hyderabad children, if we are going to try to give them the advantage of ordered home life, we must regard the formation of orderly habits in our

* A speech delivered at the First Annual Conference of the Hyderabad Women Teachers' Association.

Mrs. Mohammed Hussain Jaffery's fancy border work, Mrs. Hassan Latif's rugwork and Miss Pillai's art corner are worthy of mention.

The model lessons and discussions on History, Geography, Story-telling, Poetry, Arithmetic, Needlework and Sense-Training, Rhythmics and Physical education were very interesting. The Model Primary School's lesson on Sense-Training was greatly appreciated, but we all realized that the apparatus used was too expensive for use in a Shahi Primary School. It is hoped, however, that the headmasters and headmistresses will adapt these materials according to the means they have at their disposal and produce the necessary apparatus from cheaper materials so that the chief aims of this apparatus might be realized.

A net-ball match and a games period for small children were directed by Miss M. Shaw. She emphasised the need for having games periods during school hours in order to encourage the students to let themselves go in friendly, joyous and spontaneous movements. She also pointed out that this was very necessary in our schools, where the children sit for long hours in overcrowded class-rooms and stuffy conveyances.

A demonstration of rhythmic movements was shown by Miss. Ambiah. She showed how children from 5 to 8 respond to music in rhythmic movements.

On the second day the programme of model lessons and discussions was continued. Reports of all the lessons and discussions were read out to the full session. In addition to these, Mrs. Akram, the General Secretary, read a report showing the progress of the Association from the time of its initiation.

REPORT OF THE FIRST CONFERENCE OF THE WOMEN TEACHERS' ASSOCIATION, HYDERABAD-Dn.

BY

Zohra Begum, B. A., M. Ed. (Leeds)

The first Conference of the Women Teachers' Association, Balda, was held at the Kachiguda Women's Training School on the 31st October and 1st November. Owing to Ramzan-e-Shareef, the meetings took place between 9 a. m. and 1 p. m. Lady Hydari very kindly graced the occasion with her presence. Besides the teachers of the Shahi, aided and private schools, and all those interested in education, Mrs. Mohammed Hussain Jaffery and Mrs. Ali Akbar showed keen interest by attending the meetings on both days. Lady Hydari particularly requested not to be garlanded and asked that the cost of the garland should be included in the Milk and Buttermilk Fund for poor children. This was greatly appreciated by all those present and it is hoped that such useful and helpful gifts to express one's good will, will be a leading example for others to follow. The Director's kind message was greatly welcomed by the Association.

At the meeting Miss J. Nundy read a practical and helpful presidential address. This was followed by a lecture delivered by Miss Linnell on the necessity of orderly habits. Miss Clough also gave a talk on the progress of education made in the State during the last 20 years.

After this there was a practical demonstration of arts and crafts. Processes of different kinds of weaving, pottery, basketry and cardboard work were shown. The demonstration by Miss D. Nundy and her assistants of clay modelling and basket weaving exhibited on a very economic scale was greatly appreciated. The Stanley Girls' School siesel work was interesting and original Apart from the effort of teachers exhibiting the work of their schools, those of friends like Mrs. Amer Hassan's Lambardni's needlework,

Speaking of the Purda system, she said, " The growing elightenment which education will bring in its wake as well as the requirements of the times which must inevitably result in the economic emancipation of women, will, I am sure, release them sooner or later from the shackles of this social custom. These factors will in themselves better qualify women to take their place on terms of equality with men, and I hope that this will be achieved without their necessarily losing those graces or virtues for which the womanhood of this country is well-known. Modesty resides in the heart and in the mind, not in the veil, and that womanhood is greater which faces life's ordeals with the weapon of its own innate dignity than the womanhood reared in the artificial atmosphere of a close and enfeebling protection."

The Princess ended her speech by making an eloquent appeal to the youth of the State. She said, "Great things have been done in the past by the women of this country. Still greater things are left for us to do even as the problems of this age are more intricate. In the work that lies ahead, all our hopes are centred round the efforts of that nation among the men and women of this State which knows no barrier of race or religion, a nation which can aspire and afford to look forward beyond the horizon, a nation which has the energy to strive and the vigour to attain, I mean the irresistible, the unconquerable nation of youth. Let it carry to the farthest corners of our land, with singleness of purpose and purity of heart, the torch of love and loyalty; let it build instead of destroy, unite instead of divide, and be the messenger of peace to a distracted world."

not degenerate into licence but is tempered, as it has been among the nations which have made history, by self-restraint and the discipline of duty; such large liberty and a healthy exercise of it must inevitably be preceded by those peculiar gifts of education—the fitness to balance the good and evil in ideas and to make their true evaluation. As the corner-stone of the entire educational structure, primary education has an importance of its own, and I am sure we are all glad to know that an early introduction of the principle of compulsion, which I hope will be extended in the same measure to girls as to boys, is contemplated. No less a pleasure is it for us to welcome the recent decision, in the more deserving case of girls, to impart education to them up to the lower secondary stage in their mother-tongue while maintaining the common language of India and of these Dominions as a compulsory second language.

The strides made by the State, through its various educational institutions, in the spread of literacy and of education, both higher and secondary, appear relatively small on account of the comparatively meagre provision for education obtaining in those areas, forming nearly a third of the Dominions, which are held under a variety of grants. It is implicit in the trust under which they are held that its obligations, written and unwritten, should be fulfilled, and there is no reason to doubt that the sense of duty of the great class to which I here refer will lead it to fulfil in an increasing measure the obligations which it owes to its Sovereign and to the people committed to its trust."

Princess Niloufer then urged the need for making better provision for public health. She also drew attention to the importance of cottage industries, and in this connection proposed the appointment of a Committee to study the problems of the woman-worker and suggest improvements in the conditions under which she works.

dependence prevalent no less among the rich than among the poor, can ever to any large extent resolve the problems which beset us.

Education appears to me to be the most potent means of attaining the economic emancipation of women. The progress of material civilisation has, while inducing us to seek refuge more and more in the refinement of the mind and the cultivation of a higher and better sense of values, brought nearer home the need for adapting education to our material requirements. From pure Scholasticism or the Humanities or the pursuit of learning for learning's sake which formed the essence of teaching in our Patashalas and Maktabs and in the Universities of medieval Europe, education has come to embrace the acquisition of the more material arts and crafts, the mastery of scientific technique, the application of learning to our practical needs, the refinement of the hand no less than the cultivation of the mind. This gradual extension of the meaning and purpose of education is a recognition of the necessity to mould our intellectual to our material requirements. Indeed, in a country where poverty is so general, to talk of education as capable of being divorced entirely from the problem of living is to indulge in cant, and it is satisfactory to observe that the authors of our own scheme of educational reorganisation have rightly stressed the need for a vocational bias and for the development of technical education. This reorganised system will afford us the best opportunity for enabling us to provide ourselves with the means of livelihood and, thus, for assisting our women to earn an independent and honourable living.

In stressing this utilitarian aspect of education, however, I must not be misunderstood to be minimising its value, quite apart from its economic use, as a great medium of enlightenment. The expansion of the mind is in itself a high ideal, for it opens before it a wider world and a longer perspective. That liberty is the largest which does

The Women's Point of View

PRESIDENTIAL ADDRESS

DELIVERED BY

Princess Niloufer

at the Hyderabad State Women's Conference, November, 1938

After thanking the organisers of the Conference for asking her to preside, Princess Niloufer said:—

"Before I proceed further, allow me to give expression to a sentiment which I know will be uppermost in the hearts of women not only here or in India but all over the world. We meet under the shadow of a great loss. The passing away of a great man, like that of a small man, is an inevitable physical phenomenon, but I cannot help feeling, as a woman, that the death of Kemal Ataturk has deprived the world of a presence which in the brief span of years during which he moulded the destinies of his people, achieved the freedom of his country and the emancipation of its womanhood. It is to him that the women of Turkey owe their release from the bonds of superstition, ignorance, seclusion, and from a dependence, nearest to serfdom—I mean economic dependence.

My friends, the torch of traditional liberalism has brought much enlightenment and many liberties in its wake, but it has failed to illuminate those dark corners of our social systems where slavery of the body generates the slavery of the soul. In many ways liberalism itself has forged new forms of slavery worse than the old. The necessity to live, the call of hunger and the prospect of starvation are the reasons behind the economic dependence of women to-day; they are considerations which affect every effort of a woman to mould her life in accordance with her ideals. No movement for emancipation, however liberal, which does not strive to confer freedom from such dependence, a

traffic rules, now figures among the manual work taught to children in primary schools. This subject, considered of primary importance, teaches children to use their eyes and to make quick decisions. Every imaginable position of cars and bicycles, all the traffic jams one must get out of, are shown by models, and the children take the greatest possible interest in these.

The teaching of traffic rules will be compulsory to all primary schools in future.

ANNOUNCEMENT.

Owing to the outbreak of plague at Gulbarga, the Second Annual Conference of the All-Hyderabad Teachers' Association has had to be postponed. It has been decided to hold it at the City College, Hyderabad Deccan, on the 3rd and 4th February, 1939. Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the Hon'ble Education Member, has kindly consented to preside.

The subjects to be taught are Irish, English, Mathematics, Manual Instruction and Domestic Economy, and all children within the age limits are to attend the classes on one day in every week of the school year. Four part-time teachers and 3 full-time teachers have been appointed to conduct the courses.

We cannot work up very much enthusiasm for the Minister's experiment—if indeed the few weekly hours of schooling which the new scheme will give to Cork children can be dignified by the name of experiment.

The present scheme means that many children, who might otherwise have gone to work, will idle on six days of the week, and (it is to be feared) do very little on the 7th; and that children already in employment will idle one day a week in the school. No real discipline, no real continuity, no real effort to learn can result from the present arrangement.

(The Irish School Weekly 3-9-1938.)

Sweden.

Health in the school.—It is hoped that it will be possible to submit to the RIKSDAG next year a plan for compulsory medical service; attention will be given to 407,000 children in the primary schools.

The commission for repopulation also asks that similar system will be set up for small children in infant schools.

The medical management together with the preventive associations, recommend that the system of free meals for schools be gradually put into force beginning with underfed children. In view of the difficulties of putting this into practice, the government proposes food allowances for necessitous families.

Manual Work in Schools.—The construction of small wooden motor-cars, intended for use in courses, which teach

b. The cultivation of the intelligence and powers of reasoning and training in habits of industry.

c. The inculcation of personal individual virtues.

d. The acquisition of information about:

1. local, national and world affairs.
2. methods of local and national government in this country;
3. types of governments and where these are found.

(The Schoolmaster 6-10-1938.)

Germany.

National Socialist Education of German Teachers.— In order to be able to instruct children in the foundations of the ideology of national socialism and its programme, groups studying Education in Higher Training Colleges must study in the first year Hitler's "Mein Kampf" and Rosenberg's "Myths of the 20th Century". They are expected to know the principle outlines of these works.

(BEKO, Berlin 13-9-1938.)

Ireland.

a. *Leaving age experiment.*—It is announced the Minister for Education is to raise the school-leaving age in Cork City as an experiment. After September 1, a continuation of education after the present Statutory leaving age of 14 years becomes compulsory in the borough. The Vocational Education Act of 1930, under which the age is now raised, prescribes that all children between 14 and 16 must attend a continuation course of at least 18 hours a week, but in Cork the enforcing authority has decided that for the first year, children of 14 need only attend for a single year's course, and will be free to leave when they reach 15.

a. Aim at the development of the pupils by providing for the cultivation of their physical, intellectual, emotional, and spiritual powers.

b. Have regard to the environmental conditions of the pupils, and to the advantages afforded by a realistic presentation of the subjects taught in leading the pupils to handle general ideas.

c. Have a "practical" bias, which should be determined by the local conditions of the school, the pupil's desire for self-expression in concrete media, and the probable future needs of the boys and girls.

Specialisation.

1. Some measure of specialisation is desirable in all Senior Schools. This is especially true of Heavy Handicrafts, Gardening, Art, Music, Practical Science, Physical Training and Domestic Science.

2. The qualifications of the members of the Staff may enable specialist teaching to be given in such subjects as English, Mathematics, Geography or History.

3. While some specialist teachers may reasonably be required to have had specialised training or to possess high academic qualifications, teachers who, because of their interest in certain subjects and experience in teaching them, have acquired a special proficiency, should also have the opportunity to undertake the work of a specialist teacher.

Citizenship and Leisure.

1. Preparation for citizenship and for leisure should form a part of the normal education provided in Senior Schools.

2. Education for citizenship involves:

a. The inculcation of social virtues.

Classification of pupils.

1. All pupils in Junior Schools should pass at about the age of 11 to some form of post-primary education.

2. The selection of pupils for the various types of post-primary education should have regard to the differing types of ability as well as to different degrees of ability of any given type.

3. The present basis of selection is generally a written examination which appears calculated to disclose differences in the degrees of ability of the same kind rather than differences in the kind of ability. Efforts are now being made to discover and perfect methods of discerning aptittudes, these should be encouraged. In the meantime, greater attention should be paid to records of the pupils' work throughout the Junior School when selections for the various forms of post-primary education are made.

7. The parallel form classification should not be absolutely rigid. When limitations of staff, or space do not allow of the use of both "form" and "set" classification, such subjects as Physical Training, Games or Music allow the rigid form of classification to be avoided and should be used for this purpose.

The Curricula.

1. The greatest and most advantageous use of extended school life requires that the whole of the curriculum of the Senior School should be reviewed. The mere addition of a subject or sections of a subject for the last year cannot be regarded as satisfactory. The curriculum of Senior School should be regarded as a unit and should be planned as a whole, for the four-year course.

4. The experiments already made indicate, and the joint Committee agree, that the curriculum of the Senior Schools should :

Educational News from other Countries.

Extracts from the Monthly Information Paper for September/October, 1938, issued by The International Federation of Teachers' Associations.

England.

Exchange Teachers within England.—The system of exchanging teachers between England and the Dominions has been working for some years and has met with wide-spread approval. A scheme for the exchange of teachers that is not so widely known is the scheme for interchange between the County of Kent and the City of Manchester. The scheme came into operation in 1929, and 15 teachers from each area have taken advantage of it. The period of exchange is one year; the teachers concerned are still employed by their own authority and their salaries are forwarded to them. One interesting detail is that the travelling expenses at the beginning and the end of the year are paid by the employing authority. The scheme is a sound educational one; it gives teachers a wider outlook and brings them into contact with a variety of conditions and methods of education.

(The Schoolmaster 28-7-1938)

The additional school year and the curriculum.—Under the title of The Extra Year (published by University of London Press, Price 3sh.6d.) a joint Committee of the Association of Education Committees and the National Union of Teachers have issued the Report of an investigation into the content of education for pupils in public elementary schools between the ages of 11 and 15. The investigation was undertaken in view of the raising of the leaving age in September of next year.

From the conclusions and recommendations which are of great interest for educationists of various countries because the problems and solutions argued for are very similar in different countries, we only compile the following ones:

was laid on technical and vocational education. Co-education was introduced in all the institutions and the girls were encouraged to join the technical and vocational institutes along with the boys.

The Stambul University was reorganised and a new University founded at Ankara. Ankara could also boast of the Gazi's College for the Training of Teachers—both men and women—, an up-to-date Agricultural College and a first class Military College.

Reading-rooms, Continuation Schools and Evening Institutes were also opened and every facility provided for those desirous of extending their knowledge in their spare hours.

And so with infinite patience and superhuman energy "with the sternness of a dictator but with the abounding love of a parent, he built up the new nation during the last 15 years. Every inch of New Turkey, every Turk—man and woman—bears the stamp of the master builder". No wonder that he was gratefully acclaimed as Ataturk—the Father of Turks.

Before his death, Kemal had the satisfaction of having fulfilled his life mission. He leaves behind him a nation, united, virile and powerful.

of his people, generated during the desperate struggle for independence". Thus the process of modernisation began. The veil was outlawed. The harems were emptied of their inmates. The women were given equal rights with men.

The fez had somehow become in Kemal's mind the emblem of all that is outworn and hence he issued an edict that the fez was no longer to be worn—and out went the fez yielding place to the hat. Thus with his unfailing sharp-sightedness and his determination to carry through ruthlessly that which he recognised to be right, he was able to accomplish what a lesser person would have feared even to attempt. 'His realism did not build according to to-day's but according to to-morrow's rules'. The result has been that New Turkey has travelled a course in a few years for which other nations took centuries.

His Educational Reforms.—More important perhaps than his social reforms were his reforms in education and the most far-reaching among these was the adoption of the Latin script. The opposition to this 'heresy' was great, but Kemal brushed it aside. He turned himself into a school master, complete with a black-board and a chalk, and toured from city to city, village to village, teaching his people the new alphabet which was to be "the open sesame" to the new knowledge.

He dealt a death-blow to illiteracy by making primary education compulsory both for boys and girls and by organising adult education on a wide scale throughout the country, with the result that after a short period of five years there remained few men or women in Turkey who could not read or write.

The old *maktabs* were abolished and the modern primary schools took their place. The Ecclesiastical Department was merged in the Education Department and all the Wakf endowments became a part of the educational budget. Secondary education was completely reorganised and stress

The defeat of Germany threw Turkey at the feet of the allies, who not only wanted to dissect and dismember it but also to impose upon it the domination of its sworn enemies, the Greeks. How the Turks, under the consummate leadership of Kemal—a declared rebel with a price on his head—under the most disheartening circumstances drove away the Greeks from Smyrna, reads like a chapter of romance. This remarkable achievement made Turkey pulsate with new life and was a great shock to her enemies. But Mustafa Kemal did not beat the latter on the field of battle alone, he also beat them in their own 'preserve of diplomacy'. The Treaty of Lausanne[1] which was a great diplomatic victory for Turkey bears ample testimony to this.

Kemal as a Politician and Social Reformer.—Now Turkey was declared a Republic[2] and Kemal was elected as its president. The Sultanate and the Caliphate was abolished and the ex-Sultan expelled.

Having won the freedom of his country, Mustafa Kemal was faced with the task of nation-building. How was this impoverished, backward and unexploited land, with a population of ignorant and poverty stricken citizens, to be converted into a modern state? How were the deep-rooted superstitions practised in the name of religion to be removed? These and several other difficult problems confronted him. But he rose equal to the occasion and his genius as a 'great military strategist served him well in this work of reconstruction and re-creation'. He believed that Turkey would not breathe a new life as long as the faintest relic of the old system which had reduced the country to a state of helplessness and despair, remained. As was characteristic of him, he had no faith in half measures. "Nothing less than the latest European civilization would satisfy him and in that task he was determined to divert the superhuman heroism

1 July 24, 1923. The credit for the success in this treaty goes to General Ismat known next to Kemal.

2 October 29, 1923.

Kemal Ataturk

BY

K. M. Yusufuddin, M. A. (Leeds),

Lecturer, Osmania Teachers' Training College.

This is an age of dictators, and although all of them—Lenin, Mussolini and Hitler—are entirely responsible for the great position and prestige which their respective countries enjoy in the world to-day, yet their task was not so difficult as Kemal's, for, to create an empire or to reform an advanced people is far easier than to regenerate a decadent nation which is on the brink of destruction. How Kemal saved Turkey from her formidable enemies and created a new nation out of her, inspired by the highest ideal, is a miracle of the 20th century.

Early Life.—Born of humble parents, Mustafa Kemal rose by dint of hard work, patience and perseverance to the eminent position which he rightfully held for about 15 years. His life story is the history of the struggle of the Turkish people for freedom and for "deliverance from the old broken system to their present status and power".

After elementary schooling, Kemal joined the Junior Military School at Salonika where he distinguished himself alike by his brilliance and his revolutionary tendencies. When the Great War broke out in 1914, Kemal was already recognised as one of the most distinguished officers in the Turkish army and the next four years are noteworthy for his spectacular promotions, in spite of the envy of his enemies at Constantinople.

His Military Genius.—It was in the campaign at Gallipoli that Kemal laid the foundation of his renown and his defence of the Dardanelles remains 'one of the greatest strategies of the great war'.

(9) Industrial Schools to be opened for boys after the Primary stage for certain classes of industry.

(10) Entry into the University to be restricted to those who show the best intellectual powers.

A recurring grant of 5 lakhs of rupees has been provided in the budget by the Finance Department for the carrying out of these Reforms.

The Ladies' Committee.—A small Advisory Committee of Ladies was constituted, with Lady Hydari at its head, to advise on all matters relating to the education of girls.

Conference of Educational Officers.—A Conference of Educational Officers was inaugurated during the year and has proved useful in that it has been productive of some good and original suggestions for the improvement of the Department. This conference has also been the means of arousing the interest of the officers in their Department.

Training College.—Government stress the necessity of attaching a Practising School to the Training College. At present the pupil-teachers have to go to a distance for their practice. The Educational Member's gold medal is being awarded every year now for the best lesson after a competition among the first four men who secure the best marks in the practice of teaching in the annual examination. The lessons are judged by the Educational Member, the Principal, Training College and the Special Inspector for the award of the medal.

compulsory in Girls' Schools after the approval of the Ladies' Committee for Girls' Education.

Reorganization of Secondary Education.—The Board of Secondary Education as adumbrated in the Mackenzie Report came into existence during the year under review. It proceeded to form sub-committees to consider the introduction of the new reorganization of education whereby a vocational bias is to be given to school education. Briefly the proposals for these reforms are as follows:—

(1) The total period of education from the Primary to the end of the High School course is to be eleven, instead of ten years.

(2) The B. A. course in the University is to be of 3 years, thus keeping the total educational period down to 14 years.

(3) The Intermediate classes are to disappear, and instead of them, one class (the 11th) is to be added to the High School course.

(4) A Lower Secondary Examination (at the end of Class VIII) and a Higher Secondary Examination (at the end of Class XI) to be substituted for the present High School Leaving and Matriculation Examinations.

(5) So long as the Nizam College remains affiliated to the Madras University, a special Nizam College Entrance Examination to be instituted under the Board.

(6) A Primary fifth class to be added for those pupils who do not proceed beyond the Primary stage.

(7) Vocational bias to be given in the Middle and High stages and the natural inclination of students towards particular vocations discovered.

(8) Bifurcation into regular Technical and Vocational Schools to take place when pupils leave the Departmental Schools after passing the Lower or the Higher Secondary Examinations.

aim, for the present, at training women who are Matriculates. As the school develops it may train Graduates. Thus a supply of women teachers could be kept up.

Boy Scouts and Girl Guides.—Scouting and Girl Guiding are making steady progress in the State. There were 154 Scout Troops during 1346 Fasli as against 130 in the previous year. Scouting in Hyderabad is conducted on strictly non-communal, non-political and non-military lines on the principles of Lord Baden-Powell, but the policy of Government with regard to Scouts has been to stand aloof from other Associations whether it be the Seva Samiti or the All-India Scouts' Association. In the opinion of Government in the Education Department, the time has not yet come when our Scouts could join the world organization of Scouts. The Girl Guides Association has acquired some land and constructed a suitable building for its headquarters. Girl Guides Associations are supposed to be maintained by the public, but in the circumstances of Hyderabad the Government have considered it necessary to give some monetary assistance towards the building mentioned above, as also a small recurring grant from the Department towards the Association. They also pay the salary of the Trainer. Girl Guides Associations have also been formed in some of the districts.

Physical Education—Steps are being taken to acquire pieces of land in some parts of the city and suburbs of Hyderabad in order to supply playgrounds for schools where there is a shortage of such grounds.

The newly constituted Board of Physical Education began to function during the year and several inspections were made by the Principal of the College of Physical Education. Government lay great stress on the importance of outdoor games and physical instruction in all schools.

The Board of Physical Education should specify the games and exercises suitable for girls, so that they may be

Whilst the curriculum for boys and girls may be identical up to the fourth class, Government consider that in the new fifth (Primary) class the curriculum should include a regular course in such subjects as sewing, needlework, cooking and domestic economy.

For girls who proceed beyong the Primary stage, these subjects should form part of the curriculum in the Secondary stage and should be graduated according to the class. Government expect the Advisory Committee of Ladies to make proposals at an early date with regard to these matters.

Inspection of Girls' Schools.—A proper agency for the inspection of Girls' Schools is a vital necessity. Government consider that appointments of highly qualified and trained Inspectresses should be made in each Division from time to time as such women become available. For the present Miss. J. Nundy has been appointed in the vacant post of Chief Inspectress. But Government consider that there should only be an Inspectress in the grade of a Divisional inspectress at headquarters. The post of Chief Inspectress should be abolished and the female inspecting agency should be controlled by the Director of Public Instruction.

Normal Schools & Training Institutions for Women.—No institution exists for the training of women teachers in the State of the requisite standard of efficiency. The Warangal (Telugu) Normal School for Women hardly gives any training at all. The Women's (Marathi) Normal School at Aurangabad has only one training class which is taught by a Primary trained teacher. This is an unsatisfactory state of affairs. Government would like Women's Normal Schools in the districts to train at least Middle passed teachers. The mistresses who give training should be better qualified. At headquarters the Women's Training School should be staffed with highly trained mistresses and should

first necessities is the reform and reorganization of the Normal Schools, and it is hoped that the report called for from the Department regarding this matter will soon be submitted to Government for orders. The experiment of having Training classes at different centres, as distinct from Normal Schools, may also be tried. The idea involved in this is to collect village teachers at the headquarters of different districts where they could watch model lessons being given by selected trained teachers and where any difficulties that any of them may experience in teaching or in the management of a school, could be solved for them. Wireless talks from headquarters on educational subjects would be very useful at such centres. This might be arranged in connection with "Refresher Courses" during the annual conferences of teachers in the districts. There should be a wireless receiving set at each centre.

Primary Fifth Class.—The addition of a fifth class to the Primary four classes is contemplated in accordance with the recommendations of the Board of Education. This class will be for those pupils who are not proceeding beyond the Primary stage Government suggest that such subjects as village sanitation and other subjects having a bearing on village improvement and uplift may be taught in this class and an agricultural bias given to boys in rural schools at this stage. Wherever possible, a free use of wireless and of educational films might be made. Government would like Departmental proposals to be put up in regard to these matters at an early date.

Girls' Education.—The education of girls is in particular handicapped by the extraordinary difficulty encountered in obtaining qualified women teachers and the paucity of suitable buildings. Government agree that co-education may be tried in Lower Primary Schools where the pupils are very young. In this way the problem of teachers may to a certain extent be solved.

Shift System.—The shift system introduced during the year is an interesting experiment which should be watched with care. It has been necessitated owing to the paucity of teachers. It has the advantage of avoiding two classes being taught by one teacher at the same time. He now gives half the time to each class in two shifts.

Primary School Buildings.—The question of Primary School buildings is an important one. Even the modified standard plan, as suggested by the Department, is too expensive. A building on that plan is estimated to cost nearly five thousand rupees. This cost is much too great considering that hundreds of buildings are required. It should be possible to have a very simple, but at the same time open and airy Primary School building at about half that cost, which should harmonise with the rustic surroundings. Many of the present Primary Schools are held in rented buildings which are unsuitable, being dark, insanitary and ill-ventilated, and sometimes also cramped for space.

Furniture in Primary Schools.—The furniture in Primary Schools and indeed in all schools is a matter of the greatest importance. One too often sees benches without any backs to them and without any desks in front of them being used. The first thing the Department should do is to have such benches removed. Suitable furniture which would give rest to a boy's back, and would at the same time be adjustable to his size, with a desk at the correct distance, is expensive, and for our Primary Schools almost out of the question. Government therefore approve of what the Department is now doing in seating the boys and girls in Primary Schools on clean matting on the floor while the slate is rested, in oriental fashion, on the raised knee. For schools of higher grade, furniture that is scientifically correct should be provided.

Reorganization of Normal Schools.—The teaching in Primary Schools is very often faulty. This defect can be traced to bad training in the Normal Schools. One of the

School in every village with a population of one thousand inhabitants or more, and Government would like the Department to submit a Note to show how many extra schools would have to be established calculated on this basis and what would be the amount of the additional expenditure involved.

Primary Education.—As things stand, the number of Primary Schools at present is 4,392 with 281,995 scholars. The total expenditure on Primary Education has gone up to Rs. 26,70,736 from being Rs. 26,29,455 in the previous year. Out of this sum, approximately Rs. 5 lakhs are found by the Local Funds from the Educational Cess of 3 pies in the rupee, whilst the Diwani provides more than 18 lakhs. As it is a matter of settled policy, now adopted all over India, that Primary Education should be entirely in the hands of the State and not left to private enterprise or to local bodies, Government would prefer that the sum provided annually by the Local Funds be applied to only such things as the construction of Primary School buildings and the provision of furniture and equipment, etc., and that the Diwani which furnishes by far the greater part of the cost of Primary Education should continue, as at present, to be responsible for the appointment, transfer and dismissal of teachers and the control of the inspecting agency.

Compulsory Primary Education.—A draft bill for making Primary Education compulsory is under consideration. Government however consider that in view of the practical difficulties and expenditure involved in the adoption of compulsion, it will be some time before the method of compulsion, can be made effective throughout the Dominions, especially as in the beginning it will only be applied to small selected areas at a time. In the meantime Primary Education may be expanded on a voluntary basis as far as means permit.

The Shift System has been adopted only as a temporary measure. When the necessary funds for providing adequate teaching staffs for village Primary Schools are available, there will no longer be any need for continuing this system. It may, however, be pointed out that the Shift System will to a certain extent remove the frequent complaint of the parents in rural areas that the present school hours do not give their children an opportunity of helping them in their occupations. The boys will now have half-a-day set free for such work.

Inspection of Normal Schools.

No scheme for educational expansion or reorganisation can be successful without an efficient system of teachers' training. The preliminary condition for improving the organisation of teachers' training in the Dominions seemed to be to appoint as Inspector to give expert advice and guidance to the Superintendents of the various Normal Schools and to co-ordinate the work of these schools. During the year under report, this need was supplied by Government's deciding that the principal of the Teachers' Training College should in his addition to his present duties, inspect all the Normal Schools annually and advise the Department on all questions affecting the training of teachers.

Government Review on the Report.

EXTRACTS.

Campaign Against Illiteracy.—Whilst a Dominion-wide campaign against illiteracy would be too tremendous a task and at the same time too costly to be undertaken with a light heart, yet there is no reason why, with the necessary additional expenditure and well organized effort, a substantial reduction should not be made in illiteracy. For the present the aim should be to have at least one Primary

funds, the contribution from the Local Funds being set apart for non-recurring expenditure such as buildings and furniture.

In view of the imperative need for the extension of Primary Education, after a careful scrutiny of the budgets of the various districts, the Department was able to effect a saving of more than a lac of rupees and, with the help of this amount, to arrange for 468 new Primary Schools to be opened in 1347 Fasli.

Compulsory Primary Education.

Towards the close of the year under review, the Education Department undertook, under orders from Government, the preparation of a draft bill for the introduction of compulsory education. Steps were also taken to collect the necessary information for the introduction of compulsory education in selected areas.

The Shift System.

As the vast majority of the Primary Schools in rural areas are inadequately staffed and as owing to lack of funds it is not possible at present to provide them with a full staff, that is, at the rate of one teacher per class, steps were taken towards the end of the year under report to introduce the Shift System with the object of improving the standard of teaching. According to this system, the school is divided into two sections, so that the same teachers engage one section in the morning and the other section in the afternoon, the aim being that no teacher should have more than one class to teach at a time. The hours of instruction for each class are no doubt reduced, but experience has shown that if a teacher pays undivided attention to one class for half the ordinary school day, he can produce better results than under a system of plural class teaching with twice as many periods of instruction.

(6) Scale of the Salaries of Teachers.
(7) School Time-tables.
(8) Curriculum.
(9) Adult Education.
(10) Training of Teachers.
(11) Depressed Class Schools.
(12) Kindergarten and Project Method.
(13) Teaching of English in Schools.

Appointment of Acting Chief Inspectress.

The backward state of women's education in the State called for immediate attention. It was obvious that satisfactory progress in this direction was not possible so long as there was no Inspectress to inspect the Girls' Schools and to advise the Department on questions affecting Girls' Education. Therefore, soon after assuming charge of the Department, I submitted a proposal to Government that until such time as the whole question of reorganisation of the inspecting agency for Girls' Education was finally settled by Government, Miss J. Nundy, M. A. (Madras), Dip. Ed. (London), be temporarily appointed to the post of Chief Inspectress of Girls' Schools, which had been vacant since 1343 Fasli. Government were pleased to sanction my proposal. With the assistance of the Acting Chief inspectress, I prepared a tentative programme for the extension of Girls' Education and the reorganisation of the existing Girls' Schools.

Expansion of Primary Education.

Another problem which engaged my special attention during the last five months of the year was that of expansion of Primary Education. There is an insistent demand for more schools, but owing to lack of funds, very few new schools have been opened since 1341 Fasli. The importance of Primary Education demands that the burden of recurring expenditure on it should be borne entirely out of Shahi

1346 Fasli.) when the proceedings were opened by Sahebzada Nawab Basalath Jah Bahadur. The Board appointed a Sub-Committee to consider the question as to what steps should be taken to enforce the scheme for the reorganisation of education sanctioned by Government. A Committee of Courses and an Examinations Committee were also appointed.

(3) The Constitution of a Statutory Committee for Girls' Education with Lady Hydari as the President to advise the Board on questions affecting Girls' Education.

Conference of Educational Officers.

I took the earliest opportunity to call a Conference of Divisional and District Inspectors of Schools, Principals of Intermediate Colleges and Heads of High Schools to discuss various problems of educational reorganisation and administration. This Conference was inaugurated by Nawab Mahdi Yar Jung Bahadur, the Hon'ble the Educational Member, and its sessions were held from the 4th till the 13th Shahrewar 1346 Fasli. The discussions and free exchange of views on various important problems were of immense benefit to all those who attended the Conference. The afternoons were devoted to the meetings of Sub-Committees, which produced valuable reports on the questions referred to them. During the year under review, action was taken on some of the reports approved by the Conference, while others were under consideration.

The chief problems discussed at the Conference and by the Sub-Committees were as follows :—

(1) Primary Education (including the question of Compulsory Primary Education).
(2) Secondary Education.
(3) Vocational Training.
(4) Girls' Education.
(5) Physical Education.

with the Director of Public Instruction as President and the Principal, College of Physical Education, and the Director of Physical Education as members.

· As in the previous year, medical inspection of all the Government Secondary Schools was conducted by officers of the Medical Department. The question of arranging for the medical inspection of Primary Schools at Headquarters was taken up during the year under report.

Scheme for Educational Reorganisation.

The recommendations of the Committee appointed by Government in 1343 Fasli to consider the question of educational reorganisation in the State were sanctioned with certain modifications in Azur, 1346 Fasli. The following preliminary steps were taken during the year under report towards educational reorganisation :—

(1) The creation of the post of Commissioner and Secretary for Reorganisation of Education. Mr. Fazal Mohammad Khan, M. A., formerly Director of Public Instruction, was appointed to this post in Thir, 1346 Fasli. A separate Department of vocational and Technical Education was thus opened.

(2) The establishment of a Board of Secondary Education with Sahebzada Nawab Basalath Jah Bahadur, His Exalted Highness the Nizam's younger brother as "Sadr-e-Ala," and the Director of the Public Instruction as President. The Board includes representatives of the Education Department, Osmania University, the Agricultural Department, the Department of Commerce and Industries and the Co-operative Department as well as representatives of Girls' Education and the public.

The first meeting of the Board was held in the Legislative Council Hall on the 25th August, 1937, (29th Mehir

During the year under report, the supervision of the Government Primary Schools for the Depressed Classes situated at Headquarters was transferred from the Head Office to the Divisional Inspector of schools, Balda and Atraf-e-Balda.

The total expenditure on these schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 30,927 as against Rs. 31,854 in the previous year.

In pursuance of the policy laid down by Government in their review of the administration report of the Education Department for 1344 Fasli, the Department is now directing its energies more towards giving the Depressed Class children facilities to join the ordinary schools than towards opening separate schools for them.

Scouting and Guiding.

There were during the year under report 154 Scout Troops with a strength of 4,362, as against 130 troops and 3,852 Scouts, Rovers, etc., in the year 1345 Fasli.

During the year under report, the progress of the Girl Guide Movement was also satisfactory. The total number of Guides, Blue-birds, Rangers, etc., was 2,719, as against 2,495 in the previous year.

Physical Education and Medical Inspection.

Physical Education continued to be compulsory in all schools, but the lack of the necessary facilities prevented a large number of schools from organising outdoor games on a satisfactory basis. The need for adequate playgrounds is felt keenly, particularly in the schools of Hyderabad City. With a view to providing further facilities for Physical Education, improving its quality and co-ordinating the activities of the College of Physical Education and the Department of Physical Education, a Board of Physical Education was constituted during the year under report

ordinary schools and at what stage it should be introduced, engaged the attention of the Board of Secondary Education during the last quarter of the year under report.

. In addition to the Industrial and Vocational Schools, there were one Government Technical Institute with 186 scholars and one Unaided Orphanage with 306 pupils. The Orphanage has two sections—Male and Female.

(c) *Adult Schools.*

During the year under report, there were 40 Adult Schools with 1,447 adults under instruction, as against the same number of schools and 1,461 scholars in 1345 Fasli. The total expenditure on these schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 9,096, as against Rs. 9,265 in the previous year. During the year under report, the work of revising the rules, regulations and curriculum of Adult Schools was undertaken by a Committee appointed by the Conference of Educational Officers.

(d) *Religious Schools.*

There were in 1346 Fasli 20 Religious Schools in the Dominions with 1,221 scholars on the rolls, as against the same number of schools and 1,274 scholars in the previous year.

Out of the 20 schools mentioned above, 16 were Islamic and 4 Sanskrit and Vedic Institutions.

The total expenditure on these schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 44,948, as against Rs. 44,270 in the previous year.

(e) *Depressed Class Schools.*

The total number of schools for the Depressed Classes during the year 1346 Fasli was the same as in the previous year *i. e.*, 103, but the number of scholars reading in them rose from 3,907 in 1345 Fasli to 4,017 in 1346 Fasli.

The total expenditure on Girls' Schools during the year under report amounted to Rs. 9,91,689, as against Rs. 9,44,446 in the year 1345 Fasli.

Special Education.

The total number of Special Schools during the year under report was the same as in the previous year, i. e., 186, while the number of scholars was 9,550, as against 9,433 in 1345 Fasli.

The total expenditure on all kinds of Special Schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 4,56,015 as against Rs. 4,34,971 in 1345 Fasli.

(*a* *Training Institutions.*

During the year under report, the number of Training Institutions remained the same as in the previous year, i.e , 8, while the number of teachers under training was 292, as against 280 in the previous year.

The total expenditure on all the Training Institutions during the year under report amounted to Rs. 1,79,368, as against Rs. 1,75,731 in the year 1345 Fasli.

(*b*) *Industrial Schools.*

There were in all 8 Industrial and Vocational Schools in the Dominions with 813 scholars, as against 9 schools and 798 scholars in the previous year.

Out of the 8 schools, 2 were Government Industrial Schools, 2 Local Fund Vocational Schools and 4 Aided Vocational Schools.

Of the above schools, 2 Government and the Industrial Branch of an Aided School were under the direct control of the Department of Commerce and Industries.

As in the previous year, there were also arrangements for the teaching of different vocations, according to local needs, in several Secondary Schools. The question as to what kind of vocational instruction should be given in

but the number of scholars attending them increased by 1,050, i. e., from 30,967 to 32,017.

The total expenditure on all types of High Schools during the year under report amounted to Rs. 17,93,735, as against Rs. 17,37,475, in the previous year.

(*b*) *Middle Schools.*

During the year under report, there were 134 Middle Schools with 44,206 scholars, as against 132 schools and 42,602 scholars in 1345 Fasli; thus, there was an increase of two schools and 1,604 scholars. The total expenditure on all types of Middle Schools during 1346 Fasli amounted to Rs. 12,99,359, as against Rs. 12,22,657 in the previous year.

Primary Education

The total number of Primary Schools of all types in His Exalted Highness the Nizam's Dominions at the end of the year under report was 4,392, as against 4,416 schools in 1345 Fasli, while their enrolment was 281,995, as against 279,148 in 1345 Fasli. The decrease of 24 schools is due to the fact that some unaided schools in the districts of Nizamabad, Parbhani and Beer were closed during the year under review, as they were not working satisfactorily. It is gratifying to note that in spite of a decrease in the number of schools, the strength went up by 2,847.

The total expenditure on Primary Schools during the year 1346 Fasli amounted to Rs. 26,70,736, as against Rs. 26,29,455 in the previous year.

Girls' Education.

The number of Girls' Schools of all grades and all types in the Dominions during the year under report was 726, as against 718 in 1345 Fasli, and the number of girls attending these schools rose from 52,516 in 1345 Fasli to 54,551.

Educational Progress in Hyderabad

Report of the Education Department for 1346 F. (1936—37.)

EXTRACTS.

Strength.

The year under report saw a decrease in the number of schools but an increase in the number of scholars. The total number of public schools in the Dominions in the year 1346 Fasli was 4,768, as against 4,790 schools in 1345 Fasli, while the number of scholars was 367,768, as against 362,150 scholars in 1345 Fasli. Thus, though there was a decrease of 22 schools, the number of scholars increased by 5,618. The number of Private Schools in 1346 Fasli was 872, while their strength was 24,837.

During the year under report the percentage of scholars actually under instruction to the population of school-going age, calculated at 15 per cent. of the total population according to the Census of 1931, was 18.1, as against 17.9 in the year 1345 Fasli; that of boys to the male population of school going age was 30.5, as against 30.3, while that of girls to the female population of school-going age was 5.2, as against 5.0 in the previous year.

Expenditure.

The total expenditure incurred on education (excluding Collegiate education) in H. E. H. the Nizam's Dominions during the year under report was Rs. 84,79,609, as against Rs. 84,98,328 in 1345 Fasli.

Secondary Education.

(*a*) *High Schools.*

The number of High Schools at the end of the year 1346 Fasli was the same as in the previous year, i. e. 56,

It will not be possible to have such a museum in a day but if work is started in earnest, a few years should suffice to collect considerable material. The museum can grow and expand gradually.

So much for the present. In another article, later on, I shall deal with the question of "practical work" and offer a few suggestions to the science teacher.



rooms cannot be over-emphasised. Special rooms, where all the apparatus, materials, maps and other instruments might be stored, and where instruction in science might be given, are necessary because they help :

(*a*) in producing a scientific atmosphere ;

(*b*) in saving delicate and fragile instruments from being damaged by transit ;

(*c*) in making it possible to fix permanently appliances such as basins, sinks, taps, demonstration tables, small machines, aquarium and show cases ;

(*d*) in making a boy subconsciously familiar with science and scientific apparatus.

Garden, Pet-House, and Museum.—From the point of view of instruction in general science, no school is complete unless it has its own botanical garden, a pet house and a small scientific museum.

A botanical garden and a pet house are as necessary for the study of Biology as physical and chemical apparatus and chemicals are for the study of Physics and Chemistry. A pet-house where boys could study the behaviours of certain animals will be of great help to them in studying Zoology. Still more important is the school garden. Every school must have one. Here boys should be allowed to do work and keep a record of the germination, growth, flowering etc., of the plants. This will form part of their practical and observational work in botany. Besides, it is a very healthy and interesting pastime, and should be encouraged.

No school should be without a museum. A room in which there are a few show cases, containing different geological, and bioligical specimens, as well as charts, drawings and models of various important scientific instruments, with explainatory notes on the various processes employed in industries, can be of immense educational value. Every school should have one such museum.

help of only one book. The greater the number of books consulted, the better would be his teaching. Good books are necessary both for the teachers and the students. If we want to keep their interest alive in the subject, we must give them some books other than their text-books.

Now the question is, what kind of science books should our libraries have? Naturally, books of general scientific interest, accurate as to facts, but written in simple style are the best. Such books are eagerly read by boys at odd moments whether in lesson hours or at home. They help to keep their interest alive in general science. Besides these, there ought to be books on methods of teaching, on how to equip and fit a laboratory, and on other topics specially suitable for teachers.

Science Room and Laboratory.—Few people realize the importance and the necessity of a science room and a properly equipped laboratory.

It is unfortunate that the majority of our schools do not possess an adequate number of science rooms. Usually there is only one room which serves as a lecture hall, a store room and a laboratory. It is not possible to do proper work in such a limited space. The number of rooms needed for science work will depend on the number of students in the school. But generally speaking, for a high school, the ideal is to have a set of four rooms, two large, one medium and one small. The smaller one should be used as the dark room, and the medium one as the store room. One of the larger rooms might be used as the lecture hall, and in the other, students might do their practical work.

I have seen schools where a separate science room is not considered necessary, with the result that every room is a science room and at all hours of the day; the unfortunate apparatus is in a mobile state, journeying from one room to another and getting spoiled and broken in such transit. This certainly is not desirable. The importance of science

ing human episodes connected with the pioneers and other men of science. The successful author should make his book read, if I may say so, like a fairy tale. For, the wonders of science are not less interesting.

The Staff.—After we have decided as to what courses of study we are going to have, we want teachers who can teach the subject properly. It is not necessary for me to say here that science is a technical subject, and nobody, who has not undergone a systematic training in the theory and practice of the subject under the guidance of a specialist, can teach the subject properly, however clever he may be. This everybody knows. Yet some people might wonder why I am writing this. For nobody could think of letting a history graduate teach the properties of matter. Yes, some people may think it strange; but, I *have* seen such instances in some Middle Schools. The fact is that people are misled by the name "Elementary Science". They think that, as the science to be taught is merely elementary, any one can handle it, and that no special teacher is necessary. They are under a fallacy. They forget the good old rule that the more a man knows, the better fitted will he be to teach the young. The younger boys want thorough explanations, and only those can give them who know the subject thoroughly. It is not uncommon in some middle schools to find a teacher labouring hard to explain some point to his students without having any clear idea of what he wants to explain. This has got to be avoided. Every school where any kind of instruction in science is given must have a qualified science teacher.

The Science Library.—A good library is essential for good education. There can be no two opinions about it.

Nothing is more profitable to a teacher than to have a collection of good up-to-date books for ready reference. It will make a lot of difference in his teaching work. It is impossible for a teacher to do justice to the subject with the

In the lower secondary classes they should be made familiar with all the important practical and industrial uses of heat, light, electricity, sound, magnetism, chemistry, zoology, botany, etc., and should also have a general idea of the various machines related to these subjects, so that they may be able to understand them more thoroughly in higher classes.

In the higher secondary classes, the topics should be almost the same, though should be treated more thoroughly. But here also specialization is to be avoided. That will be needed after the completion of the school stage. All along our aim should be to make the subject of maximum benefit to the students.

Text-Books.—Next in the order of importance are good text-books. It is one thing to decide in one's own mind what is to be taught, how the subject is to be treated, what examples are to be given and what experiments are to be shown, and quite another thing to put these ideas down in a text-book. Good text-books are essential for school work. Unfortunately, for various reasons, there are very few teachers who prepare their lesson-notes by consulting various books on the topic of the lesson and most of them fall back upon whatever text-book they can get hold of. This, though unfortunate, is true everywhere. Hence, the necessity of properly written text-books.

Most of the text-book writers look to the words of the syllabus and not to the spirit of it. The syllabus is unfortunately not an instruction book for authors. It merely says what to write. "How to write" is the author's own business. And it is this "How to write" which is most important because that is what makes a book good or bad.

It is essential for the text-book writer, as it is for the examiner, to be familiar with the true aim of teaching science. His book should be correct as to facts, simple in language and lucid in style. These should be full of interest-

accordingly. If the teachers are not willing to teach anything which is not useful from the point of view of the examination, the only course left to the reformer is to start at the wrong end—to improve the question papers and hope that the teaching also will improve.

So much for the present state of teaching of science in our schools, its defects and causes. It will not be out of place now to consider some of the factors which will make the teaching of science efficient and real.

The Science Course.—The first thing in the order of importance is a suitable course of study. Since our aim in including science in the curriculum of our schools is to impart a sound liberal education to our boys, the course of study in science has to be framed with that end in view.

I said in my previous article that, since the majority of the students either give up their studies altogether, or discontinue science on leaving school, the course should be a generalized one. For the lower secondary classes the course should include important topics from Physics, Chemistry, Zoology, Botany, Geology Astronomy, Physiology etc. The treatment of the subject should be popular, consistent with accuracy. All rigorous proofs and classical definitions should be avoided, as far as possible. It is enough for the boys to know, at this stage, that sound is produced by vibrations in the air. When he speaks, vibrations are produced by the tongue and lips. Blowing, striking and plucking are ways of producing vibrations in strings. Blowing through a tube is a device employed for vibrating a column in a tube, say a flute. When this vibration enters our ears the drum inside begins to vibrate sympathetically and we hear the sound. It is not necessary for them to know the exact wave length, the frequency or what is meant by the pitch and quality of a sound note. This they can learn in the higher secondary classes.

The Teaching of Science in Schools

BY

Aftab Hassan; M. Sc., (Alig), B. Sc., (London).,

Inspector of Science, H. E. H. the Nizam's Dominions, Hyderabad-Deccan.

In my previous article on the Teaching of Science in Schools, I stated that the instruction given in science in our schools was far from satisfactory, and that this unsatisfactory teaching was due to a misapprehension of the real meaning of science-teaching. I blamed the science teachers for not distinguishing between the important and the unimportant, and for supposing that the teaching of formulae and the definitions was the only end of science education.

Examination System. --But are we justified in putting all the blame on the teachers? Are not they themselves guided by circumstances? Are not their capabilities judged by the number of pupils they enable to get through in the examinations? And, since examination results make or mar the career of a teacher, are they not justified in being careful about them? No, they are not solely to blame. The responsibility lies also on those who set the examination papers. Only those things are taught which are expected in the examinations. Questions such as the following rarely occur in examination papers. "How is electricity applied in our daily use?" "What are the principles on which the steam engine works?" "How does a motor-car run?" "What is the cause of thunder and lightning?" "What is a lightning conductor?" "How do our electric fans revolve?" "How are carbon dioxide and Hydrogen used in industry?" Examinations have narrowed the scope of Science Teaching in our Schools. It is a sad but true commentary on the existing state of affairs.

It is the duty of the examiners first to understand the real significance of science teaching and then to set questions

valuable piece of work if, instead of prescribing blindly, these boards were obliged to make an actual study of the books and to prepare for use at the beginning of each academic year a detailed plan of teaching for the prescribed text-books. What surprises would then be in store for the members of the boards? They would be eager, perhaps, to cancel many a text-book which they had thoughtlessly prescribed.

Our universities are perhaps more alive to a sense of their dignity than to the necessity to advance studies by systematisation. As I have remarked already, English studies alone are perhaps at a disadvantage by lacking the clear definition which pertains to other subjects. It will be a pity if our universities do not realise the gravity of the problem and try to devise a remedy for it.



One obvious peculiarity of English teaching may be pointed out at once. The text books in English vary from year to year and the educational apparatus for teaching them has to be created from year to year, and this is at present left entirely to the resources of the individual teacher. There is such an entire lack of effort to collect together the facts of teaching experience that each individual teacher is also apt to be wasting his energies in reconstructing many things which he has himself devised previously.

If we exclude the Honours Courses, where also a systematised plan is bound to be beneficial, both the B. A. and the Intermediate Courses demand the devising of clearly marked details to form a regular system of teaching. On the one hand we are perhaps sick of the spate of educational publications offering peptonised bits of literary work, and on the other, teachers see a trackless desert before them when taking up a new text-book.

So long as our universities continue to be of the federal type and so long as we are inclined to attach great importance to examinations, we should not be ashamed of regularising the teaching in colleges. We should be able to collect a body of facts relating to the teaching of each subject and devise perhaps a course of training for each new entrant to the profession. The only training that is available at present is with regard to the school course and unless an analogous course is devised for the college courses, we are bound to have an unequal, uncertain and doubtful quality of teaching prevailing in our colleges.

The universities maintain venerable bodies of men known as "boards of studies" Considering the unfulfilled needs of the situation, the work of these boards should appear to be a farce. The great work which they perform is to prescribe text-books from year to year. It is within the knowledge of many how this prescribing is conditioned by accidents of all kinds. It would altogether be a more

word. It is only a form of teaching and the following of definite methods is as necessary at college as at school. Yet there has been an appalling neglect of this. I have been teaching at colleges for nearly a quarter of a century now but I have never known a conference of teachers to discuss the problems of teaching in colleges. Yet it is easy to know what varieties of teachers man our colleges. Each teacher is a law unto himself and the vagaries of those who "lecture" at colleges are proverbial. Some are mere gossips and fill the "lecture" from hour's end to hour's end with a discussion of current events as these figure in newspapers. Some will mechanically read a text in the class, the students being none the wiser at the end of the hour. Others again pour forth a torrent of ill-digested facts which serve only to perplex the understanding of the students. Still others there are who resort to the dictating of notes at such lengths that students may be regarded as being trained more for stenography than for anything else. It is also wise to remember that the supreme test that is most usually applied to our colleges is the percentage of passes at University Examinations. If a college knows at the very beginning that this is the great goal for which all effort is to be directed, why should it not grasp at some possible secrets to achieve the end ?

The Intermediate Examination is only an extended school course. Should it not be possible to map out clearly every detail pertaining to its studies ? Apparently, this is done in a greater or smaller measure in every subject except English. Some kind of syllabus is indeed prescribed in English also, at any rate, for "Composition". But this is done once in many years, only to be forgotten. The greater part of English teaching is concerned with concrete works of literature, of Shakespeare, of the poets, prose writers and the novelists. Is it not possible to regularise the study of these works ?

The Teaching of English in Colleges

BY

P. R. Krishnaswami Aiyangar, M. A., L. T.,

Lecturer, Govt. Ceded Districts College, Anantapur.

Educational growth, like the growth of cities and towns, has not always been the product of deliberate planning. Teaching has long been recognised indeed as an art and provision made for the training of the new entrants to that profession. But it is not easy to devise a scheme of training which should produce the best results. The more mechanical aspects of the art are apt to be over-emphasised in the course, so that it falls into disrepute easily. But the entire neglect of some kind of training is even worse than an imperfect course. The school courses in all subjects have been planned with a certain degree of precision and the necessary apparatus, whether mental or physical, for each subject, has also been anticipated. But what about the teaching in our Colleges? People have conceded too easily the difference in the conditions prevailing at schools and colleges. The vastness of the province of each subject, as pursued at colleges, has stunned the methodists in education and people have been deluded by the ideals of real universities in the west where first-rate masters in each subject radiate their influence on those who seek to learn. We have so far mixed up, without discrimination, the work of teaching and the work of original research, which seeks to extend the limits of knowledge in each subject. The utter freedom necessary for research is inimical to the work of steady teaching.

Let us look at the facts relating to teaching at colleges. In the first place, we teach as much at colleges as at schools. We teach more intensely, perhaps, and we teach at greater lengths at colleges. "Lecturing" is a misleading

participle has the function of an adjective and the gerund that of a noun, we shall have no difficulty in parsing "believing" in the following sentences—

(I) My friend, *believing* me to have gone home, went away.

(II) Seeing is *believing*.

It is then easy to grasp their verbal qualities. This process can be applied to all the major difficulties in English grammar and it will be found they resolve themselves readily. English grammar, in fact, generally requires the exercise of little more than common-sense. The few rules which exist are fundamental and easily understood and the main difficulties occur, not with grammar, but with syntax and spelling, both of which are illogical in the extreme. There is no real excuse for mistakes of grammar such as we all find even in the English of graduates.

Finally, a word of warning to teachers. Keep all grammar teaching as simple as possible and avoid multiplication of rules. In order to do this, it is necessary to follow some fairly modern book. Old fashioned grammars are a menace in that they complicate the issue beyond comprehension. English is a living language and one whose grammar is flexible and adaptable. To teach too many rules is to endanger the freedom of style for the student. The other important point is that a teacher must always be willing to admit alternatives and must in fact encourage pupils to defend their own ideas if the study of grammar is to be a living part of the teaching of English. There are many problems which admit of two solutions and it is unwise not to encourage pupils to think out these problems for themselves.

So far we have attempted little more than to establish a case for the teaching of grammar in schools. At some future date we hope to discuss the details of the most suitable methods to adopt in this subject.

verb, an adjective or another adverb. But we are required to know what "modify" means before we can have any idea of what an adverb really is. Once we know that "modify" means alter or change, we are nearer the mark. In the same way the idea of the adjective being a "qualifier" needs to be elaborated and explained. In other words, before much progress can be made with grammar, the teacher has to see that the pupil is able to translate grammatical terminology into something which he understands. This is what we mean when we say that the modern method is to teach the grammar of *function*.

The first duty of every teacher of grammar then is to make sure that in the very earliest stages, the full significance of each word is understood. This is where modern practice differs so much from that of the past, the errors of which, rightly condemned for years, we are now able to avoid. Grammar need no longer be the bugbear of the class as it was twenty years ago when it consisted largely of attaching a number of incomprehensible labels to imperfectly understood words. Analysis, which formerly meant the impartial distribution of the parts of a sentence between various columns can be made of real literary value once the principles involved are understood. In fact, few exercises have more real literary value than such an analysis of well-written sentences.

What is true of analysis applies equally to parsing, an exercise which can be the most boring in whole range of grammar exercises. No longer do we say "parse the following sentence" but we select only such words as are important and whose function requires some explanation. In fact, the real meaning of parsing is the explanation of the function of a certain word in a sentence. Nothing is more difficult, for example, than the differentiation between participles and gerunds in definition and it is only by examining their use in sentences that we can have any real knowledge of them. Once we have grasped the fact that a

" whom " instead of " who " if he has no clear conception of what the objective case is.

One of the greatest difficulties which the teacher of grammar has to face is the fact that English grammar is a very nebulous affair and that, like most things English, it does not conform easily to set rules. So great an authority as Dr. Johnson went so far as to express his opinion that no English grammar could be written. Since his time, however, the language has tended to become more regular and we have now a few satisfactory books on the grammar and structure of English. One of the most valuable of these from the point of view of the more advanced student is "An Advanced English Syntax" by Dr. C. T. Onions (Kegan Paul, 3/6), a book written scientifically by one of the leading authorities on the English language.

We have however to consider, from the point of view of the teacher, what should be the aim of the teaching of grammar. The ultimate aim, that of writing and speaking the language correctly, is obvious, but there is a subsidiary aim of great importance. That aim is, to teach the *function* of every part of the sentence. Without an adequate consideration of function the teaching of grammar is useless and even harmful. We must set out to discover the exact work done by each word in a given sentence.

English has lost most of the inflexional endings which in most languages distinguish the various parts of speech. In fact in English there are few words which cannot be more than one part of speech according to the work they do in a particular sentence. It is therefore useless to attempt to discuss any questions until this idea has been fully grasped. By a careful use of this method the pupil is able to get down to the very bones, so to speak, of the language, and see for himself how each sentence is built up. The real meaning of every part of speech has to be understood completely before its full significance can be appreciated. The function of an adverb, as we all know, is to modify a

The Teaching of English Grammar

BY

F. J. A. Harding, M. A. (Oxon)

Professor of English, Osmania University.

During the last decade ideas on the teaching of English Grammar have been revolutionised. For many years it was believed that there was no need to teach grammar formally at all and that everything necessary to good writing could be learnt from a study of good literature. This belief persisted and still persists in many quarters, but it has been a matter of concern to serious teachers of the language that such a haphazard method should be considered as the only satisfactory one. When it was found that a decline in the standard of accuracy had set in, a reaction naturally followed and grammar is now taught consistently and thoroughly in all schools in England. When the present writer was teaching in an English public school, he made it a habit to devote at least two hours a week to grammar of one kind or another in junior and middle forms and one hour a week in senior forms. This is the usual amount of time now allotted to the subject in most schools.

If this is necessary in schools where pupils are studying their own mother tongue, which they may be expected to speak with reasonable accuracy of their own accord, it is surely much more necessary when the language is being studied as a foreign one. When one reads a number of essays or examination papers written by students in the universities, one is appalled by the elementary mistakes which occur. If the necessary training were given in the early stages of education, these mistakes could not be made. It is particularly noticeable that pronouns and relatives cause great difficulty to many students, although these parts of speech are the most regular in the language. It is, however, useless to expect any one to know when to use

to be taken that these do not degenerate into mere picnic parties. They should be carefully planned with certain definite objectives.

It is not impossible to dramatise certain geographical phenomena. Every school museum may also have a geography section attached to it.

Now that the Madras University has made Geography a special subject for its Degree Examination, a little thought might be given to the question of framing our school curriculum on the basis of geography, i. e. on the physical environment of the child. There is much truth in the suggestion of Dr. Cousins when he remarked in his Presidential Address at the Fifth Geographical Conference, "*Geographise* all Education". How to do that does not fall within the purview of this article. Closely allied to this is the question of the correlation of Geography with other subjects in the curriculum. A treatment of this subject on these lines may be reserved for another occasion.



depend largely on the geography of the country in which we live. Numerous examples could be cited to substantiate the truth that the history of a country has been affected either for better or for worse by the mere situation of particular towns. The sea boundaries of India and the passes on the frontiers have made the current of her history flow in a particular direction. It seems that geography is the only subject which can be taught without the aid of text-books, provided we have enough maps and charts for that purpose. A few years ago when I mentioned to my Inspector of Schools that we had no text-books on Geography for our II and III Standards, he pertinently remarked: "Frame a suitable syllabus and teach the subject. Geography is a subject that need not be and should not be restricted to text-books." Today I realise the significance of the remarks of that far-sighted Divisional Inspector of Schools. There can be no denying the fact that maps, charts and graphs are of greater importance than the dull and insipid text-books.

Next in importance come the "Lantern show and the exhibition of Educational films". A few sets specially prepared should suffice to cater to the needs of our schools. Such films as deal with the history of the Asafia Dynasty, the Singareni coal mines, the cultivation of cotton, the manufacture of Bidri ware and Paper and such other subjects will be suitable for exhibition in our schools. When one realises the significance of the good work done by the Medical Department in regard to the films on malaria, plague, and cholera, one feels that equally good results could be obtained by the preparation of special films for the use of schools in these Dominions.

Thirdly, we can think of School Excursions for this purpose. Now that we have a Bureau of Extra-Curricular Activities and that our Railway Department also has provided great facilities, we can arrange for geographical excursions without much difficulty. Care, however, will have

The Place of Geography in the School Curriculum Article II*

BY

G. A. Chandavarkar, M. A.

In the last article on the subject an endeavour was made to emphasise that the study of geography should be really the study of the "Abode of Man". For such a purpose, in addition to a rational curriculum and enthusiastic teachers to teach the subject in an interesting and instructive way, certain aids are necessary to make pupils visualise geographical facts and phenomena. To such aids a brief reference is made in this article.

When we think of the aids to the study of geography, the first place should be given to suitable maps, charts and graphs. In addition to political maps, there should be commercial, agricultural and ethnological maps, in which prominence is given to trade routes, railway lines and the fauna and flora of the countries. Special charts showing the imports and the exports, and graphs dealing with the rainfall and temperature should adorn the walls of the Geography rooms of schools. In fact, the aims of these should be to give the pupils a right conception of Historical Geography, i. e. the study of the effect of surface relief upon political and racial boundaries and upon national life. In the history of man's civilisation it is possible for us to imagine a time when the primitive man could exist without any knowledge of literature or of the sciences but we can hardly think of a time when he could have done so without a knowledge of geography of his environment. His whole life then was moulded by the local soil, seasons and products. Even now when civilisation has far advanced, geography touches our life closely at every point. Our foods and drinks, our dress and habitations, even our religions, depend largely

* See the Hyderabad Teacher Vol XII No. 4 April—June, 1938.

difficult task and I do not think I should insist in the beginning on pupils' giving a well arranged proof, but certainly I shall, later on, when they, at any rate many of them, will be able to do so.

Every one acknowledges to-day that in the solution of riders there should be plenty of analysis, at least for some time in the beginning of such an activity. For it makes the synthetic proof that follows significant and meaningful. A teacher may work out a hundred problems on the blackboard and yet leave no impression upon the mind of the student. But a few riders analysed with the class occasionally will, I am sure, develop and foster in them the ability to *think.* I can imagine a boy who has been taught in this way saying (whenever a rider is given) "Well, I have to prove A. I can prove A, if I can prove B ; I can prove B if I can prove C. But I can prove C because it is here in the problem. Therefore I can prove B. That is I can prove A." It is this kind of analytical thinking that our boys stand in great need of. They can never think if you say "Think boys; can't you ? ; it is so simple." They should be *trained to think.*

This brings me to the last point I wish to mention. That is, there should be a certain amount of discussion, not gossip, in mathematical lessons. It has been my experience that boys readily and actively participate in discussions and learn something useful, which they may not otherwise learn. But whether a discussion is a success or a failure depends entirely on the teacher. Class-discussions should not be freely indulged in but should be used sparingly and with great caution. In conclusion, I may suggest that the parallel postulate, congruence of triangles, the ambiguous case in the construction of triangles, among others, are topics that lend themselves most suitably to class discussion.

---

definition is satisfactory because the angle is fundamental to the study of geometry. As in the teaching of the angle, so in the teaching of tangents (by the method of limits) and loci in the higher forms, the *dynamic aspect* should be specially emphasised.

Middle school classes are very important because it is there rather than in the primary section that pupils pick up more definite and more scientific ideas about the fundamental concepts; there, in fact, the real foundations of geometry are laid.

Therefore it is the duty of teachers to see to it that pupils get correct ideas of what form the bricks of the subject, because, later on, the process of unlearning the wrong and then learning the right is difficult and irksome, and often impossible. The procedure in the early stage should not be through severely deductive lessons devoid of all concrete experience. For the first stage consists in the learning by the pupils of large number of facts and ideas through experience, observation and intuition. If geometric work is properly co-ordinated one could reasonably expect a boy passing Form III to possess a knowledge of geometrical facts, ideas and constructions, which would be a firm and adequate basis for the study of theoretical geometry, usually begun in Form IV. Now, there are still some teachers who insist on boys of Form IV learning the proofs of theorems. I admit that the theoretical course purposes to teach *logic* and to make the pupil understand what a proof is. But I maintain that there is not the required amount of preparedness on the part of the pupil just then for such work. The early theorems on angles at a point, parallel lines and congruent triangles should be taught in a very practical way and remembered as so many assumptions and used to solve simple problems on figure-study. Proofs of theorems are not so important as the ability to use these in the solution of riders, which, of course, should be simple to begin with. Writing down the steps of a proof is a

I do not think so. The modern tendency is to encourage a boy to use all the tools at his command, and use them skilfully so as to reduce the chances of error to a minimum. It is well to remember that all measurements are at best only approximate. Instead of spending much time on decorative and spectacular work, it is worth while to make boys see the *need for indirect measurements* in the determination of distances and heights, breadth of a river, height of a building, a hill or a tree, etc.

Another tendency of the present-day teaching of geometry is to introduce *experiment* wherever possible, thus providing opportunities for pupils to *do*, and to judge and discover things for themselves. For instance, the angle-sum property of a triangle can be effectively taught in Form II by a simple paper folding exercise, or by tearing off the corners of a triangular piece of paper and pasting them upon a cardboard or in a note book in such a way that the three corners come to a point and the angles lie, one by the side of other, and by guiding the pupils to notice the straight angle so formed.

One of the things that even boys of Form III sometimes do not seem to know well is the *angle*. How do we teach it? Perhaps we say that an angle is the inclination, which one straight line makes with another. Terms like inclination, gradient, change of direction and rotation are as difficult as the term angle itself, and therefore do not much facilitate a boy's grasp of the complete idea. Of these rotation is certainly the best. For, to teach that an angle is an amount of rotation or turning, helps a pupil to see that it is neither the point where the arms meet or diverge from, nor the indefinite space bounded by the arms, and that its magnitude is independent of the size of the arms. A good-sized model of a clock-face with movable hands, and reference to the commands given in physical training classes, will, I am sure, go a long way to reveal to the pupils something of the real nature of the angle. No

him to work out things all right. Very often definitions given by pupils are redundant and should be corrected at once. Ordinarily a pupil defines a rectangle as a parallelogram with *all* its angles right angles. If the rectangle is introduced at the proper place, its definition should be—a parallelogram with one of its angles a right angle. Errors should not be tolerated.

I have discussed at some length the place of definitions in the teaching of geometry. Now to a consideration of the work to be done in the lower forms. Elsewhere in this article I have outlined the syllabus in geometry for Form I. The practical geometry includes, besides other things, drawing of straight lines to given measurements, and measuring lines in inches and in centimeters. And there the work with lines stops. What is more important and useful from a practical point of view is the estimating of distances between two points on a paper, in the class-room or out on the play-field.

The general tendency is to make the work purely mechanical instead of making it practical, giving undue prominence to the Euclidean (ruler-and-compasses) constructions. Where is the necessity for a boy to use two instruments to bisect a straight line AB 4.8" long? Is not the six-inch rule sufficient to determine the middle point of AB? It is argued by some that figures obtained by employing Euclidean constructions are accurate and neat. But what one often fails to realise is that they are wasteful of time and energy. If the problem is to bisect a straight line AB 4.5" long, then the boys must be made to see the unscientific nature of fixing the middle point by eye-judgment and to appreciate the usefulness of the ruler and compasses as the best means of achieving the object in view. Again why should not a boy use a set-square to construct perpendiculars? It is difficult to see the special advantages that there are in the use of the ruler and the compasses. Is the set-square meant exclusively for drawing parallels?

word, resorts to the substitution of a more familiar word, and unless the teacher is on the alert the boy might learn wrong definitions. Here is a story of a teacher who put the following question to a pupil. "What is a straight line?" The boy's ready reply was "a straight line is that which has length but no *breath*". "Well then" said the teacher "translate it into your mother tongue". Urdu happening to be the boy's vernacular the translation ran thus.

خط مستقیم وہ خط ہے جسمیں طول ہو لیکن تنفس نہو۔

To a young boy a point is the place where two edges of a cube (or a rectangular solid) meet, a straight line is only the edge of a cube, and parallel lines are the parallel edges. He learns everything with reference to physical reality; anything that does not *exist* has no impression upon his mind. The slogan—"Thing before words"—has considerable truth, and needs to be kept in mind whenever a geometric idea is newly introduced, especially, in the lower forms. A small dot, made on the blackboard or on a paper, gives a boy a better idea of a point than a string of words forming its definition. The smaller the dot the better does it represent and the closer does it approximate to a geometrical point. Sometimes a teacher is forgetful of the fact that definitions of the fundamental concepts, strictly speaking, are no more than hypotheses. As it very often happens, he is ignorant of their nature. In the light of these observations, the effective method of imparting the elementary notions to young pupils seems to be the presentation of concrete material, things and objects, which will have a powerful multiple-sense appeal. The procedure should not be from point to line, line to plane, plane to solid but exactly the other way about. Formal definitions may be deferred to a later day. For "*definitions are an out-growth of work rather than a basis of it*". It is wrong on the part of a teacher to expect a child to know the complete definition of a thing. All that he can reasonably expect of him is a *good description*, and he should be satisfied if the child's definition helps

but the difference is that a pupil brings to bear upon the study a mind that is already familiar with geometrical ideas. But what do we teach first? Under the old method definitions of the fundamental concepts like point, straight line and plane were taught first. A reason for such a practice seems to be the fact that they are generally found at the beginning of a text book. Another, perhaps, is the belief that they form the basis of geometry and therefore they deserve to be considered first. These reasons, apparently, are very convincing to the mature mind. As to whether the old practice is justifiable from the point of view of a young pupil is a question that deserves careful consideration. We should not forget that the child learns very much in the same way as the human race has learnt. But this does not however mean that he should repeat the failures of the race, rather it means that there is need for an understanding of his nature. A sympathetic insight into the child's nature and psychology shows that definitions of the elementary notions are far too hard for a young boy. The definitions which he repeats are very little more than a meaningless babble. The other day I came across a question paper set for Form I in which the following were found: 1. What is a point? 2. What is a straight line? 3. What is a plane? It is very likely, on the face of it, that the examiner expected the pupils to supply answers such as— A point is that which has position but no magnitude, a straight line is that which has length but no breadth; and a plane is that which has length and breadth but no thickness. The old method is still popular because a teacher's conservatism is impervious to the wholesome influence of modern trends and constructive criticism. We teach very much in the same way as we have been taught. Supposing the pupils in the case mentioned above gave correct answers, I wonder, how far any of them understood the meaning of a word like, for instance, *magnitude.* Sometimes a pupil, being unable to understand the meaning of an uncommon

Plan drawing in the lower classes is a very good activity for the opportunity it affords young boys in the use of the foot-rule, set-square and compasses. Children should be trained to draw plans of their own class-room and the school, showing the various objects, at any rate, the more important ones, with their relative positions and sizes. If they have to represent a well or a circular park, they should be allowed to use compasses to draw circles.

The circle is a figure that can be easily introduced in the standards not only for its usefulness in plan-drawing, but also for its usefulness in the teaching of fractions. A circular piece of card-board not very thin, may be cut, for instance, into halves. Then by superposing one on the other children might be enabled to see that two halves are equal, that there is no such thing as a greater half or lesser half, and what is more important still, that a half is not an isolated fraction, but it is always half of a whole. Similarly with quarters and eighths and sixteenths. Further the relation between any two of these fractions $\frac{1}{2}$, $\frac{1}{4}$, $\frac{1}{8}$ and $\frac{1}{16}$ could be shown in a very practical manner. After this addition and subtraction of simple fractions could be demonstrated. $\frac{1}{2}+\frac{3}{4}$ could be shown to be $\frac{2}{4}+\frac{3}{4}$ which is the same as one whole circle and a quadrant i. e. the answer is $1\frac{1}{4}$. At the same time, pupils will develop familiarity with geometric forms like the rectangle, square, circle and sector, without actually knowing their definitions. All this demands thoughtful planning and careful organization of the subject, which means the whole hearted co-operation of the teachers concerned. The important principle to keep in mind is not to group all geometric work into one grade, but to introduce it gradually and make it co-extensive with the course in arithmetic and algebra.

Upto Form I, generally speaking, all geometric work is more or less incidential, at any rate there is nothing regular or systematic about it. It is in this class that practical geometry as such is begun as it was done some years ago,

to the young boys. They would have Form I boys construct regular polygons and Form III boys prove theorems. There is no exaggeration whatever in what I have mentioned above. One has only to look round to see the defects and abnormalities in the teaching of the subject. They cannot escape the notice of even the most casual observer. Some of my readers may argue that these irregularties are confined to a particular school or a few schools, but I believe that these are universal. I do not like to say that the masters handling this subject in the lower forms are entirely at fault, but I do say that such a state of affairs is due to lack of co-ordination of work and of co-operation of masters. It is essential, therefore, that all mathematics-teachers of a school should come together at least once or twice a term, if not more often, to see what each of them has been doing, and to give and take suggestions which will help to produce better teaching.

One cause, and that an important one, responsible for the utter ignorance, on the part of some boys, of geometrical forms, facts and simple geometrical constructions, seems to be the late beginning of the study of the subject. Why postpone it to Form I? Children of Standard III are so familiar with rectangular objects, books, the class-room and the black board that they could be made to draw rectangles and to work out a few simple exercises on perimeters and diagonals. Sums like the following, for example, could be taught—"A tennis court is 78′×39′. What is its perimeter?" "A field is 265 yards by 175 yards. How long will it take a person to walk round it at 2 miles per hour?" Or again, "A rectangular garden is 230 yards by 115 yards. Find the length of wire required to fence it all round with three complete turns?" It is profitable to get the pupils draw plans (in a rough way) of the court, the field and the garden before they try to solve the problems. Why not tell the pupils about the right angle which they can easily learn by observing the corners of a room, a book, or a table?

four, eight and sixteen equal parts, using *ruler and compasses* only. Then followed the construction of an angle equal to a given angle, bisection of angles and problems similar to these. Though all this went by the name of practical geometry, it did not appeal to the young boy because he could not see any immediate use for it; it was all far removed from the realities of life and human needs. The boy felt that geometry was a subject which he could not avoid, as it formed a part of mathematics. He was obliged to learn something somehow or other because he could not help taking a separate paper in algebra and geometry, besides one in arithmetic, for purposes of promotion. It is a practice in many schools nowadays to set a combined paper in elementary mathematics including arithmetic, algebra and geometry for the very good reason that a compartmental treatment of these subjects is against the very spirit of mathematics-teaching and that there is no need for a separate paper in algebra and geometry as long as the three branches have been properly correlated. This, instead of bringing about the desired improvement, has had a very harmful effect in many cases, the boys suffering in the long run. I have observed several teachers overdoing arithmetic and neglecting geometry almost entirely. The other day I put this question—how many parts (elements) has a triangle?—to a new set of Form V boys, and I was surprised to get such answers as, *one* i. e. the triangle itself, *two* i. e. sides and angles, *three* i. e. three sides or three angles. These are anything but right. It was sometime before the pupils could see that a triangle has six elements—three sides and three angles. Instances can be easily multiplied to show that geometry is neglected and that it is not taught as it should be. Pupils suffer particularly when the subject is entrusted to or thrust upon a teacher who is not qualified to teach mathematics. What one wonders at is the fact that boys pass to higher classes without anyone noticing the defect. There is another class of teachers. They are very ambitious in their work. Their enthusiasm does more harm than good

The Modern Trend in the Teaching of Geometry

BY

T. Wesley Manikyam, B. A., L. T.,

Wesley High School, Secunderabad.

I make no pretension whatever to describe a method which would be a panacea for all the defects and drawbacks in the teaching of Geometry as it is carried on at present. It is difficult to say what precisely the modern trend is. While some of the things mentioned here are, in all probability, far too old to be called modern, there are others, perhaps, that are so new that they may easily escape the notice of any reader. I only hope that this article will provoke some thought at least in the minds of those teachers who handle Geometry not only in the higher forms but also in the standards and middle forms.

By the teaching of Geometry I mean the teaching of the subject as a whole, that is, in its two aspects—practical and theoretical—and also its organization in the various departments of the school. For success depends not on method alone, but also on the number of geometrical facts taught and learnt by pupils from class to class.

Some years ago the study of the subject was begun in Form I. Definitions were amongst the very first things taught, and boys were expected to learn by heart statements such as—a point is that which has position but no magnitude, a straight line is that which has length but no breadth; a plane is that which has length and breadth, but no thickness. Efficiency of teaching was measured by the readiness with which a pupil could repeat these, though he had no intelligent understanding of the meaning of the words he uttered. After definitions came some excercises such as drawing straight lines and measuring them in inches and centimeters, division of straight lines into two,

ANNOUNCEMENT.

"NATIONAL EDUCATION."

Distinguished Board of Editors.	NATIONAL IN COLOUR NATIONAL IN SPIRIT NATIONAL IN OUTLOOK	Price Re. 1/- only Post free.

With the co-operation of over 60 Educationists including Directors of Public Instruction of Provinces and States and General Secretaries of Teachers Association all over the country.

With the Messages of all-India Leaders, Ministers of Education and Premiers of Provincial Governments.

With 40 pictures and 250 pages.

Apply to:—

The Hony. Business Manager,
'EDUCATION'
Sunderbagh,
Lucknow, U. P.

Phonetic Transcription

I. *Urdu*

کریم اس سوال کو حل کر سکتا ھے -

Kʌri:m is sʌvɔ:l kou hʌl kʌr sʌkθɔ: hai.

II. *Telugu*

ఈ పుస్తకము విలువ ఐదు రూపాయలు.

i: pusθʌkʌmu viluvə aiðu ru:pɔ:jʌlu.

III. *Marathi*

हिंदुस्थानांत पुष्कळ जातींचे लोक आहेत.

Hinðusθhɔ:nɔ:θ puʃkʌɭ zɔ:θi:ntʃei louk ɔ:heiθ.

IV. *Tamil*

அவளுக்கு மாம்பழம் என்றால் ரொம்ப பிரியம்.

ʌvʌɭukku mɔ:mbʌʒəm enrɔ:l rombə pirijʌm.

V. *English*

He says, "My ring is made of gold."

he: sez, "mai riŋ iz meid ɔv gould."

It will thus be seen that there are about 50 sounds in English and only 22 letters are pressed into service. There are, of course, about 10 symbols which are not obtained out of an inversion or a combination of letters. A language like Urdu, Hindi or Telugu has more than 50 sounds. Therefore the *simple* adoption of the Latin script will not meet the end we have in view. Nor does there appear to be any special need to strike a new path in the matter of making it phonetical.

I may point out in the end that even after enriching the phonetic script with the addition of such other new sound-symbols as may be necessitated by the Indian languages, some difficulties are bound to persist. But they will be only minor difficulties, and will not be serious. I am sure that the adoption of the phonetic script will mean the adoption of the simplest common script for all our languages, and it is also likely to bid fair to become one day the *International Script*. It will sweeten the lives of pupils and teachers in the class room, and of people outside. It will have the immediate effect of making the teaching of English in our schools brighter and more effective. I have already ventured to point out, in a previous number of this Journal, the imperative need there is for a teacher of English to have a sound knowledge of phonetics. The fact that the West, which is already familiar with the phonetic script, has not as yet accepted it as a common script should be no argument against our making the venture. It may yet be given to the East to lead the West. We are, without doubt, entitled to take advantage of the experience of others but we should not set a premium on a blind imitation which will only plunge us into the same pitfalls into which the Westerners have been ensnared and from which they are even now struggling to get out. After all, the light that dawns in the East is also *the* light which illumines the distant West.

readers to judge for themselves the soundness of my contention that these can be mastered without any undue effort.

The Latin Alphabet

Vowels	(a),	e,	i,	o,	u	....		5
Consonants { Soft—	b	d	v	g	z	....	}	10
Hard—	p	t	f	k	s	....		
Special consonants	h,	(j),	w			....		3
Liquids	l,	m,	n,	r		....		4
								22

The 4 letters c, q, x, y are not in use. The simple vowel 'a' is not used either.

Special Phonetic Vowels (9)

i:	as in *see*	ɔ:	as in *saw*
æ	,, ,, *cat*	u:	,, ,, *too*
a:	,, ,, *fa*ther	ʌ	,, ,, *u*p
ɔ	,, ,, not	ə:	,, ,, b*ir*d

ə as in Chin*a* or C*a*thedr*a*l

Diphthongs (8)

ei	as in d*ay*	iə	as in h*ere* or h*ear*.
ou	,, ,, *go*	ɛə	,, ,, th*ere* or ch*air*
ai	,, ,, fl*y*	oi	,, ,, b*oy*
au	,, ,, h*ow*	uə	,, ,, t*our* or p*oor*

Special Phonetic Consonants (8)

ŋ	as in lo*ng*	ʒ	as in mea*s*ure
θ	,, ,, *th*in	(j)	,, ,, *y*es
ð	,, ,, *th*en	tʃ	,, ,, *ch*in
ʃ	,, ,, *sh*ip	dʒ	,, ,, *j*am

The vowel 'o' is only a variant of the phonetic vowel 'ə'—e.g., molest or məlest. The three remaining vowels—e, i, and u—have the sounds illustrated in the words: g*e*t, *i*t, and p*u*t. The consonants—barring, of course, (j)—and the liquids do not require key-words.

on our part, I feel, would be quite unintelligible, unnatural and unjustified, because it is quite unnecessary.

The Latin script will be an alien script to us. In our attempt at evolving a new script and increasing its efficiency and possibility, we should naturally aim at simplicity also. For efficiency always goes with simplicity. Sentiment is out of place. I am generally averse to lose my patience but I do lose it with people who make frantic efforts to preserve the so-called integrity of some of the *pure* languages of the East, for I hold that a living language cannot thrive in isolation and that it is entitled to good accretions from other languages, and also to coin new words to meet the changing needs of a changing world. Therefore my humble submission is that when we go in for a common simplified script we must think *only* of the *International phonetic script*, and when we meet with a new sound in any language, we should add a new sound-symbol and thereby make even the phonetic script a living, growing script, instead of allowing it to remain in its present state of stagnation. The phonetic script is not perfect, as in fact nothing can be. But it certainly makes the nearest approach to perfection, and could be learnt with as much ease as the Latin alphabet to which it is closely allied. An unphonetical script is an unscientific script. An unscientific script is an undesirable script. It will not be a wise step, therefore, at this stage of our evolution, to borrow a script which is diametrically opposed to the genius of our indigenous languages.

The suggestion is sometimes made that the Latin script may be rendered phonetical by placing one or two dots above or below a letter. I fail to see how that will improve matters or be an improvement upon the existing phonetic script which enjoys the advantage of being already known to a vast number of people, both in the East and the West. It may not be out of place if I now give the phonetic symbols in actual use at the present day and invite my

the script and has succeeded wonderfully. But to me the adoption of this script does not appeal, does not even seem wise. It will betray us into fresh difficulties. In the absence of a better substitute, I would prefer the existing scripts. The Latin script is in use in almost all the countries of the West, including modern Turkey, and a casual enquiry into the pronunciation of some words taken from the language or languages of each of those countries will reveal to us that there are other languages, besides English, which are comic, if not startling, in their systems of spelling. The recognition of the individual letters composing a word does not necessarily help us in its pronunciation. The adoption of the Latin script is not calculated to achieve anything more than such a recognition. The one reason which seems to weigh with those who advocate and favour the adoption of the Latin script is its being the accepted script of the West. We need not be sentimental; but it behoves us to be circumspect and far-seeing, and to rise above slavish imitation.

Whatever must be the rightful place of English in our curriculum now and whatever may be its place in the future, we know that the Latin script has been found sadly wanting with regard to the English language. *The Latin script is exceedingly unphonetical.* It is therefore a nuisance. But the great virtue of a nuisance is that it makes itself felt sometime or the other. The prevailing anarchy in the matter of English spelling is now being felt keenly and attempts are being made to reform it, although I am not optimistic enough to think that such attempts would be anything but ineffectual, *owing to the inherent defect of the Latin script.* It is inadequate to express all the sounds of the English language. But then, the Latin script is an agelong heritage of the people of the West, and so a certain degree of stoic heroism towards it on their part is quite intelligible, even natural and justifiable. But such a heroism

all the stages of instruction, is likely to prove only a chimere. Even if it should be a possibility, it will be no guarantee of internal harmony. We might bear in mind the American treatment of the Negroes. Again a diversity of languages need not mean or portend internal dissensions. Switzerland is an instance in point.

But I am far from asserting or admitting that it is not possible to make one of the languages of India the medium through which the vast mass of our countrymen and countrywomen can express their thoughts adequately for social and commercial purposes. Speaking of British India only, except for the people of the Madras Presidency, all can understand the spoken Urdu or the spoken Hindi, which is popularly known as '*Hindustani*'. The Madrasi has, however, a special knack for languages, and so in spite of the present artificial and manufactured opposition to the compulsory introduction of Hindustani in the lower forms, one may expect that very soon Madras will be on a par with the other provinces in regard to Hindustani.

Nevertheless the need for the development of the indigenous languages of India already exists or will be found to exist on careful examination. Some of them are phonetical to a nicety and others are not, owing to the presence of silent letters, peculiar spellings or other reasons. The learning of any language is difficult enough, but the learning of a language other than one's own mother tongue is still more so, especially if it is not phonetical. My own submission is that the genius of a language consists in the peculiar melody of its sounds and the correct pronunciation of words with, as far as possible, the right intonation. A common script for all the languages of India —nay, for most of the languages of the world—can be devised without much difficulty.

Many people advocate the adoption of the Latin script as a panacea for all the ills which arise out of the divergent scripts in our country. Turkey, they point out, has adopted

A Common Script for India

BY

T. A. Lingam, B. A., L. T.

This vast country of ours is inhabited to-day by people who neither form, nor promise to become even in the very distant future, a homogeneous group. Their religions differ, their cultures differ. This fact is by itself enough to make us realise that politically the India of the future can only be a Federation of States. Culturally too she cannot be otherwise; she is bound to have different cultural groups, and each group will have a language of its own.

This diversity of cultures is at present one of the causes of disharmony in our public life. The retention of English as the only medium of collegiate education, which is the case everywhere except in H. E. H. the Nizam's Dominions, will only serve to perpetuate the cultural disharmony in every home. It is no good closing our eyes to realities and imparting higher values to appearances.

The official outlook on education in all the provinces and States of India is now undergoing a rapid change, which has been long overdue. The medium of instruction in most of the schools even in British India is the language of the locality, and very soon it shall be so in all the schools. It is also only a question of time for a University to spring up in each linguistic area wherein the language of that area will be the medium of instruction. The multiplication of Universities will naturally give an encouragement to the separatist tendencies already visible in India. Therefore, for a United India we should depend only on a political unity of outlook, on a correct appreciation by all of the common good of the country. A common language for the whole of India, which can replace English as a medium at

The Hyderabad Teacher

CONTENTS.

VOL. XIII NO. 2

THE HYDERABAD TEACHER

OCTOBER—DECEMBER 1938

Quarterly Magazine of The All-Hyderabad Teachers' Association
Under the Patronage of
SYED MOHAMED HUSAIN JAFERI Esq., B. A., (Oxon).
Director of Public Instruction.

Editorial Staff

S. ALI AKBAR, M. A. (Cantab.) *Editor-in-Chief.*
SALIM BIN SAYEED, B. A., B. T., M. Ed. (Leeds).
T. A. LINGAM, B. A., L. T.
Miss. J. NUNDY, M. A.

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1938.

VOL. XV+XIV + XIII No. 2

THE HYDERABAD TEACHER

OCTOBER–DECEMBER 1940



Editorial Staff

SECUNDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE EXCELSIOR PRESS, SECUNDERABAD
1940.